

قَالَ تَعَالَى:
﴿يَقَوْمِ أَتَّبِعُونِ أَهْدِكُمْ
سَبِيلَ الرَّشَادِ﴾ (٣٨)
[غافر: ٣٨]

الارشاد إلى سبيل الرشاد في أمر التقليد والاجتهاد

تأليف

فاضل اجل حافظ حكيم ابوتیچی محمد شاجہاں پوری رحمہ اللہ

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

الارشاد إلى سبيل الرشاد

في أمر القلب والاجتهاد

مع حواشي

سائق العباد إلى مطالب الارشاد

تأليف

فاضل اجل حافظ حكيم ابوتيجي محمد شاهجهاں پوری

(وفات: ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء)

صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

حقوق طبع محفوظ ہیں

نام کتاب :	الارشاد الی سبیل الرشاد فی أمر التقلید والاجتهاد
تالیف :	حافظ حکیم ابوبکی محمد شاہجہاں پوری رحمہ اللہ تعالیٰ
سنہ اشاعت :	رمضان 1436ھ مطابق جون 2015ء
تعداد :	دو ہزار
ایڈیشن :	سوم
صفحات :	400
قیمت :	
ناشر :	شعبہ نشر و اشاعت، صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

ملنے کے پتے:

- دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی: 14-15، چونا والا کمپاؤنڈ، مقابل بیس ڈپو، ایل بی ایس مارگ، کرلا (ویسٹ) ممبئی-400070 ٹیلیفون: 022-26520077
- مکتبہ دارالتراث الاسلامی: لیک پلازا، نزد مسجد دارالسلام، کوسہ، ممبر، اتھانہ-400612
- مسجد دارالتوحید: چودھری کمپاؤنڈ، واونجہ پالاروڈ، واونجہ، تعلقہ پنویل، ضلع رائے گڑھ-410208 فون: 9773026335
- مرکز الدعوة الاسلامیۃ والنخیریۃ، بیت السلام کمپلیکس، نزد المدینۃ انگلش اسکول، مہاڈناک، کھنڈ، ضلع: رتناگری-415709، فون: 02356-264455
- جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ، بھونڈی: 226526 / 225071

فہرست مضامین

15	عرض ناشر
19	پیش لفظ
21	تقدیم
22	غیر حق پر اصرار اور حدوث مذاہب کے اسباب
24	معیار حق و ناحق
25	مخالف کی کتاب دیکھنے سے انکار کیوں؟ (حاشیہ)
25	اہل حدیث سے نفرت کی اصل وجہ غلط بیابیاں۔ اور غلط فہمیاں
26	جامع الشواہد کا تذکرہ اور اہل حدیث کی طرف سے اس کے جوابات (حاشیہ)
26	حضرت مولانا سید نذیر حسین کے حج کا قصہ (حاشیہ)
28	حنفیہ اور اہل حدیث کے مابین معاہدہ اور اہل حدیث کے پیچھے نماز کا جواز
29	عدالتی مقدمات میں اہل حدیث کی کامیابی
30	نقول فیصلہ جات (حاشیہ)
32	مقدمات کے دور رس نتائج
33	بہت سے علماء کی اہل حدیث سے موافقت
33	اصول اہل حدیث کی مجبورانہ تسلیم اور عاملین بالحدیث کی نیک نیتی پر شبہ
33	مولانا رشید احمد صاحب کا اہل حدیث سے تعصب (حاشیہ)
35	اہل حدیث کے عقائد و اعمال اور مذہب
38	مقلد حضرات کی اہل حدیث سے غیریت برتنے کی غلطی
39	تکریم و تعظیم! یا پرستش؟

- 40 اہل حدیث اور تنقیص ائمہ کرام (رحمہم اللہ)؟
- 41 جامع الشواہد کے جواب اور فتح المبین کی شکایت اور اس کے جواب (حاشیہ)
- 43 خود انصاف کیجئے!
- 46 اگر اہل حدیث حق پر نہ ہوں تو پھر.....!
- 48 رسول اللہ (ﷺ) کے زمانے کا طرز عمل
- 49 صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی آپ (ﷺ) کے ساتھ والہانہ محبت اور جاں نثاری
- 52 صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا جذبہ اتباع سنت
- 54 نبی اکرم (ﷺ) کے بعد ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کا طرز عمل
- 55 فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) و جملہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا طرز عمل اور تقلید کا عدم وجود
- 58 مذہب شیعہ کی ابتداء
- 62 باطل فرقے اور ان کے حدوث کے اسباب
- 62 حدیث کا غلط انطباق (حاشیہ)
- 65 اہل سنت کا طرز عمل
- 66 لفظ امام کی تحقیق (حاشیہ)
- 66 امت محمدیہ (ﷺ) میں ائمہ و مجتہدین کی کثرت
- 68 تدوین حدیث کی تاریخ
- 69 مؤلفین حدیث
- 71 حالات امام بخاری (رحمہ اللہ) (مختصر)
- 72 عمل بالحدیث کی سہولت
- 73 حدیث مل جانے پر خلاف حدیث فتاویٰ سے امام ابو یوسف (رحمہ اللہ) کا رجوع
- 74 امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) کا بہت سے مسائل سے رجوع
- 75 تقلید کی ابتداء

- 76 تعریف تقلید (حاشیہ)
- 78 ”تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا“
- 80 اہل دیوبند پر تعجب (حاشیہ)
- 80 تقلید، سنت یہود! (حاشیہ)
- 81 اہل حدیث اور اہل الرائے
- 85 ائمہ اربعہ اور دیگر علماء کے اقوال بابت ممانعت تقلید
- 86 شیوع و فروع تقلید کا زمانہ اور اس کے اسباب
- 89 حدوث تقلید، خیر القرون کے بعد
- 90 تقلید، صرف ائمہ اربعہ (رحمہم اللہ) ہی کی کیوں؟
- 91 دوسرے اصحاب مذاہب
- 93 حنفی مذہب کے پھیلنے کے اسباب و وجوہ
- 96 مذہب حنفی پھیلنے کی وجہ کے بیان میں (مولانا) شبلی نعمانی کی غلطی (حاشیہ)
- 96 مذاہب اربعہ پھیلنے کے دیگر اسباب
- 99 فقہاء کی تصریحات، تقلید ضروری نہیں
- 102 ائمہ اربعہ کے سوا دیگر ائمہ کی مساعی اجتہاد
- 102 بعض ان کتابوں کے نام جن میں مذاہب علماء مذکور ہیں۔ (حاشیہ)
- 103 مذاہب اربعہ من عند اللہ نہیں
- 103 اصحاب مذاہب اربعہ کی باہم چشمک
- 103 مذاہب اربعہ، قل حکومت میں!
- 105 چار مصلوٰں کا حرمین میں قیام اور اس کے اثرات
- 105 کسی کام کا مکہ میں ہونا اس کی صحت کی دلیل نہیں (حاشیہ)
- 107 پہلے زمانے میں تقلید شخصی کا عدم التزام

- 108 مقلدین کی کھوشیوں میں افراط و تفریط
- 109 مدح و قدح ائمہ میں موضوع روایتیں
- 110 اہل حدیث پر ائمہ کو برا کہنے کا بے جا الزام اور اس کی اصل وجہ (حاشیہ)
- 110 قواعد اصول فقہ اور دلائل کتب فقہ کا کچھ حال (حاشیہ)
- 111 حکومتوں کا عمل دخل، شیوع مذاہب میں
- 113 تقلید شخصی پر کوئی دلیل نہیں
- 114 تقلید و جمود کے لازمی نتائج، فرقہ وارانہ تعصب
- 115 لفظ امام اعظم (رحمہ اللہ) کی تحقیق (حاشیہ)
- 116 فقہاء کا قواعد افتاء میں اختلاف
- 117 پینا بھی نابینا؟
- 118 ہدایات ائمہ کی خلاف ورزی
- 118 کسی امام نے تقلید کا حکم نہیں دیا (حاشیہ)
- 118 طبقات فقہاء
- 120 عمل بالحدیث کی راہ میں متاخرین فقہاء کی رکاوٹیں
- 120 طبقات میں بھی غلطی
- 122 ختم اجتہاد کا دعویٰ بلا دلیل!
- 123 مذاہب اربعہ میں انحصار حق کے ”دلائل“
- 125 ”دلائل“ مزعومہ کے جوابات
- 130 کیا، ائمہ حدیث اور علمائے سلف مقلد تھے؟
- 134 حنفیت، شافعییت وغیرہ، انتساب کی حقیقت اور اسباب و وجوہ
- 134 امام بخاری (رحمہ اللہ) دیگر فقہاء (رحمہم اللہ) حدیث بھی مقلد؟
- 137 شرائط اجتہاد

- 139 برائے نام انتساب اور اس کے وجوہ
- 141 اہل حدیث کے ساتھ تشدد اور ان کی ایذا دہی
- 144 مصلحت بنتی یا استحفاف حدیث؟
- 145 اظہار حق سے علماء کا سکوت کیوں اور کیسے؟
- 148 علماء کی صراحت یا اشارۃً تقلید سے ممانعت
- 148 تقلید کے نتائج فاسدہ
- 150 تقلید، شغل حدیث سے مانع ہوتی ہے!
- 151 حدیث کی بے قدری اور اس سے بے توجہی
- 151 اہل علم میں سے تقلید کے حامی؟
- 152 فقہاء کی شہرت کن علوم میں زیادہ ہوتی تھی؟
- 152 فقہاء بالخصوص حنفیہ کی علم حدیث میں بے مائیگی
- 153 تقلید، عمل بالحدیث سے مانع ہوتی ہے
- 155 حیلہ تراشی
- 158 مقلد، حدیث کیوں پڑھتے ہیں؟
- 162 تقلید کی شرعی حیثیت؟
- 164 اہل حدیث کے فرقہ ناجیہ ہونے کا اعتراف
- 165 مولانا رشید احمد صاحب کا اہل حدیث کے مسائل تنازعہ کو صحیح تسلیم کرنا (حاشیہ)
- 166 تسلیم حق کے باوجود اہل حدیث سے عداوت
- 166 کیا مہدی موعود حنفی ہوں گے؟ (حاشیہ)
- 166 مذہب تقلید کا وقت انحطاط اور وفات!
- 168 مقلدین اور اہل حدیث میں نقاط اختلاف
- 172 ائمہ مذاہب اربعہ کی تلقین عمل بالحدیث

- 173 اللہ تعالیٰ کی حکمت تکوینی
- 174 ایک شبہ اور اس کا ازالہ
- 176 خلفائے اربعہ اور دیگر صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے کتنی احادیث مخفی رہ گئیں؟ (حاشیہ)
- 178 بعض صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا احادیث منسوخہ پر عمل (حاشیہ)
- 179 عصر صحابہ (رضی اللہ عنہم) اور حدیث
- 179 صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں اختلاف کی وجہ
- 180 بعد میں اس اختلاف کے باقی رہنے کی وجہ
- 180 طبقہ تابعین میں اشاعت حدیث کا حال
- 182 متفقہ میں کی مشکلات اور متاخرین کے لئے آسانیاں
- 184 ائمہ اربعہ (رحمہم اللہ) کی باہمی علمی نسبت اور متاخرین کا ذخیرہ معلومات حدیث
- 186 امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے حدیث کم پانے کی ایک اور وجہ
- 187 امام صاحب (رحمہم اللہ) کو تحصیل حدیث میں رکاوٹیں (حاشیہ)
- 188 اس وقت میں انتشار حدیث نعمانی صاحب کی زبانی (حاشیہ)
- 190 اہل حدیث کی مساعی تحصیل حدیث اور ان کے ثمرات
- 193 ائمہ اربعہ (رحمہم اللہ) مورد الزام نہیں!
- 194 کسی مسئلہ کی تلاش میں ائمہ اربعہ کا دستور العمل
- 195 حدیث کے ساتھ مقلدین کا سلوک (حاشیہ)
- 195 کج بحثیاں اور تاویلاتِ رکیکہ
- 198 تقلیدی قول اور عمل کا تضاد
- 199 اہل حدیث پر غلط الزامات اور ان کی حقیقت (حاشیہ)
- 199 اہل تقلید کو ایک نیک مشورہ
- 200 حضرت امام (رحمہم اللہ) معذور تھے لیکن مقلدین معذور نہیں

- 202 امام صاحب (رحمہ اللہ) اور قلت حدیث کے اسباب و وجوہ
- 205 امام صاحب (رحمہ اللہ) کے جلد شہرت پانے کے وجوہ
- 208 امام صاحب (رحمہ اللہ) کے طلب حدیث کے لئے سفر نہ کرنے کی وجہ
- 209 امام صاحب (رحمہ اللہ) کا اپنا بیان
- 210 اہل عراق کا قلیل الحدیث ہونا اور امام صاحب (رحمہ اللہ) کے خاندان کا علم
- 213 امام صاحب (رحمہ اللہ) کے ”کثیر الحدیث“ کی حقیقت
- 216 مسند امام اعظم (رحمہ اللہ) و عقود الجواہر کا حال (حاشیہ)
- 216 قیاس مع الفارق!
- 216 امام صاحب (رحمہ اللہ) کی کثیر حدیثیں ہیں کہاں؟
- 218 امام صاحب (رحمہ اللہ) اور تعداد احادیث - تحلیل و تجزیہ
- 222 افسوسناک طرز عمل
- 223 ہماری مجبوری
- 224 امام صاحب (رحمہ اللہ) کی قلت حدیث از اقوال حنیفہ (حاشیہ)
- 224 نعمانی صاحب کے دلائل اور ان کا مفصل جواب (حاشیہ)
- 226 نعمانی صاحب کی ایک اور غلطی (حاشیہ)
- 227 مولوی رشید احمد صاحب کی امام بخاری (رحمہ اللہ) کے بارے میں تلخ کلامی (حاشیہ)
- 228 ”مذکرۃ الحفاظ“ اور تذکرہ امام صاحب رحمہ اللہ
- 229 امام صاحب (رحمہ اللہ) کے قلیل الحدیث ہونے کی چوتھی اور پانچویں وجہ
- 230 چھٹی وجہ
- 231 ساتویں وجہ
- 233 امام صاحب (رحمہ اللہ) کا طریقہ اجتہاد
- 234 ”تخریج“ کی وضاحت

- 235 مجتہد فی المذہب کا حدیث سے واقف ہونا ضروری نہیں؟
- 237 تخریجات کا تجزیہ و تحلیل
- 238 کیا فقہ کے تمام مسائل کو امام صاحب (رحمہ اللہ) کا مذہب قرار دیا جاسکتا ہے؟
- 240 مسائل حقیقہ کے طبقات
- 241 مسائل فقہ کی چند مزید اقسام
- 241 تخریج مبنی ظن و تخمین!
- 244 مسائل فقہ اور حدیث کا موازنہ
- 246 حدیث ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں
- 248 امام صاحب (رحمہ اللہ) سے خلافت حدیث ہو جانے کے چند دیگر وجوہ۔
- 250 امام شافعی (رحمہ اللہ) کا تجدیدی کارنامہ
- 250 مرسل سے استدلال اور اس میں خلل
- 251 امام شافعی (رحمہ اللہ) اور تدوین اصول فقہ
- انام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) اور امام مالک (رحمہ اللہ) کا بعض احادیث کو خلافت اجماع سمجھ کر
ان پر عمل کرنا
- 252 عدم استدلال موجب قدح نہیں
- 254 امتحان کا حال
- 254 واضح مفہوم تک پہنچنے کے لئے احتیاط کی ضرورت
- 255 حدیث پر عمل سے گریز کے حیلے
- 257 انکار حدیث کا چور دروازہ
- 258 ایک زبردست مغالطہ
- 260 ایک اور شبہ اور اس کا جواب
- 264 حدیث مدون ہونے کے بعد فقہاء کا طرز عمل

- 265 جواب
- 273 حدیث میں فقہاء غیر معتبر ہیں۔
- 276 حدیث سے بے اعتنائی اور اس کے کرشمے
- 280 معرفت حدیث کے بعد تقلید سے علیحدگی
- 282 شاد ولی اللہ صاحب (رحمہ اللہ) اور برصغیر ہندو پاک میں اشاعت حدیث
- 284 معمر لوگوں کا مذہب اہل حدیث پر تعجب کرنے کی وجہ
- 285 ہندوستان میں شیوع حدیث کے بعد ایک عظیم انقلاب
- 287 رفع الیدین وغیرہ اختلافی مسائل میں مذہب حق کا اعتراف
- 287 ۱- رفع الیدین
- 288 ۲- آئین بالجہر
- 289 ۳- فاتحہ خلف الامام
- 290 ۴- سینہ پر ہاتھ باندھنا
- 291 فقہ کے خلاف حدیث مسائل اور فقہاء کا طرز عمل
- 291 فقہ حنفی سے مخاطب کی وجہ
- 293 فقہ پر اصرار کے مختلف وجوہ
- 297 عقیدت و حسن ظن میں افراط
- 298 فقہاء حنفیہ کی بعض مجبوریات (حاشیہ)
- 301 قوی تحریک کا فقہ ان
- 302 حدیثوں کی تقسیم (حاشیہ)
- 303 تحقیق پسند فقہاء کا مسلک حدیث کی طرف رجوع
- 304 سلاطین کی روش
- 304 اہل حدیث سے بغض

- 305 طفل تسلیاں
- 306 تقلید کی مجبوریوں (حاشیہ)
- 307 فن اصول فقہ اور اس کا مخصوص نہج و اسلوب
- 312 اجماع کے دعوؤں کی حقیقت
- 314 عذرِ بارد کا جواب
- 315 اختلافی مسائل میں تحقیق کی ضرورت
- 316 التزام تقلید شخصی کا نتیجہ لازمی
- 317 تحقیق راجح کے لئے زیادہ علم ضروری نہیں
- 319 علم حدیث معراج کمال تک!
- 323 ایک عذر لنگ
- 324 اجتہاد اور اس کی آسانی
- 326 محدثین کے عظیم الشان کارنامے (حاشیہ)
- 327 حنفی مذہب کی بنا حدیث پر بہت کم ہے (حاشیہ)
- 329 متاخر علماء کی فراوانی معلومات
- 330 کیا ازمنہ متاخرہ میں مجتہد نہیں ہوئے؟
- 330 متاخر علماء و مجتہد کیوں مشہور نہ ہوئے؟ (حاشیہ)
- 332 زمانہ مابعد میں اجتہاد آسان ہے
- 332 زمانہ کا عجب دستور (حاشیہ)
- 334 حجاب اہل عارفانہ یا حرماں نصیبی؟
- 335 علماء مقلدین کی تحقیقات پر موروئی اثرات (حاشیہ)
- 336 الہی مناظرہ کی علامات (حاشیہ)
- 337 عمل بالحدیث اجتہاد پر موقوف نہیں

- 341 عامی کے لئے عمل بالحدیث کا امام صاحب (رحمہ اللہ) سے ثبوت
- 342 کیا ترک تقلید شخصی عوام کو جائز نہیں؟ (حاشیہ)
- 342 کیا عوام تحقیق حق سے معذور ہیں (حاشیہ)
- 343 حدیث سننے کے بعد اس پر عمل ضروری ہے
- 344 غیر منصوص مسائل میں مجتہد کی ضرورت
- 344 جو مجتہد نہیں، کیا وہ ضرور مقلد ہی ہو؟ (حاشیہ)
- 345 پیش آمدہ حوادث میں مسائل کا حل
- 346 افسوس ناک روش!
- 346 بعض عجیب مغالطے (حاشیہ)
- 349 اسلام اور تقلید شخصی
- 350 تقلید شخصی دین میں احداث ہے
- 352 مصلحت کی بنا پر جواز تقلید کے الزام
- 353 دوسری بدعات اور تقلید میں کوئی فرق ہے؟
- 355 تقلید شخصی اور آیت {فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ} آیت ایک مغالطہ
- 357 بدعت چھوڑنے اور خالص سنی اور محمدی بننے کی ترغیب
- 359 آدمی کے خیالات پر رسم و رواج کا اثر (حاشیہ)
- 360 عامی کا کوئی مذہب نہیں
- 360 فقہاء حنفیہ اور تقلید معین کا التزام
- 363 ایک قابل اصلاح غلط فہمی
- 363 کچھ تو سوچئے!
- 364 ایسے اختلاف برداشت کرنے چاہئیں (حاشیہ)
- 365 مذہب اہل حدیث کی قدامت

- 366 جماعت اہل حدیث کی بابت غلط خیالی کی وجہ
- اہل حدیث کی حقانیت کی ایک اور دلیل، اہل حدیث کا رسول (ﷺ) کے زمانہ سے لے کر بعد کے تمام زمانوں میں موجود رہنا
- 366 چند قدیم علماء اہل حدیث اور تارکین تقلید کے تراجم
- 367 جناب مولانا نذیر حسین صاحب محدث دہلوی (رحمہ اللہ) کی بابت ایک خواب (حاشیہ)
- 371 حنفیہ کا اہل حدیث پر تشدد
- 373 کس روز تہمتیں نہ تراشا کرے.....؟
- 379 ایک اور ثبوت
- 381 اہل حدیث قدیم اور مستقل فقہی مذہب
- 381 مذہب اہل حدیث سے انکار کیوں؟ ایک نفسیاتی جائزہ
- 383 اہل حدیث اور فکری بے راہ روی
- 384 ”ولایت“ اور تقلید - مضحکہ خیز استدلال!
- 386 عددی کثرت، حقانیت کی دلیل نہیں
- 389 ایک مغالطہ کا جواب
- 391 تقلید اور اتباع میں فرق
- 392 اہل حدیث کسی کے مقلد نہیں
- 393 اہل حدیث اور اہل تقلید میں فرق
- 395 دین حق راچار مذہب ماخوذ!
- 396 فطوبی للفر باء
- 398 چند ضروری التماس (از مولف)

عرض ناشر

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس دنیا میں مطلق اطاعت و اتباع اور امامت و پیشوائی کا حق صرف اور صرف محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا ہے، اس کی صراحت قرآن کریم کی بکثرت آیات میں موجود ہے، اور آپ ﷺ کی مطلق امامت و پیشوائی کو قولاً و عملاً تسلیم کرنے والے کو فوز و کامرانی، عزت اور جنت کا وعدہ فرمایا ہے، جبکہ اس سے قولاً یا عملاً اعراض و پہلو تہی اختیار کرنے والے کو ناکامی و نامرادی، ذلت و خواری، خسران مبین اور نارنجیم کی وعید سنائی ہے، ارشاد باری ہے:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَسُؤْلِ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ [النح: ۱۷-۱۸]

جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے تلے نہریں جاری ہیں اور جو منہ پھیر لے اسے دردناک عذاب دے گا۔ اور نبی کریم ﷺ نے امت کے سامنے اپنی اس مطلق حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”وَجُعِلَ الدَّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي“^(۱)۔

جو میرے حکم کی مخالفت کرے گا اس پر ذلت و رسوائی مسلط کر دی جائے گی۔

دوسری طرف رسول ﷺ کی پیشین گوئی کے مصداق یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ روئے زمین پر نبی کریم ﷺ کو قولاً و عملاً مطلق امام و پیشوا اور مقتدا تسلیم کرنے کا شرف و امتیاز طائفۃ اہل الحدیث کو حاصل ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

”لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَذَلِكَ“^(۲)۔

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم (غالب) رہے گا، ان کی مخالفت کرنے والے انہیں کچھ

(۱) مسند احمد طبعہ الرسالہ، (۹/ ۱۲۳)، حدیث ۵۱۱۲، نیز دیکھئے: صحیح الجامع، حدیث ۲۸۳۱۔

(۲) صحیح مسلم، ۳/ ۱۵۲۳، حدیث ۱۹۲۰۔

بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا اور وہ بدستور اُسی پر قائم رہیں گے۔
اور امام احمد بن حنبل، علی ابن المدینی، امام بخاری اور امام قاضی عیاض وغیرہ کی تصریحات کے مطابق یہ طائفتا اہل الحدیث ہے (۱)۔

چنانچہ: ﴿فَمَنْ يُؤْمَرْ فَذَرُوا كُلَّ الْاَنفُسِ بِمَا كَانُوا عَلَىٰ﴾ [الاسراء: ۷۱] کی تفسیر میں ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
”وَقَالَ بَعْضُ السَّلَفِ: هَذَا اكْبَرُ شَرَفٍ لِاَصْحَابِ الْحَدِيثِ؛ لِأَنَّهُمْ اَقَامَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ“ (۲)۔

بعض سلف نے فرمایا: یہ اہل الحدیث کے لئے سب سے بڑا شرف ہے کیونکہ ان کے امام نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
ان جیسی تصریحات سے دین کی بابت تقلید و تعصب اور جمود و تعطل کی تمام جڑیں کٹ جاتی ہیں اور
نصوص کتاب و سنت اور صحیح سلف امت کے بالمقابل محض عقل و دانش اور قیاس و رائے کی دیواریں منہدم
ہو جاتی ہیں۔

لیکن افسوس! اس کے باوجود بھی حدیث و رائے اور تقلید و اجتہاد کی معسرہ آرائی جاری ہے اور امت کا
ایک معتد بہ طبقہ تقلید شخصی، مسلکی جمود اور مذہبی تعصب کی زنجیروں میں جسکڑا ہوا ہے، اور ستم ظریفی تو یہ ہے کہ
اسی کو دین کا حقیقی منشا اور اصل الاصول قرار دیکر متبعین سنت اہل الحدیث پر ”وہابی“ ”غیر مقلدین“
”نیا فرقہ“ ”پانچواں فرقہ“ ”انگریزوں کی پیہ اوار“ ”خارجی“ ”قادیانی“ وغیرہ ناموں سے طعنہ زنی، تشاہز،
سب و شتم، بے بنیاد الزامات، بہتان بازیوں، تہمتوں وغیرہ کا باز اربھی گرم ہے!!!

جبکہ اہل الحدیث کی تاریخ فاعراء میں رسول ﷺ پر آنے والی پہلی وحی ”اقرا باسم ربک“ سے وابستہ
ہے، جب ائمہ اربعہ سمیت دیگر ائمہ کرام کامرے سے کوئی پتہ بھی نہ تھا، اہل حدیث کی قدامت کے سلسلہ
میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

”وَمَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ مَذْهَبٌ قَدِيمٌ مَعْرُوفٌ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ اللَّهُ أَبَا
حَبِیْثَةَ وَمَالِکًا وَالشَّافِعِیَّ وَأَحْمَدَ“۔

(۱) دیکھئے: جامع ترمذی، حدی ۲۴۲۹، ۲۴۲۸، وشرح مسلم، امام نووی، ۱۳/ ۶۶۔

(۲) تفسیر ابن کثیر تحقیق سامی سلامتہ، ۵/ ۹۹۔

اہل سنت و جماعت کا مسلک بڑا قدیم مسلک ہے، جو اس وقت سے معروف ہے جب اللہ تعالیٰ نے ابو حنیفہ، مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کو پیدا بھی نہ کیا تھا^(۱)۔

اسی طرح یہ مقلدین اہل الحدیث کو فتنہ گراور فساد پر دروغ و ناموں سے بھی یاد کرتے ہیں کاش اللہ انہیں یہ سمجھنے کی توفیق دے کہ عمل بالحدیث فساد نہیں اصلاح ہے، سب سے بڑا فساد دراصل کسی غیر نبی کو امام و پیشوا بنالینا ہے، ما أنزل اللہ بہا من سلطان!

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرمان باری: ﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

”وبالجملة فالشرك والدعوة إلى غير الله وإقامة معبود غيرہ ومطاع متبع غير رسول الله ﷺ: هو أعظم الفساد في الأرض، ولا صلاح لها ولا لأهلها إلا بأن يكون الله وحده هو المعبود، والدعوة له لا لغيره، والطاعة والإتباع لرسوله ليس إلا“^(۲)۔

خلاصہ کلام اینکه شرک، غیر اللہ کی دعوت، اللہ کے سوا معبود کھڑا کر لینا اور رسول ﷺ کے علاوہ کسی اور کو قابل الطاعت و اتباع سمجھ لینا ہی دنیا کا سب سے بڑا فساد ہے، اور دنیا اور دنیا والوں کی بھلائی اسی بات میں مضمر ہے کہ تنہا اللہ ہی معبود ہو، دیگر کو چھوڑ کر صرف اسی کی دعوت دی جائے، اور الطاعت و اتباع صرف اس کے رسول ﷺ کی ہو بس، کسی اور کی نہیں۔

زیر نظر کتاب ”الإرشاد إلى سبيل الرشاد في أمر التقليد والاجتهاد“ تقلید و اجتہاد اور حدیث و رائے کی معسرکہ آرائی کے موضوع پر حافظ حکیم ابوبکی محمد شاہجہاں پوری رحمہ اللہ (وفات: ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء) کی نہایت اہم، مستند، مدلل اور بڑی ہی سنجیدہ تحریر ہے، اس عظیم کتاب میں مولف رحمہ اللہ نے بڑی عرق ریزی و جاں سوزی سے اتباع سنت کا وجوب و التزام، تقلید کی مذمت، اتباع اور تقلید میں فرق، اہل حدیث اور اہل تقلید میں فرق، اہل الحدیث کی قدامت و حقانیت، اتباع سنت سے متعلق سلف عاقلین کا طرز عمل، فقہی مذاہب کے شیوع کے اسباب، منع تقلید کی بابت ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی تصریحات، مالک کا باہمی تضاد و تقاض، تقلید شخصی اور رائے پرستی کے فاسد نتائج و نقصانات، امام ابو حنیفہ اور حنفی مسلک کے سلسلہ میں مقلدین احناف کا طرز عمل،

(۱) منہاج السنۃ النبویہ، ۲/ ۲۰۱۔

(۲) دیکھئے: التفسیر القیم لابن القیم، ص: ۲۶۳، و بدائع الفوائد، ۳/ ۱۲۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قلیل الحدیث ہونے کے اسباب، حدیث رسول ﷺ سے بے اعتنائی کا انجام، اہل حدیث متبعین سنت کے ساتھ مقلدین کی زیادتی، ایذا رسانی اور ان پر بے بنیاد الزامات کی حقیقت اور دیگر بہت سارے شکوک و شبہات، مغالطوں اور غلط فہمیوں کا عدد درجہ متانت سے ازالہ فرمایا ہے۔

کتاب اپنے موضوع پر بے مثال شاہکار ہے، تقلید و تعصب اور شخصیت پرستی کی پکڑ ٹڈیوں میں پھنکے ہوئے جو یان حق کی رہنمائی کے لئے سنگ میل اور مینارۂ نور ہے، نیز داعیان جمود و تعطل علمائے سوء اور ائمہ ضلالت کے لئے ایک ناقابل تسخیر چیلنج بھی ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو امت کے ہر خاص و عام کے لئے مفید بنائے اور موافق رحمہ اللہ کو اس عظیم منہجی خدمت پر اجر عظیم سے نوازے، آمین۔

عقیدہ و منہج سلف کی نشر و اشاعت صوبائی جمعیت اہل مہجی کا بنیادی مشن ہے، جمعیت کے فعال شعبہ شعبہ نشر و اشاعت سے اس عظیم کتاب کی اشاعت اسی مشن کا اہم حصہ ہے، یہ اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے جو صوبائی جمعیت سے شائع ہو رہا ہے، جبکہ اس سے پہلے اس کے دو ایڈیشن ۱۹۸۹ء اور مارچ ۲۰۰۳ء میں بڑی تعداد میں شائع ہو کر تقسیم ہو چکے ہیں۔ اللہ ذوالکرم کی توفیق ارزانی کے بعد خالص منہجی کتبوں کے انتخاب اور ان کی نشر و توزیع سے متعلق صوبائی جمعیت اہل حدیث مہجی کے امیر محترم فضیلۃ الشیخ عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ کی خصوصی فکرمندی کے باعث زیر نظر عظیم کتاب کی طباعت و اشاعت کی بابت ان کی مسلسل توجہ و یاد دہانی کے نتیجہ میں اس کا تیسرا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے، دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس جذبہ خیر اور کوشش کو شرف قبولیت بخشے اور اس کا نیک صلہ عطا فرمائے۔ آمین

اخیر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے متلاشیان حق کو فائدہ پہنچائے اور تقلید و جمود کی بندشوں سے آزاد ہو کر کلام ربانی، سنت نبوی ﷺ اور منہج سلف پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے، نیز صوبائی جمعیت کے موقر ذمہ داران اور اس کی طباعت و اشاعت میں جملہ معاونین کو اجر عظیم سے نوازے، اور ہم سب کو اپنے دین خالص کا خادم اور خیر کا داعی بنائے، آمین۔

عنایت اللہ بن حفیظ اللہ مدنی

مہجی

(شعبہ نشر و اشاعت صوبائی جمعیت اہل حدیث مہجی)

۲۲ / جون ۲۰۱۵ء

(inayatuahmadani@yahoo.com)

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

برصغیر میں جماعت اہل حدیث کے حرکت و عمل اور جمہود و مساعی کا دائرہ انتہائی وسیع پذیر ہے، اس جماعت حقہ کے علماء ربانی نے ہر میدان میں اپنا لوہا منوایا، الحمد للہ والحمد للمریۃ۔

چکرالویت ہو یا قادیانیت، بابیت ہو یا بہائیت، رضا خانیت ہو یا مقلدیت، نچسپریت ہو یا پرویزیت یا کلامی موشگافیاں، دفاع میں ہر مقام پر اس جماعت کے علماء ربانی پیش پیش رہے تاریخ اس بات پر شاہد ہے اور بہت سے علماء نے خراج تحسین بھی پیش کیا ہے، جیسے سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ، علامہ امیر تسری رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں: کہ جب جب اسلام پر حملے ہوئے ایک ہی مرد میدان ثناء اللہ امیر تسری اس کے لئے تنگی تلوار بن گئے۔ اللہ ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں کو قبول فرمائے۔ والفضل ما شہدت بہ الاعداء۔

زیر نظر کتاب ”الارشاد الی سبیل الرشاد“ جس پر کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، لیکن سابقہ روایات کے پیش نظر کچھ نہ کچھ لکھنا ہی پڑتا ہے۔ جس کے مصنف فاضل اجل حافظ حکیم ابوبکی محمد شاہجہاں پوری رحمہ اللہ نے اس کتاب میں اہلحدیث جماعت پر بے جا اتہامات کا جائزہ لیا ہے اور تقسیمی مذاہب کے شیوع کا ذکر کیا ہے۔

ساتھ ہی اہل حق اہلحدیثوں کے مصائب و آلام کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان کے خلاف جو مقدمات ہوئے پھر ان میں جو کامیابیاں جماعت کو حاصل ہوئیں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ نیز مذاہب اربعہ کے مدون ہونے اور چار مصلوٰں نیز زیدی مصلے کا بھی ذکر کیا ہے، اور انتہائی دلسوزی کے ساتھ اس کتاب کو اول تا آخر پڑھنے کا مشورہ دیا ہے نیز پورے شرح و بسط کے ساتھ عقل و نقل اور اقوال ائمہ و علماء کی روشنی میں تقلیدی مذاہب کے ماسخ و والوں کا دندان شکن و مسکت جواب دیا ہے۔

چاہے علامہ شبلی نعمانی ہوں یا مولانا عبدالرشید گنگوہی جنہوں نے تقلید و جمہود کے برگ و بار کو خوب سراہا اور

اہل توحید اہل حدیث سے انتہائی معاندانہ و متعصبانہ روش اختیار کیا۔ تقلیدی مذاہب کے اکثر علماء بشمول مذکورین بالا جنہوں نے پوری زندگی حنفیت کی برتری ثابت کرنے میں صرف کردی لیکن افسوس کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ اور کئی ایک اکابرین نے تقلید کے تعلق سے انتہائی ناصحانہ علمی گفتگو فرمائی۔

اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے صاحب حسن البیان علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی و صاحب سیرۃ البخاری علامہ عبدالسلام مبارکپوری، اور الارشاد الی سبیل الرشاد کے مصنف کو جنہوں نے اس موضوع تقلید و اجتہاد کو چھان پھٹک کر رکھ دیا کہ آئندہ کے لئے یہ کتابیں مشعل راہ بن گئیں، اور یقیناً انہیں یہ مقام حاصل ہوا کہ

أولئك آبائي فجنني بمثلهم إذا جمعتنا يا جريرو المجمع

امیر محترم مولانا عبدالسلام صاحب سلفی حفظہ اللہ و ذمہ داران جمعیت کی جدوجہد و منہجی غیرت کے پیش نظر اس عظیم الشان کتاب کو سہ بارہ طبع کرنے کی توفیق اللہ کے فضل سے شعبہ نشر و اشاعت صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کو حاصل ہو رہی ہے اور بہت ساری علمی و ادبی کتابیں اس سے پہلے بھی منظر عام پر آچکی ہیں۔ اور آگے بھی سلسلہ جاری ہے۔ قللہ الحمد۔

اللہ تعالیٰ جملہ معاونین و محسنین طابع و ناشر سب کو جزائے خیر دے اور اس کتاب کے مصنف علامہ کے لئے اسے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

ایں دعا از من و از جملہ جہاں امین آباد

وصلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ وسلم

خادم جماعت

سعید احمد بستوی

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

۳۰ رمضان ۱۴۳۶ھ

۲۱ جون ۲۰۱۵ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الذي هدانا لهذا وما كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله، لقد جاءت
رسل ربنا بالحق المبين۔ نحمده ونثني عليه ولا نحصي ثناء عليه ونصلي عليهم
هداة الخلق ومعادن الصدق، ولا سيما سيد واد آدم محمد المصطفى خاتم
النبیین۔ وعلى آله وأصحابه وحملته علامه وحفظة شريعته أئمة أمته الهاديين
المهديين۔ آمَنَّا بِقُدُّ:

کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آرہے
ہیں، جس سے لوگ بالکل نا آشنا ہیں۔ پچھلے زمانہ میں شاید نادراں خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں
مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے۔ بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔ اپنے
آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحّد کہتے ہیں، مگر مخالفت فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا
لامذہب^(۱) کیا جاتا ہے۔

انسان کا طبعی طور پر دستور ہے کہ ہمیشہ وہ اس بات کو جو اس کے رسم و رواج کے موافق ہے
اور جس کو اپنے آباء و اجداد سے متوارث دیکھتا چلا آیا ہے اور جس وضع و طریق پر بڑھا پلا ہے اس کو
استحسان کی نظر اور قبول کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اسی کو نہایت صحیح اور بہت درست سمجھتا ہے۔ اور جس
بات کو اپنے رسم و رواج کے خلاف پاتا ہے، اس کو انکار کی نظر اور رد کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور فوراً
اس پر غلط اور نادراست کا حکم لگا دیتا ہے۔ اگرچہ کسی قوی تحریک پر یہ خیالات پلٹا بھی کھا جاتے ہیں مگر

(۱) چونکہ یہ لوگ نماز میں رفع الیدین کرتے ہیں۔ یعنی رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں،
جیسا کہ تحریرِ باندھتے وقت ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں۔ بنگال کے عوام ان لوگوں کو رفع یدینی بھی کہتے ہیں۔

عام و مستور بھی ہے اور یہ دستور کسی خاص بات کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ بول چال، خورد و نوش، آداب نشست و برخاست، مراسم شادی و غم وغیرہ سب کے ساتھ انسان کی یہی حالت ہے۔ اپنی بولی سب بولیوں سے زیادہ فصیح اور عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ اپنے ملک کا کھانا پینا، کھانوں کی قسمیں، کھانا کھانے کھلانے کے طریقے، سب ملکوں سے زیادہ پسندیدہ اور مرغوب دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے یہاں کی تہذیب۔ اپنے ملک کی رسوم اور طرزِ معاشرت سب سے زیادہ اچھے اور قرین قیاس نظر آتے اور واجب الاتباع معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے خلاف دوسرے ملکوں اور دوسرے شہروں کی بولی کر یہہ معلوم ہوتی اور اس پر ہنسی آتی ہے۔ دوسرے ملک کے کھانے جو اپنے یہاں کے خلاف ہیں، مکروہ اور نا پسندیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرے ملک کی تہذیب اور وہاں کے مراسم یہودہ اور خلاف عقل نظر آتے ہیں۔ جب امور دنیاوی میں رسم و رواج کی بابت طبیعت انسانی کی یہ حالت ہے تو امور مذہبی اور رسوم دینی کی بابت جو بڑے استحکام اور پابندی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، کیا حالت ہوگی۔ صدق اللہ تعالیٰ: {كُلُّ جَزْءٍ يَمِئَلُ دَيْهًا فَرِحُونَ} ^(۱) (ہر فرقہ جو اپنے پاس ہے اس پر رتھج رہا ہے۔) وقال: {كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ} ^(۲) (اسی طرح ہم نے بھلے دکھائے ہیں ہر فرقہ کو ان کے کام۔)

غیر حق پر اصرار اور حدوث مذاہب کے اسباب:

اسی واسطے عام دستور دیکھا جاتا ہے جب آدمی ایسا مسئلہ یا کوئی مذہب کے متعلق وہ بات جو پہلے اس نے نہیں سنی یا اس کے علم میں یا اس کے رسم و رواج میں اس کے خلاف چلا آتا ہے، سنتا ہے، تو کسی طرح اس بات کا اس کو اعتبار نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کو فوراً بلا غور کئے غلط اور غیر صحیح کہہ

(۱) سورۃ الروم: ۳۲۔

(۲) سورۃ الانعام: ۱۰۸۔

دیتا ہے۔ اور یہ خیال اُس کا ایسا پختہ ہوتا ہے کہ اُس پر اُنے خیال کی صحت اور نئی بات کی غلطی میں اُس کو ذرا بھی شک نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے وہ اس پیش آمدہ بات کی اصل اور حقیقت معلوم کرنے کا قصد تک نہیں کرتا کہ اس کے حق و ناحق ہونے کا اس کو حال کھلے بلکہ بجائے اس کے کہ تحقیق کرے اس میں عیب نکالنے اور نکتہ چینی کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ غرض وہ کسی طرح اس کو اپنے ذہن میں جگہ دینا نہیں چاہتا۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام اور سابق کے اور دینوں میں بھی حق کے خلاف بہت سے مذہب اور طریقے باہمی نزاعات و تعصبات یا اغراض نفسانی یا کسی اور اتفاتی وجہ سے پیدا ہو کر اور کچھ عرصہ تک جاری رہ کر اور رفتہ رفتہ ترقی پکڑنے کے بعد رواج پا کر ایسے مستحکم ہو گئے کہ اُن کا نہ صرف عوام کے بلکہ خواص کے ذہنوں سے نکلنا اور دلوں سے دور ہو جانا سخت دشوار اور ناممکن ہو گیا۔ بلکہ ان لوگوں کو جن میں اُن مذہبوں نے رواج پایا وہی مذہب اصل اور صحیح اور دین آسمانی معلوم ہونے لگے۔ اور اُس کے خلاف کا باطل و ناحق ہونا ان کے ذہن میں بس گھیا۔ جس کے سبب سے اُن کی یہ حالت ہو گئی کہ اگر ان کے سامنے اُن کے مروجہ مسلک کے خلاف کوئی اس اصلی اور واقعی مسلک کو جو قدیمی تھا اور جو نفس الامری اور حق ہے پیش کرے تو ان کو اپنے مروجہ مذہب کی حقانیت اور اس کے خلاف کے بطلان کے ذہن میں مستحکم ہونے کے سبب سے بالکل توجہ نہیں ہوتی کہ وہ پورے طور پر اس مذہب کی تحقیق کر کے نفس الامری حق کو معلوم کریں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ شیعہوں اور خارجیوں اور معتزلہ اور دیگر ان فرقوں میں جن کو ہم ناحق جانتے ہیں اور نیز ان یہود و نصاریٰ و ہنود میں کوئی ایسا فرد بشر نہیں جس کو اپنے خالق کا ڈر ہو یا یہ چاہتا ہو کہ ہم اس کے سچے دین پر قائم ہو کر اس کو راضی کریں۔ اور کیا یہ سب کے سب یہی چاہتے ہیں کہ ہم حق مذہب کے سوا کسی گمراہی کے مسلک پر رہ کر عمر ضائع کر دیں اور مر کر سیدھے دوزخ میں جا پڑیں۔ یا کیا یہ سب کے سب سخت بے وقوف اور بالکل چوپایوں کی طرح بے عقل یا مجنون ہیں اور اُن میں کوئی ہوش

مند اور عقل والا نہیں یا کچھ بھی علم نہیں رکھتا جو مذہب حق کی حقانیت کا ادراک کر سکے۔ ہرگز نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ایسے صاف اور ستھرے مذہب اہل سنت والجماعت کو جس کی حقانیت نہایت آشکارا ہے اور آفتاب نیروز کی طرح چمکنے والے سچے اور پکے دین اسلام کو جس کی خوبی سے کوئی عاقل^(۱) انکار نہیں کر سکتا، قبول نہیں کر لیتے، اور سب کے سب اس طرف نہیں آجاتے؟ بڑی وجہ اس کی یہی ہے جو ابھی ہم کہہ چکے ہیں۔ یعنی اپنے آباء و اجداد سے متوارث بات کی پابندی اور اپنی ذہن نشین بات کے خلاف کو بلا غور اور اصلیت دریافت کئے نا حق سمجھ لینا، اور غلط کہہ دینا اور اس کی اصلیت کے دریافت کا قصد تک نہ کرنا بلکہ عیب گیری اور نکتہ چینی کی طرف متوجہ ہو جانا۔

معیار حق و ناحق:

اس لئے ضرور اور پر ضرور ہے (اور اگر ضرور نہیں تو ناحق مذہب والے فرقوں پر الزام لگانے اور قصور وار بنانے کی کوئی وجہ^(۲) نہیں) کہ آدمی جب کبھی کسی مذہبی اختلاف پر واقف ہو یا اس طریقہ کے جس کو وہ حق سمجھ رہا ہے کوئی خلاف کہنے والا ملے تو وہ نہایت غور اور انصاف کو کام میں لا کر اور اپنے پرانے خیالات سے پہلے خالی الذہن ہو کر اس نئے اور پرانے طریقے کو ایک نظر اور

(۱) بہت سے عقلائے یورپ اور مسیحی حکماء کے اقوال ہمارے پیش نظر ہیں۔ جنہوں نے برابر اسلام کی حقانیت اور اس کی انواع و اقسام کی خوبیوں کا اقرار کیا ہے۔ اگر ہم ان کو نقل کریں تو ایک مستقل کتاب بنے۔ اس باب میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کو دیکھو۔

(۲) کیونکہ وہ بھی تو اپنے خیال میں حق ہی پر قائم ہیں اور اپنے آپ کو صحیح مذہب پر خیال کرتے ہیں۔ اب ان پر الزام ہے تو یہی ہے کہ وہ اپنے دل کو پرانے خیالات سے علیحدہ کر کے اور ان کی محبت کے پردے کو اٹھا کر منصفانہ نظر سے اس بات کو جو ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے، دیکھیں دیکھتے۔ اگر ایسا کریں تو ضرور حق ظاہر ہو جاوے۔ چنانچہ جو ایسا کرتے ہیں وہ بے تاثر راد حق پہ پہنچ جاتے ہیں۔ نو مسلمانان امریکہ اور یورپول نے یہی طرز عمل برتا، ان پر حق کھل گیا، اور دولت اسلام ان کو نصیب ہوئی۔ دیکھو مسٹر ایگزٹڈ ردیوب صاحب اور مسٹر کوئیلیم صاحب کی تحریرات جن میں ان لوگوں نے اپنے قبول اسلام کی وجوہات بیان کی ہیں۔

برابر کی نگاہ سے دیکھ کر دونوں کے محاسن اور عیوب اور ہر ایک کے دلائل و وجوہ پر غور کرے۔ پھر دیکھے کون رائج اور صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں صحیح رائے قائم کرنے کا بہت اچھا موقع مل سکتا ہے، کیونکہ حاکم کی نظر فریقین کے ساتھ مساوی ہونا چاہئے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو کبھی انصاف نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر انسان مذہبی اختلافات کے فیصلے کے وقت اپنے آپ کو پہلے سب سے علیحدہ نہ کر لے اور ان مبالغوں اور زیادتیوں کو جو ہر فریق اپنے فریق مخالف پر جوڑ دیا کرتے ہیں اور قل کو پہاڑ کر کے بیان کرتے ہیں یا صحیح بات کو بری صورت بنا کر دکھاتے ہیں نظر انداز نہ کرے اور فریقین کے اصل منشا کو خوب اچھی طرح معلوم نہ کر لے۔ اور ہر ایک کے اصلی بیانات اور دعویٰ اور وجوہ نہ سن لے (نہ یہ کہ ایک طرفی بیان پر کفایت کر^(۱) بیٹھے) انصاف نہیں کر سکتا۔ میری رائے میں اگر آدمی ان تمام مراحل طے کرنے اور نہایت نیک نیتی اور انصاف سے کام لینے کے بعد بھی حق سمجھ کر اس طریقے پر قائم رہا، یا اب جو انفس الامر میں حق نہیں تو وہ معذور ہے: {لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا} ^(۲) (اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر جو اس کی گنجائش ہے۔)

اہل حدیث سے نفرت کی اصل وجہ غلط بیانیوں اور غلط فہمیاں:

مجھ کو افسوس اور سخت افسوس ہے کہ اس فرقے کے معاملہ میں جس کا ذکر میں نے شروع

(۱) مخالفت کی کتاب دیکھنے سے انکار کیوں؟ ہم نہیں سمجھتے کہ وہ لوگ اس قسم کی تحریروں کو جو اختلافی مسائل اور مذاہب میں بطور فیصلہ یا ترجیح اہل الجائزین کے منصفانہ دعویٰ سے لکھے جاتے ہیں یا کسی اور امر کی اصل حقیقت بیان کی جاتی ہے، اس کے دو ورق پڑھ کر اپنے ذہن میں اپنے مخالف کی تحریر سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں، اور دیکھنا نہیں چاہتے۔ اگر اتفاق سے عند اللہ ان کا مخالف ہی حق پر ہوا تو اس اعراض کا اللہ کو کیا جواب دیں گے۔ اگر وہ ایسی سر بیع الظہم اور ذہنی قوت انتقالیہ رکھتے ہیں کہ دو ایک ورق کے پڑھنے سے کل رسالہ کے مطالب کو سمجھ گئے تو اپنی ہی سمجھ کے موافق سمجھ گئے۔ مصنف کے منشا کو تو جب تک اول سے آخر تک نہ دیکھیں کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ اور اگر انفس الامر میں بھی وہ حق پر ہیں تو کیا ایسی تحریرات دیکھنے میں اتنا بھی فائدہ نہیں کہ ایک مخالف فریق کے دلائل و مکاید ہی معلوم ہو جاویں گے۔

کیا ہے۔ اکثر لوگوں نے اس طریقہ انصاف سے کام نہ لیا۔ بلکہ ان غلط بیانیوں اور زیادتیوں پر جو مخالفین نے ان پر جوڑ دیں ^(۱) یا جن کی بنا محض غلط فہمی یا بیان کی بدعنوانی پر ہے جن سے کوئی عاقل بے نفرت کہنے نہیں رہ سکتا (جیسے نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کو جھوٹا کہنا جناب رسول اللہ ﷺ) کی تفسیر،

(۱) جامع الشواہد کا تذکرہ اور اہل حدیث کی طرف سے اس کے جوابات:

ایک صاحب نے رسالہ جامع الشواہد لکھ کر شائع کیا۔ اس میں اسی قسم کے چند عقائد و اعمال اہل حدیث کی طرف نسبت کر دیئے اور نام کے لئے اہل حدیث کے بعض رسائل کا حوالہ مع نشان صفحہ کے بھی لکھ دیا۔ اس سے ظاہر بیوقوفوں کو اور بھی یقین ہو گیا۔ اس رسالہ سے عوام کو اہل حدیث کے ساتھ بے حد نفرت اور نہایت برہمی پیدا ہوئی۔ حالانکہ اس کی بنا محض غلط بیانی یا بدعنوانی پر تھی۔ جس کتاب کا حوالہ دیا، اگر کھول کر آگے پیچھے سے پڑھا جاوے تو ہرگز وہ مطلب نہیں نکلتا جو جامع الشواہد کے مؤلف دکھانا چاہتے ہیں۔ اس رسالے کے اہل حدیث کی طرف سے کئی جواب ہوئے۔ وہ جواب ہماری نظر سے بھی گزرے۔ ایک کاشف المکاید۔ دوسرا إبراء اهل الحديث والقرآن معافی جامع الشواہد من التہمة والبیہتان، ان رسالوں کا پھر کوئی جواب مؤلف جامع الشواہد اور ان کے ہم خیالوں نے نہیں دیا۔ ہمارے استاد بھائی جناب مولوی محمد حسین صاحب لاہوری (بنالوی، متوفی ۱۹۲۰ء/ ۱۳۳۹ھ) نے اپنے پڑ پڑاۓ السنۃ کے نمبر ۵، جلد ۶، باب ماہ مئی ۱۸۸۳ء کے سرورق پر امور مند بہ رسالہ ہذا (جامع الشواہد) منسوب بجناب اہل حدیث کو لکھ کر اہل حدیث کی کتب مکتبہ سے ثابت کر دینے پر ہزاروں روپیہ انعام دینے کا اشتہار جاری کیا، آج تک کوئی نہ ثابت کر سکا۔ اگر یہ نسبت سچی تھی تو بیوں نہ ثابت کیا کہ سچے بھی ملتے اور مفت کا انعام بھی لیتے اور مخالفت کو صحیح طور پر دیکھ کر تے۔ جامع الشواہد کا جواب ہم نے بھی لکھنا شروع کیا تھا۔ اس لیے کہ جب ہم نے ان کتابوں کو جن کا حوالہ جامع الشواہد میں دیا تھا کھول کر دیکھا اور بالکل اس کے منشاء کے خلاف پایا۔ تو ہم نے ضروری سمجھا کہ ہم اس غلطی کو ظاہر کر دیں۔ مگر جب ہم کو مذکور الصدور در رسالے اتفاق سے مل گئے تو ہم نے انہیں کو کافی خیال کر کے اپنی تحریر کو موقوف کر دیا۔ کبھی صاحب نے ایک فتویٰ اہل حدیث کی طرف منسوب کر کے شائع کر دیا۔ جس میں سورہ کی چربی کی حلت اور پھوس بھی خالہ سے نکاح کا جواز اور منی کے کھانے کا جواز لکھ دیا جس سے دھوکے میں آ کر بہت سے لوگ یہ سب باتیں اہل حدیث کی طرف نسبت کرنے لگے۔ اس فتویٰ کا تذکرہ رسالہ کلام سلیم میں بھی لکھا ہے۔

حضرت مولانا سید نذیر حسین رحمہ اللہ کے حج کا قصہ: جناب شیخنا حضرت مولوی نذیر حسین صاحب مدظلہم العالی جب مکہ معظمہ کو حج کے واسطے گئے تو مشہور کر دیا کہ وہاں قید کئے گئے اور ان سے توہ بہ کرائی گئی۔ حالانکہ یہ بالکل غلط و خلاف واقع ہے۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل ہمارے استاد بھائی جناب مولوی حافظ عبد اللہ صاحب محدث غازی پوری نے رسالہ الکلام النبویہ میں مع نقل خط پاشائے مکہ معظمہ جو بدر بعد نو گراف حاصل کیا بھیجا تھا لکھا ہے، جس سے بالکل ان مشہور کردہ خبروں کی تکذیب ہوتی ہے۔

شفاعت سے انکار، اولیاء اللہ سے انکار، اماموں (علیہم الرحمۃ) کو گالیاں دیا، خالہ، پھوپھی سے نکاح جائز کہنا، وغیرہ۔ جن کی نسبت میں حلفاً اور اللہ کو گواہ کر کے کہہ سکتا ہوں کہ یہ ہرگز ان کا مذہب نہیں۔ اور وہ ان سب باتوں سے بری ہیں) اعتماد کر لیا گیا۔ اسی قسم کی جھوٹی برائیاں مشہور ہونے سے لوگوں کے دلوں میں اس فرقہ کا ایک ایسا نقشہ جم گیا کہ جس وقت وہ وہابی یا غیر مقلد کا لفظ سنتے ہیں تو سنتے ہی ان کے ذہن میں اس کا ایک ایسا بڑا مفہوم گزرتا ہے جو رافضی یا خارجی بلکہ کافہ کے سننے سے بھی نہیں گزرتا۔ اس نام کے سننے سے یا اس مذہب والے کی صورت دیکھنے سے معاً ان کے ذہن میں یہ خیال گزر جاتا ہے کہ قدیمی مذہب کے خلاف نئے تراشے ہوئے مذہب والے بدعتیدہ، رسول سے منکر، اولیاء کے غیر معتقد، ائمہ کے ساتھ گستاخ، وغیرہ۔ ہم کو خود بھی یاد ہے، جب تک ہم اس مذہب کی اصل حقیقت سے واقف نہیں ہوئے تھے۔ ہم بھی ایسا ہی سمجھتے اور بے حد نفرت رکھتے تھے۔ حالانکہ جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ ایک خیال تھا غلط۔ اور وہ ہرگز ایسے نہیں بلکہ یہ مخالف فرقے کے تعصب نے جب کہ ان کو بہت بڑا ذریعہ عوام کے مشتعل کرنے کا، اور ان کی دلچسپی باتوں اور قرین قیاس بدایتوں سے روکنے کا یہی ملا۔ لہذا اس سے کام لیا۔

پس عوام کے لئے اس مذہب سے نفرت کی، بجائے ایک کے دو جھمکے ہو گئیں۔ ایک تو اپنے موروثی ذہن نشین مذہب کے خلاف ہونا۔ دوسری سخت نفرت وہ باتوں کا اس مذہب میں یقین دلایا جاتا۔ اس^(۱) لئے عموماً اس گروہ کے ساتھ معاملے کی وہ حالت رہی جو کسی رافضی یا خارجی سے بھی نہیں کی جاتی۔ اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ برتا گیا جو کسی بدتر سے بدتر آدمی کے ساتھ نہیں

(۱) ایک صاحب نے ایک رسالہ لکھ کر شائع کیا۔ ”انظام المساجد یاخراج اهل الفن والمفسد۔ اس کے صغیر: ۷ میں اہل حدیث کی بابت لکھتے ہیں: ”حکام اہل اسلام کو لازم ہے کہ ان (غیر مقلدوں) کو قتل کریں۔ اگر وہ لاعلمی کے عذر سے تو یہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہ کریں۔ عوام اہل اسلام کو لازم ہے کہ مدعی و گواہ کو حکام وقت سے سزایابی میں ان کی کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کریں۔“

برتا جاتا کسی عیسائی، ہندو، دہریے، راشی، نیچری کے ساتھ ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، ایسا برا نہیں سمجھا گیا۔ جیسا ان کے ساتھ۔ ایسا بھی ہوا کہ اگر ان میں کسی مسجد میں چلا گیا تو وہ مسجد خوب دھوئی اور پاک کی گئی۔ بعض جگہ بنا گیا کہ مٹی بھی کھود کر نکالی گئی۔ کیا اگر نکلتا یا سور یا ہندو یا عیسائی مسجد میں آجائے تو ایسا کیا جاتا ہے؟ کبھی نہیں۔ اور ایسا تو بہت ہوا کہ کسی جماعت میں جا کر شریک ہو گئے اور زور سے آمین کہہ دی تو امام اور سارے مقتدیوں کی نماز میں خلل آگیا، بلکہ فاسد ہو گئی، اور دوبارہ ادا کی گئی۔ تعجب ہے کہ صرف پاس کھڑے ہونے سے کیسے نماز فاسد ہو گئی، اگر ہو تو صرف اسی شخص کی ہو جس نے آمین کہی، لیکن اوروں کی طسرفت فساد کیسے متعدی ہوا۔ کیا اگر کوئی بے وضو یا جنبی یا کوئی غیر مسلمان کسی نمازی کی جماعت میں آ کر کھڑا ہو جائے تو ان کی نماز فاسد ہو جاوے گی؟ ہرگز نہیں۔ مگر تعصب سے یہ نوبت پہنچی۔ ہم نے مانا کہ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تو نہ پڑھو۔ مگر اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ان کو اپنے پیچھے بھی نماز نہ پڑھنے دی جائے اور نہ اپنی جماعت میں شامل ہونے دیا جائے، اور نہ ان کو مساجد میں آنے دیا جائے۔ حالانکہ اول الذکر (ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنے) کی حقیقت میں کوئی وجہ نہیں۔

حقیقہ اور اہل حدیث کے مابین معاہدہ اور اہل حدیث کے پیچھے نماز کا جواز:

فقہ حنفی کے موافق بے تامل ان کے پیچھے نماز جائز ہے^(۱)۔ چنانچہ ۱۲۹۸ ہجری دہلی میں علمائے فریقین کا ایک تحریری معاہدہ^(۲) ہوا، جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ ہر ایک فریق دوسرے

(۱) ملا علی قاری مکی (رحمہ اللہ) نے ایک رسالہ ”الإفتاء في الإفتاء“ لکھا ہے، جس میں مخالفت مذہب والے مذہب کے پیچھے نماز کو جائز غیر مکروہ ثابت کیا، جب کہ وہ ارکان و شروط نماز میں کوئی کمی نہ کرے۔ علامہ ابن عابدین ”رد المحتار“ میں جو کہ فقہ حنفی کی ایک نہایت مستند کتاب ہے، اختلاف فقہاء کا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔ جس بات کی دل شہادت دیتا ہے وہ تو یہ ہے کہ مخالفت کے پیچھے نماز پڑھنا جب کہ وہ فرائض کی رعایت کرتا ہو وہ مکروہ نہ ہو، کیونکہ بہت صحابہ و تابعین جو کہ ائمہ مجتہد تھے، سب ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، حالانکہ ان میں باہم مسئلوں کا اختلاف بھی تھا۔ دیکھو: جلد ۱، صفحہ ۲۲۶، مطبوعہ: مصر باب الامامة۔

(۲) یہ معاہدہ مکی باطبع ہوا ہے۔

کے پیچھے نماز پڑھے اور کسی کو مسجد میں آنے سے نہ روکے۔ اس معاہدہ پر کئی سربراہ اور وہ علمائے حنفیہ کی مہریں ہیں، اور ان کی جوائیل حدیث کا رد کیا کرتے تھے، یہ معاہدہ فریقین کا تختلی عدالت کمشنری دہلی میں توثیق کے لئے داخل کیا گیا۔ اگرچہ اس سے دہلی میں تعصب کو ضرور کمی ہوئی اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔ اور فی الجملہ لوگوں کو یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ یہ نفرت وہ باتیں جو مشہور کی گئی ہیں، مخالفوں کی زیادتی تھی۔ مگر اس کا کوئی نمایاں اثر دوسرے شہروں پر نہ پڑا، اور عناد اور تعصب کی وجہ سے مسجدوں میں آنے دینا پسند نہ کیا۔

عدالتی مقدمات میں اہل حدیث کی کامیابی:

آخر نوبت سرکاری عدالت تک پہنچی اور جا بجا مثل میرٹھ و علیگڑھ و غازی پور و بنارس وغیرہ بلکہ بعض وجوہ سے دہلی میں حکام وقت سے استغاثے ہوئے اور مقدمات کا سلسلہ عدالتوں سے بالادست مثل الہ آباد و کلکتہ و لندن تک پہنچا۔ مقلدین نے اس بنا پر کہ یہ لوگ اہل سنت والجماعت یا مسلمان نہیں، لہذا اہل سنت کی تعمیر کردہ مساجد میں کوئی استحقاق نہیں رکھتے۔ صاحب میں آنے سے روکا۔ حکام نے علماء فریقین کے بیان اور ہر دو فریق کی کتب مسلمہ سے حوالے لئے اور نہایت مہذب صورت باہمی مناظرے کی قائم ہوئی۔ ”غیر مقلدین“ نے ظاہر کیا کہ ہم کو اسلام یا اہل سنت سے خارج کہنا صحیح نہیں۔ ہمارا بعینہ وہی عقیدہ ہے جو اہل سنت کا ہے۔ ہم میں اور ان میں فرق یہ ہے کہ فقہ کا جو مسئلہ حدیث کے خلاف ہوتا ہے ہم اس میں حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ اور یہ بجائے حدیث کا امام کے بتائے ہوئے مسئلہ پر جس کا نام فقہ ہے، عمل کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے ہم اسلام یا اہل سنت سے خارج ٹھہرائے جائیں۔

(تمہیں انصاف کرو کہ کسی مسلمان کے سامنے رسول (ﷺ) کی حدیث رکھی ہو اور اس کو یہ

بھی ثابت ہو جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور منسوخ نہیں، اور یہ بھی مسلم ہے کہ پہلے زمانہ میں حدیثیں

کتابوں میں جمع نہ ہونے کے سبب سے ہر امام کو سب حدیثیں نہیں مل سکیں اور اسی واسطے اماموں نے خود وصیت کی ہے کہ جب تمہیں حدیث صحیح نہیں مل سکیں اور اسی واسطے اماموں نے خود وصیت کی ہے کہ جب تمہیں حدیث صحیح مل جائے اور ہمارا مسئلہ حدیث کے خلاف ثابت ہو تو حدیث پر عمل کرنا ایسی صورت میں اس مسلمان کو جب کہ امام کا بتایا ہوا مسئلہ حدیث کے خلاف پائے، کیا کرنا چاہئے۔ کیا ایسے وقت میں بھی حدیث کو چھوڑ کر کوئی دوسری بات اختیار کرنے کے لائق ہے؟

غرض یہ لوگ ان چار اماموں میں سے کسی ایک معین امام کے مذہب کے جملہ مسائل میں تقلید کرتے ہیں، ہم قرآن و حدیث کو مقدم رکھتے ہیں، جو اس سے ثابت ہو وہ لیتے ہیں، خواہ کسی امام کے موافق پڑے۔ بس یہی ہم کرتے ہیں اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ اس کے سوا جو کچھ نا پسندیدہ باتیں ہماری نسبت مشہور کی گئی ہیں محض تہمت ہیں۔ اس کا جو کچھ ان سے ہو سکا ثبوت دیا۔ حکام نے فریقین کے بحث مباحثے و جرح قدح سننے کے بعد ”غیر مقلدوں“ کو ڈگری^(۱) دی۔ اور تسلیم کیا کہ بے شک دلائل اور کتب مسلمہ فریقین کی رو سے یہ لوگ اہل سنت ہیں اور صاحب بد کے بھی مستحق۔ انتہائی ڈگری ”غیر مقلدوں“ کی ہی رہی اور وہی راست ثابت ہوئے۔

(۱) فقول فیصلہ جات: دیکھو فیصلہ دیوانی جوڈیشل اسٹنٹ کمشنر دہلی ۵ جنوری ۱۸۸۳ء اور فیصلہ محکمہ کمشنری دہلی: ۲۷ ستمبر ۱۸۸۳ء اور فیصلہ دیوانی جوڈیشل اسٹنٹ کمشنر ۲۹ دسمبر ۱۸۸۳ء اور فیصلہ عدالت فوجداری نصیر آباد مجسٹریٹ درجہ اول ۳۱ اکتوبر ۱۸۸۴ء اور دو بلاکس ضلع امرت سر۔ مجسٹریٹ ضلع امرت سر ۲ اگست ۱۸۶۸ء اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: ”اگرچہ مسائل وہابیہ کو مدعا علیہ (مقلد) مانے یا نہ مانے لیکن بے شک وہ بہت بڑا فرقہ مسلمانوں سے ہے۔“ اور فیصلہ بابو سریش چندریوں صاحب منصف غازی پور ۲۴ فروری ۱۸۹۴ء منصف صاحب علم عربی میں ابھی قابلیت رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے خوب سمجھ کر نہایت ہی قابلیت اور مدلل تخمیناً تین سو بیسٹھوں پر فیصلہ لکھا۔ فیصلہ صاحب جج بہادر ضلع غازی پور ۵ نومبر ۱۸۹۴ء جو بنا برائیل فیصلہ منصف صاحب مذکور صادر ہوا۔ چونکہ مختصر ہے۔ اس لئے اس کے بعض الفاظ لکھے جاتے ہیں: ”اپیلانٹ اس مذہب کا مقامی رہنما ہے جس کے بانی ابو حنیفہ ہیں، جو ان چار مذہبوں میں سے ایک ہے جو مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں، رہبانڈنٹ فرقہ غیر مقلدین میں سے ہے۔ جو مذہب اربعہ میں سے کسی خاص کا پابند ہونا نہیں چاہتے، بلکہ اس امر کا دعویٰ رکھتے ہیں کہ جو کچھ عبادت اور کاروائی مذہبی حدیث نبوی (ﷺ) سے ثابت ہو، --

-- اس پر عمل کریں۔ اور لکھتے ہیں: ”ذرا بھی کوئی وجہ اس امر کے خیال کرنے کی نہیں ہے کہ رسپانڈنٹ کے افعال عمدہ اعتقاد اور ایمان داری کے موافق نہیں ہیں۔“ اور لکھتے ہیں: ”اپیلاٹ ہم کو زبردستی یقین دلانا چاہتا ہے کہ ان چار اماموں میں سے کسی ایک کی پیروی مجھے بغیر کوئی شخص کا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ پھر مسلمات فریقین کے حوالے اور چاروں اماموں کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”نتیجہ ان اقوال کا یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان بحالت اختلاف رائے اماموں کے حدیث نبوی (ﷺ) قبول کر کے امام کے قول کو ترک کر دے تو اس سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کے عکاف کہنا بیجا اور مبہل ہے۔ کیونکہ ایسا خیال کرنا مساوی اس کے ہے کہ قبل چاروں اماموں کے کوئی ایک مسلمان ہوا ہی نہیں۔“ اور فیصلہ اجلاس کامل ہائیکورٹ الہ آباد ۵ نومبر ۱۸۸۹ء عطاء اللہ بنام عظیم اللہ۔ اس میں لکھتے ہیں: ”لیکن انہوں نے (یعنی غیر مقلدین نے) ایک اس سے بھی اعلیٰ ترین وجہ بیان کی ہے اور وہ مذکور میری دانست میں ناممکن التردید ہے۔ وہ بلاشبہ مسلمانوں کے ایک ایسے فرقہ میں داخل ہیں، جو قدیم مذہب کے قائم ہیں۔ اور بحیثیت مذکور مدعیان کو مسجد مذکور کے عام طور پر عبادت اور دیگر اسرار مذہبی کے لئے جن کے واسطے مسجد استعمال کی جاسکتی ہے، استعمال کرنے کا اسی قدر استحقاق ہے، جس قدر کہ مدعا عظیم کو ہے۔ مدعا عظیم کو کوئی استحقاق ہر دیگر فرقہ کو بجز خاص اپنے فرقہ یعنی حنفیوں کے، اس کے اندر جانے سے ممانعت کرنے کا نہیں ہے۔ یہ امر غیر اہم ہے کہ مدعیان نے فرقہ حنفی کو ترک کیا یا وہ شروع ہی سے محمدی یا اہل حدیث یا محدثین میں یا جیسا کہ مدعا عظیم ان کو نامزد کرنا چاہتے ہیں وہابی ہیں۔ چاہے جس نام سے وہ نامزد کئے جائیں وہ سنی مسلمان تصور ہوں گے۔ اور عام اس سے کہ انہوں نے فرقہ حنفی کو ترک کیا یا نہیں، ان کے صحیح قدیم مذہب کے قائل ہونے میں یا ان کے سنی ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔“ اور فیصلہ اجلاس کامل ہائی کورٹ الہ آباد ۳ نومبر ۱۸۸۹ء جن کو بنام احمد اللہ، اس میں لکھتے ہیں: ”بظور امر واقعہ کے یہ تجویز ہوا کہ مدعیان (غیر مقلد) مسلمان ہیں اور یہ تجویز نہیں ہوا ہے کہ انہوں نے کوئی ایسا کام مسجد میں کیا یا کرنا چاہا جو خلاف قانون پرستش اسلام ہے۔ اور لکھتے ہیں: مقدمہ میں کوئی شہادت مطلق نہیں ہے کہ جس سے الزام مرجوہ من جانب مدعی بمقابلہ نامزدگان کے کہ وہ (غیر مقلد) اب مسلمان نہیں ہیں ثابت ہووے۔ وہ اپنے کو محمدی جو کہ عربی لفظ واسطے مسلمانوں کے ہے کہتے ہیں۔ اور اگر مدعی نامزدگان کو وہابی کہتا ہے مگر نسبت اس امر کو کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ کسی فرقہ خلاف مذہب میں داخل ہیں۔ اور فیصلہ پر یوی کونسل فضل کریم وغیرہ بنام مولانا بخش وغیرہ ۲۹-۳۰ جنوری-۲۱ فروری ۱۸۹۱ء اس میں لکھتے ہیں: ”تجاویز اہم حکام عالی مقام کو دراصل حسب ذیل معلوم ہوتی ہے:-

(۱) مدعیان اس فرقے کے ہیں جو عامل بالحدیث یا اہل حدیث کہلاتا ہے۔

(ب) عامل بالحدیث سنی مسلمان ہیں اور سنت جماعت میں داخل ہیں۔

(ج) کوئی سند اس بات کے کہنے کی نہیں ہے کہ عامل بالحدیث حنفی کی نماز میں بیٹھا نہیں ہو سکتا۔

اس قسم کے اور بھی چند فیصلے ہیں۔ ان تمام فیصلہ جات میں حکام نے بن کو کسی کی طرف داری سے کوئی عرض نہیں۔ فریقین کے علماء کا اظہار لے کر اور فریقین کی مسلم کتابوں سے تحقیق کر کے اہل حدیث کو ڈگری دی اور تسلیم کیا کہ یہ لوگ پکے مسلمان ہیں اور اصل طریقہ اسلام پر ہیں اور اہل سنت ہیں اور مسلمانوں کی مسجدوں کے مستحق ہیں اور کوئی وجہ اس کی نہیں کہ ان کے پیچھے نماز ناجائز ہو۔

مقدمات کے دور رس نتائج:

ان مقدمات سے سمجھ دار لوگوں کے لئے ایک بہت بڑا نتیجہ نکل سکتا ہے، جو کسی دوسرے مباحثے اور مناظرے سے نہیں نکل سکتا تھا وہ یہ کہ ان کو رائج اور حق بات معلوم کر لینے کا اچھا موقع ہاتھ لگ گیا۔ اس لئے کہ اگر کسی فریق کے عالم سے پوچھتے تو ہر ایک اپنی سی کہتا اور بالمقابل اور مناظرہ سے دریافت ہونے میں یہ دقت ہے کہ بعض آدمی کم سخن اور کوتاہ بیان ہوتے ہیں۔ گو حق پر ہوں لیکن ایک لسان اور چالاک آدمی سے قائل ہو جاتے ہیں۔ بعض رعب کی وجہ سے مغلوب ہو جاتے ہیں، اور تحریری سلسلہ ختم ہونا مشکل ہوتا ہے۔ ایسے موقع میں جب کہ فریقین کے علماء نے اپنے اپنے مبلغ علم کو خرچ کر کے اور نہایت اطمینان اور مہمت کے ساتھ اپنے ثبوت پیش کئے اور ہر ایک فریق نے اپنے سر پر آوردہ علماء کو جمع کر کے مجموعی قوت صرف کر کے اپنا حوصلہ پورا کر لیا اور ثالث نے بلا رورعایت جو کہ فیصلہ کرنے میں تجربہ کار اور ایک غیر مذہب ہے۔ جس کو کسی کی جانب داری منظور نہیں فیصلہ دیا۔ اور پھر ایک عدالت نے انہیں بلکہ متعدد اور بڑی عدالتوں اور بڑے بڑے مذاق نے فیصلہ دیا۔ گو ان کا ذاتی قول دین کے معاملہ میں ہیچ ہے۔ مگر فریقین کے دلائل کو دیکھ کر فریقین کی کتب کی رو سے فیصلہ کیوں نہیں کر سکتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ وہ ان کتب سے واقف ہو چکے ہیں اور اس کے موافق مقدمات کرتے رہتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ایسی صورت میں بحسب ظن غالب ڈگری داری حقیقت کا ثبوت ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ تقریری مناظرے بھی بہت سے واقع ہوئے۔ ایک عظیم الشان مناظرہ ۱۳۵۵ھ میں بمقام مرشد آباد ہوا جس میں فریقین کے صد با اہل علم جمع تھے۔ جس کی روئید افسر یقین نے چھاپ کر شائع کی، اور تحریری رسائل کا سلسلہ بھی خوب جاری ہوا۔

بہت سے علماء کی اہل حدیث سے موافقت:

اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر ہندوستان کے کل اہل علم کو شمار کر کے دیکھا جائے تو نصف حصہ سے زائد علماء کا وہ گروہ نکلے گا، جو اس مذہب کی حقانیت کا قائل ہو گیا۔ گو سب کے سب علماء اس کے موافق کار بند نہ ہوئے۔ اگر ایسا ہوتا تو عوام کے لئے بہت اچھا نتیجہ نکلتا۔ بعض تو اپنے خیال کے موافق بعض مصالح دینی کی وجہ سے اور بعض بمقتضائے بشریت دنیاوی خوف یا طمع کی وجہ سے پورے طور پر اظہار نہ کر سکے اور طریقہ مروجہ پر قائم رہے جن سے عام لوگوں کو کوئی بڑا فائدہ نہ پہنچ سکا۔ بلکہ جب تک خلوت کے موقع میں اور بہت کچھ کہہ سن کر اور اچھی طرح ان کا اطمینان کرا کر نہ پوچھا جائے، اور وہ اپنا مافی الضمیر ظاہر نہ کریں، عوام ان کو مقلد اور غیر مقلدوں کا مخالف سمجھتے رہتے ہیں، حالانکہ وہ مخالف نہیں بلکہ حقانیت کے مقرر ہیں۔

اصول اہل حدیث کی مجبورانہ تسلیم اور عاملین بالحدیث کی نیک نیتی پر شبہ:

اس مخالف گروہ علماء میں بھی اکثر ایسے ہیں جو اس مذہب کے اصول و فروع کو محسورانہ^(۱)

(۱) مولوی رشید احمد صاحب کا اہل حدیث سے تعصب:

مثلاً: مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سرگروہ احناف دیوبندیہ (جن کو اہل حدیث کے ساتھ ایک خاص تعصب بھی ہے، جس کی وجہ سے نہایت سخت سخت الفاظ کے ساتھ اہل حدیث کو اپنی تحریروں میں یاد فرمایا کرتے ہیں۔ چنانچہ رسالہ "سبیل الرشاد" میں اہل حدیث کی نسبت لکھتے ہیں: "ضلالت میں پڑ گئے۔ افسوس حد افسوس۔ ایسی ہی سمجھنے نے ان کو خراب کیا" دیکھو صفحہ: ۵۔ مطلوبہ مجتہدانی ۱۳۱۳ھ۔ "کیا جہل نے جہلا کو خراب کیا" (صفحہ: ۶)، "جہلائے زمانہ" (ص: ۸)، "خود راستے، جہال۔ ناواقف" (ص: ۱۰)، "اس قوم کی یہ جہالت کے کلام خود گمراہی کے آثار ہیں" (ص: ۱۶)، "ایسے جہال" (ص: ۳۱)۔ حالانکہ جس یاد وہ ان کی نسبت فرماتے ہیں وہ خود غلطی پر مبنی ہے اور اسی تعصب کی وجہ سے انہوں نے اس رسالہ میں سخت مسامحات کیے ہیں) فتویٰ اس بیان میں کہ حدیث پر عمل کرنا فاتحہ خلف الامام پڑھنا۔ رفع یدین۔ آمین بالجہر اور سینہ پر ہاتھ باندھنا جائز ہیں۔ چنانچہ آپ سبیل الرشاد میں لکھتے ہیں: "البتہ جو مواقع اجتہاد کے نہیں وہاں (ظاہر حدیث پر عمل میں) مضائقہ نہیں جو صاف صاف حکم ہیں۔" (ص: ۱۸)، "ہرگز تارک قراءۃ خلف الامام کی صلوٰۃ فاسد و ناقص نہ ہوگی۔ جیسا کہ قاری کی نماز میں نقصان نہیں کہ ہر ایک اس کے وناویل صحابہ اور تقریر فخر عالم (علیہ السلام) پر مامل ہے کسی کو۔۔۔"

طور پر تسلیم کرتے ہیں اور بجز اس کے کوئی عیب بتا نہیں سکتے کہ:

یہ لوگ جو آئین بالجبر اور رفع الیدین وغیرہ کرتے ہیں اور حدیث کے عالم بنتے ہیں نیک نیتی سے نہیں کرتے، بلکہ فساد کے لئے اور اپنی شہرت کے لئے کرتے ہیں یا اماموں کو برا کہتے ہیں اور اپنے آپ کو ان سے بڑھ کر سمجھتے ہیں، جمعی تو ان کا کہنا نہیں مانتے وغیرہ وغیرہ۔ (جن کا ذکر ہم آگے ان شاء اللہ کریں گے۔) حالانکہ نیت کا حال تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ باقی برا کہنا محض اتہام ہے۔ جس کی اصلیت بس یہی ہے کہ جو قول ان کا حدیث رسول اللہ (ﷺ) کے خلاف ہوتا ہے حدیث کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جو دراصل ان کا خلاف ہی نہیں بلکہ یہ تو ان کی عین وصیت ہے کہ جس کی بابت وہ بڑی تاکید کے ساتھ حکم دے گئے۔ پس حدیث ملنے پر حدیث لینا یہ ان کی عین منشاء ہے۔ بلکہ نہ لینا یہی ان کی مخالفت ہے۔ تو صحیح حدیث کو چھوڑ کر امام کے قول پر جو حدیث کے خلاف ہے، چلنے والا اللہ اور رسول کا مخالف تو ہو ہی گیا، اماموں کا بھی مخالف ہوا، اور اگر خلاف ہی کرنے سے برا کہنا یا اپنے آپ کو افضل سمجھنا لازم آتا ہے تو حنفی جو باقی تینوں اماموں اور دیگر صدہا ائمہ اور صحابہ کا جو ہزاروں مسئلوں میں حنفی مذہب کے موافق نہیں خلاف کرتے ہیں تو کیا یہ ان کو برا کہتے ہیں یا اپنے آپ کو ان سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ اور خود امام صاحب کے شاگردوں نے امام صاحب کا ایک تہائی (۱) مسئلوں میں خلاف کیا اور فقہائے حنفیہ نے بہت سے مسائل (۲) میں امام ابو

--- دوسرے پر طعن کی گنجائش نہیں۔ (ص: ۲۷) اسی طرح رفع الیدین اور آئین بالجبر اور سینہ پر ہاتھ باندھنے کی صحت کا اقرار کیا ہے (ص: ۲۹) تقلید غیر شخصی کا کتاب و سنت سے ثابت ہونے کا اقرار ہے۔ تقلید شخصی کے سوا بلاشبہ مذہب کے عمل کرنے کا بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہونے کا اقرار ہے (ص: ۳۲) اور لکھتے ہیں: "بعد ثبوت اس امر کے کہ یہ مسئلہ اپنے امام کا خلاف کتاب و سنت کے ہے ترک کرنا ہر مومن کو لازم ہے" (ص: ۳۷)۔

(۱) رد المحتار میں ہے: فحصل المخالفة من المصاحبين لمي نحو ثلث لمذاهب (جلد ۱: ص: ۵۰) جس نسخہ سے ہم نے نقل کیا اس میں یہی تھا اور نہ مشہور و تہائی خلاف ہے۔

(۲) رد المحتار میں لکھتے ہیں: تصریح کی فقہاء نے ذوی الارحام کے تمام مسائل میں امام محمد (رحمہ اللہ) کے قول پر فتویٰ ہے اور فقہاء کے متعلق جو مسائل ہیں ان میں ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہے (ص: ۵۳، ج: ۱)۔

حنیفہ صاحب کے قول کے خلاف فتویٰ دیا تو کیا اُس وقت امام صاحب کو برا خیال کیا یا اپنے آپ کو ان سے بڑھ کر سمجھا اور کیوں ایسا کیا۔ غرض اکثر مخالف علماء بھی بحجوری اُن کے اصول و فروع مذہب کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور بجز بالائی باتوں کے اور کوئی حیلہ انکار کا نہیں پیدا کر سکتے۔ اور حق تو یہ ہے کہ جس کسی کو سچی سچی اصلیت اُن لوگوں کے مذہب کی معلوم ہو جائے تو عالم کیا کوئی مسلمان بھی اُن کے مذہب کی حقانیت میں شک نہیں کر سکتا۔^(۱)

اہل حدیث کے عقائد و اعمال اور مذہب:

کیونکہ ان کا مذہب وہی ہے جو اسلام تعلیم دیتا ہے۔ ان کے عقائد و اعمال بعینہا وہی ہیں جو اللہ کا کلام اور رسول (ﷺ) کی حدیث بتاتی ہے۔ (اس سے وہ علیحدہ ہونا نہیں چاہتے) جیسا کہ سلف اہل سنت والجماعہ سے چلے آتے ہیں، وہ اللہ و وحدہ لا شریک کو تمام عیوبوں سے پاک اور ساری خوبیوں کے ساتھ موصوف سمجھتے ہیں۔ ذات و صفات کسی بات میں کسی کو اس کا شریک نہیں کرتے۔ محمد مصطفیٰ (ﷺ) کو تمام عالم سے افضل اور سب کا سردار جانتے ہیں۔ نہ کوئی اُن کا سا ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔ اسی طرح فضیلت صحابہ اور ان میں ترتیب مراتب کا جیسا کہ کتب اہل سنت میں درج ہے عقیدہ رکھتے ہیں۔ کرامات اولیاء کو حق جانتے ہیں۔ ائمہ اربعہ و دیگر ائمہ حدیث وغیرہم کو پیشوائے امت اور اپنا ہادی اور راہنما یقین کرتے ہیں۔ غرض اُن کے عقائد وغیرہ وہی ہیں جو اہل سنت کے ہیں، ان میں کسی طرح کا فرق نہیں۔ وہ ہر مسئلہ میں (اللہ کے کلام پاک) قرآن مجید اور (اس کے

(۱) اگرچہ یہ بات تو ایسی واقعی اور بین ہے کہ کسی ثبوت دینے کی محتاج نہیں تاہم اگر کسی کو شک ہے تو آج کل کے اہل حدیث کے (جن کے ساتھ بدظنی ہے) عقائد کے متعلق مؤلفات کو دیکھو۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم کی عقاید میں چند تالیفیں ہیں، مثلاً: عقیدۃ السنی، فتح الباب لعقائد اولی الاکباب، اور ہمارے استاد بھائی جناب مولوی عبداللہ صاحب پنجابی کی کتاب عقیدہ محمدیہ کو دیکھو۔ ان کتابوں میں کہیں ان باتوں کا جو مخالف نسبت کرتے ہیں پتہ و نشان بھی نہیں بلکہ اس کے خلاف موجود ہے جیسا کہ اہل سنت کے عقائد ہیں۔

رسول (ﷺ) کی) حدیث شریف کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی بات کی رسم و رواج کو دیکھ کر یا اس کو آباء و اجداد سے ہوتے ہوئے
حاصل آتا پا کر صحیح و حق باور نہیں کر لیتے۔ بلکہ وہ ہر بات کی اصل و حقیقت دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ جس
بات کی سند قرآن و حدیث سے پاتے ہیں اس پر کار بند ہوتے ہیں، جس بات کا قرآن و حدیث سے
پتہ نہیں چلتا گو وہ کیسی ہی مرفوع ہو اور لوگ اسے پرانے وقتوں سے ہوتی چلی آتی بتائیں مگر وہ اسے
اختیار کرنا نہیں چاہتے۔ اور نہ اس کو دین میں شامل سمجھتے ہیں۔ وہ ہر ایک کو اسی کے مرتبہ پر رکھنا
چاہتے ہیں۔ ولی کو ولی اور واجب التعمیم سمجھتے ہیں، اور کیسے نہ سمجھیں۔ حدیث قدسی میں خود اللہ تعالیٰ ہی
نے فرما دیا ہے: ”مَنْ عَادَى لِي وَلِيًا فَقَدْ آذَنَنِي بِالْحَرْبِ“۔ (جو میرے ولی کے ساتھ عداوت
کرے اس کے ساتھ میں لڑائی کا اعلان کرتا ہوں)۔^(۱) مگر ولی کو خدا بتانا نہیں چاہتے، نہ اس کو
عالم الغیب سمجھتے ہیں اور نہ متصرف فی العالم سمجھتے ہیں۔ یعنی یہ کہ وہ کسی کے نفع نقصان کے مالک
ہیں۔ (ہاں کسی زندہ بزرگ سے دعا کی درخواست کرنا اس سے انکار نہیں۔ یہ خود رسول اللہ (ﷺ)
سے ثابت ہے۔) نہ بجائے اللہ کے نام کے کسی بزرگ کے نام کی تسبیح پڑھنا چاہتے ہیں۔ نہ کسی بزرگ
کی قبر کو مسجد وغیرہ کرنا، نیاز چڑھانا، جائز سمجھتے ہیں۔ غرض عوام ناواقفوں کی طرح اولیاء اللہ سے وہ
معاملہ کرنا نہیں چاہتے جو اللہ سے کرنا چاہیے۔ ہاں وہ معاملہ کرنا چاہتے ہیں جو اس کے اولیاء کے
ساتھ کرنا چاہئے۔ اسی طرح وہ کسی عالم کو نبی کے مرتبہ پر پہنچانا نہیں چاہتے۔ جیسا کہ نبی خطا سے معصوم
ہیں، اور جو کچھ وہ فرمائیں بلا چون و چرا اس کے سامنے سر تسلیم خم ہے۔ اور جو جس نبی کی
امت^(۲) میں ہے اس کو اسی نبی کی تابعداری تمام امور میں لازم ہے، اور ہر چھوٹے اور بڑے

(۱) صحیح بخاری، حدیث (۶۵۰۲) وغیرہ۔

(۲) پہلے زمانہ میں انبیاء، خالص قاصدوں کی طرف بھیجے جاتے تھے اور اس وقت میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ جب نبی آخر

الزماں مبعوث ہوئے تو وہ تمام عالم کے لئے نبی بنا کر کے بھیجے گئے اب ان کے وقت میں کسی دوسرے نبی کی ان-----

مسئلہ میں اسی کے حکم و فرمان کی تلاش ضروری ہے۔ اُس کے سامنے اوروں کے قول ساقط الاعتبار و ناقابل عمل ہیں۔ اسی طرح کسی عالم کے ساتھ معاملہ کیا جائے کہ اسی کے مذہب اور عہد یہ کی تلاش تمام واقعات و مسائل میں پیش نظر ہو اور جو کچھ وہ فرمائیں بلا تحقیق اور بغیر دلیل دریافت کئے ہوئے واجب التسلیم رہے، اور اُسی کی منشاء اور رائے کی ہر مسئلہ میں جستجو ہو۔ اُس کے سوا اور تمام علماء کے اقوال اُس کے سامنے ساقط اور ناقابل عمل رہیں۔ وہ جو کہہ دے اسی پر عمل ہو۔ گویا وہ عالم یا امام معصوم ہے، اور نبی کی طرح جو کچھ کہہ دے وہی صحیح ہے۔ وہ لوگ اس طرح کسی عالم کو اپنی طرف سے ٹھیرا کر ایسا معاملہ کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ سارے حقانی علماء اور امام ہمارے پادری اور احکام الہی کے بتانے والے ہیں، اور سب ہی ہمارے پیشوا ہیں۔ جو مسائل کہ اتفاقہ ہیں، اُس میں تو کچھ کلام نہیں۔ جن مسائل میں ان کے اندر اختلاف ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اختلاف میں عہد اللہ حق ایک ہی ہوتا ہے، اور ہمارا مقصود اصلی تابعداری احکام الہی کی ہے نہ کسی دوسرے کی۔ تو ضرور ہے کہ ہم اپنی پہنچ اور وسعت بھر تحقیق^(۱) کریں کہ کس کا قول قرآن و حدیث کی رو سے زیادہ قوی اور راسخ ہے۔ جو غالب ثابت ہو اُس پر عمل کریں، اور جو اس کے خلاف ہے اُس کو چھوڑ دیں۔ اور ہمیشہ اس کا قصد رکھیں۔ اور ویسے کسی ایک کے بلا تحقیق کئے ہوئے التزام کر کے پیچھے ہو لینے اور باقی سب علماء کے اقوال ساقط الاعتبار قرار دے لینے کی کوئی وجہ نہیں۔

بہر حال وہ یہی چاہتے ہیں کہ ہر بات قرآن و حدیث کے موافق کریں اور اُسی کو مقدم رکھیں اور براہ راست اُسی سے حجت پکڑیں۔ ایسا نہ ہو کہ قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے اس کے خلاف کسی کے قول کو لے لیں۔ ہاں جو بات قرآن و حدیث سے نہ مل سکے اس میں صحابہ کرام اور ائمہ

--- کے خلاف تابعداری جائز نہیں۔

(۱) اس کی زیادہ تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

عوام کو اختیار کر سکتے ہیں۔ الحاصل ان ”غیر مقلدوں“ کا مذہب ہے قرآن و حدیث^(۱) جو قرآن و حدیث سے ثابت ہو اسی پر عقیدہ ہے۔ اگر عقائد کے متعلق ہے اور اسی پر عمل ہے۔ اگر اعمال کے متعلق ہے، قرآن و حدیث کے خلاف کوئی رسم و رواج ہو یا کسی بزرگ یا عالم^(۲) کا قول ہو وہ قرآن و حدیث ہی کو لیتے ہیں اس کے خلاف نہیں لیتے وہ صاف صاف اسی طریقے پر چلتے ہیں اور چلنا چاہتے ہیں جو اسلام کی تعلیم اور اس کا اصل منشاء ہے اور جو کہ زمانہ صحابہ اور تابعین اور ان چاروں اماموں کے وقت میں اور ان کے بعد بھی چوتھی^(۳) صدی تک رہا۔ (جس کو چوتھی صدی کے بعد تقلید کے عموماً رواج پانے کے سبب سے لوگ بھول گئے۔ اور اس سے بے خبر ہو جانے کی وجہ سے اس کو ناحق اور خلاف طریقہ اسلام ایک مسلک سمجھنے لگے، حالانکہ وہ ہی اصل طریقہ تھا جس کی اسلام نے تعلیم دی تھی اور ایک جماعت بندگان الہی اس کی پابند ہمیشہ ہی سے پسلی آرہی ہے اور اب تھوڑے دنوں سے ہندوستان میں کچھ زیادہ ہو گئی۔ جن سے لوگ ناواقفیت کی وجہ سے متعجب ہیں۔) پس غسیر مقلدوں کا یہی عقیدہ ہے اور یہی ان کا طرز عمل ہے۔

مقلد حضرات کی اہل حدیث سے غیریت برتنے کی غلطی:

اب جو ان کو اسلام سے خارج یا اہل سنت سے باہر کہا جاتا ہے۔ اگر نفس الامر میں یہ باتیں اسلام سے خارج کر دینے والی یا اہل سنت سے باہر کر دینے والی ہیں تو بے شک وہ نہ مسلمان ہیں، نہ

(۱) اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اجماع و قیاس شرعی سے انکار ہے۔ نہیں۔ بلکہ وہ بھی قرآن و حدیث ہی کی شاخ ہیں۔
(۲) یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ کسی عالم نے قصداً قرآن و حدیث کا خلاف کیا یا جان بوجھ کر خلاف مسئلے بتائے۔ یہ کسی عالم کا کام نہیں بلکہ جس کسی عالم کا ایسا قول ہے وہ خطا اجتہادی ہے جس میں وہ معذور ہیں اور ان پر کوئی الزام نہیں۔ بلکہ اس میں بھی ان کو ایک اجر ضرور ملے گا۔ قرآن و حدیث کے خلاف ہو جانے کے چند وجوہ ہیں جن میں سے بعض کی تفصیل ہم آگے ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے۔ لیکن زمانہ سابق کے عالم سے کسی خاص وجہ سے اگر خطا ہو گئی تو ہم کو جائز نہیں کہ ہم جاسنے کے بعد بھی اسی پر اڑے رہیں۔ اور اس کے صحیح بنانے کے لئے کوئی دیکھتی بات بنائیں وہ معذور تھے اور ہم معذور نہیں۔

(۳) یہ سارا بیان مفصل طور پر آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ

اہل سنت ہیں۔ مگر ہم نہیں جانتے کہ اگر ایسے لوگ مسلمان یا اہل سنت نہ ہوں تو پھر کون ہے جو مسلمان یا اہل سنت کہلانے کے لائق ہے، اور جیسا کہ مقلدین ان کو اپنے دائرہ حق سے خارج اور بالکل باطل سمجھتے ہیں۔ اگر مقلدین ان باتوں میں سے کسی بات کا صحیح طور پر انکار کر سکتے ہیں تو خیر جو چاہیں سو نہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ان کو اپنے سے بالکل غیر اور سخت بد خیال کریں۔ لیکن ہم تو جہاں تک دیکھتے ہیں یہ جو باتیں ہم نے لکھیں خود مقلدین کو ان کے اقرار سے چارہ نہیں۔ اور جب ایسا ہے تو مقلدین کیوں ان کو بدترین خلاف سمجھتے ہیں۔

تکریم و تعظیم! یا پرستش؟

ان اہل حدیث کا یہی حفظ مراتب، جو وہ اولیاء اور علماء کے ساتھ برتتے ہیں، کہلاتا ہے کہ یہ لوگ اولیاء کے قائل نہیں، یا اماموں کو برا کہتے ہیں۔ اولیاء کا قائل نہ ہونا یا اماموں کو برا کہنا صرف یہی کہ اولیاء کی پرستش نہیں کرتے اور اماموں کے ساتھ معصوموں کا سا برتاؤ نہیں برتتے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے شیعہ اہل سنت کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کو برا کہتے ہیں اور ان کی توہین کرتے ہیں۔ برا کہنا اور توہین یہی ہے کہ شیخین سے افضل نہیں کہتے۔ اس کے سوا کیا کوئی سنی حضرت علی کو حقیقت میں برا کہتے ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس قسم کی تہمتیں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پہلے بھی ہمارے بزرگوں پر طرح طرح کی تہمتیں جوڑی گئی ہیں۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کی نسبت کئی ناپسندیدہ باتیں لوگوں نے جوڑ دی تھیں^(۱) اور خود امام اعظم صاحب کی نسبت تہمت لگائی گئی تھی کہ وہ^(۲) کرامات اولیاء کے قائل نہیں، اور یہ بھی مشہور تھا کہ مبتدع^(۳) اور نئی نئی باتیں

(۱) دیکھو: رد المحتار ماشیہ در مختار، جلد: اول، ص: ۴۰، مطبوعہ مصر مطبع مبینیہ۔

(۲) دیکھو: رد المحتار، جلد: اول، ص: ۳۱ بحث استقبال قبلہ۔

(۳) دیکھو: سیرۃ النعمان، ص: ۳۳، مطبوعہ مجتبائی دہلی از مختصر تاریخ بغداد۔

نکالنے والے ہیں۔ اور^(۱) یہ بھی مشہور تھا کہ قیاس کی بناء پر دانستہ حدیث کا رد کرتے ہیں حالانکہ یہ سب غلط تھا۔ کوئی ربانی عالم ایسا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ان بچارے اہل حدیث پر بھی بہتان پر بہتان باندھے گئے۔ وہ حدیث و قرآن کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں۔ رسول ہی کے اتباع کے لئے یہ ساری بدنامی اور مصیبت سہتے ہیں۔

اہل حدیث اور متقیص ائمہ کرام:

پھر بھلا وہ کس طرح ایسا کر سکتے ہیں کہ ائمہ کو برا کہیں۔ قرآن و حدیث میں ایک طرح سے نہیں بلکہ مختلف طور پر اس کی ممانعت ثابت ہو رہی ہے۔ اول تو عموماً کسی مومن کو گالی دینا فسق بتایا، ادنیٰ مومن کو برا کہنا فسق ہے۔ دوسرے عموماً اموات کو برا کہنا صریح منع ہے۔ تیسرے عام مومن پر بہتان باندھنا حرام ہے۔ چوتھے عموماً محسن کی شکرگزاری واجب ہے۔ پھر بھلا کس کا مست ہے کہ وہ ان ائمہ کو جو پیشوایان مومنین اور مسلمانوں کے افراد کاملین سے ہیں کوئی گالی دے یا برا کہے، یا ان کی برائی کر کے ان پر بہتان باندھے۔ اس لئے کہ وہ بڑے بڑے پاکیزہ نفوس تھے ہم جو عیوب گیری کریں وہ اس سے پاک تھے۔ برا کہنا تو درکنار ہم ان کے شکر یہ ہی سے بکدوش نہیں ہو سکتے۔ ان ہی سب کی خدمتوں کا نتیجہ ہے جو ہم دین کو کیسا آسانی کے ساتھ منقح اور مسرتب پارہے ہیں۔ اس سب کے بعد بڑا مردود ہو گا جو ان کو برا کہے۔ اہل حدیث کا ہرگز یہ کام نہیں۔ اور اگر بالفرض کوئی ایسا ہو بھی تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے، جس کا وہ خود ذمہ دار ہے، اور اسی کے نفس پر اس کا وبال ہے۔ اس کے اس فعل سے جو اہل حدیث کے اصول مذہب کے خلاف ہے، اہل حدیث کے مذہب پر کوئی دھنہ نہیں آ سکتا۔ بلکہ اس کا الزام خاص اس شخص کی ذات تک محدود رہے گا نہ یہ کہ اسلام جھوٹوں، چوروں، زنا کاروں کا مذہب کہلائے۔ بلکہ اگر غیر مقلدوں میں سے کوئی اس قسم کا پایا بھی جائے تو وہ

(۱) دیکھو سیرۃ النعمان ص: ۴۴، از عقود الجمان۔

قابل اعتبار افراد ہی سے خارج ہے۔ جس کا فعل ساقط الاعتبار ہے، وہ بہ نسبت اس کے کہ اہل حدیث کہا جائے، زیادہ مستحق ہے کہ اہل حدیث سے خارج ٹھہرایا جائے۔ چنانچہ پیغمبر صاحب (ﷺ) نے خود بعض بعض جرموں پر ”لَيْسَ مِنَّا“ فرمایا۔

غرض اس قسم کی تمام وہ ناپسندیدہ باتیں جو اہل حدیث کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اگر نفس الامر میں وہ قرآن و حدیث سے ثابت ہیں تو ان کے ساتھ عیب گیری^(۱) جائز نہیں۔ بلکہ اس

(۱) جامع الشواہد کے جواب اور فتح المبین کی شکایت اور اس کے جواب:

رسالہ ”جامع الشواہد“ میں بعض باتیں اس قسم کی بھی ذکر کر دی ہیں جو دراصل صحیح ہیں مگر ان کو برے عنوان میں لاکر اور بد نمائنا کر نسبت کر دیا گیا کہ ہم پہلے لکھ چکے۔ مگر ایسی عیب گیری کو کوئی دیدہ و ور پسند نہیں کرتا۔ اگر ناقص بیانی اور بد عنوانی کو کام میں لاکر عیب گیری کا قصد کیا جائے تو کوئی مذہب اس سے بچ نہیں سکتا۔ بلکہ اکثر وہ باتیں جو ”جامع الشواہد“ میں بغرض عیب گیری اہل حدیث کی طرف نسبت کی ہیں، اس کے جواب میں مؤلف ”جامع الشواہد“ کے مذہب میں ان کا ہونا اچھی طرح سے ثابت کر دیا گیا۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے اہل حدیث کی طرف سے ”جامع الشواہد“ کے چار جواب شائع ہو چکے۔ (۱) عصارة المساجد مؤلف مولانا محمد سعید صاحب مدظلہ باری۔ (۲) جامع الفوائد مؤلف مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم۔ (۳) کاشف المسکات مؤلف مولانا عبدالغنی صاحب جو ناگزہمی، (۴) ابراء اہل الحدیث و القرآن مؤلف جناب مولانا حافظ عبداللہ صاحب مدظلہ غازی پوری۔ یہ جواب نہایت خوب اور قابل دیدہ ہے، ہم نہیں جانتے ان کا آج تک کسی نے جواب دیا، بہر حال مؤلف ”جامع الشواہد“ کی اس نسبت سے جو غرض ہے، وہ کسی طرح حاصل نہیں ہوتی۔ مؤلف ”الفتح المبین“ سے تعجب ہے کہ انہوں نے ضمیر میں بلا تحقیق رسالہ ”جامع الشواہد“ کو بڑے شہ و مد کے ساتھ بغرض اظہار عقائد و مسائل غیر مقلدین و بغرض اظہار کذب اشتہار مولوی محمد حسین صاحب لاہوری جس کا ذکر ہم پہلے لکھے چکے ہیں، ذکر کیا اور اس اشتہار پر بہت کچھ تعجب ظاہر کیا۔ کیونکہ ”جامع الشواہد“ میں حوالہ بہ نشان صفحات موجود ہیں۔ افسوس ہے مؤلف مذکور نے نظر تحقیق سے ذرا کام نہ لیا۔ اگر وہ ان رسائل کو جو ”جامع الشواہد“ کے جواب میں لکھے گئے ملاحظہ فرماتے تو سارا تعجب ان کا باتار جتا اور یکل اغراض ان کو بدلتے پڑتے۔ لیکن باوجودیکہ وہ ان مور کو ”جامع الشواہد“ میں اہل حدیث کی طرف نسبت کئے ہیں۔ کفریات کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں (دیکھو ص: ۳۲۸، مطبوعہ نجم العلوم لکھنؤ ۱۳۰۰ھ) اس فرقے کے پیچھے (جس کو وہ فرقہ ظاہریہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور جس کا مصداق سوا ان غیر مقلدوں کے کوئی ہے بھی نہیں) اپنے نماز پڑھنے کا بھی معمول بتاتے ہیں (دیکھو ص: ۳۲۶) اس سے خود ثابت ہے کہ ان کو اس نسبت کا یقین نہیں ورنہ کافر کے پیچھے نماز کیسی، اور نہ ”جامع الشواہد“ کے حکم عدم جواز نماز کا ان لوگوں کے پیچھے جو اس نے بطور نتیجہ کے ان عقائد و اعمال پر مرتب کیا ہے اعتبار ہے۔ ---

صورت میں عیب گیری کرنے والا سخت مخالف اسلام ہے۔ اور اگر ثابت نہیں تو ان کی نسبت اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں، کیوں کہ یہ دراصل ان کا مذہب نہیں۔ اور نہ وہ اس کے قائل ہیں۔ اور اگر ثابت نہیں ہے اور غلطی سے وہ اس کے قائل ہیں تو یہ ان کی اجتہادی غلطی ہے۔ ہم کسی کو اس کے ساتھ مقید کرنا نہیں چاہتے، ہم تو خالص قرآن و حدیث کے اتباع کی ہدایت کرتے ہیں نہ کسی کے اجتہاد و رائے کی تقلید کی۔ بلکہ ہم تو نہایت خوش ہیں اور ممنون احسان ہو کر سننا چاہتے ہیں کہ ہم جس بات کے قائل ہیں کوئی اس کی غلطی اور اس کا قرآن و حدیث کے مخالف ہونا ثابت کر دے تاکہ ہم غلطی سے بچ جائیں، اور ہم بے حد مسرت کے ساتھ اس کے قبول کرنے کو موجود ہیں اور ہم کو کسی بات پر ہٹ کیوں کر ہو سکتی ہے اس لئے کہ ہمارا مقصود قرآن و حدیث ہی ہے جو بات قرآن و حدیث سے ثابت

--- الفتح المبین مذکور کے (جس پر اہل حدیث کے فریق مخالف پر بڑا ناز ہے) اہل حدیث کی طرف سے کئی جواب طبع ہو کر شائع ہو چکے۔ (۱) فؤس المحققین۔ (۲) خلاصۃ البراہین۔ (۳) الکلام المبین۔ یہ مجموعہ جواب قائل دید ہے، اور ہم نے نہیں سنا کہ اس کا اس وقت تک کسی نے جواب لکھا ہو۔ صاحب فتح المبین بھی باوجود اثبات خلاف اہل حدیث میں بڑی کوشش کے اصول مذہب اہل حدیث سے انکار نہ کر سکے اور مجبوراً انہیں تسلیم کرنا پڑا۔ چنانچہ ص: ۱۰۳ میں لکھتے ہیں: "حاصل کلام یہ کہ حنفیہ تقلید شخصی کو واجب نہیں جانتے ہیں۔ متحقق حنفیہ نے جس مسئلہ میں ان کو خلاف حدیث معلوم ہوا ترک کر دیا۔" پھر اہل حدیث بیچارے کیا برا کرتے ہیں۔ وہ بھی تو یہی کرتے ہیں۔ اور ص: ۲۹ میں لکھتے ہیں: "جن لوگوں کو درجہ اجتہاد حاصل ہے ان کے واسطے سعی (تحقیق مسئلہ کی) محال نہیں یا جن کو بعض مسائل میں مرتبہ اجتہاد ہو وہ بھی اس تقلید سے خارج ہیں، ان کے واسطے بھی ان مسائل میں تقلید واجب نہیں۔" اور ص: ۳۰ میں لکھتے ہیں: "البتہ جو ایسا شخص ہو کہ گو اس کو بالفعل ملکہ استنباط نہیں مگر لیاقت و ذکاوت ایسی رکھتا ہے کہ اس سے امید ہے کہ اگر علم حاصل کرے گا تو درجہ تحقیق کو پہنچ جائے گا۔ اس شخص کو بے شک درجہ تحقیق حاصل کرنا چاہئے (یعنی تقلید کرنا)۔" اور ص: ۳۳ میں لکھتے ہیں: "حنفیہ کسی کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ان کو کل حدیثیں بالیقین پہنچی تھیں خواہ امام صاحب ہوں یا امام مالک الخ۔" فتح مبین پر اکثر علماء حنفیہ نے اپنی مہریں کی ہیں تو یہ سارے اقرار ان سب کو مسلم ہیں۔ الحاصل، اہل حدیث کا وہ مذہب ہے جس سے صحیح طور پر کوئی انکار نہیں کر سکتا اور فریق مخالف بھی انہیں تسلیم کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے۔ مگر افسوس ہے کہ بحث و مناظرہ کے وقت تو مجبوراً ان سب باتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر عموماً ان کے ساتھ کار بند نہیں ہوتے اور یہی زیادہ تروہ ہے باہم خلاف رہنے کی۔ چنانچہ تو فیح اس کی آگے آتی ہے۔

ہوگئی وہی ہمارا مذہب ہے۔ پھر ہم اس کے خلاف پریکوں ہٹ کرنے لگے۔ بہت توجہ ہوتی کہ ہم کو کسی خاص شخص کے اقوال کی پابندی منظور ہوتی اور پھر اس شخص کے قول کی مخالفت قرآن حدیث سے کوئی ثابت کرتا تو بے شک ہم کو تکلفات کرنے پڑتے اور ایسے حیلے بنانے پڑتے جس سے وہ مخالفت رفع ہو جاتی اور ہمارے مقتدا کا قول مخالفت نہ ثابت ہو سکتا (جیسا کہ مقلدین کو کرنا پڑتا ہے۔)

اگر ہمیں سے تقلید شخصی کا وجوب یا جواز صحیح طور پر قرآن و حدیث سے ثابت کر دیا جاوے تو ہم نہایت مسرت کے ساتھ اس کے قبول کرنے کو موجود ہیں^(۱) اور پھر کس لئے ہم کو یہ ساری مصیبتیں سہنی پڑیں۔

خود انصاف کیجئے!

بالآخر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ”غیر مقلد“ نفس الامر میں ویسے ہی ہیں جیسا کہ مشہور کیا گیا

(۱) غالباً ناظرین کو اس تقریر سے اچھے طور پر ثابت ہو گیا ہو گا کہ اہل حدیث کا باعتبار اصول کے وہ مذہب ہے جو کسی وقت میں غلط نہیں ہو سکتا کوئی ان کے کسی مسئلے کی جس کو وہ اپنی تحقیق کے موافق حق سمجھ رہے ہیں، اگر غلطی ثابت کر کے کتاب و سنت سے اس کا خلاف ثابت کر دے اور وہ اس کو اختیار کر لیں تاہم ان کا کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ یہی ان کا عین مذہب ہے، اور وہ اپنے اصل مذہب سے ذرا نہیں ہٹے بلکہ اور زائد اس پر قائم ہو گئے۔ اور اگر کوئی مذہب تقلید کی حقانیت کتاب اور سنت سے ثابت کر دے اور وہ اس کو اختیار کر لیں جب بھی ان کا کوئی نقصان نہیں، اس لئے کہ اب بھی وہ اپنے اصل مذہب پر قائم ہیں۔ یعنی کتاب و سنت کی ہدایت پر عمل کر رہے ہیں اور اپنے اصل مذہب سے ذرا ہٹا نہیں ہوئے۔ برخلاف فریق مخالفت کے کہ جب کوئی مسئلہ ان کا خلاف قرآن و حدیث کے ثابت کیا جاتا ہے تو اس کے ترک میں کیا کچھ ان کو پس و پیش کرنا ہوتا ہے اور اگر ترک کریں تو اپنے امام کا مذہب چھوڑنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی عذر کرے کہ ایسے مسئلے کے ترک کی بابت امام کی خود ہدایت ہے لہذا مذہب چھوڑنا لازم نہ آیا تو اول تو اگر ایسا کریں تو پھر ہم کو چنداں بحث نہیں، دوسرے یہ شق بھی حدیث سے خالی نہیں جس کا ذکر آگے ان شاء اللہ آتا ہے اور جو مذہب تقلید کا حق کے خلاف ہونا قرآن و حدیث سے ثابت کر دیا جائے تو اس فریق کا اصل مذہب ہی جاتا رہے۔ الحاصل۔ اہل حدیث کا مذہب کسی صورت میں غلط نہیں ہو سکتا اور فریق مخالفت کے مذہب کو یہ بات حاصل نہیں۔

ہے۔ اور واقع میں ان کا مذہب ان قبیح اور ناپسندیدہ باتوں کا حکم دیتا ہے، جو ان کی طرف نسبت کی جاتی ہیں۔ تو ہم ان سے بری ہیں اور ہم بھی ان کو مردود سمجھتے ہیں۔ مگر ہم نہایت غز کے ساتھ اپنے انصاف پسند ناظرین سے سوال کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان اہل السنۃ والجماعۃ کہتا ہے اور اس کا عقیدہ بھی وہی ہے جو اہل سنت کا ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ ہے، کذب وغیرہ عیوب سے پاک ہے۔ کوئی چیز اجسام وغیرہ سے اس کی مثل نہیں اور محمد رسول اللہ (ﷺ) خاتم النبیین، شفیع المذنبین ہیں، اور آنحضرت (ﷺ) اور تمام انبیاء تسلیع احکام میں معصوم ہیں، اور آنحضرت (ﷺ) کے خلفاء راشدین کی خلافت برحق ہے، اور اہل بیت عظام اور اولیائے کرام کی محبت داخل ایمان ہے اور ائمہ اربعہ اور تمام مجتہدین اور مشائخ عظام اور اولیاء کرام سب اس کے مقبول بندے اور واجب التعظیم ہیں۔ جو اللہ و رسول (ﷺ) نے حلال کیا حلال ہے اور جو حرام کیا حرام ہے۔ قرآن و حدیث میں امور آخرت، جزا و سزا کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا سب حق ہے۔ اس سے جو کچھ اللہ نے مراد رکھا ہم اس پر یقین رکھتے ہیں، اور اس ظاہر معنی کے ساتھ اقرار کرتے ہیں۔ اور بھی تمام امور میں وہی عقیدہ رکھتا ہے جو اہل سنت کا ہے، اور وہ شخص نماز میں رفع الیدین کرتا ہے اور آمین باواز بالہر نماز میں کہتا ہے اور سینہ پر ہاتھ باندھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں یہ جو کچھ کرتا ہوں اس وجہ سے کرتا ہوں کہ مجھ کو ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ (ﷺ) ایسا کرتے تھے، اور وہ ان سب باتوں کی سند حدیث وغیرہ کی ان کتابوں سے دیتا ہے جو تمام علماء اسلام اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک معتبر اور مقبول ہیں، اور انہیں کتابوں سے مقلد ائمہ اربعہ بھی جب ان کو کسی بات کی دلیل لانی ہوتی ہے لاتے ہیں، اور اپنے بحث و مباحثہ میں اور مخالفت کے مقابلہ میں ان ہی سے حجت پکڑتے ہیں۔ اور (۱) مقلدین کی معمولی بیافہتہ و اصول کی کتابوں میں جا بجا ان ہی کتبوں کے حوالے

(۱) اگرچہ یہ بات (کتاب حدیث پر صحیح و غلط کا مدار حنفیہ کو بھی مسلم ہے) روز روشن کی طرح ایسی ظاہر ہے کہ اس میں ذرا بھی --

موجود ہیں، وہ ان معتبر اور مسلم کتابوں سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ان افعال کا ثبوت اور ان کا غیر منسوخ ہونا ثابت کرتا ہے۔ اسی طرح اس شخص کے اور بھی مسائل ہیں، جو ان چار مشہور اماموں سے اگر کسی ایک کے خلاف ہیں تو دوسرے کے ضرور مطابق ہیں۔ مثلاً جو مسئلہ اس کا امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) صاحب کے خلاف ہے تو امام مالک (رحمہ اللہ) یا امام شافعی (رحمہ اللہ) یا امام احمد (رحمہ اللہ) کے ایک یا تینوں کے ضرور مطابق ہے۔ اور جو امام مالک (رحمہ اللہ) کے خلاف ہے تو امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) وغیرہ کے مطابق ہے۔ اور اگر ہزاروں میں سے کوئی مسئلہ ایسا ہو کہ چاروں کے مطابق نہ ہو تو ان دیگر حدیثی اماموں و مجتہدوں میں سے جو اہل سنت میں گزرے ہیں ضرور کسی نہ کسی کے مطابق ہوتا ہے۔

بہر حال وہ جو کہتا یا کرتا ہے ایسا نہیں کہ وہی اکیلا اس کا قائل ہو بلکہ انہیں مقبول اور مقتدا اماموں میں سے جن کو سب تسلیم کرتے ہیں، کوئی نہ کوئی پہلے اس کا قائل ہو چکا ہے۔ اور وہ ایسا بھی نہیں کرتا کہ سب مذاہبوں میں سے آسان آسان باتیں چھانٹ لے یا جس وقت جس مذہب پر

۔۔ محل شک نہیں، تاہم ایک قول غلطی کا جو اعلیٰ درجہ کے معتبر علماء حنیفہ سے نقل کرتے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں: فان قلت: ما و فوفك علي إنك علي صراط مستقيم و كل واحد من هذه الفرق يدعي أنه عليه قلت ليس ذلك بالادعاء بل بالنقل عن جهازة الصنعة وعلماء أهل الحديث الذين جمعوا أصحاب الأحاديث في أمور رسول الله (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وأحواله وأفعاله وأحواله وسكناته وأحوال الصحابة والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان مثل الإمام البخاري ومسلم وغيرهما من الثقات المشهورين الذين اتفق أهل المشرق والمغرب على صحة ما رووه في كتبهم من أمور النبي (ﷺ) أصحابه ثم بعد النقل ينظر إلى الذي تمسك بهديهم واقتفى أثرهم واهتدى في الأصول والفروع فيحكم بأنه من الذين هم هم وهذا هو الفارق بين الحق والباطل۔ انتهى۔ ملخصاً (خطاوی ماشیہ در مختار ص: ۱۵۳ ج: ۳) یعنی حق و باطل کی تمیز کا مدار انہیں حدیث کی کتابوں پر مثل صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما کے ہے جن کی صحت و اعتبار پر تمام دنیا کا اجماع ہے۔ انہیں ائمہ حدیث کی روایت کے مطابق اصول و فروع میں نبی صاحب (ﷺ) اور ان کے اصحاب کا جو چر و ہے وہ حق پر ہے اور جو نہیں باطل پر ہے۔ فقط ویکھو خطاوی۔ انہیں حدیث کی کتابوں پر اصول و فروع میں تمیز حق و باطل کا مدار رکھتے ہیں۔

چاہے عمل کرنے لگے۔ اور آزادوں کی طرح غیر مقید ہو جائے، بلکہ وہ تابع دلیل کے ہے جس کا مذہب دلیل کی رو سے قوی ثابت ہو جائے اسی کو اختیار کرتا ہے۔ خواہ مشکل ہو یا آسان، اور پھر اس سے وہ نہیں ہٹتا۔

ہاں اگر اس کو کسی طور سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ بات جو پہلے اختیار کی تھی غلطی سے اس کو قوی سمجھا تھا۔ اور اب یہ بات جو اس کے خلاف ہے قوی ثابت ہوئی (جیسا کہ تمام ائمہ سے وقتاً فوقتاً مسائل میں رجوع ثابت ہوا ہے) اسی کو اختیار کر لیتا ہے غرض وہ تابع قرآن و حدیث کے ہے جو کچھ وہ کرتا ہے یہی سمجھ کر کرتا ہے کہ یہی حکم اللہ اور رسول اللہ (ﷺ) کا ہے۔ اور نہ بھی اس کی ایسی کتابوں سے دیتا ہے جس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ تو ایسا شخص مسلمان ہے یا نہیں، اور اہل سنت ہے یا نہیں اور حق پر ہے یا نہیں، اور مسجد میں آنے دینے کے لائق ہے یا نہیں، اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات کے ساتھ دیا جائے تو پھر کیا کلام ہے۔

اگر اہل حدیث حق پر نہ ہوں تو پھر.....!

اور اگر نفی کے ساتھ ہے تو اس کی وجہ بیان ہونی چاہئے۔ اگر وجہ ترک تقلید شخصی ہے تو کہنا پڑے گا کہ وہ لاکھوں کروڑوں مسلمان جن میں عوام و خواص سب شامل ہیں جو ان چاروں اماموں سے پہلے اور ان کے وقت میں اور ان کے بعد مدت دراز تک رہے۔ جو تقلید کرنا تو بڑی بات ہے، بہت سے تقلید کے نام سے بھی ناواقف تھے، مسلمان نہ ہوں۔ اس کے علاوہ ائمہ اربعہ اور دیگر ہزاروں^(۱) امام جنہوں نے تقلید سے منع کیا سخت گنہ گار ٹھہریں۔ اور سیزوہ ہزاروں لاکھوں مقبول اور مسلمہ بزرگان دین جو اس بیچ کے زمانہ میں گزرے ہیں، جن کا تذکرہ ہم آگے کریں گے، جو تقلید نہ کرتے تھے۔ اور نیز امام ابو یوسف و امام محمد وغیرہم جنہوں نے امام صاحب کے اقوال کے خلاف

(۱) ائمہ اربعہ اور بعض دیگر ائمہ کے اقوال آگے آ رہے ہیں۔

بہت سے مسائل اُن کی دلیل قوی سمجھ کر اختیار کئے، مسلمان نہ ہوں بلکہ خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر سخت الزام رہے گا کہ انہوں نے ایسی ضروری بات کو کیوں نہ صاف طور بتا دیا کہ ہمارے پیچھے چار امام ہوں گے۔ ہر ایک پر فرض ہو گا کہ وہ ان میں سے ایک کے مذہب کا تمام مسائل میں پابند ہو، اور جب اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خود ہی نہیں بتایا، اور نہ کسی کو اس بات کی تکلیف^(۱) دی کہ وہ حنفی، شافعی وغیرہ ہو تو ہم نہیں جانتے کہ کوئی حنفی یا شافعی نہ بننے سے کیوں کر اسلام یا اہل سنت سے خارج ہو سکتا ہے۔

بلکہ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے شخص کو اعلیٰ درجہ کی ہدایت پر نہ کہا جائے۔ بلکہ یہی مسلک ہے جس کے ہم حامی ہیں، اور ایسے ہی لوگ ہیں جن کی طرف سے ہم لوگوں کی بدگمانیوں کو دفع کرنا چاہتے ہیں، اور ان ہی کا نام اہل حدیث ہے۔ یہی لوگ خالص افراد اسلام ہیں جو اسلام کے اصلی طریقہ پر ہیں، اور اسلام کے دنیا میں قدم رکھنے کے وقت سے چلے آتے ہیں، شروع شروع جب اسلام ظہور پذیر ہوا تو یہی اس کے افراد تھے اور یہی مسلمان کہلاتے تھے۔ اور جو ان کا مسلک ہے وہی اسلام کی تعلیم تھی اور ہے۔ مگر زمانہ کے دور میں کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے جن سے اصلی رنگ میں کچھ تغیرات پیدا ہوئے، جنہوں نے رفتہ رفتہ ترقی پکڑ کر ایک علیحدہ مذہب قائم کر دیا، جس پر چلنے والے اس اصلی صاف وسیع راستے سے کسی قدر دائیں بائیں ٹکل گئے، جو مقلد کہلاتے اور اس نئے طریقے کے عموماً مروج ہو جانے اور مدت تک اسی طرح رہنے کی وجہ سے اکثر لوگ اس اصلی راہ کو بھول گئے اور اس سے ناواقف ہو گئے بلکہ اس کو غلط سمجھنے لگے۔

(۱) آگے مفصل آرہا ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے کا طرز عمل

تفصیل اس اجمال اور توضیح اس مقال کی یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے جب محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عالم کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا (جب کہ اقوام شرک و کفر سے دنیا گندی ہو رہی تھی اور پہلے انبیاء (علیہم السلام) کے دین طرح طرح کے بدعات پیدا ہونے کی وجہ سے اپنی اصلی صورت سے بدل کر کچھ اور ہی رنگ پکڑ گئے تھے، اور تمام روئے زمین کو جہالت کی ظلمت گھیرے ہوئے تھی اور ضرورت تھی کہ کوئی ہادی بھیجا جاوے۔ پس نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام عالم کی طرف رسول بنا کر بھیجا) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تبلیغ رسالت اور تعلیم اسلام کی خدمت انجام دینی شروع کی اور انجام کو پہنچائی اور اسلام کا نور عالم پر چمکا اور لوگ صراطِ مستقیم پر ڈال دیئے گئے) تو اس زمانہ کا دستور تھا کہ جو کوئی مسلمان^(۱) ہوتا تھا، پیغمبر صاحب کو جو کچھ کرتے دیکھتا یا فرماتے سنتا سوائے اُن امور کے جن میں پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خصوصیات ثابت ہو) کرنے لگتا۔ جب کسی کو کوئی نیا واقعہ پیش آتا، پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کر لیتا، وہ بلا ضرورت^(۲) مسائل دریافت نہ کرتے تھے۔ ہاں پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو حدیث پالیتے، ضرور یاد کر لیتے تھے اور جو کچھ جانتے تھے عمل میں اس پر نہایت پختگی کے ساتھ مستعد رہتے تھے اور بہت ہی سیدھے اور صاف لوگ تھے۔

(۱) یہ بات ایسے تواتر سے ثابت ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں اور یہ واقعات بھی جو یہاں ذکر کئے گئے اس کے

شاید ہیں۔

(۲) دیکھو: حجة الله البالغة، مطبوعہ مدینتی ۱۲۵۶ھ، ج ۱، ص ۱۳۶، ازاداری۔

صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی آپ (ﷺ) کے ساتھ والہانہ محبت اور جاں نثاری:

پیغمبر (۱) صاحب (ﷺ) کے ساتھ پہلی عقیدت میں بڑے راسخ الاعتقاد تھے اور آپ (ﷺ) کی بے حد تعظیم و ادب کرتے تھے۔ ان کے دلوں میں بیان سے باہر پیغمبر صاحب (ﷺ) کی محبت سمائی ہوئی تھی۔ وہ فرط محبت و عقیدت کی وجہ سے آپ (ﷺ) کے کھکھار و تھوک و ناک کے فضلہ کو بھی زمین پر نہ گرنے دیتے تھے۔ بلکہ جب آپ (ﷺ) دفع کا قصد فرماتے تھے وہ دوڑ کر اپنے ہاتھ میں لے لیتے اور اپنے بدن پر مل لیتے۔ اسی طرح وہ آپ کے وضو کے پانی کے لئے دوڑتے تھے اور اس کے لینے میں اس قدر جلدی کرتے تھے کہ ان کے آپس میں کشت و خون ہو جانے کا خوف ہو جاتا اور لیکر اپنے بدن پر ملتے اور اگر خود نہ مل سکا تو دوسرے کے ہاتھ کی تری لے کر مل لیتے۔ بعض (۲) کا ذکر ہے کہ آپ (ﷺ) نے پچھنے لگو اگر خون ان کو پچھینکے کو دیا۔ انہوں نے بجائے پچھینکنے کے وہ خود ہی پی لیا ﴿☆﴾ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

کسی (۳) جہاد میں ایک صحابی نے ڈھال نہ ہونے کے سبب سے اپنا ہاتھ آپ (ﷺ) کے روئے مبارک کے سامنے بطور ڈھال کے کر دیا کہ آپ (ﷺ) کے چہرے

(۱) اس کے ثواب حدیث کی مثالوں میں ہزاروں موجود ہیں جن کے ذکر کی حاجت نہیں اور آگے جو لکھا اس کے لئے دیکھو صحیح بخاری مع فتح الباری، پارہ ۱۱: ص ۸۰۔ مطبوعہ مطبع انصاری ۱۳۷۶ھ وغیرہ۔

(۲) بزار اور طبرانی اور حاکم اور وثیق اور ابونعیم وغیرہ نے روایت کیا۔ دیکھو التلخیص الحبیرو ابن حجر مستطانی ص: ۱۰۰، مطبوعہ مطبع انصاری ۱۳۷۶ھ۔

(۳) دیکھو صحیح بخاری و فتح الباری پارہ ۱۳: ص ۳۹۱۔ یہ قصہ احد کے دن کا حضرت طلحہ کا ہے۔ اس میں حضرت طلحہ کی ایک انگلی بھی اڑ گئی تھی، نام نہ لکھنے میں اس طرح اشارہ ہے کہ گودا قعد ایک خاص کا ہے، مگر یہ تخصیص اتفاقی ہے ورنہ تقریباً سب ہی صحابہ کی کم و بیش آپ کے اوپر جاں نثاری اور محبت کی یہی حالت تھی۔

مبارک پر تیرہ لگنے پائے۔ اُن کے ہاتھ پر تیر لگنے شروع ہوئے مگر انہوں نے اپنا ہاتھ نہ ہٹایا حتیٰ کہ کچھ اوپر ستر تیر آ کر لگے اور سارا ہاتھ زخمی ہو کر پکار ہو گیا، مگر اُن کا ہاتھ سامنے سے نہ ہٹا۔

عام دستور ہے کہ جس کسی کے ساتھ عقیدت رکھی جاتی ہے۔ جس قدر دور دراز کے رہنے والوں اور بعد کے آنے والوں کو ہوتی ہے۔ اس قدر اُس کے پاس رہنے والوں (اور خصوصاً ہر وقت کے ساتھ رہنے والوں) اور ہمعصر لوگوں کو نہیں ہوتی۔ مگر جب ہم پیغمبر صاحب (ﷺ) کے ساتھ صحابہ کی عقیدت و محبت کو دیکھتے ہیں تو ہم کو بڑی حیرت ہوتی ہے۔ جس قدر وہ لوگ آپ (ﷺ) کے ساتھ عقیدت و محبت رکھتے تھے، اور آپ کی فرمانبرداری میں سرگرم تھے۔ ہم نہیں خیال کر سکتے کہ اس سے زائد اور بھی ممکن ہے۔ بعد کے آنے والے جس قدر کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں، صحابہ کسی طرح اُن سے کم نہیں تھے، بلکہ اُن سے بہت زائد تھے۔ اور یہ ایک بین دلیل آپ کی حقانیت اور بے غرضی کی ہے۔ اگر آپ تصنع کرتے ہوتے یا بنے ہوئے نبی ہوتے۔ اور آپ کی تعلیم وغیرہ خود غرضی کے لئے ہوتی تو کسی طرح ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ ہر وقت و ہر لحظہ کے پاس رہنے والے اور ہر طرح کے راز دار ایسا کرتے۔ انہوں نے آپ (ﷺ) کے پیچھے ^(۱) نہ جان کو جان سمجھا، نہ مال کو مال۔ جان و مال و عزت و آبرو و اولاد سب آپ (ﷺ) پر فدا کر دی۔ گھر بار چھوڑا، اولاد و عزیز و اقارب کو چھوڑا، مگر آپ کا ساتھ اور آپ (ﷺ) کی فرمانبرداری کو نہ چھوڑا۔ انہوں نے سخت سے سخت مصیبتیں سہیں اور مہینوں ^(۲) بھوکے رہتے تھے۔ دنوں تک ایک ایک چھوہارے پر دن بسر کرتے تھے۔ پتے کھا کھا کر دن گزارتے اور پھر ایسے فقر و فاقہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے برابر جہاد کرتے رہتے تھے۔

(۱) ان سب باتوں کے متعلق مفصل حالات مکتب حدیث و سیر میں موجود ہیں، ہزاروں قصے ہیں ایک دو ہوں تو ان کا نشان بتایا جائے۔
(۲) دیکھو صحیح بخاری وغیرہ۔

زبان سے کہنا تو بہت آسان ہے۔ مگر جس نے تجربہ کیا ہے وہی جانتا ہے کہ بھوک کی تکلیف کیسا سخت ہے قرار کرنے والا عذاب اور ناقابل برداشت مصیبت ہے۔ مگر انہیں کایمان تھا کہ وہ ایسی حالت پر بھی ذرا نہیں گھبراتے تھے۔ اور سخت بھوک کی حالت میں جہاد کرتے تھے۔ بعض^(۱) صحابہ کا ذکر ہے کہ ان کی بھوک کے مارے یہ حالت تھی کہ کھڑے سے گرتے تھے اور لوگ سمجھتے تھے کہ یہ مجنون ہو گئے۔ حالانکہ جنون وغیرہ کچھ بھی نہ تھا، بھوک کی نہ ہوشی ہوتی تھی، مگر اس پر بھی آپ (ﷺ) کا ساتھ نہ چھوڑتے تھے، بلکہ وہ اتنی دیر کے لئے کہ کچھ کھانے کے لئے کمالات، غیر حاضری برداشت نہ کر سکتے تھے، اور آپ (ﷺ) کی فرمانبرداری کے سامنے اپنے عیش و آرام و ذاتی منافع کے فوت ہونے کی بال برابر پروا نہ کرتے تھے۔ ان کو ہجر آخرت کی بھی تمنا کے جو کچھ مصیبتیں ہوتے تھے اس کے سوا کسی دنیاوی نفع کی امید نہ تھی۔ صدق اللہ تعالیٰ: {هُجَّادٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرْبُهُمْ رُكَّعًا مُّجَدًّا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا} (محمد، رسول اللہ کے ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشی۔)^(۲) ہم نہیں جانتے کہ آپ (ﷺ) نے ایسی جاہل^(۳) و وحشی قوم میں جو اپنی پیاری کھیتی کو دتی اولاد کو بلا تصور اپنے ہاتھوں سے مار ڈالتے تھے۔ زندہ بچوں کو گاڑ دیتے تھے۔ اپنی بیویوں کو غیروں کے پاس گروی رکھتے تھے۔ اپنی جو رووں^(۴) کو دوسرے قوی مردوں کے پاس قوی بچہ لینے کے لئے بھیجتے تھے۔ بات کی بات میں ہزاروں خون کر ڈالتے تھے۔ کون سی ایسی روح

(۱) دیکھو صحیح بخاری مع فتح الباری، پارہ: ۳۶، ص: ۱۱۵، اور شمائل ترمذی، ص: ۷، مطبوعہ احمدی ۱۳۸۲ھ۔

(۲) سورہ فتح: ۲۹۔

(۳) یہ بیان خود قرآن مجید میں اور مفصل بہت تفسیر و حدیث میں موجود ہے۔

(۴) دیکھو صحیح بخاری، پارہ: ۲۱، ص: ۲۸، مطبوعہ مطبع النصارى۔

پھونک دی تھی، جس سے وہ ایسے شائستہ اور مہذب بن گئے، جس سے دنیا نے تہذیب حاصل کی۔ وہ روح تھی سچے دین کی۔ اور یہ آپ (ﷺ) کا ایک قوی معجزہ ہے، جس سے کوئی عاقل انکار نہیں کر سکتا۔

صحابہ کرام کا جذبہ اتباع سنت:

غرض صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی آپ (ﷺ) پر گرویدگی ایک حیرت انگیزان کی محبت اور عقیدت کا نمونہ ہے۔ اور جیسی اُن کو محبت تھی ویسے ہی آپ (ﷺ) کے اتباع اور آپ (ﷺ) کی سنتوں پر عمل میں سرگرم تھے۔ اُن کی محبت ہم جیسوں اور ہمارے زمانے کے لوگوں کی سی نہ تھی کہ زبانی محبت کے بڑے بڑے دعوے، مگر اتباع سنت اور اطاعت احکام کا نام بھی نہیں بلکہ سنت کے نام سے نفرت۔

حالانکہ سچی محبت یہی ہے کہ محبوب کی ہر بات کے ساتھ محبت کرے اور اسی کی چال چلے۔ صحابہ (رضی اللہ عنہم) صرف امور دینی میں نہیں بلکہ ویسے بھی آپ (ﷺ) کی چال و ڈھال و ہر بات میں آپ (ﷺ) کی پیروی کرنا چاہتے تھے۔ آپ (ﷺ) نے ایک خاص^(۱) ضرورت سے انگوٹھی بنوائی اور پہنی، سب نے انگوٹھیاں بنوا کر پہن لیں۔ جب آپ (ﷺ) نے اس کو اتار کر پھینک دیا، سب نے اتار کر پھینک دیں۔

بعض^(۲) کا ذکر ہے کہ جہاں کہیں سفروں میں آپ (ﷺ) آتے، یا کہیں قضاے

(۱) صحیح بخاری، حدیث (۷۴۹۸)۔

(۲) حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کے حالات صحیح بخاری اور شفاء قاضی عیاض میں دیکھو۔ شفاء میں حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کا ایک قصہ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سفر میں اپنی سواری کی اونٹنی کو ایک جگہ گھماتے تھے۔ کسی نے وہ بدبو چھی تو جواب دیا: میں نے رسول اللہ (ﷺ) کو (اس جگہ) گھماتے دیکھا، میں نے بھی ویسا ہی کر لیا اور کچھ میں نہیں جانتا۔ شفاء میں اسی قسم کے اور بھی قصے لکھے ہیں۔ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کا ایک قصہ ذہبی کے قول میں بھی بغیر طبعہ سابعہ آگے آتا ہے۔

حاجت کی وہ بلا ضرورت وہاں اترتے اور قضائے حاجت کے لئے بیٹھ جاتے۔ آپ (ﷺ) کے قول و فعل میں ان کو کسی توجیہ اور تاویل یا دریافت علت و سبب کی ضرورت نہ تھی، جو کرتے دیکھا، کرنے لگے۔

ایک (۱) مرتبہ آپ (ﷺ) تعلیم پہنچے ہوئے نماز پڑھتے تھے۔ آپ (ﷺ) نے نماز میں تعلیم اُتار دیں، سب نے اُتار دیں۔ آپ (ﷺ) کے اُتارنے کی وجہ تو یہ تھی کہ بحسب اتفاق آپ (ﷺ) کی تعلیم میں کچھ ناپاکی لگی تھی۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے نماز میں آکر خبر دی، آپ (ﷺ) نے اُتار دیں۔ مگر انہوں نے آپ کو اُتارتے دیکھ کر بلا وجہ اُتار دیں۔ ایک (۲) روز آپ (ﷺ) نے خطبہ فرمانے کے لئے منبر پر چڑھ کر حاضرین سے ارشاد فرمایا: بیٹھ جاؤ، ایک صحابی باہر سے آرہے تھے۔ انہوں نے مسجد کے دروازہ پر آپ (ﷺ) کا یہ ارشاد سنا۔ وہیں دروازہ پر بیٹھ گئے۔ جب پیغمبر (ﷺ) صاحب کی آن پر نظر پڑی تو اُن کو اندر بلایا۔ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) (۳) و حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے ایک مرتبہ بحسب اتفاق آپ (ﷺ) کے حضور میں زور سے بولنے پر ممانعت کا حکم آیا۔ اس کے بعد سے ہمیشہ دونوں (باوجودیکہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) بہت بھاری آواز کے آدمی تھے) آپ (ﷺ) کے حضور میں ایسے آہستہ بولتے تھے کہ مشکل سے ان کی بات سمجھ میں آتی تھی۔

اگر ہم صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے اس قسم کے حالات لکھیں تو ایک مستقل کتاب بن جائے، ہم کو جو یہاں پر کہنا ہے وہ یہ ہے کہ صحابہ اتباع سنت میں بڑے مستعد تھے، اور اُن کا دستور یہی تھا کہ ہر بات میں خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی، جو اُن کو آپ (ﷺ) سے ثابت ہوتا تھا اس پر عمل کرتے تھے۔

(۱) سنن ابی داؤد، باب الصلاة فی العمل، حدیث (۶۵۰)۔

(۲) سنن ابی داؤد، ابواب الجمعة، حدیث (۱۰۹۱)۔

(۳) صحیح بخاری مع فتح الباری، پارہ ۲، ص ۳۲۸، اور تقریباً سب ہی صحابہ کی یہی حالت تھی، دیکھو: شفا قاضی عیاض۔

اور گویا یہ بھی ہوتا ہو کہ بعض صحابہ (رضی اللہ عنہم) عند الضرورت خصوصاً جو کہ تازہ اسلام اور نواقف تھے، دوسرے واقف کاروں سے کسی وقت کوئی مسئلہ دریافت کرتے ہوں۔ مگر سب کے مرجع آپ (ﷺ) ہی تھے۔ اور سوا آپ (ﷺ) کے اور کسی کا کوئی مذہب مقرر نہ تھا۔

نبی اکرم (ﷺ) کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا طرز عمل:

پیغمبر صاحب (ﷺ) کی وفات کے بعد غلیفہ ہوئے ابو بکر (رضی اللہ عنہ)۔ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) تمام صحابہ سے اعلم^(۱) اور سب سے زیادہ ذکی تھے۔ اور کیوں نہ ہوتے۔ وہ ہمیشہ حضور میں اول سے آخر تک برابر پیغمبر صاحب (ﷺ) کے ساتھ رہے۔ کبھی آپ سے جدا نہ ہوئے الا ما شاء اللہ اس واسطے فیضان صحبت کا جو حصہ ان کو نصیب ہوا، دوسرے کو نہ ہوا اور خداداد افہم مزید برآں۔

حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کا اپنے زمانے خلافت میں یہ دستور^(۲) تھا کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا یا کسی مسئلہ کی ضرورت ہوتی، تو اول کتاب اللہ میں نظر کرتے۔ اگر اس سے مسئلہ مل گیا تو خیر، ورنہ حدیث رسول اللہ (ﷺ) سے جو ان کے سینے میں تھیں، ڈھونڈتے۔ اگر اس میں مل گیا تو خیر، ورنہ اوروں سے پوچھتے پھرتے کہ میرے سامنے یہ واقعہ پیش آیا ہے، تم میں سے کسی کو اس کی بابت کوئی حدیث رسول (ﷺ) معلوم ہے۔ اگر کسی کے پاس حدیث مل جاتی تو اسی کو اختیار کرتے، اور حدیث کے مل جانے پر اللہ کا شکر کرتے۔ اگر موجودین سے کسی کے پاس نہ ملتی اور وہ اپنی حد جستجو ختم کر چکے تو سربر آوردہ لوگوں کو جمع کر کے ان کی رائے اجتہاد پر نظر

(۱) سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں: إنه أعلم الصحابة وأد کا ہم اہل حق ص: ۳۸-۳۹۔

(۲) تاریخ الخلفاء: سیوطی ص: ۳۴ اور افریق الاہم ص: ۱۰۲، مطبوعہ نظامیہ ۱۲۹۱ھ اور سنن ابی داؤد، باب فی الجہاد،

ص: ۳۵، جلد دوم اور انصاف باب اسباب الاختلاف بین اہل الحدیث، ص: ۳۸، مطبوعہ دہلی احمدی لکھنؤ۔

کرتے۔ اگر سب کے سب ایک بات پر متفق رائے ہو جاتے تو اُسی کو لیتے اور خود بھی اجتہاد کیا کرتے تھے۔

فاروق اعظم و جملہ صحابہ (رضی اللہ عنہ) کا طرز عمل اور تقلید کا عدم وجود:

اسی طرح حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا بھی دستور^(۱) رہا۔ اور یہی دستور^(۲) تقریباً بقیہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا بھی تھا۔ جو کوئی کہیں کا حاکم یا مفتی یا قاضی ہوتا، اسی طرح کرتا۔ جب کوئی حادثہ پیش آیا، اگر اپنے علم میں اُس کی بابت کوئی آیت یا حدیث ہوئی، تو اُس کے موافق عمل درآمد کیا۔ خود نہ معلوم ہوئی، دوسروں سے تلاش کی۔ پتہ لگ گیا تو خیر ورنہ اجتہاد سے کام لیا۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) قرآن و حدیث کے نہ پانے کی صورت میں حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے فیصلے کو بھی تلاش کرتے تھے۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ)^(۳) بھی کبار علماء صحابہ میں سے تھے۔ بلکہ اگر حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ)^(۴) کے بعد انہیں کو بقیہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے افتخار و اعلم کہا جائے تو نا درست نہ ہوگا۔ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) باوجود یکہ اپنے اپنے وقت میں بقیہ افراد مسلمین سے اعلم بڑے بڑے مجتہد تھے اور ان کے وقت میں تعداد مسلمین کی بھی بہت بڑھ گئی تھی، خصوصاً حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے وقت میں تو بڑی بڑی فتوحات ہوئیں اور اعداد مسلمین اور

(۱) تاریخ الخلفاء: بیہقی ج ۲: ۴۰۔

(۲) کنز العمال، جلد: ۳ اور سنن داری اور افتراق الامم ج ۲: ۱۰۴ اور انصاف ج ۳: ۳۹-۴۰۔

(۳) تاریخ الخلفاء، ص: ۱۰۸۔

(۴) حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے موافقات کثیرہ اور پیغمبر صاحب (ﷺ) کا خواب میں اُن کو اپنا بچا ہوا وودھ دینا

اور اس سے مراد اعلم بتانا اور ان کے محدث ہونے کی حدیث آخر جہا البخاری وغیرہ اور حدیث إن اللہ جعل الحق علی لسان

عمر و قلبہ۔ آخر جہ الترمذی وغیرہ اس پر دلالت ہیں۔ اور اس کے اور بھی بہت سے ثواب ہیں۔ حضرت ابن مسعود کا قول

ہے اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمر کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر کا علم بھاری ہوگا۔ (دیکھو: استیعاب ابن

عبدالبر و إزالة الخفاء۔)

رقبہ مملکت اسلام بہت ہی وسیع^(۱) ہو گیا۔ ۷۲ ہجری^(۲) میں افریقہ و اندلس بھی ممالک اسلام میں شامل ہو گیا تھا۔

اور یہ کوئی عاقل نہیں سمجھ سکتا کہ تمام قدیمی مسلمان اور نو مسلم سب کے سب مجتہد اور عالم تھے (بلکہ کوئی شک نہیں کہ خواص کے افراد کم ہوتے ہیں، زیادہ تر عوام ہی ہوتے ہیں) مگر ایسا نہیں کیا گیا کہ تمام عوام کو یا صرف عوام کو حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) یا حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) یا کسی دوسرے مجتہد و امام کی تقلید پر آمادہ یا مجبور کیا جاتا، اور نہ از خود ان لوگوں^(۳) نے ایسا کیا بلکہ

(۱) حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے کل ممالک کا رقبہ الفاروق، حصہ دوم میں بائیس لاکھ پندرہ ہزار تیس میل مربع بتایا ہے۔

(۲) تاریخ الخلفاء: سیوطی ص: ۱۵۴۔

(۳) ہم یہ جو کچھ لکھ رہے ہیں اس سے صرف ایک واقعی حالت اور نفس الامری سرگزشت اس زمانے کی بتانا چاہتے ہیں تاکہ قدیم الاسلام کا نقشہ دکھلائیں اور یہ کہ تقلید شخصی کا مذہب کب سے شروع ہوا۔ لہذا ہمارے کلام پر اس اعتراض کے وارد کا کوئی موقع نہیں کہ اس زمانے میں تقلید کی ضرورت تھی۔ اس لئے کہ قرب زمانہ کی وجہ سے سب واقف تھے یا یہ کہ اس زمانے میں تقلید شخصی اس وجہ سے نہ ہو سکتی تھی کہ اس وقت تک کسی کا مذہب مدون نہ ہوا تھا کہ اس کا حاصل کرنا آسان ہوتا اور سب کو اس کا پابند کیا جاتا۔ لہذا اس زمانے میں تقلید شخصی نہ ہونے کے خاص وجوہ تھے۔ پس اس زمانے کا ذکر فضول ہے۔ کیونکہ اس اعتراض کا اگر موقع تھا تو اسی وقت تھا کہ ہم اس زمانے میں تقلید نہ ہونے کو اس زمانے کی تقلید کے عدم جواز پر بطور استدلال کے پیش کرتے اور یہ کہتے کہ چونکہ اس زمانے میں تقلید شخصی تھی لہذا اس زمانے میں بھی نہ ہونی چاہئے۔ پس اس کے جواب میں اس زمانے اور اس زمانے کا فرق دکھایا جاتا۔ علاوہ اس کے یہ اعتراض فی نفسہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ تابعین و تبع تابعین اور زمانہ مابعد کے لوگ جنہوں نے خود پیغمبر صاحب (ﷺ) سے استفادہ نہیں کیا تھا۔ ان کو ضرورت تھی کہ کسی نہ کسی کے ذریعہ سے احکام شرعی کو معلوم کرتے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سب کے سب عالم و مجتہد نہ تھے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مسائل میں اختلاف زمانہ صحابہ ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اس وقت تقلید کی ضرورت ہے اور اس وقت تھی جو اس وقت کا حال ہے وہی اس وقت کا حال تھا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اس وقت تھوڑے واسطوں سے پیغمبر صاحب (ﷺ) تک سلسلہ پہنچ سکتا تھا اور زمانہ بعد میں زائد سے۔ اور مدون نہ ہونے کا اندر بھی غیر صحیح ہے۔ اگر تقلید کی جاتی تو جس مجتہد کی تقلید کی جاتی اس کے عہد سے اور مذہب کی سب سے تلاش ہوتی اور سب ہی اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے پس ایک کو دوسرے سے بآسانی معلوم ہوتا رہتا اور سب اپنے حوادث و واقعات میں اس پر عمل کر سکتے۔ آخر پیغمبر صاحب (ﷺ) کے فرمان و ارشادات بھی تو مدون نہ تھے۔ پھر ان پر کیسے سب کے سب عمل کرتے تھے۔۔۔۔۔

صحابہ (رضی اللہ عنہم) و تابعین (رحمہم اللہ) سب کا دستور یہی رہا۔ اپنے آپ کو مسئلہ معلوم ہوا، اس پر عمل کیا، نہ معلوم ہوا جس سے معلوم ہو گیا عمل کر لیا۔ جس سے اتفاق پڑا، دریافت کر لیا۔ کسی کی کوئی تخصیص یا قید نہ تھی۔ ہر شخص اپنے شوق و توفیق کے موافق احادیث رسول (ﷺ) معلوم کرنے میں جہاں سے اور جس سے ملتیں حصہ لیتا اور اس پر عمل کرتا۔ ان کا طریقہ تھا عمل بالحدیث۔ شاہ ولی اللہ صاحب انصاف^(۱) میں تحریر فرماتے ہیں: ”صحابہ (رضی اللہ عنہم) اور تابعین سے بطور تواتر کے ثابت ہے کہ ان کو جب کوئی حدیث پہنچتی تھی تو بلا کسی شرط کے وہ اس پر عمل کرنے لگتے تھے۔“ انتہی۔ اور سب کے سب ایک ہی روش پر تھے، گو بعض مسائل میں اختلاف بھی تھا مگر فرقے و مذاہب علیحدہ علیحدہ قائم نہ تھے، اور جیسے وہ لوگ عمل میں ایک سیدھے اور صاف طریقہ (عمل بالحدیث) پر تھے۔ اسی طرح اس وقت میں عقائد کی سطح بھی نہایت ہی مستوی و ہموار تھی۔ قرآن و حدیث میں صفات الہی اور امور آخرت وغیرہ عقائد کے متعلق جو کچھ وارد ہوا، اس کے ظاہر کے موافق عقیدہ رکھتے تھے، اور زبان سے اس کا اقرار کرتے تھے اور اس کی کیفیت و تفصیل میں اپنی طرف سے کوئی گفتگو نہیں

۔۔۔۔۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے زمانے میں اشاعت علم کے ذرائع بہت پیدائے تھے۔ جا بجا علماء تعلیم کے لئے مقرر کئے۔ برابر بذریعہ خط و کتابت اطراف ممالک میں علمی مضامین پہنچا کرتے تھے۔ دیکھو: مکتب تراجم و تذکرے اور الفاروق شبلی نعمانی حصہ دوم۔ جس میں انہوں نے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا بانی فقہ اور اصول فقہ ہونا تسلیم کیا ہے (ص: ۲۱۶) اور لکھتے ہیں: ”چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے، اس لئے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اس کو اس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہو جانے کے یہ نشر و اشاعت ممکن نہیں۔“ (ص: ۱۳۳) اور لکھتے ہیں: فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے بروایات صحیحہ منقول ہیں ان کی تعداد بھی ہزار تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدمہ اور اہم مسائل ہیں۔“ (مکوالہ از اللہ الخفاء: شاہ ولی اللہ، ص: ۲۳۵، مطبوعہ نامی پریس لاہور) الغرض تقلید شخصی کی اگر اس وقت ضرورت ہے تو اس وقت بھی تھی اور اگر تقلید شخصی اختیار کی جاتی تو کوئی وجہ اس کے نہ ہو سکتی تھی۔ جس اعتراض مذکور غیر صحیح ہے۔

(۱) ص: ۶۰، عبارت یہ ہے: وقد تواتر عن الصحابة والتابعين أنهم كانوا إذا بلغهم الحديث يعملون به

من غير أن يلاحظوا شرطاً۔ انتہی۔

کرتے تھے۔ اس وقت تک عقائد کے متعلق جو باتیں مذکور ہیں، نہ ان میں کوئی موشگافیاں پیدا ہوئی تھیں اور نہ تاویل میں پیدا کی گئی تھیں۔ غرض اعمال و عقائد ہر ایک کی طرف سے سب مسلمان ایک ہی جماعت تھی اور پورے طور پر {وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا} (مضبوط پکڑو اللہ کی رسی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔^(۱) کے مصداق ہو رہے تھے جو کہ شارع کا مقصود اصلی ہے۔

مذہب شیعہ کی ابتداء:

اسلام میں سب سے اول خلافت جس کی بنا پر تفرق ہو کر اور مذہبی خلافت ٹھیر کر آئندہ کے لئے مذہباً ایک علیحدہ فرقہ قائم ہو گیا یہ ہے کہ بزمانہ خلافت^(۲) حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) ایک یہودی تھا، عبد اللہ بن سنانی، معروف بابن السوداء۔ وہ مسلمانوں کے شہروں میں آ کر مسلمانوں کو بہکا یا کرتا تھا۔ مگر جب اس کی کچھ پیش نہ گئی تب وہ ایک داؤ پلا۔ پہلے مسلمان بنا اور ۳۳ھ میں بصرہ کے اندر آ کر ٹھہرا اور لوگوں سے اختلاط پیدا کیا، اور ان کو چند نئے قسم کے مسائل (صاف صاف نہیں بلکہ مجمل طرز سے دلیپز الفاظ میں) سکھانا شروع کئے۔ بصرہ کے حاکم تھے عبد اللہ بن عامر۔ رفتہ رفتہ ان کو خبر پہنچی۔ انہوں نے اس کو طلب کیا، اور اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ کہا: اہل کتاب میں سے تھا۔ دین اسلام پسند آیا، مسلمان ہو گیا ہوں، اور تمہاری حدود مملکت کے اندر رہنا اچھا معلوم ہوا، اس واسطے یہاں آ کر رہنے لگا۔ پھر انہوں نے اس کے مسائل کی تحقیقات کی۔ ان کو جعلی پا کر اس کے اخراج کا حکم دیا۔ وہاں سے نکل کر کوفہ میں جا کر

(۱) سورۃ آل عمران: ۱۰۳۔ یعنی ایک ہو کر ہو فرقتے فرقتے نہ ہو۔

(۲) خبیۃ الاکوان فی الفراقی الامم و الادیان، (ص: ۱۰۴-۱۰۵) از نواب صدیق حسن خان (رحمۃ اللہ تعالیٰ) نیز دیکھئے

:علامہ مقریزی کی کتاب المخطوط والآثار، ج: ۴، ص: ۴۲۔ (ع۔ج۔)

ربارہاں بھی یہی قصہ پیش آیا۔ تب مصر میں اقامت اختیار کی اور وہاں بھی وہی طرز عمل اختیار کیا۔ لوگوں سے کہا: بڑے تعجب کی بات ہے کہ یہ تو تسلیم کیا جاتا ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) دوبارہ دنیا میں آویں گے اور یہ صحیح نہ ہو کہ (ہمارے پیغمبر) محمد (ﷺ) دوبارہ دنیا میں آویں۔

بعض لوگ اُس کی یہ بات مان گئے اور یہ رجعت کا مسئلہ قائم ہوا۔ پھر لوگوں سے بیان کیا کہ ہر نبی کا کوئی نہ کوئی وصی ہوتا ہے (اور ہمارے نبی (ﷺ) کا بھی کوئی ضرور وصی تھا)، وہ علی (رضی اللہ عنہ) بن ابی طالب ہیں اور وہی مستحق خلافت ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے، جو رسول (ﷺ) کی وصیت کو جاری نہ ہونے دے۔ اور عثمان (رضی اللہ عنہ) تو بلا تحقیق خلیفہ ہو گئے۔

غرض اس نے فساد اٹھانے کی غرض سے شیخین (رضی اللہ عنہما) اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے لوگوں کو بدظن و بدعتیہ کرنا چاہا اور اُس میں بہت کچھ سعی کی، اور جا بجا اپنے بھیدی مقرر کئے کہ انہوں نے رفتہ رفتہ ہر جگہ کے لوگوں کے دلوں میں وہاں کے عثمان اور حاکموں کا ظالم ہونا جمایا (تاکہ مسلمانوں میں فساد برپا ہو اور بغاوت قائم ہو) حتیٰ کہ تمام بلاد سے ایک شورا اُٹھ کر دار الخلافہ مدینہ منورہ کو پہنچا جس کا (بعد ایک طویل قصہ کے) انتہائی انجام یہ ہوا کہ ملک میں بغاوت قائم ہوئی اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) ۳۵ھ میں شہید کئے گئے۔ (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)۔

اگرچہ اس بغاوت اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کی اور بھی مؤید باتیں پیدا ہو گئی تھیں مگر اصلی اور بڑا سبب ابن السوداء کا اندرونی فساد تھا۔ ابن السوداء جو اسلام کا سخت بدخواہ تھا اور اسلام کے اندر فتنہ انگیزی چاہتا تھا اپنی چال میں خوب کامیاب ہوا، اور اس کے ان جعلی مسائل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بہت بڑا مذہب علیحدہ قائم ہو گیا، اور جماعت عظیم اُس کی قائل ہو

کر مذہباً ایک دوسرا فرقہ ٹھہری، جن کا نام شیعہ یا رافضی ہوا۔ اس مذہب کی بنیاد تو ابن السوداء سے قائم ہوئی اور اسی وقت سے تشیع شروع ہوا۔ مگر وقتاً فوقتاً اس میں جیسی ترقی ہوتی گئی، شاخیں پھوٹی گئیں۔ چنانچہ اب شیعوں کے بڑے بڑے ^(۱) ایسے فرقے ہیں۔ اور ویسے تو تین سو تک نو بت پہنچ گئی۔ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے بعد جب حضرت علی (رضی اللہ عنہ) خلیفہ ہوئے، روافض ^(۲) میں کا ایک غالی فرقہ پیدا ہوا۔ جو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ حد سے متجاوز محبت کا دعوے رکھتا تھا۔ ان کو حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) نے سخت عذاب دے کر جان سے مارا۔ اس بات کی کہ علی (رضی اللہ عنہ) وہی رسول (ﷺ) ہیں، خود حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے تکذیب کی۔ جیسا کہ ابن عساکر ^(۳) کی روایت میں مصرح مذکور ہے، مگر ابن السوداء کی تو غرض ہی اور تھی۔

افسوس تو ان پر ہے، جو اس کی اصلی غرض سے بے خبر رہ کر اس کے دام میں مبتلا ہو گئے اور ابن السوداء نے اہل بیت کی محبت کی نئی میں شکار کھیلا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ کسی مذہب کو مقبولیت نہیں ہو سکتی اور نہ لوگ اس کو مان سکتے ہیں، جب تک کہ وہ خوشنما بنا کر نہ دکھایا جائے اور اس میں کوئی نہ کوئی بات عام پسند اور دل گیر نہ ہو، اسی وجہ سے ان تمام مذاہب میں جو وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے، کوئی بات ایسی ضرور دکھائی گئی، جو دلپذیر اور لوگوں کو قابو میں لانے والی ^(۴) ہو۔ مذہب تشیع میں اہل بیت کی محبت اور ان کی حق رسی کو آگے رکھ لیا۔ اور کچھ

(۱) افتراق الامم ص: ۱۱۴۔

(۲) جن لوگوں کو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے بلا دیا (آخر جہ البخاری والترمذی وغیرہما) لمعات وغیرہ میں ان سے یہی لوگ مراد بتائے ہیں۔ جو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) ہی کو (نعموز بائد) رب بتاتے تھے۔ اور دیکھو: فتح الباری، پارہ: ۲۸، ص: ۴۲۷۔

(۳) تاریخ الخلفاء، ص: ۱۵۷ تا ۱۶۷۔

(۴) مذہب تقلید میں جو بات خوش آئند اور عام پسند ہے، جس سے وہ عموماً خوش منظر اور قابل قبول معلوم ہوتا ہے، اپنا غایت انکسار و تواضع اور اس عالم کی جس کی تقلید کی جائے نہایت تعظیم اور اس کے ساتھ بے حد حسن ظن یعنی یہ کہ قرآن ---

سک نہیں کہ اسی ملمع کاری والی باتیں جو ”کلمۂ حق“ آرہے بہا الباطل“ (یعنی بات تو صحیح ہے مگر نتیجہ غلط پیدا کیا گیا۔) کے مصداق ہیں، محققانہ نظر سے دیکھنے والے اور اس طرز عمل کے پرکھنے والے کے سامنے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں، کبھی چھپ نہیں سکتیں چونکہ تشیع کی ابتداء ابن السوداء سے ہے، اور اس کی قیام گاہ تھی مصر، اس لئے تشیع کا زور^(۱) مصر سے اٹھا اور وہ مصر میں بہت غالب رہا، حتیٰ کہ ۵۶۴ھ میں سلطان صلاح الدین نے دولت اسماعیلیہ کو نیست و نابود کر کے مصر کو تشیع سے صاف کیا۔ تشیع نے زمانہ مابعد میں بے حد ترقی کی اور اس کے فتنہ نے اسلامی دنیا کو باہم جنگ و جدال پیدا کر کے سخت سخت نقصان پہنچائے۔^(۲)

باطل فرقے اور ان کے حدوث کے اسباب:

جیسا کہ ہم نے تشیع کی ابتداء بیان کی، اسی طرح اور تمام مذاہب اور فرقے جو ہم دیکھ رہے ہیں، وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے۔ مثلاً^(۳) ۳۱۵ھ میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی

۔۔۔ وحدیث کو وہی خوب سمجھتے تھے اور اسرار شریعت سے واقفیت انہیں کا حصہ تھا۔ اجتہاد و استخراج مسائل وفہم قرآن وحدیث انہیں کا کام تھا۔ جو کر گئے ہم کو کہاں ایسا علم یا لیاقت یا سمجھ کر ہم قرآن وحدیث کو سمجھ سکیں یا ان کی باتوں میں دخل دیں۔ اگر ہم ان کی کسی بات کو ضعیف یا مرجوح کہیں تو ہماری مثل وہی ہے جیونامند بڑی بات ان کا علم بہت وسیع تھا۔ ان کی کوئی بات قرآن وحدیث کے خلاف ہونا، دور از عقل ہے۔ ہم لوگ جاہل وبے علم ہیں۔ ہم کو تو انہیں کی تقلید چاہئے۔ غرض اپنا انکسار اور ان کی کمال عظمت کا اظہار۔ اسی وجہ سے اپنے فریق مخالف کو گستاخ مٹھہر بتاتے ہیں۔ اگرچہ اپنا انکسار اور ائمہ کی تعظیم نہایت مستحسن امر ہے۔ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مگر اس کی بھی ایک حد ہے۔ تحقیق حق کے موقع میں اگر اسی کو پیش نظر رکھا جائے تو کبھی حق دریافت نہیں ہو سکتا۔ یہی طرز عمل اگر ہمیشہ برتا جاتا تو کبھی کوئی متاثر عالم اپنے متفقہ مباحثات بد کرتا۔ اس کے علاوہ ہم نہیں سمجھ سکتے جب وہی علماء جن کے ساتھ حسن ظن ہے، باہم مختلف ہیں تو اب ہم کو کیا کرنا چاہئے دراصل حالیکہ یہ بھی یقین ہے کہ حق پر عند اللہ ان میں سے ایک ہی ہے۔

(۱) الفتراق الامم، ص: ۱۰۴ تا ۱۰۵۔

(۲) دیکھو: کتاب تواریخ۔

(۳) تاریخ الخلفاء، ص: ۷۳۔ الفتراق الامم، ص: ۱۱۷-۱۲۰، فتح الباری، پارہ: ۲، ص: ۳۳۴۔ باب قتال الخوارج۔

باہم فوج کشی ہوئی اور آخر میں دو پنچوں کی پنچایت پر فیصلہ ٹھہرا۔ اس موقع پر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے لشکر کے کچھ لوگ تجکیم (پنچایت) کے مسئلے کے مخالف ہو کر علیحدہ ہو گئے اور اس میں انہوں نے سخت تشدد اختیار کیا اور فرط تشدد کی وجہ سے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اور ان کے ساتھ والوں کو مشرک و کافر کہنے لگے اور مضمون آیت "إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ" سے استدلال کیا۔ یہ لوگ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے اور ان کے جو حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے قصاص کے مطالبہ میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے لڑے پہلے ہی سے سخت مخالف تھے اور اب حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے بھی مخالف ہو گئے اور حروراء میں جا کر ایک علیحدہ اپنی جماعت قائم کی۔ یہ لوگ خارجی کہلائے۔ یہاں سے خارجیوں کے مذہب کی ابتداء ہوئی اور وقتاً فوقتاً ان کے مذہب میں اضافے ہوتے رہے اور نئے نئے مسائل داخل ہوتے گئے، اب ان میں بھی کوئی بیس فرقے ہیں۔

حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کو ان کے ساتھ مناظرہ کرنے اور ان کو سمجھانے کے لئے بھیجا۔ اکثر ان میں کے تو سمجھ گئے اور اپنے خیالات سے رجوع کر کے واپس آ گئے اور کچھ اپنی ہٹ پر قائم رہے۔ آخر ان سے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے بمقام نہروان میں قتال کیا، جن کے بارے میں پیغمبر صاحب (ﷺ) کی وہ پیشین گوئی، جس میں ایک ایسی جماعت نکلنے کی خبر ہے، جو قرآن کو خوب تلاوت کریں گے اور بڑی طویل طویل نماز میں پڑھیں گے مگر ایمان سے بے بہرہ ہوں گے، پوری^(۱) ہوئی۔

(۱) حدیث کا غلط انطباق:

صحیح بخاری باب من ترک قتال الخوارج للثألف میں ہے۔ ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ پیغمبر صاحب (ﷺ) (پھر) مال تقسیم فرما رہے تھے کہ بنی قیس کے قیدی کا ایک شخص ذوالخویصرہ کا بیٹا عبد اللہ نامی آیا (صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث علی میں ہے) انھیں اس کی دھنسی ہوئی، گالوں کی ہڈی اٹھی ہوئی۔ پیشانی ابھری ہوئی، داڑھی گھنی، سر گھٹا ہوا، تہمد اونچا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ (ﷺ): انصاف سے ہاتھ آپ (ﷺ)۔۔۔

--- نے جواب دیا: افسوس میں انصاف نہ کروں گا تو پھر کون کرے گا۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا: مجھ کو اجازت ہو تو میں اس منافق کی گردن مار دوں۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: جانے دو۔ فرمایا: اس کے ساتھ کچھ لوگ ہوں گے۔ (کتاب المغازی والی روایت میں ہے اس کی نسل سے ایک قوم نکلتے گی) جن کی نماز کے سامنے تم اپنی نماز کو اور روزے کے سامنے اپنے روزے کو حقیر سمجھو گے وہ قرآن کی تلاوت کرتے ہوں گے، مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیرکمان سے صاف نکل جائے۔ (بعض روایت میں بت ہے ستوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو قتل کریں گے) ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک شخص ہو گا کہ ایک ہاتھ اس کا مثل پستان عورت کے (گوشت کا لوتھڑا) ہو گا۔ (ایک دوسری روایت میں ہے عضد بلا ذراع کے ہو گا، عضد کے کنارے سر پستان کی طرح ہو گا اور اس پر سفید بال ہوں گے) یہ لوگ اس وقت ظاہر ہوں گے، جب (مسلمان) لوگوں میں پھوٹ ہو رہی ہوگی (صحیح مسلم میں ہے جب میری امت دو فریق ہو رہی ہوگی، ان کے قتل میں مشغول وہ فریق ہو گا، جو ان دونوں فریق میں زیادہ حق کے قریب ہو گا۔ طبری کی روایت میں علامت ان کی سر منڈانا بھی بتائی ہے۔) صحیح بخاری کے باب قتال الخوارج میں بروایت حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اس طرح ہے کہ پیغمبر صاحب (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: عنقریب آخر زمانہ میں ایک قوم نکلتے گی۔ نئی عمر والے۔ عقل کے کوتاہ۔ قرآن سے (دلیل چکڑ کر بات کریں گے، مگر ان کا ایمان ان کی گردن کی منسلکوں سے تجاوز نہ کرے گا۔ الخ۔ ابو سعید کہتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث پیغمبر صاحب (ﷺ) سے سنی اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے ان لوگوں کو قتل کیا، اور میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ (مقاتلہ میں) شریک تھا اور وہ شخص بھی ان میں پایا گیا، اسی طریقے کے مطابق جیسا کہ پیغمبر (ﷺ) نے بتایا تھا۔ (طبری کی روایت میں ہے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے سامنے اس حدیث کے شخص کے مقام نہروان میں قتل ہونے پر پچاس آدمیوں نے گواہی دی۔ صحیح مسلم میں ہے جب حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے حوراء والے مقابل ہوئے، تو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے بیان فرمایا کہ پیغمبر صاحب (ﷺ) ایک قوم کی بابت پیشین گوئی فرما گئے ہیں، بلا شہود باتیں میں ان میں پاتا ہوں الخ۔ سہل بن حنیف بھی اس پیشین گوئی کا مصداق انہیں خوارج کو بتاتے تھے۔ الحاصل اس سے کوئی اہل علم انکار نہیں کر سکتا کہ اس پیشین گوئی کے مصداق خوارج ہیں اور یہ پیشین گوئی پوری ہو چکی۔ چنانچہ شراح حدیث برابر اس کی تشریح کرتے آئے اور آخر زمانہ کا لفظ جو بعض روایت میں وارد ہوا اس سے مراد آخر زمانہ خلافت راشدہ ہے۔ چنانچہ خوارج کا قصہ خلافت راشدہ کے (جس کی کل مقدار تیس سال بتائی گئی ہے) اٹھائیسویں سال واقع ہوا، علامہ ابن حجر عسقلانی (رحمہ اللہ) اسی معنی کو پسند کرتے ہیں۔ (فتح الباری، پارہ: ۲۸، ص: ۶۳۳، ج: ۶) ہم کو بعض حضرات پر سخت تعجب ہے کہ وہ اس حدیث کے بعض لکھوؤں کو لے کر عوام کو غلطی میں ڈالنے کے لئے اہل حدیث کو اس کا مصداق ٹھہراتے ہیں اور اہل حدیث کے رد میں اس قسم کی احمادیت پیش کرتے ہیں، اول تو اہل حدیث کا مذہب اسی دن سے ہے جس دن سے اسلام ہے۔ پھر آخر زمانہ میں نکلتے کے کیا معنی؟ دوسرے جو علامتیں اس حدیث میں بتائی گئی ہیں، ان سے اہل حدیث کو ذرا بھی تعلق نہیں اور تحقیق کے مسئلہ کی تو بعض علماء اہل حدیث نے بالکل ہی مخالفت کی۔---

خارجیوں^(۱) میں کے ایک شخص نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو ۴۰ھ میں شہید کیا۔
 بزمانہ^(۲) خلافت عبدالملک بن مروان بصرہ میں ایک شخص معبد بن خالد جہنی ظاہر ہوا جس نے تقدیر کا انکار کیا۔ یہاں سے قدریوں کی ابتداء ہوئی۔ بصرہ کے بہت لوگ اس کے تابع ہو گئے، جب فتنہ زائد بڑھا تو ۸۰ھ میں حجاج نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے اُس کو سولی دی۔ مگر وہ تو ایک فرقہ قائم ہو چکا تھا، جو باقی رہا۔ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کو جب ان لوگوں کے عقیدہ کی خبر پہنچی تو بہت کچھ ان لوگوں سے بیزاری ظاہر کی۔

اسی طرح^(۳) اخیر صدی پر ایک شخص بلاد مشرقیہ میں سے جہم بن صفوان نامی ظاہر ہوا، جس نے صفات الہی کا انکار کیا۔ یہاں سے مذہب جہمیہ قائم کیا اور اسی طرح^(۴) ہجرت سے دو صدی بعد مذہب اعتزال شروع ہوا۔

غرض اسی طور سے وقتاً فوقتاً یہ تمام مذاہب و فرقے جو ہم دیکھ رہے ہیں، پیدا ہوتے گئے اور ابتداء تو ان کی کسی کی بد باطنی یا چالاک کی یا خود غرضی یا تعصب یا غلط فہمی یا کسی اور اتفاقی وجہ سے ہوئی مگر آہستہ آہستہ اس کو ترقی ہوتی رہی اور تھوڑے بہت لوگ اس میں مبتلا ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ رواج نے تھوڑے دنوں کے بعد ایک مستقل مسلک اور پورا مذہب بنا کر کھڑا کر دیا۔ ظاہر ہے کہ رواج یافتہ بات کی ابتدائی حالت کچھ ہوتی ہے اور ترقی و رواج کے بعد وہ کچھ اور ہی رنگ پکڑ جاتی ہے۔

--- ہے۔ فتح البسین کے غمیرہ میں بھی یہ اور اس قسم کی اور کئی حدیثیں اور بعض بالکل بے پتے الٰہی حدیث پر تصویب دیں۔ افسوس کہ ہم مفصل جواب کی اس مقام پر گنجائش نہیں پاتے۔

(۱) تاریخ الخلفاء ص: ۱۷۳۔

(۲) افتراق الامم ص: ۱۲۰۔

(۳) افتراق الامم ص: ۱۲۱۔

(۴) افتراق الامم ص: ۱۲۱۔

جس سے اصلی حقیقت اس کو نا معلوم ہو جاتی ہے۔ اور اس کا رسم و رواج اس کے پیروؤں کو دکھاتا ہے کہ یہی مذہب قدیم ہے اور یہی اصلی اور صحیح طریقہ ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی بات کسی خاص مصلحت یا کسی مناسب وجہ کی بنا پر شروع ہوتی ہے اور بعد رواج کے اس کی اصل منشا تو نظر انداز ہو جاتی ہے اور وہ اپنی ایک مستقل صورت قائم کر لیتی ہے۔ یہ نئے نئے مذاہب جو پیدا ہوئے صحابہ (رضی اللہ عنہم) تو ان سے محفوظ رہے۔ مگر بعض بعض بدعات ان کے سامنے شروع ہو گئی تھیں جس کے رد کرنے میں انہوں نے کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔

اہل سنت کا طرز عمل:

اسی طرح تابعین اور تبع تابعین بھی جو قدم بقدم صحابہ (رضی اللہ عنہ) کے اس اصلی وسیعے راستہ پر چلے آتے تھے، ان کا رد کرتے رہے۔ جو ان مستحدث فرعون کے مقابلے میں (۱) اہل السنۃ والجماعۃ کہلائے۔ باقی ان اہل سنت کا اصول (عقائد) و فروع (اعمال) میں وہی طریقہ تھا جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔

چھوٹے (۲) بڑے سب قرآن و حدیث پر عمل کا قصد رکھتے تھے، اور جس کو جس عالم سے

(۱) شرح عقائد نسفی مطبوعہ نو لکھنؤ جس: ۵ وغیرہ۔ نیز شیخ المشائخ حضرت شاہ عبد القادر عیسیٰ (رحمہ اللہ) غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں: فعلى المؤمن اتباع السنة والجماعة فالسنة ما سنة رسول الله (ﷺ) والجماعة ما اتفق عليه أصحاب رسول الله (ﷺ)۔ (مطبوعہ لاہور جس: ۱۹۶) یعنی سنت سے مراد سنت رسول ہے اور جماعت سے مراد جماعت صحابہ۔ اور تو ضیح تلویح میں ہے: اهل السنة والجماعة وهم الذين طريقتهم طريقة الرسول (ﷺ)۔ (مطبوعہ نو لکھنؤ جس: ۲۵۳) یعنی اہل سنت والجماعت وہ ہیں جن کا طریقہ طریقہ رسول (ﷺ) ہے۔

(۲) چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے۔ علامہ قاضی شوکانی یمانی القول المفید میں تحریر فرماتے ہیں: ”ہر عالم جانتا ہے کہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کسی کے مقلد نہ تھے اور نہ کسی عالم کے نام کے مذہب کی طرف منسوب تھے بلکہ ناواقف لوگ عالم سے حکم شرعی جو کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (ﷺ) سے ثابت ہو در یافت کرتے تھے۔ اور علماء حکم شرعی کو لفظاً یا معنیاً روایت کر کے فتویٰ دیتے تھے۔ لہذا ان کا عمل روایت پر ہوتا (نہ کسی کی) رائے پر۔ عبارت یہ ہے: وقد علم۔۔۔“

اتفاق پڑتا مسئلے کی تحقیق کر لیتا۔ نہ کسی کی تخصیص تھی، نہ کسی مولوی، امام^(۱) کے نام کا مذہب مقرر تھا۔ اور اس زمانے کا علم بھی زبانی تھا، جس کے خزانے انہیں کے سینے تھے۔ مدینہ کے تابعین میں سے^(۲) سات اماموں نے باعتبار کثرت علم و خدمت افتاء کے بہ زائد شہرت پائی۔ جو فقہاء مبعہ کے نام سے مشہور ہیں۔

امت محمدیہ (ﷺ) میں ائمہ و مجتہدین کی کثرت:

ان کے سوا اور بہت سے انہیں کے وقت میں امام و مجتہد تھے۔ صحابہ اور تابعین، اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ کے ہم عصر اور ان کے بعد کے زمانہ میں جس قدر امام و مجتہدین طبعاً بعد طبعاً (جو مقتدائے وقت اور مرجع خلافت تھے) گزرے ہیں۔ ان کا شمار تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ مگر جس نے تاریخ ال اسلام لکھی۔ تذکرۃ الحفاظ لکھی۔ کامل ابن الاثیر۔ تاریخ ابن خلکان۔ فوات الوفيات۔

--- کل عالم انہم (و اهل القرون الثلاثة) لم یکنوا مقلدین ولا متسین إلى فرد من أفراد العلماء، بل کان الجاهل یسأل العالم عن الحکم الشرعی النابت فی کتاب اللہ وسنة رسولہ فیفتیہ بہ ویرویہ لہ لفظاً أو معنی فیعمل بذلک من باب العمل بالروایة لا بالروای، انہی۔ تبع تابعین کا زمانہ دوسری ہجری کے بعد تک رہا ہے۔ چنانچہ آگے ان شاء اللہ مفصل آئے گا۔

(۱) لفظ امام کی تحقیق:

امام کے معنی لغت میں قضا کے ہیں۔ عرب میں بڑے عالم کو امام کہتے ہیں۔ ہر ملک کی ایک اصطلاح ہوتی ہے، جیسے: بنگالہ میں بڑے عالم کو مولانا کہتے ہیں اور افغانستان میں ملا۔ عرب سے نکل کر امام کا لفظ اور ملکوں میں بھی مستعمل ہوا لیکن عوام کی نظروں میں اب وہ ایک ایسے عہدہ کا نام ہو گیا۔ جس کا محل ہو امتد میں کے چند اشخاص مخصوصہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور ضرور اب کسی پر بولا جاسکتا ہے، گویا وہ ایک ایسے مرید کا نام ہے جو ختم ہو چکا۔

(۲) نام نامی ان کے یہ ہیں: ۱۔ سالم بن عبد اللہ۔ ۲۔ خارجہ بن زید۔ ۳۔ عروہ بن زبیر۔ ۴۔ سلیمان بن یسار۔ ۵۔ سعید بن المسیب۔ ۶۔ قاسم بن محمد۔ ۷۔ عبید اللہ بن عبد اللہ ہذلی۔ اور بعض نے بجائے سالم کے ابو سلمہ بن عبد الرحمن (رضی اللہ عنہ) بن عوف کو۔ اور بعض نے ابو بکر بن عبد الرحمن بن الحارث کو شمار کیا ہے۔ دیکھو: "خلاصة تہذیب تہذیب الکمال"۔

تاریخ ابن الورودی۔ طبقات ابن رجب۔ نفع الطیب للمقبری۔ الدرر الكامنی لابن حجر۔ کتاب ابن الدباغ۔ کتاب ابن المفضل۔ کتاب الحافظ ابن حجر۔ کتاب ابن فہد مکی۔ کتاب الشیخ جلال الدین سیوطی۔ البدرا الطالع وغیرہا۔ دیکھی ہیں وہ جانتا ہے، امت محمدیہ میں ایک ایک وقت میں کتنے کتنے مجتہد امام گزرے ہیں، جنہوں نے دین کی خدمتیں کیں اور پیشوا بنے۔ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں امام ایسے گزرے ہیں (یہ بھی ہمارے پیغمبر صاحب (ﷺ) کا ایک معجزہ ہے کہ ان کی امت میں اس قدر اور ایسے عالم ہوئے) جو اجتہاد کے بڑے بڑے پایہ پر پہنچے اور بہت سے صاحب مذہب مستقل کہلائے۔ (مگر جن کا زمانہ مساعد ہو اور اسباب موافق مہیا ہو گئے ان کا نام آگے کو بھی چلا اور عوام و خواص سب نے ان کو جانا، اور جن کو یہ باتیں نصیب نہ ہوئیں، نہ وہ آگے کے لئے مشہور ہوئے اور نہ خواص کے عموماً لوگ ان سے واقف ہوئے، بلکہ عام لوگ یہی سمجھتے رہے کہ سو ان کے جن کو ہم جانتے ہیں اور کوئی امام نہیں ہوا اور یہی ساری دنیا کے لئے امام کر کے بھیجے گئے) ان اماموں کے اگر ہم صرف نام ہی شمار کرانا چاہیں تو اس کے لئے ایک مستقل کتاب چاہئے مگر اس موقع پر ملخص طبقات ذہبی سے اجمالی مضمون اس کے متعلق نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں سمجھتے۔

امام ذہبی نے طبقات کے پہلے طبقہ میں حفاظ صحابہ کو اور سب سے پہلے حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو ذکر کیا، پھر طبقہ ثانیہ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں: اس قرن فاضل میں اہل علم اور ائمہ مجتہدین وغیرہم کی ایک خلق عظیم تھی اور کیا عجب جن کو ہم نے ذکر کیا اور علماء ان سے بھی زیادہ علم والے اور بڑھ کر ہوں جن کو ہم نے نہیں ذکر کیا۔ اس وقت اسلام غالب اور زور پر تھا اور تمام روئے زمین پر پھیل گیا تھا۔ اور بلاد ترک اور اقلیم اندلس عرض تسعین تک خلافت ولید میں فتح ہو گئے تھے۔ تمام امت انہیں کے زیر حکم تھی۔ ان کی کثرت اموال و جیوش اور قوۃ سلطنت اور فراوانی خزانہ کا حال

لکھ کر طبقہ ثالثہ کا ذکر کیا، یہ طبقہ جماعت وسطیٰ تابعین کا ہے۔ اسی میں ابو الشفاء جابر بن زید کو ذکر کر کے ان کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔ ان کی حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے طواف میں ملاقات ہوئی۔ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) نے ان سے کہا: ”اے جابر! تم بصرہ کی جماعت علماء میں سے ہو، تم سے فتوے پوچھے جاتے ہیں تو بغیر قرآن ناطق یا سنت ماضیہ کے فتویٰ نہ دیا کرو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو تم خود بھی ہلاک ہو گے اور دوسروں کو بھی ہلاک کرو گے۔“ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس وقت مملکت اسلام میں علماء تابعین بہ تعداد کثیر موجود تھے اور ان کے نام بھی بتائے۔ پھر طبقہ رابعہ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں: اس طبقہ کے زمانے میں دولت اسلام بنی امیہ سے ۱۳۲ھ میں نکل کر عباسیوں کے ہاتھ میں گئی۔ اس انقلاب میں خون کی ندی نالے بہہ گئے، اور خراسان اور عراق اور شام و غمیریہ میں ایک عالم نہ تیغ ہوا، جن کا شمار اللہ ہی کو معلوم ہے اور فلاں فلاں علماء نے وفات پائی جو حفاظِ وقت و فقہائے زمانہ تھے۔

اور لکھتے ہیں کہ اسی زمانے میں بصرہ میں اعتزال اور مذہب قدریہ ظاہر ہوا۔ اور خراسان میں مقاتل بن سلیمان نکلا جس نے صفات انہی کے اثبات میں اس درجہ مبالغہ کیا کہ جسمیت تک نوبت پہنچا دی۔ (یہاں سے مذہب مجسمہ کا شروع ہوا) اور ان مبتدعین کے مقابلہ پر علماء تابعین اور ائمہ سلف کھڑے ہوئے اور لوگوں کو ان کی بدعت میں مبتلا ہونے سے روکا۔

تدوین حدیث کی تاریخ:

اور علماء کبار نے تدوین سنن (حدیث) اور جمع فروع (مسائل) اور تصنیف عربیہ (فنون ادب) شروع کی۔ پھر (آگے بڑھ کر) یہ (سلسلہ تالیف و تصنیف) ہارون رشید کے زمانہ میں ترقی پکو چھیا اور لغت کی کتابیں بنیں اور علماء کا حفظ (پر جو مدار تھا) گھٹنے لگا۔ کیونکہ اب کتابوں پر بھروسہ ہونے لگا۔ اس سے پہلے صحابہ اور تابعین کا علم سینوں میں رہا کرتا تھا۔ اور سینے ہی ان کے علم کے خزانے

تھے۔ پھر طبقہ خامسہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس میں حضرت امام ابوحنیفہ صاحب کو ذکر کیا اسی میں ابن جریج، سفیان ثوری کو بھی گنا۔ اس طبقہ میں کچھ اوپر ستر امام شمار کرائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: میں نے اتنے ہی اماموں پر اختصار صرف بغرض تخفیف کیا (ورنہ امام اس طبقہ میں ان کے سوا اور بھی تھے)۔ ذہبی نے جو اس موقع پر تدوین کتب کی طرف اشارہ کیا۔ مناسب ہے کہ ہسم بھی کچھ اوپر مختصر تفصیل یہاں پر ذکر کر دیں۔

مؤلفین حدیث:

علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء^(۱) میں امام ذہبی کا ایک قول بابت واقعات سنہ ایک سو تینتالیس کے ذکر کرتے ہیں۔ ذہبی فرماتے ہیں: ”اس وقت ۳۳۱ھ میں علماء اسلام نے تدوین حدیث وفقہ و تفسیر شروع کی تو مکہ میں تصنیف کرنے والے ابن جریج تھے اور مدینہ میں (امام مالک صاحب) نے مؤطا تصنیف کیا۔ اور شام میں اوزاعی اور بصرہ میں ابن ابی عروہ اور حماد بن سلمہ وغیرہما، اور یمن میں معمر اور کوفہ میں سفیان ثوری اور ابن اسحاق نے مخازی جمع کی اور (امام) ابوحنیفہ نے فقہ و رائے^(۲) کو جمع کیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد ہشیم اور لیث اور ابن لہیعہ نے تصنیفات کیں، پھر ابن مبارک اور ابو یوسف اور ابن وہب نے (کتا بنیں لکھیں) تدوین کتب اور ترتیب ابواب کی کثرت ہوئی، کتب عربیت و لغت و تاریخ جمع کی گئیں، اس سے پہلے ائمہ اپنی

(۱) دیکھو ص: ۲۶۳۔ جلال الدین سیوطی نے کتاب الوسائل الی معرفۃ الاوائل میں بھی اس کی شرح لکھی ہے اس میں ابن حجر اور عراقی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ لوگ (مالک، اوزاعی، وغیرہ) ایک ہی وقت میں تھے۔ نہیں معلوم سب سے پہلے کس نے تصنیف کی، مگر یہ ایک سو چالیس سے کوئی برس اوپر میں ہوا۔

(۲) رائے سے یہ مطلب نہیں کہ محض اپنی رائے و عقل سے دین بنادیا۔ اس لئے کہ یہ ایک ایسی بات ہے، جس کو کوئی مسلمان نہیں کر سکتا، چاہے جانتا کہ ان جیسے امام کہ جن کے علم و تقویٰ سے دنیا واقف ہے بلکہ اس کے معنی غالباً وہی مقصود ہیں جو آئمہ ہم اہل الرائے کی تحقیق میں لکھنے والے ہیں۔

اپنی یاد پر کلام کیا کرتے تھے یا غیر مرتب پرچوں سے روایت کرتے تھے۔ ”حافظ الحدیث علامہ ابن حجر عسقلانی مقدمہ^(۱) فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں۔

احادیث نبویہ، پیغمبر صاحب (ﷺ) اور صحابہ اور کبار تابعین کے زمانے میں کتابیں بنا کر مدون و مجتمع نہ کی گئی تھیں دو وجہ سے، اول تو یہ کہ شروع شروع حدیثوں کے لکھنے کی ممانعت کی گئی تھی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں اس مضمون کی حدیث مذکور ہے۔ ممانعت اس وجہ سے تھی کہ نہیں قرآن وحدیث میں اختلاط نہ ہو جائے۔ دوسری وجہ ان لوگوں کی قوت حافظہ اور سیلان ذہن ہے (اس وجہ سے ان کو لکھنے اور جمع کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ ویسے ہی ان کا کام ہآسانی چلتا تھا) اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اکثر وہ لکھنا جانتے بھی نہ تھے۔ پھر اخیر زمانہ تابعین میں جب کہ علماء دور دراز ممالک میں منتشر ہوئے اور بدعات روافض و خوارج و منکران تقدیر زائد ہوئیں، تو تدوین آثار اور ترویج اخبار شروع ہوئی۔ پھر سب سے اول جمع کرنے والے حدیث کے ربیع بن صبیح اور سعید بن ابی عسروہ وغیرہ ہیں۔ یہ ہر باب کو علیحدہ لکھتے تھے۔ پھر کبار طبقہ ثالثہ^(۲) (تابع تابعین) اٹھے، انہوں نے احکام کو جمع کیا۔ چنانچہ (مدینہ میں) امام مالک (رحمہ اللہ) نے مؤطا لکھا۔ جس میں اہل حجاز کی قوی قوی حدیثیں لانے کا قصد رکھا۔ اور ان کے ساتھ صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں کے فتوے بھی شامل کئے اور مکہ میں ابن جریج نے کتاب تصنیف کی اور شام میں امام اوزاعی اور کوفہ میں سفیان ثوری نے اور بصرہ میں حماد بن سلمہ نے پھر ان کے بعد بہت سے ان کے معاصرین انہیں کی طرز پر تصنیف کرنے لگے۔ حتیٰ کہ بعض ائمہ کی رائے ہوئی کہ حدیث نبوی (بلا اختلاط اور چسپہ کے) جمع کریں اور یہ دو صدی کے ختم کا ذکر ہے تو عبید اللہ بن موسیٰ کوئی نے ایک مسند لکھی اور مسند

(۱) مقدمہ فتح الباری ۱/۶۔

(۲) یہ اصطلاح ذہبی کے طبقات کی اصطلاح سے علیحدہ ہے، لہذا ذہبی اور ان کے کلام میں کوئی تعارض نہیں۔

بن منیر بصری نے ایک مسند جمع کی اور اسد بن موسیٰ اموی نے ایک مسند تیار کی اور نعیم بن حماد نزیل مصر نے ایک مسند تصنیف کی۔ پھر اور ائمہ بھی ان کے بعد انہیں کے نشان قدم پر چلے تو حفاظ میں سے مشکل سے کوئی امام نکلے گا۔ جس نے اپنی احادیث کو مسند کے طور پر جمع نہ کیا ہو۔ منجملہ ان حبیص کرنے والوں کے امام احمد بن حنبل اور اسحق بن راہویہ اور عثمان بن ابی شیبہ وغیرہم ہیں۔ اور بعض نے ابواب و مسانید دونوں طرز پر تصنیف کیا جیسے ابو بکر بن ابی شیبہ ہیں۔

حالات امام بخاری رحمہ اللہ (مختصر):

(اب آئے فخر المحدثین امام بخاری) امام بخاری صاحب نے جب ان تصانیف کو دیکھا اور ان کو پڑتالا اور ان میں ہر قسم کی صحیح وضعیف حدیث مختلف پائیں، تو ان کا قصد یہ ہوا کہ صرف صحیح صحیح احادیث کو جمع کر دیں، جن میں کسی کو شک نہ ہو۔ امام بخاری کے استاد امام اسحاق بن راہویہ نے بھی ایسی کتاب لکھنے کی فرمائش کی تھی، یہ بھی بخاری کے اس ارادے کی وجہ پڑی اور معتبر اسناد سے ثابت ہوا ہے کہ امام بخاری نے بیان کیا کہ: ”میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خواب میں دیکھا کہ میں آپ (ﷺ) کے حضور میں کھڑا ہوا ہوں، اور میرے ہاتھ میں پیکھا ہے جس سے آپ سے (مکھیوں وغیرہ کو) دفع کرتا ہوں۔“ اس کی معبرین نے تعبیر دی کہ پیغمبر صاحب (ﷺ) کی طرف جو جھوٹی احادیث منسوب کی جاتی ہیں تم ان کو دفع کرو گے۔ اس نے مجھ کو ایسی کتاب لکھنے پر (اور بھی) آمادہ کر دیا۔ بخاری کہتے ہیں: میں نے اس کتاب کو چھ لاکھ احادیث سے چن کر لکھا ہے۔ امام بخاری نے جب یہ کتاب تصنیف کی تو اس کو (بغرض استصواب) امام احمد اور یحییٰ ابن معین اور علی بن المہدی وغیرہ پر (جو اس وقت..... بڑے پائے کے ائمہ حدیث میں سے تھے) پیش کی تو سب ہی نے پسند کی اور اس کی تمام احادیث کی صحت کی شہادت دی۔ ہاں صرف چار حدیث میں ان کو کلام ہوا، عقیلی کہتے ہیں، (تحقیق کے بعد

ثابت ہوا) کہ ان میں بھی امام بخاری ہی کا پلہ غالب ہے، اور وہ چار حدیثیں بھی صحیح ہیں۔ محمد بن ابی حاتم وراق نے امام بخاری کو خواب میں دیکھا کہ ”وہ پیغمبر صاحب (ﷺ) کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔ اور جہاں پر سے نبی صاحب (ﷺ) قدم اٹھاتے ہیں وہیں پر یہ قدم رکھتے ہیں۔“ (یہ اُن کی پوری پوری اتباع اور حق رسی کی صورت دکھائی گئی۔ علامہ عبد الواحد طواد سی (۱) کہتے ہیں میں نے پیغمبر صاحب (ﷺ) کو خواب میں دیکھا کہ حضور مع ایک جماعت صحابہ کے ایک مقام پر کھڑے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام کرنے کے بعد عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)، آپ یہاں کھڑے کیوں ہیں۔ فرمایا: محمد بن اسماعیل (بخاری) کا منتظر ہوں۔ پھر چند روز کے بعد مجھ کو امام بخاری صاحب کی وفات کی خبر ملی۔ میں نے شمار جو کیا تو اُن کی وفات کا وہی وقت نکلا۔ جس وقت میں نے پیغمبر صاحب کو منتظر کھڑا ہوا دیکھا تھا۔ امام بخاری کو جب قبر میں رکھا تو اس سے مشک کی سی خوشبو اڑنے لگی اور برابر اڑتی رہی۔ لوگوں نے مٹی اٹھا اٹھا کر لے جانا شروع کی، آخر بغرض حفاظت اس پر جنگ لگا دیا گیا۔ امام بخاری ۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ میں انتقال ہوا۔

عمل بالحدیث کی سہولت:

اسی (۲) عرصہ میں اور اس کے قریب زمانے میں اکشر کتب حدیث تصنیف ہوئیں اور احادیث جو منتشر تھیں، مدون و مجتمع ہو کر ضبط میں آ گئیں (ان پچھلوں کی تالیفات نے ان اگلوں کے اکثر مؤلفات سے جنہوں نے شروع زمانہ تدوین میں تصنیف کی تھیں، مستغنی کر دیا، دو وجہ سے ایک تو یہ کہ مابعد کے زمانے میں تجربہ ہو جانے کی وجہ سے پچھلوں کی مؤلفات جو دت اور حسن ترتیب میں اگلوں سے زائد مفید واقع ہوئیں۔ دوسرے پچھلوں کو جس قدر معلومات کی فراہمی ہوئی، اگلوں کے

(۱) فائزہ مقدمہ فتح الباری، ص: ۵۸۲۔

(۲) علامہ ابن الجزری جامع الأصول میں لکھتے ہیں: فكان غاية هذا العلم إلى زمان البخاري ومسلم ومن كان

افراد کو اس کی ادھی تہائی بھی نہ ہو سکی۔ جیسا کہ ہم آگے ثابت کریں گے۔) اور آگے بڑھ کر علم حدیث ایک کامل اور وسیع فن ہو گیا اور اس کے فنون اور متعلقات کی تنقیح و توضیح نے بہت کچھ ترقی حاصل کی، جس سے علم حدیث اپنی کمال وضاحت کو پہنچ گیا^(۱) کہ ایک معمولی لیاقت کے لئے بھی اس میں کوئی محل دقت اور جائے اشکال باقی نہیں رہی، صرف توجہ صادق اور طلب صحیح کی ضرورت رہ گئی۔ اب ہم پھر امام ذہبی کے سلسلہ کلام کو لیتے ہیں، طبقہ خامسہ کے بعد ذہبی نے طبقہ سادسہ کو ذکر کیا۔ اس طبقہ میں ننانوے امام شمار کر ائے منجملہ ان کے۔

حدیث مل جانے پر خلاف حدیث فتاویٰ سے امام ابو یوسف (رحمہ اللہ) کا رجوع:

امام ابو یوسف (رحمہ اللہ) تک کو ذکر کر کے ان کا یہ قول بھی نقل کیا کہ میں نے جس قدر فتوے دیے تھے، سو ان کے جو قرآن و حدیث کے موافق تھے، میں سب سے رجوع کرتا ہوں۔ اسی طبقہ میں یحییٰ بن سعید قطان اور عبد اللہ بن وہب فہری^(۲) کو جو کہ ایک مجتہد کامل تھے گننا ہے۔ لکھتے ہیں: اس وقت میں اصحاب حدیث کے گروہ کے گروہ موجود تھے۔ مثل (امام) ترمذی وغیرہ کے۔ اسی طرح مشائخ کے بھی گروہ کے گروہ تھے۔ مثل شقیق بلخی وغیرہ کے۔ اور سلطنت ہارون رشید اور برامکہ کے قبضہ میں تھی، ان کے بعد امین اور امین کے بعد وصدی کے ختم پر جب مامون خلیفہ ہوئے تو تشیع چمک اٹھا اور خوب زور پکڑ گیا۔ اور حکمت و اہل اور منطق یونان کا عربی میں ترجمہ ہوا اور

(۱) در مختار میں علوم کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں اور فن حدیث کو اس قسم میں بتایا کہ جس علم کے قواعد مقرر ہو گئے اور قواعد پر فروعات کر دیئے گئے اور اس کے مسائل کی توضیح کر دی گئی۔ اور وہ اپنے نہایت کمال کو پہنچ گیا۔ یعنی اب اس میں کوئی حالت منظرہ باقی نہیں رہی۔ شیخ ابن عابدین لکھتے ہیں کیونکہ محدثین جو اہم اللہ نے اسماء الرجال میں بتائیں بنائیں اور ان کے نسب اور ان کے باہم وجود فرق بیان کئے اور روایت میں ثقہ وغیر ثقہ علیحدہ علیحدہ کر کے دکھا دیئے۔ کوئی ایک لاکھ کے حافظ تھے۔ کوئی تین لاکھ کے۔ صحابہ رسول کا حصہ شمار کیا۔ احکام احادیث اور ان سے مرادیں بیان کیں، پس فن حدیث کی حقیقت خوب روشن ہو گئی، اچھی دیکھو: الرد المحتار حاشیہ در مختار مقدمہ ص: ۳۶ تا ۳۷ مطبوعہ مصر۔ اس مضمون کی توضیح آگے آتی ہے۔

(۲) لکھتے ہیں: كان ثقة حجة حافظا مجتهدا لا يقلد أحدًا مات سنة ۱۹۹ هـ انتهى۔

کو اکب کے حالات دیکھنے کے لئے آلات رصد یہ بنائے گئے۔ اب لوگوں کو ایک نیا علم ہاتھ لگا۔ جو تعلیم نبوت اور (پہلے زمانہ کے) مؤمنین کی توحید (و عقائد) سے غیر ہے، اس سے پہلے کے مسلمان عافیت میں تھے۔ اس وقت میں روافض و معتزلہ کی شوکت قوی ہو گئی، اور مامون نے مسلمانوں کو قرآن کے مخلوق کہنے پر مجبور کیا اور علماء کو اذیتیں پہنچائیں، ذہبی اس کے متعلق کچھ نصیحت اور ملاحظہ ہمارا فسوس کے بعد طبقہ سابعہ کو ذکر کرتے ہیں، لکھتے ہیں کہ اس طبقہ میں حفاظ حدیث بہت تھے، میں صرف سربر آوردہ لوگوں کا ذکر کرتا ہوں۔ چنانچہ ہوا امام ذکر کئے، انہیں میں شعبی بصری کو بھی ذکر کیا۔

امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) کا بہت سے مسائل سے رجوع:

ان سے کسی نے کہا (امام) ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) نے بہت سے مسائل سے رجوع کیا (یعنی پہلے کچھ فرمایا بعد اس کے پہلی بات کو چھوڑ کر اس کے خلاف فرمایا) شعبی نے جواب دیا عالم رجوع اسی وقت کرتا ہے کہ اس کا علم وسیع ہو۔ انہیں کا قول ہے دین باتوں کا نام نہیں ہے بلکہ دین حدیث سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طبقہ میں امام شافعی (رحمہ اللہ) کا ذکر کرتے ہیں کہ حافظ حدیث تھے، علل حدیث سے خوب واقف تھے اور قاضی حفص بن عبد اللہ نیشاپوری کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ: کبھی رائے سے فیصلہ نہیں کرتے تھے (بلکہ حدیث کے موافق چلتے تھے) ذہبی نے انہیں کے واسطے سے روایت کیا کہ کسی نے حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے حج تمتع کی بابت سوال کیا۔ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا: حلال ہے۔ سائل نے کہا: آپ کے والد (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) تو منع کرتے تھے، ابن عمر (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا: گو میرے باپ نے منع کیا۔ مگر جب پیغمبر صاحب (ﷺ) نے اس کو کیا ہے تو ہم اپنے باپ کی تابعداری کریں یا پیغمبر صاحب کی۔

اس طبقہ کے بعد طبقہ ثامنہ کو ذکر کیا۔ اس طبقہ میں امام ابن حبان کو لکھ کر ان کا مقولہ ذکر

کیا کہ دنیا میں کوئی مبتدع نہیں جو اصحاب حدیث سے بغض نہ رکھتا ہو۔ اور جب آدمی کوئی بدعت کرتا

ہے تو حدیث کا لطف اس کے دل سے نکل جاتا ہے، انہوں نے ۲۵۶ حجۃ انتقال کیا۔ پھر لکھتے ہیں: "ان مذکورین کے سوا انہیں جیسے غالباً اور کچھ جن کو ہم نے نہیں ذکر کیا۔ کیونکہ اس وقت میں ایک مجلس میں دس دس ہزار حدیث لکھنے والے جمع ہوتے تھے، جو فن حدیث کے اندر مشغول رہنے والے تھے، جن میں تقریباً دو سو امام ایسے تھے، جو لوگوں کو فتوے دینے کے لئے ظاہر ہو کر بیٹھے، اور وہ اس کی اہلیت رکھتے تھے۔ بعد طبقہ ثامنہ کے طبقہ ناسمہ کو ذکر کیا۔ اس طبقہ میں ایک سو چھ اماموں کو ذکر کیا جن میں ابو داؤد ظاہری متوفی ۲۵۶ھ اور امام ابو داؤد صاحب سنن متوفی ۲۵۶ھ کو بھی ذکر کیا۔ ابو داؤد کا یہ مقولہ بھی ذکر کیا کہ میں نے پانچ لاکھ حدیث رسول (ﷺ) لکھی ہیں، ان سے انتخاب کر کے یہ سنن بنائی جس میں چار ہزار آٹھ سو حدیث ہیں۔ علامہ ذہبی اس طبقہ کے ختم پر لکھتے ہیں، اس وقت اور اس کے قریب قسریب کے زمانہ میں ائمہ حدیث نبوی (ﷺ) کی خلق کثیر موجود تھی، جن کا ہم دسواں حصہ بھی ذکر نہ کر سکے، ہاں زیادہ تر میری تاریخ کبیر میں مذکور ہیں۔"

تقلید کی ابتداء:

اور اسی طرح اس وقت میں اہل الرائے وفروع (فقیہاء) کی ایک جماعت اور کتنے سرداران معتزلہ اور شیعہ اور اصحاب کلام موجود تھے، جو آراء سے معقول پر چلے اور سلف کا جو طریقہ احادیث کے ساتھ تمسک کا تھا اس کو چھوڑ دیا، اس وقت سے فقہاء میں تقلید ظاہر ہوئی اور (طریقہ) اجتہاد گھٹنے فسخان من لہ الخلق والامر۔^(۱)

اب اس وقت سے (کہ دوسری کے بعد کا زمانہ ہے) مذہب تقلید شروع ہوا اس سے

(۱) عبارت یہ ہے: لقد كان في هذا العصر وما قاربه من أئمة الحديث النبوي (ﷺ) في الدنيا خلق

كثير. ما ذكرنا عشرهم فهنا وأكثروهم المذكورون في تاريخي (الكبير) وكذلك كان في هذا الوقت ---

پہلے عموماً اہل اسلام اہل سنت کا وہی مذہب تھا جو پہلے ہم لکھ چکے ہیں۔ ان میں نہ اس طرح خاص خاص اماموں کے نام کا مذہب مقرر تھا اور نہ ان کی تقلید کی جاتی تھی۔ علامہ سند بن عثمان مالکی تحریر فرماتے ہیں:

” (مذہب) تقلید^(۱) ایک بدعت ہے (جو بعد کے زمانہ میں) پیدا کیا گیا۔ اس لئے ہم یقیناً جانتے ہیں کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے زمانہ میں کسی خاص شخص کے نام کے مذہب نہ تھا جس کو پڑھا پڑھایا جاتا ہو اور اس کی تقلید کی جاتی ہو بلکہ وہ لوگ واقعات میں قرآن و حدیث کی طسروں رجوع کرتے تھے اور قرآن و حدیث سے نہ ملنے کی صورت میں جس طرف ان کی بصیرت پہنچتی اسی طرح تابعین کرتے رہے یعنی قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اگر قرآن و حدیث سے نہ ملتا تو اجماع صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی طرف نظر کرتے۔ اگر اجماع بھی نہ ملتا تو خود اجتہاد کرتے اور بعض کسی صحابی کے قول کو قوی سمجھ کر اختیار کر لیتے۔ پھر قرن ثالث (تابعین کا زمانہ) آیا۔ اسی

--- خلق من أهل الرأي والفروع وعدد من أمّاطين المعتزلة والشيعة أصحاب الكلام الذين مشوا
أراء المعقول وأعرضوا عما عليه السلف من التمسك بالآثار النبوية (رضی اللہ عنہ) وظهر في الفقهاء والتقليد
وتناقض الاجتهاد فسبحان من له الخلق والأمر۔ انتہی۔ یہ عبارت ”تذكرة الحفاظ“ مطبوعہ مطبع دار الفکر المعارف
نظامیہ جلد دوم کے ص: ۲۰۳ میں ہے: ہم جس وقت اس رسالہ کو مرتب کر رہے تھے، اس وقت ہمارے پاس ”تذكرة
الحفاظ“ موجود نہ تھا، ہم نے جو عبارات تذکرے کی نقل کی ہیں، وہ ”الناج المکمل“ سے لکھی ہیں۔ ”الناج المکمل“
میں تذکرے کی یہ عبارات نقل ہیں۔

(۱) تعریف تقلید:

عبارت یہ ہے: أما التقليد فهو قبول قول الغير من غير حجة، وهو أيضاً في نفسه بدعة محدثة لأننا نعلم
بالقطع أن الصحابة (رضوان الله عليهم) لم يكن في زمانهم وعصرهم مذهب لرجل معين يدرس ويقلد وإنما
كانوا يرجعون في النوازل إلى الكتاب والسنة أو إلى ما يتمحض بينهم من النظر عند فقد الدليل وكذلك
تابعوهم أيضاً يرجعون إلى الكتاب والسنة فإن لم يجدوا نظروا إلى ما أجمع عليه الصحابة فإن لم يجدوا
اجتهدوا أو اختار بعضهم قول صحابي فراه إلا قوي في دين الله تعالى ثم كان القرن الثالث وفيه ---

قرن میں (امام) ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) اور (امام) مالک (رحمہ اللہ) اور (امام) شافعی (رحمہ اللہ) اور (امام) احمد بن حنبل (رحمہ اللہ) ہوئے۔ کیونکہ (امام) مالک (رحمہ اللہ) نے ایک سو اناسی/ ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔ اور (امام) ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) ڈیڑھ سو/ ۱۵۰ھ میں، اور اسی سال میں (امام) شافعی (رحمہ اللہ) پیدا ہوئے۔ اور (امام) احمد (رحمہ اللہ) ایک سو چونسٹھ/ ۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ چاروں بھی پہلوں ہی کے طریقے پر تھے۔ ان کے زمانے میں بھی کسی خاص شخص کا مذہب مقرر نہ تھا۔ جس کو آپس میں درس دیتے ہوں۔ اور انہیں کے طرز عمل کے قریب قریب ان کے اتباع کا بھی طرز عمل تھا۔ بہت سے امام مالک (رحمہ اللہ) اور ان کے ہم پلہ اماموں کے قول ہیں جن میں انہیں کے شاگردوں نے ان کا خلاف کیا۔ اگر ہم ان کو نقل کریں تو اس کتاب سے جو مقصود ہے وہ رہ جائے گا۔ ان شاگردوں نے (اس آزادی کے ساتھ) خلاف اسی واسطے کیا کہ وہ (مقلد نہ تھے) بلکہ آلات اجتہاد کے جامع تھے اور استنباط مسائل کے طریقوں پر قادر تھے، (بہر حال قرون شکاش میں مذہب تقلید پیدا نہ ہوا تھا) اور اللہ نے اپنے نبی کو ان کے اس قول میں سچا کر دیا کہ بہتر سب قرون میں اہل زمانہ میرے ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔ پھر جو ان کے

--- أبو حنیفۃ و مالک و الشافعی و ابن حنبل فان مالک کان فی سنة تسع و سبعین و مائة و ثونی أبو حنیفۃ سنة خمسین و مائة و فی هذه السنة ولد الإمام الشافعی و ولد ابن حنبل سنة أربع و ستین و مائة و کانوا علی منهاج من مضی لم یکن فی عصرهم مذہب و جل معین یتدارسونہ و علی قریب منهم کان اتباعهم فکم من قوله لمالک و نظر انه خالف فیها أصحابہ و لو نقلنا ذلک لخرجنا عن مقصود هذا الكتاب و ما ذاک إلا لجمعهم آلات الاجتهاد و قدرتهم علی ضرب الاستنباطات و لقد صدق اللہ نبیہ (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) فی قوله خیر القرون قرنی ثم الذین یلوئهم ثم الذین یلوئهم ذکر بعد قرنہ قرنین و الحدیث فی صحیح البخاری۔ فالعجب لأهل التقليد کیف یقولون هذا هو الأمر القديم و علیہ أدرکنا الشیوخ و هو إنما حدث بعد مائتی سنة من الهجرة و بعد فناء القرون الذین آئی علیهم الرسول (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم)۔ انتہی۔ (منقول از: ایضاظہم اولی الأبصار ص: ۷۴-۷۵، ج۔ ۱)۔

بعد والے۔ اپنے زمانے کے بعد صرف دوزمانوں کا ذکر کیا۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔
پس اہل تقلید سے تعجب ہے کہ وہ کیسے کہتے ہیں کہ یہ (تقلید والا مذہب) قدیم ہے اور یہی
ہم بزرگوں سے دیکھتے چلے آئے ہیں۔ حالانکہ وہ ہجرت سے دوسو برس بعد پیدا ہوا۔ بعد گزرنے ان
قرون کے جن کی رسول (ﷺ) نے تعریف کی۔“

اسی طرح شیخ صالح فلانی مدنی استاد شیخ محمد عابد مدنی نے بھی ایقتصادہم اولی الا بصار
(۱) میں اور علامہ ابن القیم (رحمہ اللہ) نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے، اور اسی کے قریب قریب علامہ
ابن حزم اندلسی اور علامہ ابوطالب مکی اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے تحریر فرمایا۔ چنانچہ ان
کے اقوال ہم آگے ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت علماء کے اقوال سے اس
کی تصریح نکلتی ہے۔ غرض اس سے کسی ذی علم کو انکار نہیں اور نہ کوئی انکار کر سکتا ہے کہ مذہب تقلید پیغمبر
صاحب (ﷺ) سے تقریباً دوسو برس بعد پیدا ہوا، اس سے پہلے کے مسلمانوں کا جن میں عوام اور
خواص، عالم و جاہل، آج کل کی طرح ہر قسم کے لوگ موجود تھے، یہ مذہب نہ تھا جو ان مقلدوں کا
مذہب ہے (بلکہ عموماً ان کا طرز عمل وہی تھا جو کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ جو کہ ان اہل حدیث کا طریقہ
ہے جن کو مقلدین بہت بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔)

”تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا!“

اب رہی یہ بات کہ یہ پیدا کیوں کر ہوا، اور اس قدر اس نے ترقی کیسے پکڑی؟ ہم اس کو بھی
منصفانہ طریقے سے بطور ایک امر واقعی کے بیان کرتے ہیں۔ یہ تو ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ بسا

(۱) لا إقتداء بسید المہاجرین والأئصار وتحذیرہم عن الابتداع من تقلید المذہب بین فقہاء

الأعصار (مختصراً) للفلانی المتوفی سنة ۱۲۸۸ھ۔ یہ نفیس کتاب پہلے (متحدہ) ہندوستان میں چھپی تھی۔ بعد

۱۳۵۴ھ میں مطبع منیریہ مصر سے سلطان عبدالعزیز (رحمہ اللہ) کے خرچ پر اعلیٰ طباعت کے ساتھ طبع ہوئی تھی۔

صفحات: ۷۰ (ع۔ ح۔)۔

اوقات ایسا ہوا ہے اور ہوتا ہے کہ کوئی طریقہ یا طرز عمل کسی اتفاقی وجہ سے یا کسی خاص مصلحت کی بنا پر شروع ہوتا ہے مگر کچھ عرصہ کے وہ اتفاقی وجہ اور وہ خاص مصلحت تو بالکل معدوم ہو جاتی ہے، اور وہ طریقہ اور وہ طرز عمل اپنی ایک مستقل شکل قائم کر لیتا ہے۔ اس قسم کی باتوں کی ابتدائی حالت تو کچھ ہوتی ہے لیکن بعد کو وہ کچھ اور ہی رنگ پکڑ جاتی ہے۔ یہ بات دینی امور کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اس بارہ میں دینی و دنیاوی رسوم و دنوں ہی یکساں حالت رکھتی ہیں۔ ہماری اس قیمتی اور محقق بات کو وہ شخص سمجھی بے قدری کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ جس نے کبھی اپنے ملک کی رسوم و رواج کے اصل کی تحقیقات کی طرف تھوڑی سی بھی توجہ کی ہے اور یہ دیکھنا چاہا ہے کہ ان رسوم کی ابتداء کیوں کر ہوئی ہے اور ان کی ابتدائی حالت کیا تھی اور اب کیا ہے۔ بہت سے مراسم شادی و غم وغیرہ ہمارے پیش نظر ہیں جو کسی خاص ضرورت یا مصلحت سے یا مقتضائے وقت عقلاء نے ایجاد کئے تھے۔ لیکن اب ان کی اصلی وجہ نظر انداز ہے۔ اور بعد کے زمانہ میں ان کی اصلی منشاء کے خلاف ہی کیوں نہ لازم آتا ہو مگر وہ ایک ایسے لازمی امور قرار پا گئے، جو کسی طرح چھوڑے نہیں جاسکتے۔

اسی طرح ہم بہت سی ایسی رسوم پیش کر سکتے ہیں، جو دینی حیثیت سے دیکھی جاتی ہیں کہ وہ ابتداء میں کسی غیر قوم کی صحبت اور مخالفت سے پیدا ہو گئیں یا پہلے زمانہ میں کسی بزرگ یا (۱) صاحب رائے نے کسی خاص ضرورت یا مقتضائے وقت یا اس وقت کی کسی مصلحت کی بنا پر یا اپنی رائے میں کسی وجہ سے ویسا ہی مناسب سمجھ کر یا اتفاقی طور پر کہیں اور وہ بحسب اتفاق کچھ دنوں جاری رہیں۔ ان کے بعد چونکہ لوگ ان کی اصلی منشاء سے بالکل بے خبر ہو گئے۔ لہذا ان مراسم کو امور دینی اور شعائر اسلامی سمجھنے لگے۔ حالانکہ دین میں ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور نہ شارع نے ان کا حکم (۱) کیا خوب کسی نے کہا ہے:

کفر غیر دکانے ملت شود ہر چہ غیر دکانے ملت شود

مگر یہ صرف بطور نظیر و استنباط سے پیش کیا گیا۔ مہوت عنہا امور پر کفر کا لفظ بولنا نہیں چاہتے اور نہ انہیں ایسا سمجھتے ہیں۔

دیا۔ چنانچہ مقلدین بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے اور صرف بعض میں باستثناء بعض کے سب ہی ان کا بدعت ہونا تسلیم کرتے ہیں۔

کیا تم سبجے، دسویں، بیسویں، چالیسویں، چھ ماہی، برسی، سات جمعراتوں، عرس، فاتحہ وغیرہ مروجہ رسوم کو جو میت کے بعد کئے جاتے ہیں اور محفل میلاد شریف اور اس میں تولد کے ذکر کے وقت قیام اور مصافحہ بعد العصر اور معانقہ بعد العید کو نہیں دیکھتے^(۱) (اسی قسم کی اور اس سے بڑھ کر اور بھی بہت باتیں ہیں جو اسلام میں مثل دیگر ادیان کے وقتاً فوقتاً خاص خاص وجوہ سے رواج پا گئیں اور جن کا رواج پانا ایک شدنی امر اور لازم تھا۔ اس لئے کہ خود پیغمبر صاحب (ﷺ) اس کی بابت پیشین^(۲) گوئی کر چکے ہیں، جو ٹل نہیں سکتی۔

(۱) اہل دیوبند تعجب:

ہندوستان میں مقلد مولویوں میں سے دیوبندی المذہب مولوی بہ نسبت دوسرے فریق کے تعداد کی رو سے زائد ہیں۔ وہ سب کے سب ان تمام مراسم کا بدعت و خلاف طریقہ سلف ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے فریق کے مولویوں کو ان مراسم میں سے بعض کے بدعت ہونے سے انکار ہے۔ لیکن نظر تحقیق سے کام لینے کے بعد دیوبندیوں کی رائے کے اس بارہ میں صحیح ہونے اور فریق مقابل کی رائے کے خطا ہونے میں شک نہیں رہتا۔ دیوبندی المذہب فریق سے تعجب ہے کہ باوجود یہ کہ ان تمام مراسم کا بدعت ہونا تسلیم کرتے ہیں تقلید شخصی کا بدعت ہونا تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ دونوں ایک ہی حالت رکھتے ہیں۔ ان مراسم کے بدعت ہونے کی بجز اس کے کوئی وجہ نہیں کہ ان میں بیہات کدانیہ اور خاص خاص خصوصیات کا بحیثیت دینی التزام کر لیا گیا۔ جس خصوصیت کے التزام کا شارع نے حکم نہیں دیا۔ یہی بات تقلید شخصی والے مذہب میں بھی موجود ہے۔ ایک امام کی تمام مسائل میں پابندی اور اس کی خصوصیت کا التزام نہیں شارع نے اس کا حکم نہیں دیا، پس جو وہ ان مراسم کی بدعت ہونے کی ہے، وہی بعینہ مذہب تقلید میں بھی موجود ہے، لہذا کوئی وجہ نہیں کہ ان کا بدعت ہونا تسلیم کیا جائے، اور اس کا نہ کیا جائے۔ زیادہ تفصیل ان شاء اللہ آگے مذکور ہوگی۔

(۲) تقلید مفت یہود:

چنانچ فرمایا: لتبعن سنن من قبلکم شبر اشبر او ذراعاً و ذراعاً حتی لو دخلوا جحر حصب تبعتموہم قلنا یا رسول اللہ (ﷺ): الیہود والنصارى۔ قال: لمن صحیح بخاری، پارہ: ۲۹، ص: ۶۷۵، یعنی تم پہلی امتوں کے سارے طریقے اختیار کر لو گے، چونکہ تقلید کا طریقہ یہود میں گزر چکا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: -----

اہل حدیث اور اہل الرائے:

یہی حالت اس مذہب تقلید کی بھی ہے۔ جمع تابعین کے زمانہ میں یا اس سے کچھ پہلے اور زمانہ مابعد میں کچھ علماء ایسے خیال کے ہوئے جو روایت حدیث سے (بخوف کچھ زیادتی کمی ہو جانے یا کسی قدر غلطی میں پڑ جانے کے) ڈرتے اور حدیث کے شغل سے نیکتے تھے۔ یہ لوگ مسائل میں ضرورت کے وقت بہ نسبت حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے روایت کرنے کے بہتر سمجھتے تھے کہ اپنے سے پہلے کسی عالم یا اپنے وقت کے مشہور عالم کے قول سے منہ پکڑ کر بکدوش ہو جائیں۔ یہ لوگ مسائل میں زیادہ تر اقوال علماء پر اعتماد کرتے تھے۔ اگر ان علماء کے اقوال سے جن پر وہ اعتماد کرتے تھے، صریح مسئلہ نکلتا تو اس سے تخریج اور استنباط کرتے۔ یہ لوگ اہل الرائے کہلائے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے تتبع احادیث اور مسائل میں جہاں تک ہو سکا حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی پر اعتماد کیا جو اصلی طریقہ ہے ان کے مقابلہ میں اہل الحدیث کہلائے۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجتہ اللہ^(۱) میں تحریر فرماتے ہیں: اہل الرائے سے وہ لوگ مراد ہیں، جنہوں نے اجماعی یا اکثریوں کے اتفاقی مسائل کے سوا اور مسائل میں کسی پہلے شخص کے قاعدے (اقوال) پر تخریج اختیار کی تو زیادہ تر ان لوگوں کا یہی شغل رہا۔ یعنی ایک مسئلہ کا حکم دوسرے مسئلے کے حکم سے مشابہت کی وجہ سے نکالنا (یعنی قیاس کرنا) اور پھیر پھار کر نا اسی شخص کے قاعدے میں داخل کر دینا بغیر اس کے کہ احادیث اور آثار کا تتبع کریں۔ انتہی۔

--- اتخذوا أحبارهم ورهبانہم أرباباً من دون اللہ۔ اور علامہ شوکانی نے الفتح الربانی میں ثابت کیا ہے کہ

تقلید سنت یہود سے ہے، اور تقلید کے طریقہ کی ابتداء یہود سے ہوئی۔ لہذا ضروری تھا کہ اس امت کے کچھ نہ کچھ لوگ اس مسلک پر ضرور ہوتے۔

اور شاہ صاحب^(۱) باب الفرق بین اہل الحدیث و اصحاب الرائے میں اہل الحدیث کے بیان کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ”اور ان اہل الحدیث کے مقابل امام مالک (رحمہ اللہ) اور سفیان اور ان کے بعد کے زمانہ میں کچھ لوگ تھے جو (قیاس و استنباط سے) مسئلہ بتانے اور فتویٰ دینے سے پرہیز نہ کرتے تھے۔ اور کہتے تھے فقہ (فروعی مسائل) پر دین کی بنا ہے لہذا اس کی اشاعت ضروری ہے اور یہ لوگ حدیث رسول اللہ (ﷺ) کے روایت کرنے اور رسول اللہ (ﷺ) تک (مسئلہ کی سند) پہنچانے سے ڈرتے تھے۔ شعبی کہتے تھے ہم بات کو رسول (ﷺ) سے نیچے کسی عالم کے قول پر ختم کر دیں، یہی زیادہ ہم کو پسند ہے اس لئے کہ نقل میں کچھ زیادتی یا کمی ہو تو رسول اللہ (ﷺ) کی حدیث میں تو نہ ہو، اور یہی بات میں ہو۔ ابراہیم^(۲) کا مقولہ ہے: میں (کسی مسئلہ کے بتانے میں) یہ کھدو، عبد اللہ (بن مسعود) نے (اس طرح) کہا۔ یا علقمہ نے کہا۔ یہ ہم کو زیادہ پسند ہے، اس سے کہ حدیث رسول اللہ (ﷺ) سے استدلال کروں۔“ شاہ صاحب اسی قسم کے کچھ اور اقوال وغیرہ ذکر کر کے لکھتے ہیں^(۳): ”ان کے پاس احادیث رسول (ﷺ) اور آثار صحابہ اس قدر نہ تھے، جن سے استنباط مسائل اس طور پر کر سکتے، جس طور پر کہ اہل حدیث (جن کے پاس احادیث و آثار بہت فراہم تھے) کرتے تھے۔ ان کے دلوں نے اس بات کو بھی قبول نہ کیا کہ (اپنے شہسدر کے علماء و فقہاء کے سوا) اور شہروں کے علماء کے اقوال کو دیکھیں، اور ان کو جمع کریں اور ان میں (راج و مرجوح معلوم کرنے کے لئے) بحث کریں، بلکہ انہوں نے (براہ کسر نفسی) اپنے آپ کو اس لائق ہی نہ سمجھا۔ اور اپنے اماموں کے حق میں (جن کے اقوال کو وہ لیتے تھے) معتقد رہے کہ وہ

(۱) تجتہ انہ بالافتاء، ۱/ ۲۵۳۔

(۲) یہ امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) کے استاذ الاثنا عشر ہیں۔

(۳) ایضاً باب ایضاً (ع۔ ح۔)۔

تحقیق کے اٹلی درجہ پر پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے دلوں کا رجحان اپنے ہی اساتذہ کی طرف رہا۔ چنانچہ علقمہ کا قول ہے۔ کیا کوئی عبد اللہ (بن مسعود) (رضی اللہ عنہما) سے بڑھ کر ہے۔ اور (امام) ابو حنیفہ صاحب کا مقولہ ہے۔ ابراہیم (نخعی) سالم سے ائمہ ہیں۔ اور صحابیت کے فضل کا اگر خیال نہ ہو تو میں علقمہ کو (حضرت) ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے ائمہ کہہ دوں۔ ان لوگوں کو فطانت و ذہانت و سرعت انتقال ذہن ایسا حاصل تھا، جس سے وہ (سارے) مسائل کے جواب اپنے اساتذہ کے اقوال پر تخریج کر کے بتانے پر قادر تھے۔ اور (بات یہ ہے کہ) ہر شخص پر وہ کام جس کے لئے وہ ہے ضرور آسان ہوتا ہے اور ہر شخص اپنے مسلک کو پسند کرتا ہے، تو ان لوگوں نے (مسائل) فقہ کو تخریج کے قاعدے پر مرتب کیا۔ تخریج کی مفصل شرح تو ہم ان شاء اللہ العزیز آگے لکھیں گے۔ مگر خلاصہ یہ ہے کہ اپنے اماموں کے صریح قول سے مسئلہ نکل آیا تو اسی کو اختیار کیا۔ اگر صریح نہ نکلا تو انہیں کے اقوال سے استنباط کیا۔

الحاصل۔ اہل الرائے کا دستور تھا، حدیث کا شغل کم کرنا اور مسائل میں متقدمین کے اقوال پر اعتماد کرنا اور انہیں کو سند میں لانا۔ اس طرز عمل نے لوگوں کو علماء کے اقوال پر بھروسہ کر لینے اور انہیں کو حجت سمجھ لینے کی تعلیم کی۔ یہیں سے تقلید پیدا ہوئی۔ یہ طرز عمل ابتداءً تو ایک نیک نیتی اور خاص احتیاط پر مبنی تھا، لیکن بعد کو جب کہ احادیث جمع ہو گئیں اور روایت حدیث کا بارگراں اللہ تعالیٰ کے دلیر بندوں کے ایک دوسرے گروہ نے اپنے سر پر لے کر اس کو انجام و کمال تک پہنچا دیا۔ (اسی کا طفیل ہے کہ آج تک دین محفوظ، اور حق و ناحق ممتاز رہا اور رہے گا) کوئی وجہ نہ تھی کہ حدیث رسول اللہ (ﷺ) کو محل استدلال سے نظر انداز کیا جاتا اور ہر موقع میں علماء کے اقوال پر اعتماد اور انہیں کو دلیل و سند قرار دیا جاتا، مگر وہ ایک دستور تھا جو پڑ چکا۔ جس نے لوگوں کو علماء کی تقلید اور انہیں کے اقوال پر کار بند رہنے کا طریقہ سکھا دیا۔ اور دلائل شرعیہ کے ساتھ استدلال اور ان کی طرف توجہ

کے ترک کا عادی بنادیا۔ پھر تو وہ ایک مستقل مسلک بن گیا۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ایک ذی علم جس کے سامنے قرآن و حدیث موجود ہے اور وہ قرآن و حدیث کو سمجھتا بھی ہے، اسی کو بھی یہی چاہئے کہ کسی نے (۱) کسی اپنے سے پہلے کی تقلید کرے اور جب کوئی واقعہ پیش آئے تو قرآن و حدیث کو چھوڑ کر اسی پہلے کے قول سے اس کا حکم تلاش کرے اور اس پر کاربند ہو۔

پس اہل الرائے کا وتیرہ تھا، جس نے اس طریقہ کی بنا ڈالی۔ لیکن پہلے زمانہ کے اہل الرائے اپنی خاص احتیاط کے خیال کی بنا پر معذور تھے مگر مابعد کے لوگوں نے ان کی اصلی وجہ کو جس کے سبب سے وہ ایسا کرتے تھے نظر انداز کر دیا، اور بلا اصلی منشاء کے لحاظ کیے ہوئے وہی کرنے لگے جو وہ لوگ کرتے تھے، نہیں بلکہ اس سے بھی زائد اور بہت زائد۔ اس لئے کہ اس طرز عمل کو روز بروز جیسا زمانہ گزرتا گیا اور اس کے سالکوں کو ترقی ہوتی گئی (چنانچہ ہم آگے ذکر کریں گے) اس کو بھی ترقی ہوتی گئی، اور اس کا استحکام بڑھتا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پورا ایک مذہب ہی قائم ہو گیا۔ جس کو تقلید اور اس پر چلنے والوں کو مقلد کہتے ہیں۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ پہلے زمانہ کے اہل الرائے مقلد نہ تھے اور نہ ان کا مذہب تقلید تھا (تقلید تو اس طرز عمل کی ترقی اور استحکام کے بعد ظہور میں آئی) ورنہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جناب امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) بھی مقلد ہوں۔ کیونکہ وہ بھی اسی اہل الرائے کی محتاط جماعت میں تھے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) صاحب کا مقلد ہونا کون تسلیم کر سکتا ہے، اس لئے کہ مسلم ہے کہ مجتہد کو تقلید قطعاً حرام ہے (۲) اور امام صاحب کا اجتہاد میں جو پایہ تھا، معلوم ہے۔

(۱) چنانچہ مقلدین میں عملاً عام طور پر یہی ہو رہا ہے۔ جو زبان سے ایسا کہیں یا اس سے انکار کریں مگر کرتے ایسا ہی ہیں اور ایسا ہی کرنا ضروری سمجھتے ہیں، ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ جب کسی عالم کو اس طرز عمل کے خلاف کرتا ہوا دیکھتے ہیں تو ان کے دشمن ہو جاتے ہیں جیسا کہ برابر علماء اہل حدیث کے ساتھ ہو رہا ہے۔

(۲) رد المختار، ص: ۴۲، اور کتب اصول میں جا بجا تصریح موجود ہے۔ من جملہ ان کے تلویح تحقیق حدیث، ص: ۳۳، نو لکھنوی، اور امام صاحب کے اہل الرائے ہونے کا ذکر آگے آتا ہے۔

ائمہ اربعہ اور دیگر علماء کے اقوال، بابت ممانعت تقلید:

نیز امام صاحب تقلید سے منع فرمایا کرتے تھے، تو جس چیز سے منع فرماتے خود اس کو بھی ل کرتے۔ ائمہ اربعہ اور دیگر اماموں نے اپنی نور بصیرت سے دیکھ لیا تھا کہ کیا عجب اس طرز عمل سے لوگ مذہب تقلید پیدا کر لیں، لہذا وہ سب کے سب بنظر احتیاط اور بطور حفظ ما تقدم اس سے برابر ممانعت کرتے رہے^(۱) اور صاف صاف ہدایت کر گئے کہ کبھی تقلید نہ اختیار کر لینا مگر افسوس ہے کہ اس پر بھی لوگوں نے نہ مانا اور نام کو تو اُن کی پیروی کرتے ہیں مگر کرتے وہی ہیں جس سے انہوں نے منع کیا تھا۔ اس کے علاوہ مذہب تقلید بعد کو ظہور پذیر ہوا اور اہل الرائے پہلے سے ہیں۔

(۱) حجة الله البالغة میں لکھتے ہیں: (امام) ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: جو شخص میری دلیل نہ معلوم کرے اس کو میرے قول پر فتویٰ دینا لائق نہیں ہے، (یعنی تقلید امیر سے قول کو بلا تحقیق کہنے ہوئے نہ لینا چاہئے) اور آپ جب فتویٰ دیتے تھے تو فرما دیتے تھے کہ یہ دائے نعمان کی یعنی میری ہے، اور ہم نے اپنی پہنچ میں اسی کو بہتر پایا۔ اب اگر کسی کو اس سے بھی بہتر ملے تو وہی ٹھیک ہے۔ اور امام مالک (رحمہ اللہ) فرماتے تھے کہ سوا رسول اللہ (ﷺ) کے کوئی نہیں جس کی ساری باتیں واجب التسلیم ہوں۔ (لہذا تمام باتوں میں کسی کی پیروی جہیں کی جاسکتی جب تک یہ نہ تحقیق کر لی جائے کہ کون سی بات حق و واجب التسلیم ہے اور کون سی نہیں) اور امام شافعی (رحمہ اللہ) نے مزنی سے کہا کہ میری تقلید نہ کر ساری باتوں میں، اور اپنے لئے خود تحقیق کر، کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے۔ اور فرماتے تھے سوا رسول اللہ (ﷺ) کے کسی کا قول حجت نہیں۔ اور امام احمد (رحمہ اللہ) نے فرمایا: نہ میری تقلید کر اور نہ مالک کی اور نہ اوزاعی کی اور نہ حنفی کی اور نہ کسی اور کی۔ اور جہاں سے انہوں نے مسائل لئے تم بھی لو۔ یعنی کتاب و سنت سے۔ اور امام ابو یوسف اور (امام) زفر اور ان کے سوا اور اماموں سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کسی کو حلال نہیں کہ ہمارے قولوں پر فتوے دے، جب تک کہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے کہاں (اور کس دلیل سے) کہا (یعنی ہماری تقلید نہ کرے) کیونکہ تقلید کہتے ہیں بلا دلیل مان لینے کو۔ امام صاحب کے شاگرد کے شاگرد عصام بن یوسف سے کسی نے کہا کہ تم (امام) ابو حنیفہ صاحب (رحمہ اللہ) کا بہت خلاف کیا کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا اس واسطے (خلاف کرتا ہوں) کہ (امام) ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) کو جو فہم دی گئی تھی ہم کو نہیں دی گئی۔ انہوں نے اپنی فہم سے جو سمجھا ہم نہیں سمجھ سکتے اور ہم کو جائز نہیں کہ اُن کے قول پر فتویٰ دیں جب تک خود نہ سمجھ لیں۔ یعنی ہم تقلید نہیں کر سکتے۔ (ص: ۱۶۲-۱۶۳) اور حجة الله البالغة میں یہ بھی ہے کہ خلیفہ منصور زمانہ حج میں امام مالک (رحمہ اللہ) سے ملے اور کہا میں نے قصد کر لیا ہے کہ تمہاری تالیفات کو لکھوا کر تمام ممالک اسلام میں بھیج دوں، اور حکم کر دوں کہ انہیں پر عمل کیا جاوے۔ اور اُن کے سوا کسی اور کے قول پر عمل نہ ہو۔ امام صاحب (رحمہ اللہ) نے جواب دیا کہ: ---

شیوع و فروغ تقلید کا زمانہ اور اس کے اسباب:

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغۃ^(۱) میں تحریر فرماتے ہیں: ”جان لینا چاہئے کہ چوتھی صدی سے پہلے کے لوگ کسی ایک مذہب معین کی تقلید پر جمع نہ تھے، ابوطالب مکی قوت القلوب میں لکھتے ہیں: ”یہ کتابیں (اور خاص خاص مذہبوں کے نام کے) مجموعے محدث (نئے نکالے ہوئے) ہیں۔ اور قرآن و حدیث کے سوا لوگوں کے اقوال کے ساتھ قائل ہونا اور کسی ایک معین مذہب پر فتویٰ دینا اور اسی کے قول کو اختیار کرنا اور اسی کو ہر موقع میں پیش کرنا اور اسی کے مذہب کے موافق فقہ حاصل کرنا (جیسا کہ مقلدین کرتے ہیں) قدیم سے لوگ اس پر نہ تھے نہ پہلے طبقے والے (صحابہ) نہ دوسرے طبقہ والے (تابعین)۔“ انتہی۔ (شاہ صاحب لکھتے ہیں): ”میں کہتا ہوں دونوں طبقوں کے بعد لوگوں میں کچھ تخریج پیدا ہوئی۔ مگر چوتھی صدی والے ایک معین مذہب کی تقلید خالص اور اسی کے حاصل کرنے اور اسی کی نقل کرنے پر مجتمع نہ تھے۔ چنانچہ تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے، بلکہ ان میں عوام و علماء سب ہی قسم کے لوگ تھے۔ عوام کا دستور تھا کہ اجماعی مسائل میں جن کے اندر کسی

--- اے امیر المؤمنین ایسا نہ کرو۔ کیونکہ لوگوں کے پاس اور علماء کے اقوال پہنچے ہیں اور انہوں نے احادیث سنی میں اور روایات نقل کی ہیں۔ اور جس گروہ کو جو پہنچ چکا ہے، اس نے اس کو اختیار کیا ہے تو آپ ہر ایک کو اس کے مختار (اور تحقیق) پر رہنے دیں۔ انتہی۔ (ص: ۱۵۰) دیکھو امام مالک (رحمہ اللہ) صاحب نے اپنی تقلید شخصی کئے جانے سے روکا اور اس کو پسند نہ کیا۔ ان اقوال کے سوا ممانعت تقلید میں ائمہ اربعہ سے اور بھی بہت اقوال اور ائمہ اربعہ کے سوا دیگر علماء سے بکثرت منقول ہیں (جن کی نقل کی ہم یہاں گنجائش نہیں پاتے) حتیٰ کہ بہت سے محققین نے تقلید کی نہی پر اجماع ہونے کا دعویٰ کیا۔ جلال الدین سیوطی نے بھی کتاب الرد علی من أخلد إلى الأثر حل میں امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) و مالک (رحمہ اللہ) و شافعی (رحمہ اللہ) کی نسبت ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کسی کو اپنی تقلید کی اجازت نہیں دی بلکہ اس سے منع کیا۔ اس کے متعلق محققین کے کچھ اقوال آگے بھی آتے ہیں۔

(۱) عبارت یہ ہے: أعلم أن الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد

بعينه قال أبو طالب المكي، الخ ص: ۱۵۷ تا ص: ۱۵۹، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة، الخ۔

مسلمان کو یا جمہور مجتہدین کو خلاف نہیں، شارع ہی کی تقلید (اتباع) کرتے تھے۔ وضو، غسل، نماز، زکوٰۃ وغیرہ کے طریق اپنے ماں باپ یا اپنے شہر کے اساتذہ سے سیکھ لیتے تھے اور جب کوئی نیا واقعہ پیش آتا، تو بلا تعین کسی مذہب کے جو عالم مل گیا اس سے فتوے پوچھ لیتے تھے اور خواص کا دستور تھا کہ اہل الحدیث حدیث کا شغل رکھتے تھے۔ ان کو احادیث رسول (ﷺ) اور آثار صحابہ (رضی اللہ عنہم) اتنی پہنچ جاتی تھیں کہ ان کو پھر کسی دوسری چیز کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ (اور حدیث بھی کیسی) بہت بہت سی سندوں سے اور صحیح جس پر کوئی نہ کوئی مجتہد عمل بھی کرتے رہے اور (ہم نہیں جانتے) ایسی حدیث پر عمل چھوڑنے والا عند اللہ کیا عذر کر سکتا ہے۔ یا (اگر حدیث نہ ملی تو) جمہور صحابہ اور تابعین کے ایسے اقوال متفاہرہ جن کے ساتھ مخالفت کرنے کی کوئی وجہ نہیں مل جاتے تھے، اور اگر کسی مسئلہ میں کوئی نقل ایسی نہ ملی جس سے اطمینان حاصل ہو جائے، تعارض کے ہونے اور کسی وجہ ترجیح کے ظاہر نہ ہونے کے سبب سے، تو پہلے زمانہ کے کسی عالم کا قول اختیار کر لیتے۔ اور اگر مختلف قول ملتے تو جس کو زیادہ مضبوط خیال کرتے لے لیتے۔ خواہ وہ قول مدینہ کے عالموں سے کسی کا ہو یا کوفہ کے عالموں کا) غرض کسی کی تعین و تخصیص نہ تھی۔ اور تخریج والے (اہل الرائے) اس مسئلہ میں صریح نص سے نہیں پاتے تھے، اس کو (اپنے پہلوں کے اقوال سے) تخریج کرتے تھے اور ان کے مذہب (کے نکالنے اور پیدا کرنے) میں اجتہاد کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنے اساتذہ کے مذہب کی طرف نسبت کیے جاتے تھے۔ چنانچہ کہا جاتا تھا، فلاں شافعی ہے (یعنی امام شافعی کے اقوال پر تخریج کرتا ہے) اور فلاں حنفی ہے، بلکہ بعض وقت اہل حدیث کو بھی کسی پہلے کے ساتھ زیادہ مسائل میں بطور توارد کے) موافق ہو جانے کی وجہ سے نسبت کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ نسائی اور بیہقی، امام شافعی کی طرف نسبت کر دیے جاتے تھے۔ اس وقت میں قاضی و مفتی وہی بنایا جاتا تھا جو مجتہد ہو، اور فقیہ بھی مجتہد ہی کو بولتے تھے۔ (الحاصل اس وقت تک تقلید شخصی کا رواج نہ عوام میں تھا خواص میں۔)

ان طبقوں کے بعد ایک دوسری قسم کے لوگ ہوئے، جو (سیدھے راستے کو چھوڑ کر) دائیں بائیں بٹک گئے اور ان میں چند نئی باتیں پیدا ہو گئیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ وہ تقلید پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہے اور (صورت اس کی یہ ہوئی کہ) تقلید ان کے دلوں میں چھوٹی کی سی ہلکی چال سے گھسی اور ایسی آہستہ آہستہ گھسی کہ) خود ان کو بھی نہ معلوم ہوا۔ اور سبب اس کا ہوا فقہاء کی باہمی نزاع اور مجادلے۔ کیونکہ فقہاء کی جب آپس میں فتوؤں کے اندر نزاعیں واقع ہوئیں تو جو کوئی فتوے دیتا دوسرا اس کا رد کرتا۔ پس یہ بحث کسی طرح ختم نہ ہوتی جب تک کہ متقدمین میں سے کسی عالم کا صریح قول نہ پیش کیا جائے (اس وجہ سے علماء سابقین کے اقوال و آراء پر اعتماد کرنے اور ان سے سند پکڑنے اور انہیں پر عمل درآمد کرنے کی عادت پڑ گئی اور پھر یہی اصل طریقہ اسلام نظر آنے لگا) اور ایک سبب تقلید کے جاری ہونے کا، قاضیوں کی بے انصافی بھی واقع ہوئی۔ کیونکہ اکثر قاضی جب ظلم کرنے لگے اور خود اعتماد کے لائق نہ رہے (کہ ان کے بتائے ہوئے مسائل کو منصفانہ نظر سے مستنبط سمجھا جائے) تو خود ان کے بتائے ہوئے مسائل قبول نہیں کیے جاتے تھے، جب تک کسی پہلے عالم کا قول پیش نہ کریں کہ جس میں کسی کو تردد باقی نہ رہے (لہذا ضروری ہو گیا کہ پہلے عالموں کے قول پر اعتماد کیا جائے۔ اور جب اس کا رواج پڑ گیا تو پھر کوئی قابل اعتماد ہو یا نہ ہو طریقہ ہی یہ قائم ہو گیا کہ پہلے زمانہ کے عالم کا قول پیش کیا جایا کرے، اور وہی مدار کارٹھیرا، پس طریقہ تقلید چل نکلا)۔ اور ایک سبب واقع ہوا لوگوں کی بے علمی اور فتویٰ پوچھنا ایسوں سے جن کو نہ حدیث کا علم، نہ طریقہ تخریج کا جیسا کہ اکثر متاخرین میں شائع ہے۔ چنانچہ ابن الہمام وغیرہ نے اس کو بیان کیا۔ اس وقت میں غیر مجتہد کو فقیہ بولنے لگے۔ "تمام ہوا قول شاہ صاحب کا۔ پھر شاہ صاحب ان لوگوں کے فقہی وغیرہ علوم کے اشتغال کے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "ان کے بعد قسرون خالص تقلید پر بڑھے پلے جو حق کو باطل سے اور جدال کو استنباط سے علیحدہ تمیز نہیں کر سکتے تھے۔"۔ انتہی۔ پھر شاہ صاحب لکھتے ہیں: "اس

کے بعد جو زمانہ آتا گیا وہ پہلے کی نسبت فتنہ میں زائد اور تقلید (کے رواج) میں بڑھ کر اور لوگوں کے دلوں سے (اللہ کی) امانت (یعنی اس اصلی طریقہ) کو نکالنے والا ہوتا گیا حتیٰ کہ لوگ امور دین کو (شرعی دلائل سے نکالنے) کی بحث چھوڑنے پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہے اور کہنے لگے: {إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ} (ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا اور ہم انہیں کے طریقے کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔) ^(۱) اور ہم (افسوس کرتے ہیں کہ) اس کی شکایت سوا اللہ تعالیٰ کے اور کس سے کریں۔“ انتہی۔ شاہ صاحب نے تقلید کے پھیلنے کے سوا اس سبب سے جو ہم نے لکھا ہے اور بھی کئی سبب بیان کیے۔

حدوث تقلید، خیر القرون کے بعد:

بہر حال کوئی بھی وجہ ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا رواج پیغمبر صاحب (ﷺ) سے بہت زمانے کے بعد ہوا اور جیسا کہ دین میں وقتاً فوقتاً اور نئی نئی باتیں پیدا ہوتیں، اسی طرح یہ بھی ایک نیا طریقہ نکل کر قائم ہوا۔ اس سے پہلے ابتداء میں تقریباً ایک سو برس تک تو کل ہی مسلمان اور اس کے بعد بھی مدت تک اکثر مسلمان ^(۲) وہی طریقہ رکھتے تھے، جو اہل حدیث کا ہے جن کو آج کل غیر مقلد کہتے ہیں۔ پیغمبر صاحب (ﷺ) کی پیشین گوئی ^(۳) کے موافق قرون ثلاثہ تو (جو تقریباً دو سو بیس ^(۴) ہجری تک باقی رہے، اس طریقے (مذہب تقلید) سے محفوظ رہے۔ بعد کو یہ رنگ شروع ہوا اور

(۱) الزخرف: ۲۳۔

(۲) اکثر اس واسطے کہا کہ اس وقت میں کچھ کچھ اہل الرائے بھی ہو گئے تھے۔

(۳) یعنی وہ جو آپ (ﷺ) نے بہ نسبت آئندہ زمانہ کے قرون ثلاثہ کی خیریت کی بابت ارشاد فرمایا ہے، جس کو امام

بخاری اور امام مسلم وغیرہم نے روایت کیا۔

(۴) دیکھو: فتح الباری، پارہ: ۱۴، باب فضائل أصحاب النبی (ﷺ)، ص: ۳۵۳، عبارت یہ ہے: وَاتَّقُوا أَن تَكُونَ مِنَ الْخَائِبِينَ

أَخْرَجَ مِنْ أَتْبَاعِ النَّبِيِّ مِمَّنْ يَقْبَلُ قَوْلَهُ مِنْ عَاشٍ إِلَىٰ حُدُودِ الْعَشْرِينَ وَمِائَتِينَ وَفِي هَذَا الْوَقْتِ ----

ترقی کرنے لگا، مگر چوتھی صدی میں بھی عام رواج اس کا نہ ہونے پایا تھا۔ پیغمبر صاحب (ﷺ) سے چار سو برس بعد اس کو پوری ترقی ہو گئی۔

تقلید صرف ائمہ اربعہ ہی کی کیوں؟

اب رہی یہ بات کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) اور امام مالک (رحمہ اللہ) اور امام شافعی (رحمہ اللہ) اور امام احمد بن حنبل (رحمہ اللہ) کی تقلید کی جاتی ہے۔ سوائے ان کے اور جو ہزاروں لاکھوں مجتہد و امام گزرے اور کسی کی تقلید نہیں کی جاتی، اور نیز ان چار مذہبوں کے مقرر ہونے کی کیا وجہ ہوئی۔ تو بات یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ جو عالم، مجتہد جہاں کہیں ہوئے وہ اپنے قرب و جوار (اور بعض دور دراز) کے لوگوں کے (بھی) مرجع^(۱) بنے کہ لوگ ان کی طرف مشکلات مسائل میں رجوع کرتے اور ضرورت کے وقت ان سے مسائل دریافت کرتے، وہ جب تک زندہ موجود رہے، لوگوں کی حاجات ان سے پوری ہوتی رہیں۔ اور لوگ ان کی طرف رجوع کرتے رہے۔ اور جب وفات پائی اور انتقال کر گئے، لوگوں کی حاجت روائی کے لئے کوئی مذکور اللہ کے بندے مستعد رہتے ہی تھے۔ ایک ایک مقام پر کئی کئی عالم بھی ہوتے تھے۔ وہ لوگ جیسا کہ ان کی طرف رجوع کرتے تھے، ان کی طرف رجوع کرنے لگے۔ اور ان گزرے ہوؤں کا کچھ دنوں تک ذکر و تذکرہ کرتے ہوئے عرصے کے بعد سوائے خواص کے اور ان کے جن کو فن تاریخ سے دلچسپی ہے یا ان کے ساتھ ان کا کوئی سلسلہ قائم ہے، جاننے والا یا ان کا ذکر و تذکرہ کرنے والا بھی نہ رہتا تھا۔ مگر بعض علماء کے لئے ایسے اسباب مہیا ہوئے اور زمانے نے موافقت کی کہ ان کا نام نامی پیچھے بھی

--- ظہورت البدع ظہور افاشیا الی قولہ و تغیرت الأحوال تغیرا شدیداً۔ یعنی تبع تابعین و سونہیں برس

تک زندہ رہے۔ بس اسی وقت سے بدعتیں پھیلنے لگیں اور دین میں بہت کچھ تغیر (وتبدل) واقع ہو گیا۔

(۱) مگر یہ رجوع بطور تقلید شخصی نہ تھا۔ چنانچہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

مشہور رہا اور علی قدر شہرت و موافقت اسباب عوام و خواص میں ان کا ذکر و تذکرہ جاری رہا اور بعد کو بھی بہت سے لوگ ان کے نام لینے والے اور ان کے بتائے ہوئے مسائل پر چلنے والے باقی رہے، اور بعض کو ایسی ترقی ہوئی کہ وہ صاحب مذہب کہلائے، اور ان کے نام کا مذہب چلا۔ یہ اس طرح ہوا کہ جب ان کی زائد شہرت ہوئی اور ان کے بہت سے معتقد اور پیرو ہوئے۔ بکثرت ان کی طرف مسائل میں رجوع ہوا اور ان کو مسائل صریح نصوص یا اجتہاد و استنباط سے بتانے پڑے، اور ان کے معتقدین نے وہ مسائل محفوظ رکھے اور ایک دوسرے سے نقل کرنے لگے۔ پس اس قسم کے مسائل ان مجتہدوں کا مذہب شمار ہوئے اور وہ مجتہد، امام و صاحب مذہب کہلائے۔ اس طرح کے بھی عالم اس امت میں سینکڑوں ہزاروں گزرے ہیں۔ علماء کے طبقات اور تذکرے دیکھو۔

دوسرے اصحاب مذاہب:

چنانچہ جن ائمہ کا ذکر ہم ذہبی کے کلام سے پہلے کر آئے ہیں، بہت سے ان میں کے اسی وصف کے تھے۔ تاہم بعض کے نام نامی ہم پھر اس جگہ ذکر کئے دیتے ہیں۔ ان مشہور چاروں اماموں کے نام تو معلوم ہی ہیں۔ ان کے سوا امام زہری (رحمہ اللہ) ^(۱)، امام شعبی (رحمہ اللہ)، امام عطاء بن ابی رباح قرشی (رحمہ اللہ)، طاؤس (رحمہ اللہ)، حسن بصری (رحمہ اللہ)، محمد بن سیرین (رحمہ اللہ)، قتادہ (رحمہ اللہ)، ضحاک (رحمہ اللہ)، لیث (رحمہ اللہ)، مکحول شامی (رحمہ اللہ)، سلیمان (رحمہ اللہ)، غمش (رحمہ اللہ)، ابو عبیدہ (رحمہ اللہ)، ابن وہب (رحمہ اللہ)، ابراہیم (رحمہ اللہ)، نخعی (رحمہ اللہ)، حماد (رحمہ اللہ)، سفیان ثوری (رحمہ اللہ)، اوزاعی (رحمہ اللہ)، ابن مبارک (رحمہ اللہ)، ابن ابی لیلیٰ (رحمہ اللہ)، اسحاق بن راہویہ (رحمہ اللہ)، محمد بن جریر طبری (رحمہ اللہ)، داؤد بن علی ظاہری (رحمہ اللہ)

(۱) ہم چاہتے تھے کہ کتب تواتر و تراجم سے ان بزرگوں کے کچھ کچھ حالات لکھتے تاکہ ناظرین کو معلوم ہوتا کہ یہ لوگ کیسے

کیسے بڑے مجتہد و امام اور صاحب مذہب مستقل اور لوگوں کے مقتدا تھے مگر بخوف طوالت اس سے باز رہے۔

اللہ)، ابو ثور (رحمہ اللہ)، وغیرہم ان کے اور ان کے بعد کے زمانہ میں انہیں کے وصف کے اور بھی بہت سے علماء ہوئے۔ ان علماء و ائمہ میں سے علی حسب موافقت اسباب و مساعدت وقت کسی کا نام زیادہ مشہور ہوا، اور کسی کا ان کی نسبت سے کم۔ کسی کا نام زیادہ دنوں چلا اور ان کا نام لینے والے اور ان کے اجتہاد پر چلنے والے مدتوں رہے۔ یا اب تک چلا جاتا ہے اور کسی کا نام تھوڑے دنوں چل کر ان کا نام اور ان کا مذہب اور ان کے مذہب کے نام لینے والے اور اس پر چلنے والے صفحہ روزگار سے مٹ گئے اور سوائے خاص آدمیوں کے کوئی جانتے والا نہ رہا۔

وہ اسباب جو، ان ائمہ کی شہرت و عروج و بقاء نام اور ان کے مذہب کے قیام کے باعث ہیں، اگرچہ بہت ہیں، مثلاً ان کی نیک نیتی، ذاتی خوبیاں، کثرت کلام، عمدہ تصانیف۔ مگر سب سے زیادہ مؤثر، اور سب سے بڑا قوی سبب اس کا اپنے معتقدوں اور مخلص^(۱) شاگردوں کا (وہ جن کا قصد ہو اپنے استاد کا نام روشن کرنا اور ان کے نام کے مذہب کو فروغ دینا) ملکی خدمات اور معزز عہدوں کے ساتھ ممتاز ہونا اور سلطنت کے ساتھ رسوخ حاصل کرنا اور ملک میں با اختیار ہونا ہے۔ چنانچہ جس امام و مجتہد کے لئے یہ بات مہیا ہوگئی، ان کے نام و مذہب نے خوب فروغ پایا اور برابر پھیلتا گیا اور حسب قوت و بقاء سبب سلسلہ اس کا آئندہ کے لئے قائم ہو گیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغۃ میں تحریر فرماتے ہیں: ”تو“^(۲) جس مذہب کے اصحاب مشہور ہوئے اور خدمت قضاء اور افتاء ان کے سپرد ہوئی

(۱) مثل مشہور ہے پیر ال غنی پرند مریداں سے پراند۔ مگر واضح رہے کہ یہ مثل تھوڑی مناسبت سے استشہاد کے طور پر پیش کی گئی۔ عموماً اور بعینہ ایسا ہوتا مراد نہیں۔

(۲) عبارت یہ ہے: فأي مذهب كان أصحابه مشهورين و وسد إليهم القضاء و الإفتاء و اشتهر تصانيفهم في الناس و درسا و درسا ظاهرا انتشر في أقطار الأرض و لم يزل ينتشر كل حين و أي مذهب كان أصحابه خاملين و لم يولوا القضاء و الإفتاء و لم يرغب فيهم الناس اندرس بعد حين۔ (حجة الله البالغۃ، ص: ۱۵۱، باب الفرق بين أهل الحديث الخ)۔

اور ان کی تصانیف لوگوں میں مشہور ہوئیں اور لوگوں نے ان کو پڑھا پڑھایا تو وہ اطراف عالم میں پھیل گیا اور ہمیشہ روز بروز پھیلتا رہا۔ اور جس مذہب کے اصحاب غیر مشہور ہوئے اور قاضی و مفتی نہ بنائے گئے اور لوگ ان کی طرف نہ متوجہ ہوئے وہ مذہب کچھ دنوں کے بعد مٹ مٹا گیا۔

حنفی مذہب کے پھیلنے کے اسباب و وجوہ:

ان چار اماموں اور ان کے مذہبوں کے لئے اتفاق سے یہی قوی و مؤثر سبب مہیا ہو گیا۔ جس سے ان کے مذہب چل نکلے اور آئندہ کے لئے ان کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: ”(امام) ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) ^(۱) کے شاگردوں میں سب سے زائد مشہور (امام) ابو یوسف (رحمہ اللہ) تھے، وہ (خلیفہ) ہارون رشید کے وقت میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ یہ سبب ہو گیا (امام) ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) کے مذہب کے پھیلنے اور اسی کے موافق فیصلہ جات ہونے کا اختلاف عراق و خراسان و ماوراء النہر میں۔ علامہ قاضی ابن خلکان فرماتے ہیں: ”ابو یوسف (رحمہ اللہ) ^(۲) نہ ہوتے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی شہرت نہ ہوتی۔ امام ابو یوسف ^(۳) قضاء کے

(۱) عبارت یہ ہے: وکان أشهر أصحابه (أبي حنيفة رحمه الله) ذكر أبو يوسف (رحمہ اللہ) لولي قضاء القضاة أيام هارون الرشيد۔ فكان سببا لظهور مذهبه والقضاء به في أقطار العراق والخراسان وماوراء النهر۔ (حجة الله، ص: ۱۵۱، باب أسباب اختلاف مذاهب الفقهاء)۔

(۲) عبارت یہ ہے: لو لا أبو يوسف ما ذكر أبو حنيفة (رحمہ اللہ)۔

(۳) شبلی نعمانی صاحب امام ابو یوسف (رحمہ اللہ) کے تذکرے میں لکھتے ہیں: ”خلیفہ مہدی عباسی نے ۶۶ھ میں ان کو قضا کی خدمت دی۔ مہدی کے بعد اس کے جانشین ہادی نے بھی ان کو اسی عہدے پر بحال رکھا۔ لیکن ہارون رشید نے ان کی لیاقتوں سے واقف ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وہ عہدہ تھا، جو اس وقت تک اسلام کی تاریخ میں کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ بلکہ زمانہ مابعد میں بھی بجز قاضی احمد بن ابی داؤد کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ قاضی صاحب نے سررشتہ قضاء میں جو ترتیاں کیں ان کی تفصیل خود ان کی لائف لکھی جائے تو لکھی جاسکتی ہے۔“ (سيرة النعمان، ص: ۲۹۶) اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: ”قاضی ابو یوسف (رحمہ اللہ) قاضی القضاۃ تھے اور قضاء کے تمام سررشتہ ان کے اہتمام میں تھا۔ چونکہ ہارون رشید نے قاضی صاحب کی بغیر اطلاع شخص کو (جو ابو یوسف کے اتاذ بھائی اور امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں۔۔۔۔۔

سبب سے اعلیٰ عہدے پر ممتاز ہوئے۔ خلیفہ ہارون رشید کے تمام ممالک محروسہ کی (جو ایک نہایت وسیع سلطنت تھی) قضاء کاکل سررشتہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ یہی جس کو چاہتے قاضی و مفتی مقرر کرتے اور کچھ ایسے^(۱) واقعات پیش آئے تھے، جس سے خلیفہ کو ان سے بے حد اُنس ہو گیا تھا۔ اور ان کو سلطنت کے ساتھ نہایت رسوخ حاصل تھا۔ امام ابو یوسف (رحمہ اللہ) کے بڑے مخلص شاگرد تھے (اور ان کو ایسا ہونا بھی چاہئے تھا۔ اس لئے کہ امام صاحب (رحمہ اللہ) نے ان کو نہ صرف تعلیم دی تھی، بلکہ^(۲) وہ ان کی برابر اعانت و دستگیری فرمایا کرتے تھے۔ اگر امام صاحب (رحمہ اللہ) ان کی مالی مدد نہ فرماتے، تو امام ابو یوسف علم نہ حاصل کر سکتے) لہذا انہوں نے اپنے استاذ کا نام روشن کرنا چاہا، اور کیا، اور ان کے نام کا مذہب تمام ممالک مشرق میں پھیلا دیا اور اس کو گویا قانون^(۳) سلطنت

--- سے تھے) مقرر کر دیا۔ اس لئے ان کو فی الجملہ خیال جو اور حسن بن زیاد سے کہا کہ حفص کے فیصلے ہمارے مرافعہ میں آئیں تو ان کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھنا پڑے۔ (سیرۃ النعمان، ص: ۲۹۰)۔

(۱) انہوں نے چند مسائل خلیفہ کی خواہش کے موافق جن میں ویرانی ہونے کی خلیفہ کو بہت خواہش تھی بتا دیے تھے۔ دیکھو: تاریخ الخلفاء بیہقی وغیرہ۔ اس وجہ سے خلیفہ ان کی بہت خاطر کرتے تھے۔ بلکہ یہ بھی کہہ دیا تھا کہ یہ کبھی معزول نہ ہوں گے۔ (دیکھو تاریخ ابن خلکان)۔

(۲) نعمانی صاحب لکھتے ہیں: "ان کو (ابو یوسف کو) اگرچہ بچپن سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا، لیکن باپ کی مرضی نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھیں اور گھر میں پار پیسے کما کر لائیں۔ تاہم قاضی صاحب جب موقع اور فرصت پاتے علماء کی صحبت میں با بیٹھتے۔ ایک دن امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) کے حلقہ درس میں حاضر تھے کہ ان کے باپ بچے اور وہاں سے زبردستی اٹھا لائے۔ گھر پر آ کر سمجھایا کہ بیٹا! ابو حنیفہ کو خدا نے رزق کی طرف سے الطینان دیا ہے تم ان کی ریس کیوں کرتے ہو۔ قاضی صاحب نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا۔ اور باپ کے ساتھ رہنے لگے۔ امام ابو حنیفہ نے دو چار دن کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ "یعقوب (امام ابو یوسف کا نام) اب نہیں آتے۔" ان کو امام صاحب کی جستجو کا حال معلوم ہوا تو حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی۔ امام صاحب نے چٹکے سے ایک تھیلی حوالہ کی۔ گھر پر آ کر دیکھا تو اس میں سو درہم تھے۔ امام صاحب نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ جب خرچ ہو چکے تو مجھ سے کہنا۔ اسی طرح برابر ان کو مدد دیتے رہے۔ یہاں تک کہ قاضی صاحب نے تمام علوم میں کمال حاصل کیا اور استاذ وقت بن گئے۔" (سیرۃ النعمان، ص: ۲۹۵)

(۳) نعمانی صاحب لکھتے ہیں: "یہ مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہیں، نہایت تیزی سے تمام ملک میں ----

قرار دے دیا۔ چنانچہ برابر نظام سلطنت بیشتر انہیں اصول پر قائم رہا۔ جس کے سبب سے اس مذہب کو نہایت شہرت ہوئی اور آگے کے لئے اس کا سلسلہ بڑے استحکام کے ساتھ قائم ہو گیا، اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانہ کے بعد اکثر سلاطین اسی مذہب کے نام لیوا اور اسی کے حامی رہے۔ وہ مذہب و طریقہ جو چل نکلا اور لوگ اس سے مانوس ہو گئے یا کچھ عرصہ تک نظام سلطنت اس کے اوپر قائم رہا۔ پچھلے سلاطین کا اسی پر کاربند ہونا اور اسی کی طرف منسوب و مائل رہنا کوئی قابل تعجب امر نہیں۔ اس لئے کہ عموماً سلاطین کو

--- پچھل گئے۔ عرب میں تو ان کے مسائل کو چنداں رواج نہ ہوا۔ کیونکہ مدینہ میں امام مالک (رحمہ اللہ) اور مکہ میں اور احمد ان کے حریف مقابل موجود تھے۔ لیکن عرب کے سوا تمام ممالک اسلامی میں جن کی وسعت سندھ سے ایشیائے کوچک تک تھی، عموماً انہیں کا طریقہ جاری ہو گیا۔ ہندوستان، سندھ، کابل، بخارا وغیرہ میں تو ان کے اجتہاد کے سوا کسی کا اجتہاد تسلیم بھی نہیں کیا جاتا۔ دوسرے ممالک میں جو شافعی و حنبلی فقہ کا رواج ہوا، لیکن فقہ حنفی کو دبا نہیں سکا۔ البتہ بعض ملکوں میں وہ بالکل معدوم ہو گیا۔ اور اس کے خاص اسباب تھے۔ مثلاً افریقہ میں ۴۵۰ھ تک امام ابو حنیفہ کا طریقہ تمام اور طریقوں پر غالب تھا۔ لیکن معز بن بادیس نے ۴۰۶ھ میں جب وہاں کی مستقل حکومت حاصل کی تو حکومت کے زور سے تمام ملک میں مالکی فقہ کو رواج دے دیا کہ جو آج تک قائم ہے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ عمان حکومت جن لوگوں کے ہاتھوں میں رہی، وہ اکثر حنفی ہی فقہ کے پابند تھے۔ خلفائے عباسیہ تو اس بحث سے خارج ہیں۔ کیونکہ یہ خاندان جب تک اوج پر رہا یہ لوگ تھوار کے ساتھ قلم کے بھی مالک رہے۔ یعنی ان کو خود دعوائے اجتہاد تھا۔ اور کبھی کسی کی تقلید نہیں کی۔ تزل کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہے کہ ان کے حالات سے کسی ملکی اثر کا اندازہ کیا جائے۔ تاہم ان میں اگر کسی نے تقلید کو گوارا کی تو ابو حنیفہ ہی کی کی۔ عبد اللہ بن المغیر جو فن بدیع کا موجد تھا، اور خلفائے عباسیہ میں سب سے بڑا شاعر اور ادیب تھا۔ حنفی المذہب تھا۔ (سیرۃ النعمان، ص: ۲۰۳-۲۰۵) اور لکھتے ہیں: "عباسیہ کے تزل کے ساتھ جن خاندانوں کو خروج ہوا، اکثر حنفی تھے۔ خاندان بلوچی جس نے ایک وسیع مدت تک حکومت کی اور جن کے دائرے حکومت کی وسعت طول میں کاشغر سے بیت المقدس تک اور عرض میں قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک پہنچی تھی حنفی تھا۔ محمود غزنوی جس کے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے فقہ حنفی کا، بہت بڑا عالم تھا۔ نور الدین زنگی کا نام چھپا ہوا نہیں ہے۔ اگرچہ وہ شافعی و مالکی فقہ کی بھی عزت کرتا تھا، لیکن وہ خود اور اس کا خاندان مذہباً حنفی تھا، صلاح الدین خود شافعی تھا۔ لیکن اس کے خاندان میں بھی حنفی المذہب موجود تھے۔ الملک المعظم عیسیٰ بن عبد الملک العادل جو ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا، علامہ ابن خلدون اس کے حالات میں لکھتے ہیں: حنفی مذہب میں غلو رکھتا تھا۔" (ص: ۲۰۵-۲۰۶ ملخصاً)

اسی کے قریب قریب علامہ شامی (رحمہ اللہ) نے بھی رد المحتار حاشیہ در مختار میں لکھا ہے۔ دیکھو، ص: ۴۴، جلد اول مقدمہ۔

انتظام ملکی اور حفظ دولت کے سوا ایسے امور کی تحقیق و بحث نہیں ہوا کرتی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

مذاہب اربعہ پھیلنے کے دیگر اسباب:

امام ابو یوسف (رحمہ اللہ) کے سوا امام صاحب (رحمہ اللہ) کے اور^(۱) شاگرد بھی

(۱) مذہب حنفی پھیلنے کی وجہ کے بیان میں شہلی نعمانی کی غلطی:

نعمانی صاحب لکھتے ہیں: تمام ممالک اسلامی میں جن ائمہ کی فقہوں نے رواج پایا، وہ صرف چار ہیں۔ امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ)۔ مالک (رحمہ اللہ)۔ شافعی (رحمہ اللہ)۔ احمد بن حنبل (رحمہ اللہ) ص: ۲۰۸۔ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: امام صاحب کا درس گاہ ایک قانونی مدرسہ تھا، جس کے طلباء نہایت کثرت سے ملکی عہدوں پر مامور ہوتے جس: ۲۰۱ اور ایک جگہ امام صاحب کے سیکڑوں شاگردوں کا عہدہ قضا پر مامور ہونا ظاہر کیا ہے جس: ۲۰۷۔ بیساکہ ہم نے بزور حکومت ان مذاہب کے زور چکڑنے اور جاری ہونے کی بابت لکھا۔ علامہ ابن حزم نے بھی ایسا تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ دو مذاہبوں نے سلطنت کے زور سے ابتداء ہی میں رواج عام حاصل کیا۔ ایک ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) کا مذہب، کیونکہ جب قاضی ابو یوسف کو قاضی القضاۃ کا منصب ملا تو انہوں نے حنفی لوگوں کو عہدہ قضا پر مقرر کیا۔ دوسرا امام مالک (رحمہ اللہ) کا مذہب اندلس میں۔ کیونکہ امام مالک (رحمہ اللہ) کے شاگرد مکی مصمودی خلیفہ اندلس کے نہایت مقرب تھے اور کوئی شخص ان کا مشورہ کے بغیر عہدہ قضا پر مقرر نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ صرف اپنے ہم مذاہبوں کو مقرر کراتے تھے۔ (دیکھو: تاریخ ابن خلکان ترجمہ مکی مصمودی)۔ شہلی صاحب اس کو ابن حزم کی ظاہر بتی بنا کر اس سے اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ قاضی ابو یوسف کے فروغ سے پہلے پچاس برس کا زمانہ گزر چکا تھا، جس میں امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) کے مذہب نے قبول عام حاصل کر لیا تھا۔ اور ان کے سیکڑوں شاگرد قضا کے عہدوں پر مامور ہو چکے تھے۔ (جس: ۲۰۷) لیکن ہاریک بن مولوی شہلی صاحب کی اس نکتہ چینی کو سوائے کسی ظاہر بین کے کوئی دقیق نظر سے دیکھنے والا پسند نہیں کر سکتا۔ چند وجوہ سے۔ اول قبل قاضی ابو یوسف کے ایسا قبول ہونا مسلم نہیں۔ جس کو دعویٰ ہے ثبوت دینا چاہئے۔ دوسرے کلام اس رواج عام میں ہے، جس کا اثر آگے کے لئے بھی پڑے اور آئندہ کے واسطے اس کا استحکام ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ رواج اسی ذریعہ سے جو اور نہ ویسی شہرت و قبول تو اور مجتہدوں اور عالموں کو بھی حاصل ہوئی کہ ان کے زمانے میں اور کچھ عرصے تک ان کے بعد بھی ان کا مذہب چلا مگر اس قسم کے اسباب جن کو مبیانہ ہوئے کچھ دنوں کے بعد ان کا مذہب مندرس ہو گیا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ پس قاضی صاحب سے پہلے مذہب کو جو شہرت و قبولیت حاصل ہوئی (اگر حاصل ہوئی تو) وہ مقصود ابن حزم کے منافی نہیں۔ تیسرے ابن حزم کے اصل مقصود کے اندر امام ابو یوسف کی کوئی تخصیص نہیں، مقصود تو یہ ہے کہ شاگردوں کے معزز عہدوں پر مامور ہونے اور ملک میں بالاختیار ہونے اور سلطنت کی تائید نے مذہب کو رواج عام دیا تو ابو یوسف سے پہلے اگر رواج عام حاصل تھا تو ان سیکڑوں شاگردوں کے عہدہ قضا پر مامور ہونے کی وجہ سے تھا۔ جن کا نعمانی صاحب کو خود اقرار ہے جو ابن حزم کا عین مقصود ہے۔

معزز معزز عہدوں پر مامور ہوئے، جنہوں نے اپنے استاذ کے نام اور مذہب کی اشاعت و حمایت کی اسی طرح امام مالک (رحمہ اللہ) کا مذہب بھی جاری ہوا، حکم^(۱) بن ہشام اموی جن کا لقب تھا منتصر ۸۰ھ میں اندلس کے خلیفہ ہوئے، انہوں نے یحییٰ بن یحییٰ اندلسی کو نہایت با اختیار عہدہ پر ممتاز کیا۔ خلیفہ ان سے بہت ہی تخصیصی برتاؤ برتتے تھے، اور خود ان کے دروازے پر آتے تھے۔ ملک میں ان کو وہ عزت حاصل تھی جو کسی کو نہ تھی۔ تمام محکمہ قضاء و افتاء کا انہیں کے اختیار میں تھا۔ سارے بلاد اندلس میں بغیر ان کی رائے کے کہیں کوئی قاضی مفتی مقرر نہ ہوتا تھا۔ امام یحییٰ بن یحییٰ، امام مالک صاحب کے مخلص شاگرد تھے۔ انہوں نے اپنے استاذ کے نام و مذہب کو فروغ دینا چاہا اور اس کو جاری کیا۔ لہذا لوگ امام مالک کے مذہب کو اختیار کرنے لگے۔ اور بلاد اندلس میں امام مالک کا نام اور ان کا مذہب پھیل گیا۔ اس سے پہلے اندلس کے لوگ زیادہ امام اوزاعی کو مانتے تھے۔ اب سلطنت کے زور سے اوزاعی کا مذہب اٹھ گیا اور امام مالک کا مذہب پھیل گیا۔

افریقہ^(۲) میں پہلے اصلی دستور کے موافق عموماً عمل بالحدیث جاری تھا۔ عبداللہ بن فروج فارسی نے امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) کا مذہب وہاں پہنچایا۔ اور بعض قضاۃ کے ذریعہ سے اس کو فروغ ہو گیا۔ پھر قضاۃ علامہ یحییٰ بن سعید ثونی کے ہاتھ آئی۔ انہوں نے امام مالک کے مذہب کی اشاعت کی حتیٰ کہ معزز بن بادیس جبکہ ۳۵۶ھ میں افریقہ کے حاکم ہوئے۔ بزور حکومت انہوں نے تمام ملک میں مالکی فقہ کو رواج دے دیا۔ غرض حکومت کا زور تھا جس نے تمام مالک اندلس و افریقہ میں مالکی فقہ کو رواج دے دیا۔ ان ممالک میں کوئی مفتی قاضی نہیں ہو سکتا تھا، جب تک مالکی فقہ کا نام لینے والا نہ ہو۔ اور عوام کو بھی بکھجوری زیادہ تر اسی کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ اس لئے

(۱) دیکھو: افتراق الامم یعنی خلیفۃ الکواکب وغیرہ ص: ۱۰۳۔ اور تاریخ ابن خلکان ترجمہ یحییٰ محمودی مذکور الصدر۔

(۲) خلیفۃ الکواکب ص: ۱۰۴۔

تمام بلاد مغربیہ (افریقہ واندلس) میں امام مالک کا نام اور ان کا مذہب پھیل گیا اور اس کی بنیاد خوب مستحکم ہو گئی جیسا کہ بلاد مشرقیہ (خراسان وغیرہ افغانستان و ہندوستان) میں امام ابوحنیفہ کا نام اور ان کا مذہب پھیلا، اور اس کی بنیاد مستحکم ہوئی۔

کم و بیش یہی اسباب امام شافعی (رحمہ اللہ) اور امام احمد (رحمہ اللہ) کے لئے بھی بہم ہوئے، جن سے ان کے نام اور ان کے مذہب نے شہرت پائی اور آئندہ کے لئے اس کا سلسلہ قائم ہوا، یہ سبب جس سے یہ چار امام اور ان کے مذہب عام طور پر قائم ہوئے اور ان کا سلسلہ آگے کے لئے چل نکلا۔ اور دیگر ائمہ اور ان کے مذہبوں اور ان کے اصحاب کو بہم نہ ہوا۔ لہذا وہ زیادہ دنوں باقی نہ رہ سکے اور کچھ دنوں کے بعد معدوم یا گمناں ہو گئے۔

ان چاروں مذہبوں کی روز بروز ترقی اور عام مقبولیت اور ان کے سوا کی کچی اور نابود ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ ابتداء میں جب حکام وقت کی توجہ اور حمایت سے عوام و خواص کو اپنے حوادث و واقعات میں زیادہ تر انہیں کی طرف رجوع کرنا پڑا تو ان مذہبوں کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا گیا۔ کیونکہ جب روزمرہ نئے نئے حوادث ان مذہبوں کے سامنے پیش ہوتے رہے اور ان کا حکم ان مذاہب کے اصحاب کو بتانا پڑا تو انہوں نے جب ان نئے حوادث کے احکام صاحب مذہب کے صریح قول میں نہ پائے تو ان کے اقوال سے تخریج کر کے ان کے احکام پیدا کئے اور استنباط کر کے ان کے جواب دیئے اور وقتاً فوقتاً جو جو احکام مستخرج و مستنبط ہوتے گئے وہ جمع ہوتے گئے اور ضبط میں آتے رہے تو دن بدن ان مذہبوں کی ترقی و تکمیل ہوتی رہی اور بہ نسبت دیگر مذاہب کے یہ مذاہب اکثر حوادث کے احکام بتانے کے لئے کافی ثابت^(۱) ہوتے گئے۔ کیونکہ ان میں بہت سے مختلف واقعات کے احکام مستخرج ہو کر ضبط ہو چکے تھے۔ لہذا انہیں کی طرف رجوع و رغبت

(۱) لیکن اندوہنی حالات ان مسائل کے آگے آئیں گے۔

اور دیگر مذہبوں سے استغناء اور بے رغبتی ہوتی گئی۔ اور نیز جب یہ مذاہب ایک زمانہ تک مرجع اور معمول رہے تو اب وہ مانوس ہو گئے اور طبعی اور اصلی مذہب معلوم ہونے لگے اور لوگ ان کے عادی بن گئے۔ اور یہ ایک مستقل وجہ مقبولیت اور عام طور پر مروج رہنے کی ہے۔ غرض کہ منجملہ اور بہت سے اماموں، مجتہدوں اور ان کے مذہبوں کے صرف ان چار اماموں کے نام اور ان کے مذہب کے باقی رہنے اور عام طور پر مروج ہو جانے اور اوروں کے گمنام اور نامعلوم ہو جانے کی بڑی وجہیں یہ ہوئیں۔ ورنہ حقیقت میں یہ سارے امام و مجتہد تقریباً یکساں ہی تھے اور کم و بیش سب ہی نے استنباط احکام اور تحقیق مسائل میں ویسی ہی کوششیں کیں جیسے ^(۱) ان ائمہ اربعہ نے کیں۔

فقہاء کی تصریحات، تقلید ضروری نہیں:

اور کہیں اللہ و رسول (ﷺ) نے بھی حکم نہ دیا تھا کہ فلاں و فلاں چار امام ہوں گے، انہیں کی پیروی کی جائے اور انہیں کے مذہبوں کو اختیار کیا جائے اور ان کے سوا اور کسی امام و مجتہد کے بتائے ہوئے مسائل کا اعتبار نہ کیا جائے (یہ کچھ نہ تھا صرف زمانہ کا دور تھا جس نے ان چار کو باقی رکھا اور ان کے ساتھ موافقت کی اور باقی کے ناموں کو فنا کر دیا) اور یہ ایک ایسی صاف بات ہے جس میں ادنیٰ واقفیت رکھنے والا بھی شک نہیں کر سکتا، تاہم علماء نے اس خیال سے کہ صرف ائمہ کی تقلید کے مروج ہو جانے کے سبب سے عوام غلطی میں پڑ رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ چاروں مذہب اللہ نے مقرر کیے ہیں اور ہر ایک مسلمان پر ان میں سے کسی ایک کا پابند رہنا ضرور ہے، اس کی بھی تصریح کر دی ^(۲)۔ ملا علی قاری مکی شرح عین العلم میں تحریر فرماتے ہیں:

(۱) چنانچہ بحر العلوم کے قول میں آگے آ رہا ہے۔

(۲) حقیقت میں یہ بات ان لوگوں کی تصریح کی محتاج نہیں۔ اور اگر وہ نہ لکھتے یا اس کے خلاف لکھ دیتے تاہم وہ ایک

نفس الامری بات ہے۔

”یہ^(۱) تو ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کسی کو حکم نہیں دیا کہ وہ حنفی بنے یا مالکی بنے یا شافعی بنے یا حنبلی بنے بلکہ سب کو اسی کا مکلف کیا کہ اگر خود علم ہو تو (اپنے علم کے موافق) حدیث پر عمل کرے اور اگر بے علم ہو تو عالموں کی تقلید کرے (خواہ کوئی عالم ہو)۔“

اور علامہ ابن حزم^(۲) اندکی فرماتے ہیں:

”وہ کون سی بات ہے جس نے (امام) ابو حنیفہ اور (امام) مالک اور (امام) شافعی کو خاص کر دیا کہ انہیں کی تقلید کی جائے اور ابو بکر (رضی اللہ عنہ) و عمر (رضی اللہ عنہ) و عثمان (رضی اللہ عنہ) و علی (رضی اللہ عنہ) و ابن مسعود (رضی اللہ عنہما) و ابن عباس (رضی اللہ عنہما) و عائشہ (رضی اللہ عنہا) اور سعید بن المسیب (رحمہ اللہ) اور زہری (رحمہ اللہ) اور نخعی (رحمہ اللہ) اور طاؤس (رحمہ اللہ) اور حسن بصری (رحمہ اللہ) کی نہ کی جائے۔“

اور مولانا عبدالحی بصری^(۳) لکھنوی شرح مسلم الثبوت میں اس قول کے جواب میں کہ: ”صحابہ کی تقلید نہ چاہئے، اس لئے کہ ان کے اقوال خود شرح کے محتاج ہیں۔ بلکہ تقلید ائمہ اربعہ کی چاہئے۔ جنہوں نے مسائل کو چھانٹا اور شرح و تفصیل کی اور مسائل کے علیحدہ علیحدہ ابواب

(۱) عبارت یہ ہے: من المعلوم أن الله سبحانه وتعالى ما كلف أحدا أن يكون حنيفاً أو مالكياً أو شافعيّاً أو حنبليّاً بل كلفهم أن يعملوا بالسنة إن كانوا علماء أو يقلدوا العلماء إن كانوا جهلاء۔

(۲) دیکھو ترجمہ اللہ الباقی جس: ۱۶۰۔

(۳) چنانچہ عبارت شرح مسلم بحر العلوم کی مع مسلم کے یہ ہے: قال الإمام أجمع المحققون على منع العوام من تقليد أعيان الصحابة رضي الله تعالى عنهم أجمعين۔ فإن أفواهم قد يحتاج في استخراج الحكم منها إلى تنقية كما في السنة ولا يقدر العوام عليه بل يجب عليهم إتباع الذين سيروا أي تعمقوا ورووا أي أوردوا أبواباً لكل مسألة على حدة۔ فهدبوا مسألة كل باب وناقحوا كل مسألة من غيرها وجمعوا بينها بجامع وفرقوا بفارق وعللوا أي أوردوا لكل مسألة مسألة عللة وفصلوا تفصيلاً يعني يجب على العوام تقليد من تصدى بعلم الفقه لأعيان الصحابة وعليه انتهى ابن الصلاح منع تقليد غير الأئمة الأربعة هم الإمام الهمام إمام الأئمة أبو حنيفة الكوفي والإمام مالك والإمام الشافعي والإمام أحمد رحمهم الله تعالى۔۔۔

مقرر کئے۔ ایسا سوائے ائمہ اربعہ کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتا لہذا انہیں کی تقلید کرنا چاہئے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

(محب اللہ بہاری مؤلف مسلم الثبوت) حاشیہ مسلم الثبوت پر لکھتے ہیں:

”عراقی نے کہا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ جو کوئی مسلمان ہو علماء میں سے جس کی چاہے تقلید (تابعہ) کرے کوئی ممانعت نہیں۔ (اس اجماع سے ائمہ اربعہ کی تخصیص کا دعویٰ باطل ہو گیا) اور صحابہ نے اس بات پر اجماع کیا کہ جس نے امیر المؤمنین حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) یا حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے فتویٰ لیا، اس کو اختیار ہے حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) یا معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) وغیرہ سے فتویٰ لے اور ان کے قول پر عمل کرے، کوئی ممانعت نہیں۔ (اس سے تقلید شخصی اور تخصیص مذہب کی باطل ہوئی) اور جس کو ان دونوں اجماعوں کے رفع ہو جانے کا دعویٰ ہو اس کو ثبوت دینا چاہئے۔“

غرض ان دونوں اجماعوں سے ائمہ اربعہ کی تخصیص اور صحابہ کی تقلید کی ممانعت والا قول

--- و جزاهم اللہ عنا أحسن الجزاء لأن ذلك المذكور لم يدر في غيرهم وفيه ما فيه في الحاشية۔ قال العراقي: انعقد الإجماع على أن من أسلم فله أن يقلد من شاء من العلماء من غير حرج، وأجمع الصحابة على أن من استفتى أبا بكر وعمر أمير المؤمنين فله أن يستفتي أبا هريرة ومعاذ بن جبل وغيرهما ويعمل بقولهم من غير تكبر فمن ادعى برفع هذين الإجماعين فعليه البيان۔ فقد بطل بهذين الإجماعين قول الإمام وقوله أجمع المحققون لا يفهم منه الإجماع الذي هو الحجة حتى يقال يلزم تعارض الإجماعين بل الذي يكون مختاراً عند أحد ويكون الجماعة متفقين عليه يقال أجمع المحققون على كذا ثم في كلامه خلل آخر وهو أن التبريد لا دخل له في التقليد وكذا التفصيل۔ فإن المقلد إن فهم مراد الصحابي عمل والإسأل عن مجتهد آخر، فافهم وبطل بهذا قول ابن الصلاح أيضاً۔ ثم في كلامه خلل آخر۔ إذا المجتهدون الآخرون أيضاً بلوا جهدهم مثل الأئمة الأربعة وإنكار هذا مكابرة وسوء أدب بل الحق أنه إنما منع من منع من تقليد غيرهم، لأنه لم يبق رواية مذهبهم محفوظة حتى لو وجد رواية صحيحة من مجتهد آخر يجوز العمل بها ألا ترى أن المتأخرين افتوا بتحليف الشهور وإقامة له موقع التزكية على مذهب ابن أبي ليلى فافهم۔ (ص: ۶۳۰ طبع نولکشور)۔

باطل ہو گیا۔ اور اس قول میں ایک خلل اور بھی ہے وہ یہ کہ (ائمہ اربعہ کے سوا اور کسی تقلید کی ممانعت کی بناء جو تبویب و تفصیل پر رکھی ہے تو) تبویب و تفصیل کو تقلید میں کیا دخل۔ اس لئے کہ صحابی کی تقلید کرنے والا اگر مراد صحابی کی سمجھ لے گا اس پر عمل کرے گا ورنہ کسی دوسرے مجتہد سے دریافت کر لے گا۔ ائمہ اربعہ کے سوا دیگر ائمہ کی مساعی اجتہاد:

اور ایک خلل اور بھی ہے وہ یہ کہ ائمہ اربعہ کی طرح دوسرے مجتہدوں نے بھی (تبویب و تفصیل مسائل میں) کوششیں کی ہیں، جس کا انکار مکابرہ اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ بے ادبی کرنا ہے۔ پس صحیح یہ ہے کہ جس نے ائمہ اربعہ کے سوا اور کسی تقلید کو منع کیا تو اس خیال سے منع کیا کہ اور مجتہدوں کے مذہب کی روایت محفوظ نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر کسی مجتہد سے کوئی روایت صحیح مل جائے تو برابر اس پر عمل درست ہوگا۔ چنانچہ متاخرین (حنفیہ) نے (ایک مسئلہ میں) ابن ابی لیسلی کے مذہب کو قبول لیا۔ ختم ہوا کلام بحر العلوم کا ملخصاً۔

ائمہ اربعہ کے سوا بیسیویں مجتہد ہیں، جن کے مذہب کے مسائل صحیح روایتوں کے ساتھ بکثرت منقول ہیں۔ محدثین کی کتابوں^(۱) کو دیکھو، جنہوں نے مجتہدین کے مذاہب اور ان کے اختلافات کو بیان کیا۔ محدثین نے جو مذہب کسی کے ذکر کئے تو بلا معتبر اسناد کے نہیں ذکر کئے۔ ترمذی نے جس قدر مذاہب لکھے ہیں، آخر کتاب میں سب کی اسناد بتا دیں، اسی طرح اور محدثین کا بھی حال ہے۔ پس یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ اور مذاہب کی روایتیں محفوظ نہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ائمہ

(۱) بعض ان کتابوں کے نام جن میں مذاہب علماء مذکور ہیں:

دیکھو جامع ترمذی شرح ترمذی للحافظ العراقي۔ مسند ابن ابی شیبہ۔ استذکار۔ تمہید لابن عبد البر۔ کتاب المغنی لابن قدامہ۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ نیل الاوطار۔ وغیرہا۔ ان کتابوں میں صحابہ و تابعین و دیگر ائمہ مجتہدین کے مذاہب و اختلافات اور ان کے مجتہدات بہت وضاحت کے ساتھ اور معتبر ذریعوں سے لکھے ہیں۔ (آخر الذکر تینوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔ واللہ الحمد۔ ع۔ ح۔)

اربعہ کے مذاہب کی طرح اور مذاہب میں صاحب مذہب کے اقوال پر برابر غسانے اور
تخریجیں نہیں ہوتیں۔ جس کی وجہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

مذاہب اربعہ من عند اللہ نہیں:

بہر حال ہم کو جو یہاں کہنا ہے وہ یہ ہے کہ شرعی طور پر ان چار اماموں اور ان کے مذاہب
کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں، اور جیسا کہ عوام کا خیال و طرز عمل ہے کہ ان چاروں اماموں اور ان کے
مذہبوں کو اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا اور ہر مسلمان پر واجب الاتباع سمجھتے ہیں صحیح نہیں۔ بلکہ ایسا
صرف رواج اور وجوہ مذکور بالا کے سبب سے ہوا۔

اصحاب مذاہب اربعہ کی باہم چشمک:

ان چار مذاہب کے اصحاب آپس میں چشمک^(۱) بھی رکھتے تھے۔ اور اپنے مذہب کے
فروغ دینے اور دوسرے کے زیر کرنے کی تدبیریں و کوششیں کیا کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ
ہمارا ہی مذہب منظور نظر سلاطین رہے۔ اور اسی کے موافق نظام سلطنت ہو۔

مذاہب اربعہ، قتل حکومت ہیں:

چنانچہ^(۲) استاذ ابو حامد اسفرائینی نے جب خلیفہ ابو العباس القادر باللہ کے دربار میں
رسوخ پایا تو خلیفہ سے اس بات کی منظوری حاصل کرائی کہ ابو محمد بن اکفانی حنفی قاضی بغداد کو معزول
کر کے بجائے ان کے ابو العباس حامل یا مازری شافعی کو قاضی مقرر کیا جائے۔ بیچارے قاضی ابو محمد
صاحب کو خبر بھی نہیں۔ آخر وہ معزول ہوئے اور مازری قاضی مقرر کئے گئے اور ابو حامد اسفرائینی نے

(۱) چنانچہ اس کے متعلق بیانات آگے آتے ہیں۔

(۲) غیبۃ الاکوان، ص: ۴۴، مطبوعہ نظامی پریس کالجور ۱۲۹۱ھ۔

ادھر سلطان محمود بن سبکتگین کو (جو اس وقت اعظم السلاطین تھے) لکھ بھیجا کہ خلیفہ نے مجھ کو قضاء کا حنفیوں سے نکال کر شافعیوں کو دیا ہے (لہذا تم کو بھی اپنے ممالک میں اس پر عمل درآمد کرنا چاہئے۔) اس انقلاب سے خراسان میں بھی شور اٹھا^(۱) اور بغداد (دار الخلافہ) کے لوگ بھی مختلف ہو کر دو فریق ہو گئے اور ملک میں فساد و فتنہ پھیل گیا۔ آخر خلیفہ کو سابق دستور کے موافق بدلنا پڑا اور مازری کو معزول کر کے اکفانی کو قضا دی، یہ ۳۹۳ھ کا واقعہ ہے۔ اسی طرح برابر ایک دوسرے پر حملے کرتے رہتے تھے۔ کبھی کوئی غالب ہو جاتا تھا، کبھی کوئی۔ اور جھگڑے قضیے ہوتے رہتے تھے۔ آخر ۶۶۵ھ^(۲) چہ شاہ بہرس بندقداری نے چاروں مذاہب کے چار قاضی مقرر کئے۔ اس سے پہلے مصر میں سوائے شافعی المذہب کے کوئی قاضی مقرر نہ کیا جاتا تھا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ مصر میں پہلے تو تشیع غالب تھا۔ سلطان صلاح الدین نے جب دولت شیعہ کا ازالہ کر کے مصر میں اہل سنت کا قدم جمایا تو چونکہ سلطان صلاح الدین شافعی المذہب تھے۔ لہذا انہوں نے مجھ کو قضا صدر الدین مارانی شافعی کے ہاتھ میں دے دیا۔ پس اقلیم مصر میں سوا شافعی المذہب کے کوئی قاضی نہ ہو سکتا تھا۔ سلطان مذکور اگرچہ امام شافعی کے مذہب کے معتقد تھے۔ مگر انہوں نے جہاں فقہائے شافعیہ کے لئے مصر میں مدرسہ کھولا۔ ایک مدرسہ فقہائے مالکیہ کے لئے بھی کھول دیا تھا۔ اس وجہ سے مصر میں مالکی مذہب بھی چل نکلا تھا۔ ادھر سلطان نور الدین محمود زنگی حنفی مذہب کے بڑے حامی تھے۔ ان کے سبب سے بلاد شام میں حنفی مذہب خوب زوروں پر تھا۔ انہیں کے اثر سے مصر میں بھی حنفی مذہب پھیلنے لگا۔ مگر قضا مصر میں شافعیوں ہی کے ہاتھ میں تھی۔ حتیٰ کہ جب سلطنت ملک بہرس کے ہاتھ آئی تو انہوں نے ہر مذہب کا ایک ایک قاضی مقرر کیا۔ ایک شافعی، ایک مالکی، ایک حنفی، ایک حنبلی۔ اس وقت سے آئندہ کے لئے یہی دستور جاری ہو گیا۔ اور اب سے گویا سرکاری طور پر چاروں

(۱) کیونکہ حنفی کب چاہتے تھے کہ شافعی المذہب قاضی مقرر ہو۔

(۲) فضیۃ الاکوان ص: ۱۰۵، رد المحتار حاشیہ در مختار میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دیکھو مقدمہ ص: ۴۲۔

مذہب تسلیم کر لئے گئے اور ان چاروں مذہبوں کی سلطنت حامی ہو گئی (ان کے سوا اگر کوئی تھا، ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا) لہذا ان کو ترقی نہ ہوتی تو کس کو ہوتی اور دوسرے بیچارے گمنام اور نابود نہ ہوتے تو کیا ہوتے۔

چار مصلوں کا حرمین میں قیام اور اس کے اثرات:

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور برابر ان کو روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ آخر سلطان فرح بن برقوق نے جو کہ اشرف ملوک چرا کہے جاتے ہیں، اوائل نویں صدی^(۱) میں مسجد کعبہ شریف کے اندر چاروں مذہب کے چار مصلے بھی قائم کر دیے۔ اور اپنی طرح سے دین محمدی کو چار حصوں اور چار جماعتوں پر تقسیم کر دیا۔ اگرچہ اس احداث پر اس وقت کے حق شناس^(۲) علماء نے مخالفت بھی کی۔ مگر جس بات کی اتنے دنوں سے تمہید جم رہی ہو اور اب ایک با اختیار بادشاہ کے ذہن میں ٹھن گئی ہو، وہ کیسے ٹل سکتی

(۱) دیکھو: إرشاد السائل إلى دليل المسائل للعلامة الشوكاني۔ عبارت یہ ہے: عمارة المقامات بمكة المكرمة بدعة ياجماع المسلمين أحدثنا أشرف ملوك الجبر اكسة فرح بن برقوق في أوائل المائة التاسعة من الهجرة وأنكر ذلك أهل العلم في ذلك العصر ووضعوا فيه مؤلفات۔ (ص: ۹۵، مطبوعہ در مجموعۃ الرسائل المنيرية، ج: ۳، ص: ۳۰۰)۔

(۲) کسی کام کامک میں ہونا اس کی صحت کی دلیل نہیں:

زمانہ مابعد کے علماء نے بھی ان مصلوں کے قائم کرنے کو امر زبون اور بدعت کہا ہے۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دیوبند تفسیر فتح العزیز میں تحت آیت: {وَمَا لِّلّٰهِ غَفْلَةٌ غٰفِلَةٌ} [البقرة: ۷۳] کے اس کو بدعت لکھتے اور مخالف فریق کو بھی اس کے اقرار سے پارہ نہیں۔ چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب سرگودہ احناف دیوبند سبیل الرشاد میں تحریر فرماتے ہیں: "البتہ چار مصلے جو مکہ معظمہ میں مقرر کئے ہیں، لاریب یہ امر زبون ہے کہ ہزار جماعات و افتراق اس سے لازم آگیا کہ ایک جماعت کے ہونے میں دوسرے مذہب کی جماعت ٹٹھکی رہتی ہے اور شریک جماعت نہیں ہوتی۔ اور مرتکب حرمت ہوتے ہیں۔ مگر یہ تفرق احمد دین حضرات مجتہدین سے نہ علماء متقدمین سے بلکہ کسی وقت میں سلطنت میں کسی وجہ سے یہ امر حادث ہوا ہے کہ اس کو کوئی اہل علم اہل حق پسند نہیں کرتا۔ پس یہ طعن نہ علماء اہل حق مذہب اربعہ پر ہے بلکہ سلاطین پر ہے کہ مرتکب اس بدعت کے ہوئے۔" (دیکھو، ص: ۳۳۳) اس سے ثابت ہوا کہ مخالف فریق کو بھی تسلیم ہے کہ ---

تھی۔ چنانچہ نہ ٹی۔

اور اس کا اثر ان مذہبوں کے استحکام اور ان کی تقلید کی بابت عموماً لوگوں پر ایسا پڑا جو کسی دوسرے ذریعہ سے بمشکل پڑ سکتا تھا۔ اور عوام کے ذہنوں میں یہ بات اتنے طور پر قائم ہو گئی کہ یہ چاروں مذہب اور ان کی تقلید اصلی طریقہ اسلام اور عین حکم الہی ہے، جس کی مخالفت کسی مسلمان کو جائز نہیں اور جس نے اس کا خلاف کیا، اس نے اسلام اور اصل طریقہ اسلام کا خلاف کیا، حالانکہ اس کی اصلیت صرف اسی قدر ہے جو معلوم ہو چکی ہے۔ اور چونکہ ان چاروں مذاہب کا سلسلہ مجموعی ہیت سے کہ چاروں مل کر ایک سمجھے جاویں جاری نہیں ہوا جیسا کہ اوپر ظاہر ہو چکا۔ اگر ایسا ہوتا تو چار کہلاتے ہی کیوں۔ بلکہ ہر ایک دوسرے سے علیحدہ اور دوسرے کا حریف و مقابل تھا اور ہر ایک کے پیرو اور معتقدین اور اصحاب علیحدہ علیحدہ تھے۔ لہذا جس طرح جدا جدا ان مذاہب کو استحکام ہوا،

--- کبھی بات کا مکہ میں ہونا اس بات کو نہیں چاہتا کہ وہ عند اللہ بھی صحیح ہو، پس عوام کا یہ خیال کہ تقلید شخصی عند اللہ حق نہ ہوتی تو مکہ مدینہ میں کیوں کی جاتی۔ کوئی وجہ صحت کی نہیں رکھتا۔ حرمین شریفین کی بزرگی اور وہاں کے ذاتی فاعل سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا بلکہ ہم تو مدینہ کے بھی حرم ہونے کے قائل ہیں کیونکہ حدیث میں اس کا حرم ہونا آیا ہے۔ اور حنفیہ اس کو حرم نہیں مانتے مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا وہاں کے سب باشندے خطا سے معصوم اور غلطی سے پاک ہیں یا وہاں کوئی ناجائز بات نہیں ہو سکتی۔ ملا علی قاری مکی حنفی مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: اگر مقتدین ان متاخرین کو دیکھتے جس پر ہمارے زمانہ کے غفلت کرنے والے لوگ ہیں تو وہ حرمین شریفین کی مجاورت کی حرمت کا حکم لگا دیتے۔ (حرمین میں) قلم کے شارع ہو جانے اور جہل کی کثرت ہو جانے اور بری باتوں اور بدعات کے پھیل جانے اور اگل حرام و شبہات کی وجہ سے ملا علی قاری نے خاص بدعات حرمین کے بارہ میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ یعنی (جن پر حنفیہ کو بہت ناز ہے) شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کی شرح میں جس میں ایمان کا مدینہ کی طرف سمٹنے کا ذکر ہے، لکھتے ہیں: ”یہ بات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اور ان کی قریب کے زمانوں میں تھی قرون متمادی تک۔ اور اس کے بعد تو احوال بگڑ گئے اور بدعات کی کثرت ہو گئی، خصوصاً ہمارے زمانے میں۔“ انتہی۔ بہر حال کسی عمل یا کسی مسلک کا حرمین شریفین میں ہونا اس کے حق ہونے کے لئے مند نہیں ہو سکتا۔ ایک زمانہ میں تمام شرفاء مکہ زیدی شیعہ ہو گئے تھے اور وہاں کی امارت بھی انہیں کے ہاتھ تھی۔ دیکھو: صواعق علامہ نصر اللہ کاظمی۔ چنانچہ رسالۃ غایۃ الکلام فی إبطال عمل أمور القیام میں اس کو مفصل لکھا ہے، ہم نے بھی اسی سے نقل کیا۔ مؤلفہ مولانا بشیر الدین قنوجی، ص: ۱۱۱، طبع ۱۳۵۰ھ۔ ع۔ ح۔

اسی طرح ان مذاہب اور ان کے اماموں کی تقلید شخصی بھی قائم ہوئی۔ جو شخص جس امام کا معتقد و پیرو و طرفدار تھا، اسی امام کی طرف منسوب ہوا اور ان کا مقلد کہلایا اور ہر موقعے و حداثے میں اسی امام کے فرمودے اور عندیے کو تلاش کرنے لگا۔ اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، ہر ایک کو اپنے منسوب الیہ کی حمایت اور اس کے مذہب کی پاسداری اور اس کی محبت و طرفداری بڑھتی گئی، یوں تقلید شخصی قائم و مستحکم ہو گئی۔

پہلے زمانے میں تقلید شخصی کا عدم التزام:

اگرچہ پہلے زمانے میں جب کہ ان مذاہب کے فروغ کا ابتدائی زمانہ تھا اور ان کے سواء اور مجتہدوں کے مذاہب پر بھی عمل درآمد ہوتا تھا۔ لوگوں کو کسی خاص امام یا مجتہد کی تخصیص ملحوظ نہ تھی بلکہ ہر مجتہد و امام اپنے قرب و جوار یا دور دراز کے لوگوں کا مقتدا ہوتا تھا۔ ایک ایک شہر میں کئی کئی امام و مجتہد بھی ہوتے تھے اور لوگ ان کی طسروں بلا تعین و تخصیص رجوع کرتے تھے اور جس^(۱) عالم سے چاہتے تھے، مسئلہ معلوم کر لیتے تھے، اگر کہیں سفر میں جانے کا اتفاق پڑتا، تو وہاں کے اہل علم سے اپنے حوائج رفع کرتے۔ غرض ان کو کسی امام و مجتہد اور اس کے مذہب کی خصوصیت مد نظر نہ

(۱) شیخ ابن عبد السلام فرماتے ہیں: ”ہمیشہ لوگوں کا دستور یہی رہا ہے کہ بلا تقلید کسی مذہب کے جس عالم سے اتفاق پڑ جاتا تھا، مسئلہ دریافت کرتے تھے اور پوچھنے والا کسی سے پوچھتے کوئی اس پر اعتراض نہ کرتا (برابر یہی ہوتا رہا) یہاں تک کہ یہ مذاہب اور ان مذاہب پر تعصب کے ساتھ تقلید کرنے والے ظاہر ہوئے تو پھر یہ بات جاری رہے۔“ (حجتہ اللہ، ص: ۱۶۰، فصل مسائل مصنفہ۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید، ص: ۹۸ میں فرماتے ہیں: ”شیخ عبد الوہاب شعرانی نے اصحاب مذاہب کے زمانہ سے لے کر اپنے وقت تک کی ایک جماعت عظیم علماء مذاہب سے نقل کیا کہ وہ بلا التزام مذاہب معین کے فتویٰ دیتے اور عمل کرتے تھے اور یہ ایسے طور پر نقل کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وہ بات ہے جس پر اگلے پچھلے علماء کا برابر عمل درآمد رہا ہے حتیٰ کہ وہ بات ایک ایسی متفق علیہ ہو گئی جس کو سبیل المؤمنین کہہ سکتے ہیں، شی جس کا خلاف جائز نہیں۔ انتہی۔ اس کے متعلق ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں، اسی طرح بلا تعین مذاہب کے عمل و فتویٰ کا ہونا ان تمام قرون اولیٰ کے اندر حقیقہ کو بھی مسلم ہے۔ چنانچہ ان کے اقوال معیار الحق میں ذکر کئے گئے ہیں۔“

تھی بلکہ ان کو صرف حکم شرعی معلوم کرنا ہوتا تھا اور اللہ اور رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان خواہ کسی رہبر سے ہاتھ لگے۔ مگر جب ان مذاہب اربعہ نے برخلاف دیگر مذاہب کے خاص ترقی حاصل کی، اور آئندہ کے لئے اپنا استحکام پیدا کیا، تو جس طریق اور جس طرز عمل سے ان کا سلسلہ مستحکم ہوا اس کے لئے اس طرح تقلید شخصی کا قائم ہو جانا ایک لازمی نتیجہ تھا۔ اور کچھ شک نہیں کہ اسی طرح ہوا بھی۔ ظاہر ہے کہ جس ملک میں جس مذہب نے رواج پایا، اس کو رواج دیا گیا۔ دیگر طسریقے وہاں سے اگر بالکل رخصت نہیں ہوئے تو کمزور اور مضحک تو ضرور ہی ہو گئے اور وہاں کے لوگ عموماً اسی رواج یافتہ مذہب کی پیروی کرنے لگے اور اپنے تمام حوادث و واقعات میں اسی مذہب کی طرف رجوع کرتے رہے۔ اور وہی ان کا مذہب قائم ہو گیا۔ اور کچھ عرصہ تک اسی طرح رہنے کے بعد اس کے ساتھ مانوسیت اور اس کی موروثیت کی وجہ سے اس کی محبت اور اس کی پاسداری اور اسی کی تخصیص بڑھ گئی اور بڑھتے بڑھتے یہ ہونے لگا کہ ہمارے امام کے نزدیک یہ ہے اور ہمارے مذہب میں اس طرح ہے۔ اور ہر امام کا مذہب اس کے پیروں میں دوسرے سے علیحدہ اور ممتاز بطور مستقل شریعت کے قائم ہو گیا اور ہر ایک کو دوسرے کا مذہب اپنے سے غیر اور خلاف معلوم ہونے لگا اور پھر ہر ایک مذہب والا بمقابلہ دوسرے کے اپنے مذہب کی افضلیت و اولیت کے وجوہ دلائل قائم کرنے لگا۔

مقلدین کی بحثوں میں افراط و تفریط :

اور اس قسم کے بحث مباحثوں کو بہت کچھ ترقی ہو گئی۔ خصوصاً جب کہ بعض سلاطین^(۱) کو اس قسم کے

(۱) دیکھو: حجة الله البالغة، ص: ۱۵۸، امام شافعی (رحمہ اللہ) و امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) کے مسائل پر بحث و مباحثہ و جوہ ترجیح جو زیادہ تر متب فقہ و اصول میں مذکور ہیں اور امام مالک (رحمہ اللہ) اور امام احمد (رحمہ اللہ) کے مسائل سے اس قدر تعرض نہیں۔ اس کی بھی وجہ یہی کہ سلاطین کو اسی طرف زیادہ توجہ پیدا ہوتی تھی، لہذا کہ شاہ صاحب نے ذکر کیا۔ میزان شعرانی میں علماء شافعیہ و حنفیہ کی ایک جماعت کا حال لکھا ہے کہ وہ رمضان کے روزے نہیں رکھتے تھے، اس لئے کہ قوی رہیں۔ ---

مباحث کی طرف توجہ پیدا ہوئی تو ہر ایک مذہب کے لوگوں نے اپنے مذہب کے کچھ نہ کچھ وجوہات عقلی یا نقلی پیدا کر کے اس کو رائج ثابت کیا اور بعض نے تو اس مقصود کے حاصل کرنے کے لئے یہاں تک افراتفریط سے کام لیا کہ اپنے امام کی مدح وغیرہ اور دوسرے مذہب کے امام کی مذمت میں حدیثیں بنا کر مشہور کیں^(۱)۔ کسی نے اپنے امام کے ایسے مبالغہ آمیز محامد^(۲) اور دوسرے مذہب کے امام نسبت

--- تاکہ ایک دوسرے سے مناظرہ کرے، اور ایک دوسرے فریق کا جواب دے۔ اور اس کو زیر کرے۔ اگر روزے رکھیں گے تو کمزور ہو جائیں گے اور مناظرے و مباحثے میں ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ دیکھو جس: ۳۹، مطبوعہ مصر۔

(۱) مدح و قدح ائمہ میں موضوع روا ہیں:

کسی نے یہ حدیث بنائی: یكون في أمي رجل يقال له أبو حنيفة هو سر اج أمي۔ کسی نے یہ حدیث بنائی: إن سائر الأنبياء يفتخرون بي و أنا أفتخر بأبي حنيفة من أحبه فقد أحبني و من أبغضه فقد أبغضني۔ کسی نے یہ حدیث بنائی: لو كان في أمي موسى وعيسى مثل أبي حنيفة لمتايتهم واولماتنصروا۔ کسی نے یہ حدیث بنائی: سيأتي بعدي رجل يقال له النعمان بن ثابت الكوفي ويكنى بأبي حنيفة ليحسن دين الله و سنتي على يده۔ کسی نے یہ حدیث بنائی: يخرج في أمي رجل يقال له أبو حنيفة و بين كنفه خال الخ۔ کسی نے یہ حدیث بنائی: ألا أنبئكم برجل من كوفيتكم هذه يكنى بأبي حنيفة قدماني قلبه علماً و حكماً و بملك قوم في آخر الزمان الغاية عليهم السافر يقال لهم البنانية كما هلك الرافضة بأبي بكر و عمر۔ کسی نے یہ حدیث بنائی: يكون في أمي رجل يقال له محمد بن ابريس أضمر على أمي من إبليس۔ یہ دو احادیث میں جو عقیقہ نے امام ابو عقیقہ صاحب (رحمہ اللہ) کی مدح اور امام شافعی صاحب کی مذمت میں بنائیں۔ اسی طرح شافعیہ نے اس کے مقابلے میں اپنے امام کی تعریف اور دوسرے کی مذمت میں بنائی ہوں گی۔ یہ اپنے امام کی حد درجہ کی بیچ و جست تھی، جو ایسا کرائی تھی۔ لیکن بعد ازاں پھر انہیں کے ہم مشرب علماء کو بجز اس بات کے تسلیم کرنے اور کہنے کے کوئی چارہ نہ ہوا کہ یہ احادیث موضوع اور جھوٹی ہیں۔ دیکھو مولفات شیخ قاسم حنفی و ملا علی قاری و شیخ عبدالحق دہلوی و مولانا عبدالحق لکھنوی (رحمہم اللہ)۔ ہمارے زمانے کے جن لوگوں کو اس قسم کی حدیثوں اور جھوٹی دلیلوں کے ساتھ اپنے مخالف فریق کو زیر کرنے کی دیکھ چکی ہے وہ اگر مذکور الصدر حدیث میں بجاتے البنانیہ کے الوہابیہ ترمیم کر دیں تو ان کو زیادہ مفید ہوگا۔ حافظ ابن حجر مستطانی نے جہاں اسباب وضع حدیث کے بیان کیے۔ وہاں ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ مقلدین نے بھی شدت تعصب کی وجہ سے حدیثیں بنائیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: والحامل لئلا وضع علي الوضع إما عدم الدين أو فوط العصبية المقلدين۔ ملخصاً بزہد النظر صفحہ: ۳۱۔ مطبوعہ فاروقی پریس۔

(۲) کوئی کہتا ہے امام ابو عقیقہ صاحب کا وہ مرتبہ ہے کہ خضر (علیہ السلام) بھی ان سے پڑھتے تھے۔ چنانچہ پانچ برس تک امام صاحب کی زندگی میں روز بروز صبح کو حاضر ہو کر امام صاحب سے علم حاصل کرتے رہے۔ جب امام صاحب کی وفات ہو گئی تو خضر نے بارگاہ النبی میں بڑی تشرع کی۔ آخر اجازت ملی کہ قبر پر جا کر سیکھ آیا کریں تو پچیس برس تک امام صاحب کی ---

ایسے ناشائستہ^(۱) الفاظ بولے جو کسی طرح زیبا نہ تھے۔ کسی نے اپنے مذہب کی ترجیح ثابت کرنے کے لئے عمدہ اصول^(۲) کے ایسے قواعد مہمہد کئے، جس سے اپنے مذہب کے مسائل چمپاں ہو جائیں

۔۔۔ قبر شریف پر حاضر ہو کر تحصیل علم کرتے رہے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ خضر نے جو امام صاحب سے علم شرح محمدی حاصل کیا تھا۔ وہ انہوں نے امام قشیری کو سکھا دیا۔ امام قشیری نے کتابیں تصنیف کر کے ایک صندوق میں بند کر کر دیا۔ یا سب جیون میں ڈال دیں۔ جب عیسیٰ (علیہ السلام) نزول فرمائیں گے۔ تو انہیں کتابوں کو نکال کر ان پر عمل درآمد کریں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام مہدی بھی حنفی مذہب کے مقلد ہوں گے۔ کوئی لکھتا ہے مسجد کوفہ میں مسند افادہ پر جب آپ بیٹھتے تھے تو ہزار شاگردان کے گرد ہوتے تھے اور ۴۰ مستعد مجتہد پاس موجود رہتے تھے۔ جب کوئی مسئلہ استخراج کرتے تو ان سے مشورہ و مباحثہ کرتے۔ بعد مہینے دو مہینے کے ہب خوب ٹھیک درست ہو جاتا تب حکم نفاذ کا جاری کرتے۔ اس طرح ہر تدوین فقہ کی مدت تیس برس بتائی جاتی ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے اس مجلس شوریٰ کا بیان کہاں تک صحیح ہے۔ لیکن اس کی کچھ حقیقت ہمارے اثناء بھائی مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی مدظلہ نے کتاب حسن البیان میں کی ہے۔ امام صاحب کی عبادت کے بیان میں مباحثہ کے ساتھ انواع عبادت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ عادی ان کا جمع کرنا خصوصاً ایسے شخص کو جس کو اتنا بڑا مشغلہ علمی ہو۔ ایک غیر ممکن الوقوع امر ہے۔ یہ تمام باتیں اور حدیثیں جو ہم نے لکھیں کتب فقہ و مناقب میں دیکھو۔ اگرچہ امام صاحب یا کسی دوسرے امام کے واقعی فضائل سے کسی سمجھ دار کو انکار نہیں اور نہ کوئی انکار کی وجہ ہے بلکہ ان کا ایسا ہونا اسلام کی زینت کا باعث ہے۔ مگر مقصود یہاں پر صرف اس قدر ہے کہ مقلدین نے کیسے خلاف واقع بیانات سے کام نکالنا چاہا۔

(۱) امام شافعی صاحب کی نسبت اہلسنی سے بھی زائد بدھونے کا جو لفظ بولا گیا وہ تم ابھی دیکھ چکے اور بعض نے جہل کے اقسام بیان کر کے جہل کی اس قسم میں جس میں بندہ آخرت میں معذور نہیں رکھا جاسکتا (بلکہ عذاب دیا جائے گا) کافروں و باغیوں و معتزلہ و متہدہ کے ساتھ امام شافعی صاحب کو بھی شریک کر دیا۔ دیکھو: نور الانوار، ص: ۳۰۰، انوار محمدی پریس۔ انہوں نے اس موقع پر امام شافعی کو نہ صرف جابل کہا بلکہ ایسا جابل ٹھہرایا جو موافقہ و اخروی سے بری نہیں۔

اہل حدیث پر ائمہ کو برا کہنے کا بیجا الزام اور اس کی اصل وجہ:

افسوس آپ جو چاہیں سوئیں کچھ حرج نہیں اور سب جائز ہے۔ اور اہل حدیث بے چاروں پر مفت میں الزام ہے کہ وہ ائمہ کو برا کہتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے جو بات یا لفظ اپنے مرکوز خاطر کے خلاف سنتے ہیں، وہ بری ہی معلوم ہوتی ہے جو نفس الامر میں وہ کوئی بری بات نہ ہو۔ اور چونکہ اہل حدیث سے بدظنی ہے اس وجہ سے یہ لوگ اگر کوئی اچھی بات بھی کہیں یا کوئی تحقیقی امر لکھیں وہ بھی برا ہی لگتا ہے اور یہی کہا جاتا ہے کہ امام صاحب کی توہین کی غرض سے کہا اور ان کو برا کہہ دیا۔ والی اللہ المشتکی۔

(۲) قواعد اصول فقہ اور دلائل کتب فقہ کا کچھ حال:

اصول فقہ کی کتابوں میں باسٹھ خاص خاص اصول و قواعد کے اکثر قواعد (خصوصاً مناقرات و مجادلات کے موقعوں پر)۔۔۔

اور مخالفت کی بات کا رد ہو جائے۔ گو ان قواعد سے کوئی دوسرا مخذور ہی لازم آتا ہو۔ الغرض اس طور پر ان مذاہب اور بعد کی تقلید شخصی قائم ہوئی اور ہر ایک مذہب کے پیرو اس مذہب کے مقلد ٹھہرے۔ کیونکہ اگر یہ لوگ تخصیص کے ساتھ ایک امام کے پابند نہ ہوتے بلکہ دیگر ائمہ کے اقوال پر بھی بلا لحاظ خصوصیت عمل کرتے رہتے یا براہ راست خود قرآن و حدیث سے استدلال کر کے عمل کیا کرتے تو وہ پیرو یا مقلد اس امام اور اس مذہب کے کیوں کہلاتے۔ بجائے اس کے وہاں تو ہر مذہب علیحدہ علیحدہ تخصیص کے ساتھ قائم ہو گیا اور ہر فریق خصوصیت کے ساتھ اپنے امام کی تقلید کرنے لگا اور دن بدن اس کو ترقی اور پختگی ہوتی گئی اور اسی کے ساتھ تعصب بھی بڑھتا گیا۔ اور یہ ایک مستقل وجہ ہے مذہب تقلید کے شروع ہونے اور پھیلنے کی۔

حکومتوں کا عمل دخل، شیوع مذاہب میں:

اور زمانہ مابعد میں مذہب تقلید کے عام طور پر پھیلنے اور اس کے استحکام و ترقی پانے کی

--- اسی قسم کے ہیں کہ اپنی موافقت و مخالفت کے رد کی رعایت سے لکھے گئے ہیں۔ جو بعض ناظرین اس بات کو جن کے کان پہلے اس سے آشنا نہیں ہوئے ہیں۔ تعجب کی نگاہ سے دیکھیں گے، مگر وہ شخص جن کو ان کتب پر تحقیقی اور غائر نگاہ ہے۔ سمجھی اس بات میں تعجب نہیں کرے گا۔ ہم کو اگر فرصت ہوئی تو ان شاء اللہ ہم ایک مستقل تصنیف میں اسباب کو مفصل بیان کریں گے اور کچھ بیان اس کے متعلق آگے بھی آتا ہے۔ کتنی جگہ ہدایہ وغیرہ کی طرز استدلال و جواب کی بھی یہی حالت ہے۔ مخالفت کے دلائل اپنی طرف سے قائم کر کے اپنے اصول کے موافق اس کے جواب دیتے ہیں۔ مخالفت کی کتاب میں دیکھا جائے تو نہیں اس دلیل کا جو اس کی طرف سے قائم کر کے جواب دیا ہے۔ پتہ نہیں بلکہ وہاں اور ہی دلائل مذکور ہوتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ مناقشات و دلائل پچھلوں کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور حقیقت میں بنا مذہب کی ان پر نہیں۔ شاء ولی اللہ صاحب "حجة الله" میں لکھتے ہیں: "بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ مذہب کی بنا ان مناقشات پر ہے، جو مبسوط سرخی اور ہدایہ قیمن وغیرہ میں مذکور ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ یہ باتیں سب سے پہلے معتزلہ نے پیدا کیں (جو عقائد میں معتزلہ تھے اور فروعات میں حنفی) پھر متاخرین نے اسی کو پسند رکھا۔" عبارت یہ ہے: "وبعضهم يزعم أن بناء المذهب على هذه المحاورات الجدلية المذكورة في مبسوط السرخسي والهداية والتبيين ونحو ذلك ولا يعلم أن أول من أظهر ذلك فيهم المعتزلة وليس عليه بناء مذهبهم. اھم ملخصاً ص: ۱۶۵"

ایک قوی وجہ یہ ہوتی کہ اکثر سلطنت کا مذہب تقلید رہا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے اور چونکہ زیادہ سلاطین حنفی ہوئے، اس وجہ سے حنفی مذہب کی تقلید کو سب سے زیادہ ترقی ہوئی۔ اور جب سلطنت کا مذہب تقلید رہا تو رعایا کا زیادہ تر اسی مذہب پر ہونا اور اسی پر مائل رہنا ایک لا بدی اور ضروری الوقوع امر تھا۔ کیونکہ اول تو بادشاہ و سلطنت کا کسی وضع یا مسلک پر ہونا قطع نظر دوسری باتوں کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے کافی ہے۔ کیا تم اپنے زمانے کے میلان طبع کو نہیں دیکھتے۔ باوجود شرعی مزاحمت اور علماء کے روکنے کے کس قدر لوگ انگریزی وضع قطع۔ چال ڈھال۔ طرز معاشرت۔ آداب اکل و شرب۔ اقسام کھانوں وغیرہ کی طرف جھکے چلے جاتے ہیں اور بلا کسی ضرورت یا معتد بہ نفع کے اسی کی طرف مائل ہیں۔

دوسرے ظاہر ہے کہ سرکاری مذہب کے اختیار کرنے میں ملکی خدمت۔ معزز عہدے۔ عروج و جاہ۔ رجوع خلاف۔ وغیرہ، جو بات تھ آسکتے ہیں خلاف میں نہیں آسکتے۔ تیسرے سرکاری طریقہ اور مروج مسلک عموماً باعث امن و عافیت ہوتا ہے۔ اس کے خلاف میں ذلت و مصائب و آفات کا سامنا ہوتا ہے۔ چوتھے جس نے اس وسطی زمانہ کے سلاطین کی تواریخ دیکھی ہے، وہ جانتا ہے کہ کسی مسلمان کو کسی مسلمان بادشاہ کی کسی امر میں مذہباً مخالفت کیسی دشواری تھی۔ غرض اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سلطنت کا مذہب و مسلک رعایا میں بہت زور کے ساتھ اشاعت پاتا ہے اور اسی بنا پر یہ قول مشہور ہے "الناس علی دین ملوکھم"۔ شیعہ سنی کے انقلاب سلطنت کی تاریخ دیکھو۔ سلطنت کے پلٹنے سے عام رعایا کا رنگ کس قدر بدل جاتا تھا، اسی طرح کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ عموماً سرزمین ایران پر جتنے پیدا ہوتے ہیں، وہ سب ہی کج رائے اور بے سمجھ پیدا ہوتے ہیں کہ وہاں جو پیدا ہوتا ہے، وہ شیعہ ہی ہو جاتا ہے اور وہاں سب شیعہ ہی شیعہ نظر آتے ہیں اور دوسرے ممالک کی سرزمین پر سب مستقیم الہائی اور صحیح ذہن کے پیدا ہوتے ہیں کہ جو اس کے خلاف حق مذہب کو نہیں اختیار کرتے بلکہ سنی ہی

ہوا کرتے ہیں۔ وقس علی هذا۔ اصل میں یہ کچھ نہیں بلکہ اس میں بڑا دخل سلطنت کے مذہب کو ہے۔ الحاصل۔ ان چاروں مذہبوں اور ان کی تقلید شخصی کے شروع ہونے اور پھیلنے کی یہ اصلی وجوہ و اسباب ہیں اور یہ اس کی اصلیت ہے۔

تقلید شخصی پر کوئی دلیل نہیں:

مگر مدت سے اس طرح پر رواج چلے آنے اور زمانہ دراز کے گزرنے سے لوگوں کو اس کی اصلی حالت سے بالکل بے خبر کر دیا اور وہ سمجھتے رہے کہ مذہب تقلید اور ان چار مذہبوں سے کسی ایک کی جملہ مسائل میں پابندی کرنا اصلی و قدیمی مذہب اور عین حکم اللہ و رسول (ﷺ) ہے اور اس سے ذرا سا بھی علیحدہ ہونا الحاد و بے دینی ہے۔ حالانکہ یہ کچھ بھی نہیں۔ نہ کہیں اللہ نے اور اس کے رسول نے ان چاروں اماموں کی تقلید کو واجب کیا اور نہ ان کو نبیوں کی طرح تقلید کیے جانے کے لئے بنا کر بھیجا جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے۔ اور طوابع الانوار حاشیہ در مختار میں لکھتے ہیں کہ ایک (۱) مجتہد معین کی تقلید کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں، نہ شریعت کی رو سے نہ عقل کی رو سے۔ چنانچہ اس (بات) کو (کہ تقلید شخصی کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں) حنفیہ میں سے شیخ ابن الہمام نے (شرح بدایہ) فتح القدیر میں اور اپنی اصول کی کتاب میں جس کا نام تحریر الأصول ہے ذکر کیا اور اسی عدم وجوب کی (بابت) مالکیہ میں سے شیخ ابن عبد السلام نے مختصر منتہی الأصول میں تصریح کی اور شافعیہ میں سے محقق عضد الدین نے اور ابن امیر الحاج نے تجرید شرح تحریر میں ذکر کیا کہ پہلے زمانے کے علماء

(۱) عبارت یہ ہے: وجوب تقلید مجتہد معین لا حجة علیه لا من جهة الشريعة ولا من جهة العقل كما ذكره الشيخ ابن الهمام من الحنفية في فتح القدير وفي كتابه المسمى بتحرير الأصول وعدم وجوبه صرح الشيخ ابن عبد السلام في مختصر منتہی الأصول من المالكية والمحقق عضد الدین من الشافعية وذكر ابن امیر الحاج في التجرید شرح التحرير أن القرون الماضية من العلماء أجمعوا على أنه لا يحل لحاكم ولا قاض تقلید رجل واحد بحيث لا يحكم ولا يفني في شيء من الأحكام إلا بقوله۔

نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ کسی حاکم یا مفتی کو کسی خاص ایک شخص کی تقلید حلال نہیں کہ جب فیصلہ کرے یا کسی حکم میں فتویٰ دے تو اسی کے قول کے مطابق دے۔“

اسی طرح سید باشا شرح تحریر میں اور ملاحسن شربٹا لی رسالہ العقد القسریہ میں اور محب اللہ بہاری مسلم الثبوت میں اور بحر العلوم شرح مسلم الثبوت اور شرح تحریر میں اور ملا حبیب اللہ قدساری مقتنم الحصول میں اور مولانا اکمل صاحب عنایہ شرح ہدایہ تقریر الاصول میں تحریر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ان کی اور ان کے سوا اور بھی کتنے محققین کی عبارتیں لفظ بلفظ ہمارے اُستاذ حضرت تاج شیعنا و شیخ الکمل جناب مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی مدظلہ العالی نے معیار الحق^(۱) میں نقل فرمائی ہیں۔ یہ محققین تصریح فرماتے ہیں کہ اللہ نے کسی کی تقلید شخصی واجب نہیں فرمائی اور کسی پر لازم نہیں کیا کہ وہ ایک ہی امام کا تمام مسائل میں مقلد ہو رہے بلکہ تقلید شخصی کو واجب ٹھہرانا نئی شرح اپنی طرف سے پیدا کرنا ہے۔ غرض اس سے کوئی دیدہ و رازگار نہیں کر سکتا کہ شرع نے ہمیں ہدایت نہیں کی کہ تقلید شخصی یا ان چاروں مذاہب میں سے کسی نہ کسی ایک کی پابندی کی جائے اور نہ ایسا کرنے کے جواز کی شرعا کوئی وجہ ہے۔ لیکن زمانے کے دور نے اور رسم کے چل نکلنے نے ایسا کرادیا۔

تقلید و جمود کے لازمی نتائج، فرقہ وارانہ تعصب:

اور جب اس کی رسم چل نگی اور ایک عرصہ تک ایسا ہی ہوتا رہا تو لوگوں کو یہی صحیح و حق معلوم ہونے لگا۔ اور پھر یہ ہونے لگا کہ کوئی تو کہتا^(۲) کہ اہل سنت مذاہب اربعہ میں منحصر ہیں۔ جو

(۱) تقلید شخصی وغیرہ کے مباحث میں یہ کتاب بہت ہی خوب اور قابل دید ہے۔ فریق محال نے بہت مدتوں کے بعد برسوں کی محنت میں (جو تقریباً سات آٹھ برس جوتے ہیں) ایک جواب انتصار الحق شائع کیا۔ اہل حدیث کی طرف سے تھوڑے ہی عرصہ میں اس کے کئی جواب شائع ہوئے۔ (۱) اختیار الحق۔ (۲) البحر الزخار۔ یہ دونوں مفصل جواب ہیں۔ (۳) تلخیص الأنظار۔ (۴) براہین اثنا عشریہ۔ دونوں مجمل ہیں۔ ہم نے نہیں سنا کہ مؤلف انتصار یا ان کے کسی مددگار نے آج تک ان جوابوں کا جواب دیا ہے۔

(۲) یہ اقوال علماء احناف کی فقہ کی کتابوں سے رسالہ تنویر الحق میں نقل کیے ہیں، جس کا جواب معیار الحق ہے اور۔۔۔

ان سے خارج ہے وہ اہل بدعت اور اہل نار سے ہے۔ کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ مذاہب اربعہ کے سوا کسی اور مذہب کے اوپر عمل کرنے کے عدم جواز پر اجماع ہو گیا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے سوا کسی اور کی تقلید منع ہے۔ کوئی کہتا ہے مقلدین امام ابو حنیفہ پر واجب ہے کہ انہیں کے قول پر عمل کریں۔ ان کو امام صاحب کے سوا کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کرنا جائز نہیں۔ کوئی کہنے لگا، جو ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال کرے، اگرچہ اجتہاد اور دلیل کی وجہ سے انتقال کرے، تاہم موجب تعزیر ہے۔ تو اگر بلا اجتہاد اور بلا دلیل انتقال کرے تب تو بدرجہ اولیٰ قابل تعزیر ہے۔ کوئی^(۱) لکھتا ہے، ہم حنفیوں کے یہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ نہ فتویٰ دیا جائے اور نہ عمل کیا جائے بجز امام اعظم^(۲) کے قول کے۔ اور بلا کسی ضرورت کے ان کے قول کو چھوڑ کر صاحبین وغیرہما کا قول نہ لیا جائے۔ اور کوئی صاف صاف^(۳) یہ بھی کہہ رہا ہے کہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ واجب ہے اگرچہ نہ یہ معلوم ہو کہ کس دلیل سے انہوں نے کہا۔ کوئی کہتا^(۴) ہے علی الاطلاق فتویٰ امام صاحب کے قول

--- کچھ اقوال انتصار الحق میں بھی ذکر کیے ہیں۔

(۱) یہ فتاویٰ خیر یہ ہیں غیر الدین ملی استاد مولف درمختار نے لکھا ہے اور عثمانی نے حاشیہ درمختار میں نقل کیا ہے۔

(۲) لفظ امام اعظم کی تحقیق:

مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم میں الفوائد السبہ فی تراجم الحنفیہ میں لکھا ہے: ”ہم حنفیوں کی کتابوں میں امام اعظم سے مراد امام ابو حنیفہ ہوتے ہیں۔ انتہی۔ امام صاحب کو حنفی جو امام اعظم بولتے ہیں غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہ حنفی کا مدار زیادہ تر ائمہ شافعی یعنی امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے اقوال پر ہے۔ مگر چونکہ امام صاحب ان دونوں کے استاذ ہیں اور یہ ان کے شاگرد ہیں اس وجہ سے وہ امام اعظم کہلائے۔ اور یہ دونوں ان کے مقابلہ میں صاحبین کہلاتے ہیں۔ اور چونکہ امام محمد صاحب امام ابو یوسف صاحب کے بھی شاگرد ہیں، اس وجہ سے امام محمد کے مقابلہ میں دونوں جو ان کے استاذ ہیں، حنفی کہلاتے ہیں۔ غالباً یوں ہی یہ لقب شروع ہوا اور جب زائد مشہور ہو گیا تو بعض دوسری کتابوں میں بھی ذکر کیا جانے لگا۔ واللہ اعلم۔“

(۳) یہ صاحب بحر الرائق نے لکھا ہے اور عثمانی نے بیان رسم المصنفی میں نقل کیا ہے۔

(۴) درمختار میں اسی کو ہی کہا ہے۔

پر دیا جاوے۔ ان کے بعد امام صاحب کے قول پر۔ ان کے بعد امام محمد کے قول پر۔ ان کے بعد زفر کے قول پر۔ ان کے بعد حسن بن زیاد کے قول پر۔ اور بعض نے باہم اختلاف کی صورت میں قوت دلیل کا اعتبار کیا۔

فقہاء کا قواعد افتاء میں اختلاف:

مسی (۱) نے فقہاء کا عمل در آمد یہ بتایا کہ جمیع مسائل ذوی الارحام میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے اور قضاء اور شہادت کے مسائل میں امام ابو یوسف کی رائے پر اور عبادات کے تمام مسائل میں امام صاحب کے قول پر۔ اور بھی کتنے مختلف قول کتب فقہ مثل رد المحتار اور بحر الرائق اور الأشباہ والنظائر وغیرہ میں لکھے ہیں۔ فقہاء نے ان قواعد میں جو انہوں نے مقلد عالم کے لئے تجویز کیے ہیں، جن کی پابندی اس کو فتوے دیتے وقت اور نیز سب کو ان فقہی مسائل پر عمل کرتے وقت لازم ہے، عجیب اختلاف ہے۔ رد المحتار (۲) میں ان کا حاصل بصورت تطبیق کے یوں بتایا ہے۔ جس مسئلہ میں ہمارے اصحاب (یعنی امام صاحب اور ان کے شاگرد) متفق ہوں تو قطعاً اس پر فتویٰ دیا جائے اور اگر باہم مختلف ہوں تو اگر مشائخ نے ان میں سے صرف ایک کی تصحیح کی ہے اور صیغہ الفعل (۳) کے ساتھ کی ہے تو مفتی کو اختیار ہے، جس پر چاہے فتویٰ دے اور صیغہ الفعل کے ساتھ نہیں ہے تو جس کی تصحیح کی اس پر فتویٰ ہونا چاہئے، اور اگر دونوں کی تصحیح کی ہے تو اگر احد الجانبین میں سے کسی ایک میں صیغہ الفعل ہے تو بعض نے کہا، الفعل والے پر فتوے ہونا چاہئے اور بعض نے کہا کہ جانب ثانی پر۔ اور اگر صیغہ الفعل نہیں ہے تو مفتی کو اختیار ہے۔ اور اگر کسی کی تصحیح نہیں ہے تو اگر مفتی

(۱) دیکھو رد المحتار رسم المفتی۔

(۲) دیکھو: بیان رسم المفتی ص: ۵۵، جلد اول مقدمہ۔

(۳) یعنی بلفظ أفعـل۔

اہلیت نظر اور لیاقت دلیل کے سمجھنے اور ترجیح دینے کی رکھتا ہے تو ان میں جو ناقول و لیل کے رو سے قوی ہو اس پر فتویٰ دے۔ اور اگر لیاقت و ترجیح کی نہیں رکھتا تو ترتیب مذکور کے موافق فتویٰ دے۔ یعنی اول امام صاحب کے قول پر، پھر ابو یوسف کے اٹخ۔ فقہاء کے ان اقوال و قواعد پر نظر کرنے سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ پہلے زمانہ اور اصل طریقہ کے رنگ سے پچھلے زمانہ کے خیالات کس قدر غیر ہو گئے۔ صرف عوام ہی نہیں بلکہ خواص بھی کیسے کیسے دعوے اور کیسی کیسی باتیں کرنے لگے، جن کی شرع میں کوئی اصلیت نہیں اور عموماً غسل در آمد جو ہے، وہ اس^(۱) سے بھی زائد۔

بہینا بھی نابینا؟

ان قواعد کو (جو انہوں نے مفتی کے لئے تجویز کیے) دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو بھی جس کو اہلیت نظر و استدلال و ترجیح کی ہے در صورت اتفاق اصحاب مذہب (یعنی امام صاحب اور ان کے شاگرد) و نیز در صورت باہم خلاف بر تقدیر تصحیح مشائخ اجازت نہیں ہے کہ اپنے علم و تحقیق سے کام لے یا دیکھ لیں کہ دیگر پیشوایان امت محمدیہ اور مجتہدین کا ملین اور ائمہ دین اور علم نبوی (ﷺ) کے حاملین کیا کہتے ہیں بلکہ وہ آنکھ میچ کر وہی کہتا رہے جو کہہ دیا گیا۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے آنکھ کھول کر ذرا دیکھنے کی اجازت ہے تو صرف اسی صورت میں کہ اصحاب میں اختلاف ہو اور مشائخ نے اپنا اظہار رائے نہ کیا ہو۔ اور وہ بھی اس شرط سے کہ اسی احاطہ کے اندر رہے اور انہیں میں سے کسی کے قول پر فتویٰ دے۔

(۱) حتیٰ کہ بعض صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم حدیث کو عمل کے لئے تھوڑی پڑھتے ہیں۔ برکت کے لئے پڑھتے ہیں۔ عمل تو ہم اسی پر کریں گے جو فقہاء نے کہا۔ اور حقیقت میں کرتے بھی ویسا ہی ہیں۔

ہدایات ائمہ کی خلاف ورزی:

افسوس اصحاب مذہب کا تو ارشاد ہے کہ بلا دلیل معلوم کئے ہمارے قول پر فتویٰ نہ دینا یا عمل نہ کرنا اور یہاں اس کے بالکل خلاف ہدایت ہو رہی ہے اور ان کے صریح منشاء کے خلاف^(۱) محکمہ افتاء کا ضابطہ قرار دیا جاتا ہے۔ اگر ہم یہ باتیں خلاف واقعہ کہہ رہے ہیں اور فقہاء سب صورتوں میں نظر و استدلال کے قائل ہیں تو ہم اپنے اس اعتراض کو واپس لیتے ہیں، مگر نہایت مشکل سے یہ بات فقہاء سے کوئی ثابت کر سکے تو کر سکے۔ تاہم اگر کسی سے قول ثابت ہو بھی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عملاً ایسا نہیں ہوایا نہ ایسا ہو سکا۔ اور نہ اب ایسا ہوتا ہے جس کے وجود ہم ان شاء اللہ آگے لکھیں گے اور اگر فرضاً عمل بھی ایسا ہوتا ہے تو پھر ہم کو کیا اعتراض ہے۔

طبقات فقہاء:

فقہاء حنفیہ نے علماء کو سات طبقات پر تقسیم کیا جس کی تفصیل ان کے بیان^(۲) کے موافق یہ ہے۔ طبقہ اولیٰ مجتہدین فی الشرع۔ جن کا کام ہے قائم کرنا اصول و قواعد کا (اور بلا کسی کی تقلید کے نہ اصول میں نہ فروع میں استنباط کرنا احکام کا ادلہ اربعہ یعنی قرآن و حدیث و اجماع و قیاس سے) اس طبقہ میں ائمہ اربعہ ہیں اور جس نے ان کا سا کام کیا۔

طبقہ ثانیہ مجتہدین فی المذہب۔ جن کا کام ہے استخراج احکام کا ادلہ مذکورہ سے بمقتضیٰ ان

(۱) کسی امام نے تقلید کا حکم نہیں دیا:

چنانچہ ائمہ کا تقلید سے ممانعت کرنے کا بیان اوپر ہو چکا، امام عبد البر فرماتے ہیں ہم کو کسی امام سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ انہوں نے اپنے اصحاب کو مذہب معین کے التزام کا حکم دیا بلکہ ان سے یہی منقول ہے کہ انہوں نے لوگوں کو (بلا تعین) بعض کو بعض کے فتویٰ پر عمل کرنے کے اوپر برقرار رکھا اور نہ کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے اپنی امت سے کسی کو التزام مذہب معین کا حکم دیا ہو۔ دیکھو: میزان شرعی، ج: ۳۳، مطبوعہ مسمیہ مصر۔

(۲) دیکھو: رد المختار ماشیہ و مختار ج: ۵، مطبوعہ مصر اور نافع کبیر وغیرہ میں بھی اس کا مفصل ذکر ہے۔

قواعد کے جو مجتہد فی الشرع نے قائم کر دیے۔ یہ لوگ گو بعض فروع میں اپنے مجتہد فی الشرع کا خلاف کرتے ہیں، مگر اصول میں اس کے مقلد ہوتے ہیں۔ اس طبقہ میں ^(۱) امام ابو یوسف رحمہ اللہ و دیگر شاگردان امام صاحب ہیں، جو اصول میں تو ان کے مقلد تھے، مگر استخراج فسروع کا ادلہ سے کرتے تھے۔

طبقہ ثالثہ مجتہدین فی المسائل۔ جن کا کام ہے ان مسائل کا استنباط کرنا، جن میں امام سے کوئی تصریح ثابت نہیں ہوئی۔ انہیں امام کے اصول وقواعد کے موافق۔ یہ لوگ امام کی نہ اصول میں مخالفت کر سکتے ہیں نہ فسروع میں۔ صرف ایسے مسائل کو جو امام سے ثابت نہیں، امام کے قواعد کے موافق اجتہاد کر سکتے ہیں۔ اس طبقہ میں۔ خصاص۔ طحاوی۔ کرنی۔ شمس الانمہ حلوانی۔ شمس الانب۔ سرخسی۔ فخر الاسلام بزودی۔ قاضی خاں وغیرہم ہیں۔

طبقہ رابعہ اصحاب التخریج۔ جو اجتہاد تو کسی طرح کا نہیں کر سکتے۔ لیکن اصول کے ساتھ اچھی طرح واقفیت اور دلائل کے یاد ہونے کی وجہ سے کسی ایسے مجمل قول اور مبہم حکم کی جو امام صاحب یا ان کے کسی شاگرد سے منقول ہے اور کئی احتمال رکھتا ہے۔ اس کے امثال و نظائر پر قیاس کر کے اور اصول میں نظر کر کے تفصیل کر سکتے ہیں۔ اس طبقہ میں رازی وغیرہ ہیں۔

طبقہ خامسہ مقلدین اصحاب الترجیح۔ جن کا کام صرف یہ ہے کہ (اپنے اصحاب مذہب سے جو مسائل کی بابت) روایات (ہیں ان) میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دینا۔ مثلاً: یہ کہہ دینا: هذا أولى۔ هذا أصح۔ هذا أرفق للناس۔ (اس کے سوا یہ لوگ اور کچھ نہیں کہہ سکتے اور نہ کچھ کر سکتے ہیں۔) اس طبقہ میں قدوری اور مصنف ہدایہ وغیرہما ہیں۔

طبقہ سادسہ مقلدین قادرین علی التمییز۔ جو صرف اسی قدر کر سکتے ہیں کہ (اپنے اصحاب

(۱) یعنی حنفی مذہب میں۔

مذہب کی جو روایات ہیں ان میں سے (اقویٰ اور قویٰ اور ضعیف اور ظاہر و سرور وایت اور نادرہ کو تمیز کر کے اقوال مردودہ اور (مذہب کی) روایات ضعیفہ کو نقل نہیں کرتے۔ اس طبقہ میں متاخرین اصحاب متون مثل صاحب کنز اور صاحب درمختار اور صاحب وقایہ اور صاحب مجمع ہیں۔

طبقہ سابعہ وہ مقلدین جو اس کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور دہلی موٹی میں کچھ تمیز نہیں کر سکتے۔ انتہی۔

عمل بالحدیث کی راہ میں متاخرین فقہاء کی رکاوٹیں:

فقہاء نے جس طرز سے ان طبقات کو بیان کیا اور اس کا لوگوں پر اعلان کیا، اس نے لوگوں کی اور بھی ہمتیں توڑ دیں۔ وہ بیچارے اگر کچھ تحقیق و عمل بالحدیث یا کتاب و سنت سے استخراج مسائل کا ارادہ کرتے بھی تو ان کے ارادوں کو پست کر دیا کہ جب ایسے بڑے بڑے علماء جو کہ امام و شمس الائمہ اور فخر الاسلام کہلائے جاتے ہیں اور ایسے بڑے بڑے مؤلف جن کی کتابوں کے پڑھنے سے لوگ عالم ہو جاتے ہیں اور جن کا سمجھنا بجائے خود ایک کمال ہے۔ چھٹے و پانچویں و چوتھے طبقے میں پڑے ہوئے ہیں، جو بیچارے بجز نقل کے کچھ دم مارنے کی قدرت نہیں رکھتے بلکہ ان سے اعلیٰ طبقے والے بھی امام کا اصول و فروع میں کسی طرح کا خلاف نہیں کر سکتے تو پھر اور کسی کا کیا منہ جو دم مارے یا کچھ ہمت کرے۔ پس وہ ڈر کر بیٹھ رہے ہیں اور بجز اس کے اور کچھ نہ کر سکے تاکہ آنکھ میچ کر تسلید کیے چلے جائیں۔

طبقات میں بھی غلطی:

حالانکہ یہ تقسیم و تفصیل طبقات کی خود تقلید کے احاطے کے اندر بیٹھ کر کی گئی اور تقلید کا پورا سایہ پڑنے کے بعد اور انہیں کی بابت جو تقلیدی ٹھیر چکے۔ اور تقلیدی خیال کے موافق۔ اور اسی وجہ سے ان علماء کے جو منازل بتائے گئے اس میں سخت غلطی کی گئی۔ اور ان کو ان کے مرتبے سے گھٹا کر

دکھایا گیا۔ جس کی شرح کی ہم یہاں گنجائش نہیں^(۱) پاتے مگر جو ہم اس جگہ دکھانا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ان فقہاء کے خیالات جنہوں نے یہ طبقات مرتب کئے اور وہ جو اس پر تقسین رکھتے ہیں، پہلے زمانہ کے طرز عمل سے کس قدر غیر ہو گئے اور یہ لوگ اہل علم کو کس طرح دائرہ تقلید میں محصور رکھنا چاہتے ہیں اور محصور کرتے ہیں۔

(۱) لیکن ہم صرف علامہ بیہاء الدین مرجانی حنفی کا قول ملخصاً نقل کرتے ہیں: جو مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نے نافع کبیر میں ذکر کیا۔ اس سے ہمارے اس دعوے کی سچائی کا کسی قدر تم کو ظہور ہو جائے گا وہ لکھتے ہیں: "کاش ہم سمجھتے اس کے کیا معنی ہیں کہ ابو یوسف و محمد و زفر نے بعض مسائل میں امام ابو حنیفہ کا خلاف کیا، لیکن وہ اصول میں ان کے مقلد ہیں۔ اصول سے مراد اگر وہ احکام اجمالیہ ہیں، جن سے کتب اصول میں بحث ہوتی ہے تو وہ عقلی قواعد ہیں، ان کو جو صاحب عقل و نظر ہے سمجھتا ہے، خواہ مجتہد ہو یا غیر مجتہد، اور ان کو اجتہاد سے کچھ تعلق نہیں۔ اور ان قیوں اماموں کی شان اس سے بہت زائد ہے کہ وہ ان قواعد کو نہ سمجھتے ہوں جیسا کہ تقلید کے حکم سے لازم آتا ہے اور ایسا ان اماموں کی شان میں کہنا بڑی گستاخی ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ اصول و قواعد ہیں جن میں انہوں نے امام ابو حنیفہ کا خلاف کیا (پھر اصول میں تقلید کیسی)۔ اور عراقی نے تو یہاں تک کہا کہ ابو یوسف و محمد امام ابو حنیفہ کے دو تہائی مذہب میں خلافت ہیں۔ لیکن یہ لوگ اپنے استاذ کی حسن تعلیم و کمال بزرگی کرنے اور ان کے حق کی رعایت کرنے کی وجہ سے انہیں کی شان بلند کرنے میں سرگرم رہے اور ان کی طرف سے مدد کرتے رہے اور انہیں کے اقوال کو لوگوں کے سامنے نقل کرتے اور ان سے حجت چکراتے اور ان کی طرح طرح سے خدمت کرتے رہے۔ اس وجہ سے ائمہ شافعیہ اور سفیان وغیرہ کی طرح علیحدہ امام نہ مشہور ہوئے نہ یہ کہ وہ اجتہاد و مطلق فی الشریعہ کے مرتبہ کو نہ پہنچے تھے۔ اگر وہ اپنے اقوال کے پیچھے نے کی کوشش کرتے تو ان کا مذہب امام ابو حنیفہ صاحب کے مذہب سے علیحدہ قائم ہو جاتا اور اگر اصول سے مراد اولہ اربعہ ہیں تو اولہ اربعہ کے ساتھ سب ہی استثناء کرتے ہیں (اس میں تقلید کے کیا معنی)۔ پھر جو خصائص و ظاہری و کفری کی بابت کہا کہ وہ امام ابو حنیفہ کی مخالفت نہ اصول میں کر سکتے ہیں نہ فروع میں۔ یہ بھی کچھ ٹھیک نہیں، اس لئے کہ ان لوگوں نے امام صاحب کا جس قدر مسائل میں خلافت کیا وہ گنتی سے باہر ہیں اور ان کے اصول و فروع دونوں میں (امام سے علیحدہ کتنے مسائل میں) اپنے مختار ہیں اور ان کے اقوال میں جو قیاس وغیرہ سے استنباط کئے اور ان کے استدلالات ہیں، عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ۔ چنانچہ کتب فقہ و خلافیات سے واقف ہو گئے ہیں (پھر خلافت نہ کر سکنے کے کیا معنی)۔ پھر جو رازی کو ایسی جماعت میں داخل کیا جو بالکل اجتہاد نہیں کر سکتے، یہ بھی ان کے حق میں بڑی ظلم کیا اور ان کے شان کی بڑی مستحکم کی۔ پھر علامہ مرجانی نے رازی کی بہت کچھ تعریف کرنے کے بعد قدوری و اصحاب ہدایہ کے اصحاب ترجیح میں داخل کرنے پر بھی اعتراض کیا اور ظاہر کیا کہ ان کا مرتبہ اس سے عالی ہے۔

ختم اجتهاد کا دعویٰ بلا دلیل:

اور طرہ اس پر یہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ بھی دعویٰ کر دیا گیا کہ اجتهاد مطلق ائمہ اربعہ پر اور اجتهاد فی المذہب علامہ نسفی پر ختم ہو گیا۔ مولانا عبد العلی بحر العلوم کیا خوب فرماتے ہیں۔ چنانچہ وہ شرح تحریر الأصول^(۱) میں لکھتے ہیں:

”بعض متعصبین نے کہا کہ اجتهاد مطلق ائمہ اربعہ پر ختم ہو گیا۔ ان کے بعد کوئی مجتہد مطلق نہیں پایا گیا۔ اور اجتهاد فی المذہب علامہ نسفی صاحب کنز پر تمام ہو گیا، ان کے بعد کوئی مجتہد فی المذہب نہیں پایا گیا۔ حالانکہ یہ بات غلط اور رجم بالغیب ہے۔ اگر کوئی ان سے اس کی دلیل پوچھے کہ تمہیں کیوں کر معلوم ہوا تو کچھ دلیل نہیں دے سکتے۔ اس کے علاوہ یہ بات کہنا اللہ کی قدرت پر بلا دلیل حکم لگانا ہے۔ یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ اب قیامت تک اللہ تعالیٰ کسی کو فضیلت اجتهاد کی نہیں عنایت فرمانے کا۔ پس چاہئے کہ ایسے تعصبات سے پرہیز کیا جائے۔“

اور شرح مسلم الثبوت^(۲) میں تحریر فرماتے ہیں:

”بعض لوگوں نے علامہ نسفی کے بعد زمانہ کا مجتہد فی المذہب سے خالی ہونے کا حکم لگا دیا

(۱) عبارت یہ ہے: (اعلم أن بعض المتعصبين قالوا اختتم الاجتهاد المطلق على الأئمة الأربعة ولم يوجد مجتهد مطلق بعدهم والاجتهاد في المذهب اختتم على العلامة النسفي صاحب الكنز ولم يوجد مجتهد في المذهب وهذا خلاف ورجم بالغيب فإن سنل من أين علمتم هذا لا يقدر أن على إبداء دليل أصلاً ثم هو نحكم على قدره قاله تعالى فمن أين يحصل علم أن لا يوجد إلى يوم القيامة أحد يتفضل الله عليه بمقام الاجتهاد فاجتنب عن مثل هذه التعصبات۔ اس کے متعلق کچھ تحقیق آگے بھی آئی ہے۔

(۲) عبارت یہ ہے: من الناس من حكم بوجوب خلو الزمان عن المجتهد بعد العلامة النسفي وعنوانه الاجتهاد في المذهب وإما الاجتهاد المطلق فقالوا أنه اختتم بالأئمة الأربعة حتى أو جبر التقليد واحد من هؤلاء على الأمة وهذا كله هو من هو سائهم لم يأتوا بدليل ولا يعاب بكلامهم وإنما هم من الذين حكموا بالحديث عليهم أنهم أفتروا بغير علم فضلو أو أضلوا ولم يفهموا أن هذا إخبار بالغيب في خمس لا يعلمهن إلا الله۔

اور اجتہادِ مطلق کی بابت کہہ دیا کہ وہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو گیا۔ حتیٰ کہ انہیں میں سے کسی ایک کی تقلید امت پر واجب ٹھہرا دی۔ یہ سب اپنی من مانی باتیں ہیں جن پر وہ کوئی دلیل قائم نہ کر سکے اور (سچ تو یہ ہے کہ) ان لوگوں کی باتوں کا کچھ اعتبار نہیں۔ یہ لوگ انہیں میں سے ہیں، جن کی بابت حدیث میں وارد ہے کہ فتویٰ دیا بغیر علم کے۔ پس خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔^(۱) الحاصل مذہب تقلید ہی یہ سب کچھ کھلا رہا ہے۔

مذہب اربعہ میں انحصارِ حق کے ”دلائل“؟

جہاں مقلدین نے یہ تمام دعوے کئے اور مذاہب اربعہ میں انحصار اور تقلید شخصی کے وجوب کے قائل ہوئے ضرور تھا کہ اس کے لئے کچھ نہ کچھ دلائل بھی قائم کرتے گو وہ دلائل ایسے نہ ہوں کہ مناظرے کے وقت کام آسکیں۔ اور نہ ایسے ہو سکتے ہیں مگر کم سے کم اتنے تو ہوں کہ اپنا دل خوش ہو جائے اور اپنے معتقدین کے عقائد مستحکم ہو جائیں تو کسی^(۱) نے منشاء مذاہب اربعہ میں انحصار کا اجماع مرکب قرار دیا۔ لیکن جب اس کی تقریر ہوئی اور دلیل مدعا پر منطبق کرنا چاہا تو تسلیم کرنا پڑا کہ دلیل مناقشہ سے خالی نہیں اور اس کی توجیہ میں باوجود یکہ اپنی تمام کوشش و طاقت صرف کر دی مگر خود بھی جانتے رہے کہ کچھ بات بنتی نہیں۔ آخر یہی کہتے بنی کہ انصاف^(۲) یہ ہے کہ مذہب اربعہ انحصارِ فضل الہی ہے۔ اس میں توجیہات و دلائل کو دخل نہیں۔

(۱) دیکھو: نور الانوار ص: ۲۲۳، مطبوعہ انوار محمدی پریس۔

(۲) دیکھو: تفسیر احمدی۔ آیت ثالث از سورۃ انبیاء۔ (ص: ۵۲ طبع کریبی، بمبئی) مگر اس کے فضل الہی و مقبول من انہ ہونے کے لئے یہی تو دلیل کی ضرورت ہے۔ بلا دلیل کے دعویٰ بیوں کو محال تسلیم کر سکتا ہے۔ اور اگر محض کسی طریقہ کا پلنگنای اس کی مقبولیت کی دلیل ہے تو ان تمام مذاہب باطلہ کے لئے جو اسلام سے بھی پہلے مدت سے چلے آتے ہیں۔ اور جن کے افراد مردم شماری کی رو سے مسلمانوں سے بہت زائد ہیں اور نیز ان مہتدین کے لئے جن کی بدعات عالم میں پھیلی ہوئی ہیں یہ بہت اچھی دلیل ہے۔

کسی نے اس کی وجہ یہ قرار دی ہے کہ مذاہب اربعہ کے سوا اور مذاہب کی روایت موجود نہیں۔ کسی نے یہ کہہ دیا کہ ائمہ اربعہ کے سوا اور کسی نے ترویج و تفصیل مسائل نہیں کی ان سب کا جواب تم پہلے ہی سن چکے ہو۔ وجوب تقلید شخصی کی بعض نے یہ وجہ تجویز کی چونکہ ہم لوگوں کو مرتبہ اجتہاد حاصل نہیں یا حاصل نہیں ہو سکتا لہذا کسی کی تقلید کیے بغیر چارہ نہیں۔ پس اگر بلا تعین تقلید کریں تو ممکن ہے کہ ہم سے ایسے اعمال صادر ہوں جو بالاتفاق ممنوع و ناجائز ہوں۔ مثلاً وضو ایسا کیا جو امام شافعی صاحب کے نزدیک صحیح نہیں ہوا۔ گو امام ابوحنیفہ صاحب کے نزدیک صحیح ہو گیا اور پھر اس سے نماز ایسی پڑھی جو امام ابوحنیفہ صاحب کے نزدیک صحیح نہیں گو امام شافعی صاحب کے نزدیک صحیح ہو گئی، تو وہ نماز بالاتفاق ناجائز اور غیر صحیح ہو گئی۔ امام ابوحنیفہ صاحب کے نزدیک تو صحیح ہوئی ہی نہ تھی، امام شافعی صاحب کے نزدیک اس لئے صحیح نہ ہوئی کہ وضو جو نماز کے لئے شرط تھا وہی صحیح نہ ہوا تھا۔ پس ضرور ہوا کہ ایک ہی کی جملہ مسائل میں پابندی اختیار کی جاوے۔

کسی نے تقلید کی ضرورت کے بعد شخصی کے ضروری ہونے کی یہ وجہ قائم کی کہ اگر بلا تعین تقلید کی اجازت دیں تو لوگ مطلق العنان ہو جائیں گے۔ ہر مذاہب سے جو جو آسان آسان باتیں ہوں گی ان کو اختیار کر لیں گے۔

کسی نے یہ کہا کہ اگر پابندی نہ ہو تو حلال و حرام کی قید اٹھ جاوے گی۔ ایک شخص جو ایک ایسا فعل کر رہا ہے، جس کو امام ابوحنیفہ نے منع فرمایا ہے اور امام شافعی نے اس کو جائز کہا ہے۔ اگر ہم بموافقت امام ابوحنیفہ صاحب اس کو اس فعل سے منع کریں تو وہ کہہ دے گا کہ امام شافعی (رحمہ اللہ) کے نزدیک تو جائز ہے۔ پھر ہم اس کو کیا جواب دے سکتے ہیں۔

کسی نے یہ وجہ پیدا کی کہ اگر پابندی لازم نہ ٹھیرائی جائے تو ایک ہی چیز ایک وقت میں ایک شخص کے لئے حلال ہوگی اور دوسرے وقت میں وہی چیز اس کے لئے حرام ہوگی۔ جس بھی

وقت اس امام کے قول کو لے گا جو اس کو حلال کہتا ہے تو وہ اس کے لئے حلال ہوگی، اور جب اس امام کے قول کو لے گا جو اس کو حرام کہتا ہے تو اس وقت اس کے لئے حرام ہوگی۔

اسی قسم کے اور بھی کئی وجوہ ہیں، جن کو اہل تقلید اپنے طرز عمل کے صحیح رکھنے کے واسطے پیش کرتے ہیں، جو نکات بعد الوقوع سے کسی طرح زیادہ وقعت نہیں رکھتیں، جن میں سے بعض بعض ہم آگے بھی لکھیں گے۔

”دلائل“ مزعومہ کے جوابات:

اس قسم کے دلائل پر تفصیلی اور بہت کافی بحث علامہ ابن القیم نے اعلام المؤمنین میں اور علامہ شوکانی نے القول المفید میں اور شیخ صالح فلانی استاذ شیخ محمد عابد سندھی نے ایضاً مہم اولی الأرباب میں اور شیخ الکل^(۱) مدظلہ العالی نے معیار الحق میں اور کتنے ہمارے ہم عصر محققین نے اپنی اپنی مؤلفات میں کی ہے۔ لہذا ہم ضروری نہیں سمجھتے کہ اس بحث کو زیادہ طول دے کر اپنے رسالہ کو بہت طول دیں۔ تاہم کچھ تھوڑا سا عرض کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ یہ سارے وجوہ جو ذکر کئے گئے، اس بات پر مبنی ہیں کہ تقلید کی ضرورت ہے اور در صورت تقلید کے تقلید بلا تعین پر ان سارے مفاسد کا مرتب ہونا بیان کیا گیا ہے اور تقلید کی ضرورت اجتہاد کے مفقود ہونے پر بتائی گئی ہے۔ تو اول تو اجتہاد کا مفقود ہونا مسلم نہیں۔ دوسرے یہ بھی ضروری نہیں کہ جو مرتبہ اجتہاد کا نہ رکھتا ہو وہ تقلید ہی کرے۔ چنانچہ ہم ان دونوں باتوں کو بالتفصیل مع دلائل کے ان شاء اللہ العزیز آگے لکھیں گے۔ جب عموماً تقلید کا ضروری ہونا ثابت نہ ہو تو یہ سارے مفاسد جو اسی پر مبنی تھے کالعدم ہو گئے۔

دوسرا جواب ان سب وجوہ کا یہ ہے کہ قرون ثلاثہ میں اور رسول اللہ (ﷺ) کے وقت

(۱) زندگی کا واقعہ ہے۔ مصحح (جمع امر)۔

سے لے کر چار سو برس تک جب کہ تقلید شخصی پر عمل درآمد نہ تھا، ان سارے مفاسد کے تدارک کی کیا صورت تھی۔ یہ سارے نقصانات جو در صورت عدم تقلید شخصی دکھائے گئے، کوئی ان میں کا ایسا نہیں ہے جو اس وقت پایا جاسکے اور اس وقت نہ پایا جاسکتا ہو۔ پس جو صورت ان کے تدارک کی اس وقت تھی وہی اب بھی ہوگی۔ اور اگر اس وقت ان کے تدارک کی کوئی ضرورت نہ تھی تو اب (۱) ابھی نہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ان اعتراضات میں سے ہم پر حقیقت میں کوئی بھی وارد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ ہم تو عمل بالحدیث کے قائل ہیں نہ تقلید کے۔ اور یہ اعتراضات اگر پڑ سکتے ہیں تو اسی پر پڑتے ہیں جو تقلید کا قائل ہو اور پھر بلا تعین مذہب کے عمل درآمد کرے۔ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ وہی کام کرنا اور ہونا چاہئے جو قرآن و حدیث کے موافق یا قرآن و حدیث کی رو سے رائج ثابت ہو۔ پھر خواہ وہ خود کسی امام کے قول کے مطابق پڑے یا مخالف، ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں اور نہ اس سے غرض کہ فلاں امام کے نزدیک یہ عمل صحیح ہو یا نہیں یاد و مختلف الرائے اماموں میں سے ایک کے نزدیک یاد و نونوں کے نزدیک درست ٹھہرایا نہیں اور ہم کو مطلق العنان ہونے اور آسان آسان باتوں کی تلاش یا حلال و حرام کی قید اٹھ جانے یا ایک وقت میں ایک شے کے حلال ہونے اور دوسرے وقت میں حرام ہونے سے کیا تعلق ہم کو تو جو قرآن و حدیث سے رائج ثابت ہو گیا وہی ہمارا مذہب ہے۔ مشکل ہو یا آسان۔ اور جب تک کسی دوسرے دلیل سے اس کا خلاف ہم کو ثابت نہ ہو جائے وہ کسی طرح نہیں بدل سکتا۔ پس ان سارے مفاسد کو ہمارے مسلک سے کوئی تعلق نہیں۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ وجہ اول میں جو در صورت تقلید بلا تعین کے بعض بعض مجموعہ عمل کا

(۱) چونکہ ان وجود کو زمانہ کے اچھے برے ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ ساری خرابیاں جو در صورت تقلید بلا تعین دکھائی گئیں جیسا کہ ایک بدترین زمانہ میں لازم آسکتی ہیں۔ ایک بہتر زمانہ میں بھی ویسے ہی لازم آسکتی ہیں جیسا کہ ظاہر ہے پس یہ کہنا کوئی موقع نہیں رکھتا کہ وہ زمانہ خیریت کا تھا اور یہ زمانہ فساد کا ہے، لہذا اس زمانہ کو اس زمانہ پر قیاس نہ کرنا چاہئے۔ اور مشکل سے وجہ دوم کا اگر کوئی تعلق زمانہ بد کے ساتھ تسلیم کیا جائے تو اس کے اور جواب جو مذکور ہوئے وہی کافی ہیں۔

بالاتفاق ناجائز ہونا دکھایا گیا وہ دوجہ سے صحیح نہیں۔ اول تو اہل اصول (جو ان اہل تقلید کے مقتدا و مستند ہیں) اس قسم کے عمل کو جائز رکھتے ہیں۔ چنانچہ علامہ محب اللہ بہاری مسلم الثبوت میں اور علامہ بحر العلوم اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

”ہر مذہب^(۱) سے لینے کے جواز کی صورت پر جو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں اجتماعی خلاف کے واقع ہو جانے کا احتمال ہے۔ اس واسطے کہ بعض وقت مجموعہ عمل ایسا ہوگا جس کا کوئی بھی قائل نہ ہو تو وہ بالا جماع باطل ہوگا۔ مثلاً کسی نے نکاح کیا بلا مہر کے بموافقت امام ابو حنیفہ و امام شافعی کے اور بلا گواہوں کے باتباع امام مالک کے اور بلا ولی کے بتقلید امام ابو حنیفہ کے، تو یہ نکاح بالاتفاق باطل ہوگا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو بہ سبب گواہ نہ ہونے کے اور اوروں کے نزدیک بہ سبب ولی نہ ہونے کے۔ تو اس اعتراض کا جواب ہم یہ دیں گے کہ (بالاجماع اس عمل کو باطل کہنا) یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ مسئلہ ایک نہیں۔ اور بطلان تو اتحاد مسئلہ کی صورت میں ہوتا ہے اور اس واسطے کہ اگر یہ صحیح ہو تو لازم ٹھیرے گا کہ ایک ہی مفتی سے فتویٰ پوچھا جایا کرے۔ ورنہ اس قسم کے خلاف میں واقع ہو جانے کا احتمال رہے گا (حالانکہ التزام ایک مفتی کا بالا جماع باطل ہے)۔“

دیکھو تقلید بلا تعین کے فساد ظاہر کرنے کے لئے جو اس وجہ کو پیش کیا جاتا ہے، اہل اصول اس کو کس طرح رد کرتے ہیں۔ اول تو اتحاد مسئلہ نہ ہونے کے ساتھ جواب دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی

(۱) عبارت یہ ہے : وما أورد أنه على تقدير جواز الأخذ بكل مذهب احتمال وقوع الخلاف المجمع عليه، إذ ربما يكون المجموع الذي يعمل مما لم يقل به أحد فيكون باطلاً إجماعاً كمن تزوج بلا صداق لاتباع بقول الإمامين أبي حنيفة والشافعي ولا شهوداً اتباعاً بقول الإمام مالك ولا ولي على قول إمامنا أبي حنيفة، فهذا النكاح باطل اتفاقاً. أما عندنا فلا انتفاء للشهود أما عند غيرنا فلا انتفاء للولي فأقول مندفع بعدم اتحاد المسئلة وقد مر أن الإجماع على بطلان القول الثالث إنما يكون إذا اتحدت المسئلة ولأنه لو تم لزوم استفتاء مفت بعينه وإلا لاحتصل الوقوع. (مسلم الثبوت مع شرح، ص: ۶۲۹)

مشکل سے اتحاد مسئلہ کی صورت پیدا کرے تو دوسرا جواب ایسا دیتے ہیں جو سب صورتوں کو شامل ہے۔ یعنی یہ کہ اس قسم کا بطلان کا اگر خیال کیا جائے خواہ اتحاد مسئلہ کی صورت ہو یا ترکیب کی تو لازم ٹھیرے گا کہ ہمیشہ ایک ہی مفتی سے سوال کیا جائے حالانکہ یہ التزام بالاجماع باطل ہے اور مستلزم باطل کا باطل ہوتا ہے۔ پس اس قسم سے بطلان کا خیال باطل ٹھیرا۔ لہذا یہ وجہ کس طرح سے قابل التفات نہیں۔

وجہ دوسری ایسے عمل کو بالاتفاق ناجائز کہنے کے صحیح ہونے کی یہ ہے کہ اہل اصول یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ ایک امام کے مقلد کا عمل دوسرے امام کے نزدیک چاہے وہ اس کے خلاف ہی ہو باطل نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ اکمل تقریر میں اور سید پاشا^(۱) شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔ پس نماز مذکور کسی کے نزدیک غیر صحیح نہیں اور نہ وہ وضو کسی کے نزدیک غیر صحیح ہے۔ اور وجہ دوم میں جو آسان آسان باتوں کا اختیار کر لینا برا بتایا گیا یہ بھی صحیح نہیں۔ چنانچہ بحر العلوم شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

”ہم^(۲) نے جو ذکر کیا کہ ایک مذہب پر ہمارا جہاد واجب نہیں، اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ مذہبوں میں سے آسان آسان باتیں لے لینا جائز ہے۔“

فتح القدیر^(۳) میں لکھتے ہیں:

”غالبا جو لوگ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال کرنے کو منع کرتے

(۱) عبارت یہ ہے: فإن مالکاً مثلاً لم يقل إن من قلد الشافعي في عدم الصداق أن نکاحه باطل ولم يقل الشافعي من قلد مالکاً في عدم الشهود أن نکاحه باطل۔

(۲) عبارت یہ ہے: ويتخرج منه أي مما ذكر أن لا يجب الاستمرار على مذہب جواز اتباعه وخص المذاهب قال في فتح القدیر لعل المانعین للانتقال إنما منعوا الملا يتبع أحد وخص المذاهب وقال هو ابن حجر وحملة الله ولا يمنع منه مانع شرعي إذ لا إنسان أن يسلك الأخف عليه أي إذا كان له إليه سبيل۔

(۳) ہدایہ کی شرح جو حنفی مذہب کی بڑی معتبر کتاب ہے۔

ہیں تو وہ اس وجہ سے منع کرتے ہیں کہ کوئی آسان آسان باتیں مذہبوں کی نہ ڈھونڈے۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو تنگ کرنا ہے اور کوئی مانع شرعی اس سے منع کرنے والا نہیں۔ کیونکہ انسان کو اختیار ہے کہ گنجائش ہو تو جو آسان تر بات ہو اس کو اختیار کرے۔ الخ۔“

اور جب ایسا ہے تو جو شخص ایک کام بتقلید امام شافعی کر رہا ہے کوئی وجہ نہیں کہ بتقلید امام ابوحنیفہ اس کو اس سے روکا جائے۔ پس وجہ سوم بھی بے معنی ہے۔ اور وجہ چہارم میں جو ایک چیز کا ایک شخص کے لئے مختلف وقتوں میں حلال و حرام ہونا ممنوع سمجھا گیا، اس کو بھی فقہاء غیر صحیح کہتے ہیں۔ بلکہ خود امام اعظم صاحب اور ان کے دونوں شاگرد اس قسم کے تغیر کی اجازت دیتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری^(۱) میں ہے۔ امام محمد سے روایت ہے کہ:

”ایک شخص جو خود فقیہ نہیں ایک عورت کے بارے میں اس کو کوئی واقعہ پیش آیا۔ اس نے کسی فقیہ سے اس کا مسئلہ دریافت کیا۔ فقیہ نے اس کے حلال یا حرام ہونے کا حکم دیا۔ اس نے اس فتویٰ پر عمل کرنے کا عزم کیا اور ویسا ہی کر لیا۔ پھر اس کو یہی واقعہ کسی دوسری عورت کے ساتھ پیش آیا اور اس نے اسی فقیہ یا کسی دوسرے فقیہ سے دریافت کیا اور اس نے پہلے کے خلاف فتویٰ دیا (یعنی اس نے حلت کا فتویٰ دیا تھا تو اس نے حرمت کا دیا۔ یا بالعکس) اور اس نے اس حکم کو لیا اور اس پر عزم کیا تو اب اس شخص کو گنجائش ہے جس حکم پر چاہے عمل کرے۔ الخ۔“

امام محمد کہتے ہیں: ”یہ قول (امام) ابوحنیفہ اور ابو یوسف کا اور ہمارا ہے۔“

دیکھو ائمہ ثلاثہ اجازت دیتے ہیں تو ایک ہی مسئلہ میں جو پہلے اس کے لئے حرام ٹھہر چکا

(۱) عبارت یہ ہے: عن محمد (رحمہ اللہ) فی رجل لیس بفقہ ابطلی بنازلة فی المرأة فسأل عنها فقیہاً فأفتاه بأمر من تحریم أو تحلیل فعزم علیہ وأمضاه ثم أفتاه ذلک الفقیہ بعینه أو غیرہ من الفقہاء فی امرأة أخرى له فی عین تلک النازلة بخلاف ذلک فأخذ به وعزم علیہ وسعه الأمر ان جمیعاً قال محمد هذا کله قول أبی حنیفة وأبی یوسف وقولنا۔

ہے، اب اس کے لئے حلال ہے و برعکس۔ پس چوتھی وجہ بھی صحیح نہ رہی، لہذا یہ سارے دلائل جو ضرورت تقلید شخصی کے ذکر کیے گئے ہیں، کوئی ان میں کا اپنا مطلوب ثابت نہ کر سکا۔

پانچواں جواب یہ سارے وجود ایسے شخص کے حق میں کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتے، جو تقلید شخصی تو نہیں کرتا مگر وہ ایک مسئلہ میں جو عمل کرتا ہے، اس کے تمام ارکان و شرائط کو ایک ہی امام کے رائے کے موافق کرتا ہے۔ اسی طرح دوسرے مسئلہ میں مجموعہ ارکان و شرائط دوسرے امام کی رائے کے موافق ایسا نہیں کرتا کہ ایک ہی مسئلہ کا بعض حصہ ایک کی رائے کے موافق کرے اور بعض دوسرا حصہ کسی دوسرے کی رائے کے موافق کرے کہ جس سے بالاتفاق بطلان کا مظنہ ہو۔ اور وہ شخص مذاہب کی آسان آسان باتوں کو بھی نہیں ڈھونڈتا اور ایسا بھی نہیں کرتا کہ ایک ہی مسئلہ کو ایک وقت میں ایک امام کی رائے پر عمل کرے اور دوسرے وقت میں دوسرے امام کی رائے پر عمل کرنے لگے۔ بلکہ جس مسئلہ میں جس امام کی رائے پر چلتا ہے پھر اسی پر قائم رہتا ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ ایسے شخص کو جب کہ وہ ایک امام کے قول پر عمل کر رہا ہے، اہل تقلید کے اصول کے موافق کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے امام کا مقلد اس کو اس سے روکے۔ پس یہ سارے وجود جو تقلید شخصی نہ کریں گے، فساد پر قائم کئے گئے ایسے شخص کے سامنے کیا کام آسکتا ہیں۔ حالانکہ ضرورت تقلید شخصی کا دعویٰ عام تھا۔ تو دعویٰ تو عام ہوا اور دلائل خاص۔ ایسے دلائل بھی کس کام کے۔ بہر حال کوئی دیدہ ورنہ صفت مزاج تھوڑے سے غور کے بعد اس میں شک نہیں کر سکتا کہ یہ سارے وجود جو وجوب تقلید شخصی کے لئے بیان کئے گئے، کوئی بھی لائق التفات نہیں۔

کیا ائمہ حدیث اور علماء سلف مقلد تھے؟

بعض بیچارے جب ان سے کچھ نہیں بنتی تو تقلید سے تقلید کو ثابت کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ بعض نے کتنے مشاہیر علماء کے نام لکھ کر اخیر میں لکھ دیا۔ دیکھو یہ سب لوگ مقلد تھے۔ کوئی حنفی ہے،

کوئی شافعی ہے، کوئی مالکی کوئی حنبلی۔ اگر مذہب تقلید حق نہ ہوتا تو اتنے بڑے بڑے علماء کیوں مقلد ہوتے۔ حالانکہ دراصل ان تمام مشہور اور مستند علماء میں سے (جیسا کہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں) کوئی بھی مقلد نہ تھا۔ مگر بات یہ ہے کہ جب مذہب تقلید عام طور پر پھیل گیا اور وہی سلطنت کا مذہب ٹھہرا اور عالم میں یہی چار مشہور مذہب شہرت کے ساتھ عام لوگوں کی نظروں میں باقی رہ گئے۔ تو اب عموماً ہر مذہب کوئی انہیں چار میں سے کسی نہ کسی کی طرف نسبت کیا جانے لگا۔ گو وہ ان میں سے کسی کا بھی مقلد نہ ہو۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا قول تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ اہل حدیث بھی کثرت موافقت کی وجہ سے کبھی کسی مذہب کی طرف نسبت کر دیے جاتے تھے۔ جیسے نسائی اور بیہقی کہ شافعی کی طرف نسبت کیے جاتے تھے۔ اور بہت سے ایسے لوگ گزرے ہیں جن کو پچھلے لوگ مقلد سمجھتے ہیں حالانکہ خود ان کو تقلید سے انکار ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی^(۱) النافع البکیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”ابو بکر قتال اور ابو علی اور قاضی حسین سے جو کہ شافعیہ سے گئے جاتے ہیں منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ وہ شافعی کے مقلد نہیں بلکہ ہماری رائے ان کی رائے ان کی رائے سے موافق پڑ گئی۔“
مولانا عبدالحی صاحب کی رائے بابت امام طحاوی کے بھی یہی ہے کہ وہ مقلد امام ابو حنیفہ صاحب کے نہیں جیسا کہ انہوں نے اسی عبارت کے بعد لکھا ہے۔ مولانا مرحوم کا ایک قول اور ان تمام زمانوں میں برابر ایسے علماء کے ہونے کی بابت جو ظاہر میں مقلد تھے مگر اصل میں وہ مقلد نہ تھے بلکہ مجتہد تھے۔ آگے ان شاء اللہ آئے گا۔ علامہ ابن عقیل فرماتے ہیں:

”گو حنبلی مذہب کو اس کے اصحاب نے مشہور نہ ہونے دیا اس لئے کہ اصحاب ابو حنیفہ اور

(۱) عبارت یہ ہے: وقد نقل عن أبي بكر القتال وأبي علي والقاضي حسين من الشافعية أنهم قالوا لسنا مقلدين للشافعي بل وافق رأينا وآية وهو الظاهر من حال الإمام أبي جعفر الطحاوي في أخذه بمذهب أبي حنيفة۔

شافعی میں سے جو علم میں فائق ہوا کہیں کی قضایا اور کسی حکومت پر مقرر ہو گیا۔ اس حکومت کی وجہ سے اس کے علم کا شغل جاری رہا، بخلاف اصحاب احمد کے کہ ان میں سے جس نے علم میں سے تھوڑا بھی تعلق پیدا کیا، زبرد و عبادت اس پر غالب ہو گئی پس وہ عملی مشاغل سے الگ ہو رہے اس کے علاوہ ان کے اصحاب نے زیادہ تر اجتہاد و ترجیح اور اتباع دلیل کا طریقہ اختیار کیا جس کو جو دلیل ملی اس پر عمل کرنے لگا اور کہنے لگا (ہمارے اوپر) واجب (۱) اتباع دلیل کی ہے نہ اتباع احمد کی۔

علامہ ابن عقیل سے کسی نے بذریعہ تحریر دریافت کیا کہ اصحاب احمد کا حال ٹھیک ٹھیک بیان فرمائیے۔ انہوں نے جو ان کے حالات لکھے اس میں یہ بھی تھا۔ رائے سے بھاگ کر روایات (احادیث) کے لینے والے بتاویل سے بچ کر ظاہر (قرآن و حدیث) کے ساتھ تمکک کرنے والے۔ علامہ ابن عقیل کے ان اقوال سے ظاہر ہے کہ امام احمد صاحب کی طرف منتب جو علماء گزرے ہیں، اکثر ان میں کے متبع ظاہر قرآن و حدیث اور پابند دلیل کے تھے۔ امام احمد کے مقلد

(۱) یہاں پر کی عبارت یہ ہے: والواجب اتباع الدلیل لا اتباع أحمد (التاج المکمل، ص: ۱۲۵، مطبوعہ بھوپال) تاج مکمل میں ابن عقیل کے یہ اقوال حافظ سلگی کی کتاب سے نقل کیے ہیں۔ اسی طرح آگے جو ہم نے مضامین تاج مکمل سے لئے ہیں وہ بھی اصل میں انہیں مستند و معتمد کتابوں مثل البدایہ و النہایہ لابن کثیر، و فیات الأعیان لابن خلکان، فوات الوفیات للصالح الکتبی، ریحانة الألباء للخفاجی، طبقات کبریٰ للشعرانی، طبقات ابن رجب حنبلی، الضوء اللامع للسخاوی، مسالک الأبصار لابن فضل اللہ العمری، الوافی للصالح الصفدی، نفخ الطیب للمقری، طبقات الحفاظ للذهبی، نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض للخفاجی، قلائد العقیان للفتح بن خاقان، البدر الطالع للعلامة الشوکانی الیمانی، تاریخ ابن الجوزی، تاریخ ابن النجار، کتاب ابن الزمکانی، کتاب البرزالی، کتاب ابن عطاء اللہ، آثار الأزهان، أنساب ابن السمعانی، الدیاج الخمس وانی للسید حسن بن أحمد بھکلی، النفس الیمانی للسید عبدالرحمن بن سلیمان بن الاهدل وغیرہ سے منقول ہیں۔ مگر چونکہ اس وقت ہمارے پاس یہ کتابیں موجود نہیں ہیں لہذا ہم نے تاج مکمل سے جو کہ اکثر انہیں کتابوں سے ماخوذ ہے لے کر اسی کے صفحوں کا حوالہ دے دیا۔

نہ تھے بلکہ وہ اہل حدیث تھے۔ دار کی کو لوگ شافعی جانتے ہیں حالانکہ وہ حدیث^(۱) کے موافق فتوے دیا کرتے تھے نہ شافعی مذہب پر۔ اسی طرح ہم اور بھی بہت سے علماء کو نام بنام آگے ذکر کریں گے، جن کو لوگ مقلد سمجھتے ہیں حالانکہ وہ مقلد نہ تھے۔

اور حقیقت میں کوئی ذی علم جو حقیقتہً ذی علم ہونے کا مصداق ہے، کبھی مقلد نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس واسطے کہ سب سے بڑی^(۲) جو اثبات تقلید میں پیش کی جاتی ہے وہ آیت {فَسْأَلُوا أَهْلَ الدِّينِ إِن كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ} ہے۔ یہ آیت اگر تقلید پر دلالت کرتی ہے تو وہ تقلید کو مشروط کرتی ہے ساتھ عدم علم کے۔ پس صحیح طور پر کوئی ذی علم مقلد نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی مقلد ذی علم ہو سکتا ہے۔ دوسرے جب کہ مذہب تقلید کی صحت پر کوئی شرعی دلیل نہیں بلکہ اس کی بنا محض ایک رواج پڑ جانے پر ہے۔ جیسا کہ تم کو ہمارے سابق بیان سے اچھی طرح معلوم ہو چکا۔ پس کیسے ہو سکتا تھا کہ کوئی ذی علم اس کو اختیار کرتا۔ پس یہ خیال کہ اگر تقلید شخصی حق نہ ہوتی تو اس قدر علماء اس کو کیسے اختیار کرتے کیسا غلط خیال ہے۔

(۱) خطیب نقل کرتے ہیں: إن الدار التي من الشافعية كان يستفتي وربما يفتي بغير مذهب الشافعي وأبي

حنيفة. فيقال له فيقول ويلكم حديث فلان عن فلان عن النبي (ﷺ) هكذا. (عقد المجيد ص: ۶۷)

(۲) چنانچہ اصولی لکھتے ہیں: هي الأصل في اعتماد التقليد۔

حنفیت، شافعیت وغیرہ

انتساب کی حقیقت اور اسباب و وجوہ

اب رہی یہ بات کہ کتنے مشاہیر علماء جو ان مذاہب میں سے کسی مذہب کی طرف منسوب نظر آتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ جب تقلید کا رنگ عام ہو گیا اور عموماً خیالات میں یہ بات جم گئی کہ ہر کوئی انہیں میں سے ایک نہ ایک کا مقلد ہوتا ہے اور کوئی اہل سنت ان چار سے باہر نہیں تو لوگوں نے ہر ایک کو انہیں میں سے کسی نہ کسی طرف منسوب کرنا چاہا تو جس کو جس کے ساتھ زیادہ ملتا ہوا پایا اسی کی طرف نسبت کر دیا۔ حالانکہ وہ اس کا مقلد نہیں بلکہ اگر موافقت کلی یا جزئی کسی امام کے ساتھ ہے تو وہ صرف بطور توارو کے ہے جیسا کہ پہلے ہو چکا۔ اور چونکہ امام شافعی (رحمہ اللہ) اور امام احمد (رحمہ اللہ) کا مذہب جن میں خود بھی باہم بہت زیادہ اختلاف نہیں، حدیث کے ساتھ زیادہ تر موافق ہے۔ اس وجہ سے پچھلے محدثین و علماء محققین بیشتر انہیں دونوں مسذہبوں کے موافق ہوتے رہے۔ لہذا اکثر انہیں دونوں مذہبوں میں سے نسبتاً جس کے ساتھ زیادہ مناسب تھے اسی کی طرف نسبت کر دیئے گئے۔

امام بخاری و دیگر فقہاء حدیث بھی مقلد؟

ہم کو تو ہنسی اس وقت آتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری و دیگر اصحاب صحاح ستہ کو امام شافعی یا امام احمد کے مذہب کا مقلد بنایا جاتا ہے حالانکہ یہ لوگ امام احمد یا امام شافعی کی موافقت یا مخالفت اسی آزادی کے ساتھ کرتے ہیں جیسے اور ائمہ کی کرتے ہیں۔ اور نیز وہ خود مجتہد^(۱)

(۱) مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نافع کبیر میں لکھتے ہیں: فقد وجد بعدہم أيضاً أرباب الاجتهاد۔۔۔

واہل استدلال ہیں وہ کسی کے مقلد کیسے ہو سکتے ہیں۔ مگر وہ تو وہی عام رواج تھا جس نے یہ سب کہلایا۔ اور اس نسبت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ کوئی شخص ایسے شہر یا ملک یا قوم یا خاندان میں پیدا ہو جو عموماً کسی امام کے مقلد اور اس کی طرف منسوب تھے۔ لہذا وہ بھی بحسب مقتضی ظاہر اسی امام کی طرف نسبت کیا جانے لگا۔ گوئی الحقیقت وہ کسی کا مقلد نہ ہو یا یہ کہ ایک شخص ابتداء میں کسی امام کا مقلد اور اُن کی طرف منسوب تھا۔ لیکن تحصیل علم و تحقیقات کے بعد مقلد نہ رہا مگر وہ نسبت انہیں امام کی طرف کیا جاتا رہا۔ حالانکہ وہ اب مقلد نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب عقید الجہید^(۱) میں انوار سے نقل فرماتے ہیں:

”کہ جو لوگ (امام) شافعی و (امام) ابو حنیفہ و (امام) مالک و (امام) احمد کے مذہب کی طرف منسوب ہیں۔ اُن کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک تو عوام۔ دوسرے جو رتبہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہیں اور (اُن کے مقلد ہونے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ) ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا مقلد نہیں ہو سکتا۔ تو یہ لوگ جو کسی دوسرے کی طرف منسوب ہوئے تو اُس کے ساتھ طریقہ اجتہاد اور طرز استدلال میں موافقت کی وجہ سے (نہ تقلید کی وجہ سے۔“

اور شیخ^(۲) عبد الوہاب شعرانی میزان کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

”اگر تو کہے کہ پہلے مذکور ہو چکا کہ ولی کامل مقلد نہیں ہوا کرتا بلکہ وہ علم اسی چشمہ سے لیتا

--- المستقل کتابی ثور البغدادی و داؤد الظاہری و محمد بن اسماعیل البخاری و غیرہم علی ما لا یخفی علی من طالع کتب الطبقات۔ یعنی ائمہ اربعہ کے بعد بھی مجتہد مستقل ہوئے جیسے ابو ثور بغدادی اور داؤد ظاہری اور محمد بن اسماعیل بخاری اور ان کے سوا اور ہیں۔

(۱) عبارت یہ ہے: وفي الأنوار أيضا المنتسبون إلى مذهب الشافعي وأبي حنيفة ومالك وأحمد أصناف، أحدها العوام والثاني البالغون إلى رتبة الاجتهاد والمجتهد لا يقلد مجتهداً وإنما ينتسبون إليه لجرهم على طريقته في الاجتهاد واستعمال الأدلة وترتيب بعضها على بعض۔ ملاحظاً۔

(۲) عبارت یہ ہے: فإن قلت قد تقدم أن الولي الكامل لا يكون مقلداً وإنما يأخذ علمه من العين۔۔۔۔۔

ہے، جس سے مجتہدوں نے لیا اور ہم بعض اولیاء کو بعض ائمہ کا مقلد پاتے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ کبھی تو یہ ولی مقام کمال کو پہنچا ہی ہوا نہیں ہوتا یا پہنچا ہوا ہوتا ہے (تو دراصل وہ کس کا مقلد نہیں ہوتا) لیکن وہ جو بعض ائمہ کی تقلید مسئلہ میں ظاہر کرتا ہے تو ادا کرتا ہے۔ اس واسطے کہ وہ امام اس ولی سے پہلے اس مسئلہ کا قائل ہو چکا ہے اور اللہ نے اس کو امام و پیشوا بنا رکھا ہے اور وہ مشہور ہو رہا ہے اور یہ ولی ویسا مشہور نہیں (لہذا وہ ادب کی وجہ سے اسی امام کی طرف نسبت کر دیتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اس امام کا مقلد نہیں) اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ ولی جو اس امام کے قول پر (جس کی طرف وہ نسبت کیا جاتا ہے) عمل کرتا ہے تو دلیل سے واقف ہو کر کرتا ہے نہ تقلید کے طور پر بلکہ توارد کے طور پر تو یہ ولی شارع ہی کا مقلد رہا نہ کسی اور کا۔ ایک مرتبہ میں نے اپنے پیشوا علی خواص سے عرض کیا کہ جناب شیخ عبدالقادر جیلانی (رحمہ اللہ) کو تقلید امام احمد کی اور جناب محمد شاذلی (رحمہ اللہ) حنفی کو تقلید امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کی کیسی صحیح ہوئی۔ حالانکہ یہ دونوں قطبیت کے مرتبے کے ساتھ مشہور ہیں اور اس مرتبہ والا سوا شارع کے کسی اور کا مقلد نہیں ہو سکتا۔ تو فرمایا کہ تقلید اس مرتبہ پر پہنچنے سے پہلے ہوگی۔ پھر جب وہ اس مرتبہ پر پہنچ گئے تب بھی لوگ اس نام کو ان کے حق میں استعمال کرتے رہے

۔۔۔ التي أخذ منها المجتهدون مذاهبهم ونرى بعض الأولياء مقلداً لبعض الأئمة فالجواب قد يكون ذلك الولي لم يبلغ إلى مقام الكمال أو بلغه ولكن أظهر تفقده في تلك المسئلة بمذهب بعض الأئمة أدبار بحيث سبقه إلى القول بها وجعله الله تعالى إماماً يقندي به واشتهر في الأرض دون ذلك وقد يكون عمل ذلك الولي بما قال به ذلك المجتهد لإطلاعه على دليله لا عملاً بقول ذلك المجتهد على وجه التقليد له بل لموافقه لما أدى إليه كشف فرجع تقليد هذا الولي للشارع لا لغيره وقد قلت مرة لسيد علي الخواص رضي الله عنه كيف صح تقليد سيدي الشيخ عبدالقادر الجيلاني للإمام أحمد بن حنبل رحمه الله وسيد محمد الحنفي الشاذلي للإمام أبي حنيفة مع اشتباههما بالقضية الكبرى وصاحب هذا المقام لا يكون مقلداً لا للشارع وحده فقال رضي الله عنه قد يكون ذلك منهما قبل بلوغهما إلى مقام الكمال ثم لما بلغا إليه استصحب الناس ذلك اللقب في حقهما مع خروجهما عن التقليد فاعلم ذلك انتهى۔ ملخصاً (میزان،

باوجودیکہ وہ تقلید سے باہر ہو گئے۔“

اس مضمون کا ایک قول امام شعرانی کا ان شاء اللہ العزیز تم آگے بھی پڑھو گے۔ خلاصہ یہ کہ کتنے ہی اسباب ایسے پیش آئے جن کی وجہ سے ایسے لوگ بھی جو فی الحقیقت کسی کے مقلد نہیں۔ ان ائمہ اربعہ میں سے کسی کسی کی طرف نسبت کے ساتھ مشہور ہوئے جس سے لوگ ان کو مقلد سمجھنے لگے۔

شرائط اجتهاد:

اس موقع پر جب کہ تم نے معلوم کیا کہ مرتبہ اجتهاد کو پہنچنے والا کسی کا مقلد نہیں ہو سکتا۔ اور ایسے شخص کی کسی امام کی طرف نسبت اس کے مقلد ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم کر لو کہ اس علم کی کیا مقدار ہے جس سے آدمی مرتبہ اجتهاد کو پہنچتا ہے۔ (کیونکہ اس میں بھی بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے) تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ ان علماء میں سے جن کے تم نام سنتے ہو کون کون ایسے ہیں جو مقلد ٹھہرائے جاسکتے ہیں اور وہ کون کون ہیں جو فی الواقع کسی کے مقلد نہیں۔ لیکن جو وہ مذکورہ بالا کسی امام کی طرف نسبت کیے گئے۔ اس بیان کو بھی ہم عقد الجمد ہی سے جو کہ شاہ صاحب نے اسی انوار سے اسی مذکورہ بالا مضمون کے پاس نقل کیا ہے ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں^(۱):

”انوار میں ہے اجتهاد کی اہلیت جب حاصل ہوتی ہے کہ آدمی چند امور کا علم حاصل کر لے۔

(۱) عبارت یہ ہے: فی الأنوار وإنما يحصل أهلية الاجتهاد بأن يعلم أموراً الأول: كتاب الله تعالى ولا يشترط العلم بجميعه بل بما يتعلق بالأحكام ولا يشترط حفظه بظهر القلب. الثاني: سنة رسول الله (ﷺ) ما يتعلق بالأحكام لا جميعاً ويشترط أن يعرف منها الخاص والعام والمطلق والمقيد والمجمل والمبين والناسخ والمنسوخ ومن السنة المتواترة والآحاد والمرسل والمسند المتصل والمنقطع وحال الرواة جراً وتعديلاً الثالث: أقوال علماء الصحابة فمن بعدهم إجماعاً واختلاقاً الرابع: القياس جليده وخفيه وتميز الصحيح من الفاسد الخامس: لسان العرب لغة وإعراباً ولا يشترط التبحر في هذه العلوم بل يكفي معرفة جملة منها، ولا حاجة أن يتتبع الأحاديث على تفرقها بل يكفي أن يكون له أصل مصحح بجميع أحاديث الأحكام كسني الترمذي والنسائي وغيرهما كأبي داود ولا يشترط ضبط جميع مواضع ----

اول کتاب اللہ کا۔ اور یہ ضروری نہیں کہ سارے قرآن کا علم ہو بلکہ جس قدر احکام سے تعلق رکھتا ہے (جن کی مقدار نور الانوار^(۱) میں پانچ سو آیت بتلائی ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ حفظ یاد ہو۔ دوسرے حدیث رسول (ﷺ) کا جس قدر احکام سے متعلق ہیں، جن کی مقدار نور الانوار میں تین ہزار حدیث بتائی ہے) نکل۔ اور شرط یہ ہے کہ قرآن و حدیث دونوں میں خاص و عام^(۲) مطلق و مقید۔ مجمل و مبہن۔ ناسخ و منسوخ کو، اور (اقسام) حدیث میں سے متواتر و آحاد و مرسل و منقطع و منقطع کو اور نیز راویوں کے حال کو باعتبار جرح و تعدیل کے جانتا ہو۔ تیسرے علماء صحابہ اور ان کے بعد کے علماء کے اقوال کا۔ جن میں ان کا اجماع و اختلاف ہے۔ چوتھے قیاس حسی و خفی کا۔ اور قیاس صحیح و فاسد کا باہم تمیز کرنا۔ پانچویں عربی زبان کا لغت و اعراب کا جاننا۔ اور (یہ بھی واضح رہے کہ) ان علوم میں تخریط نہیں بلکہ ہر ایک میں سے ایک قدر معتد بہ کا جان لینا کافی ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ متفرق احادیث کو تلاش کرتا پھرے۔ بلکہ اتنا کافی ہے کہ اس کے پاس کوئی صحیح کتاب موجود ہو جو احادیث احکام کو جامع ہو جیسے سنن ترمذی اور سنن نسائی اور سنن ابی داؤد وغیرہ ہیں اور اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام اقوال اجماعی اور اختلافی یاد ہوں بلکہ اتنا کافی ہے کہ جس مسئلہ میں حکم دیتا ہے یہ سمجھ لے کہ میرا قول اجماع کے مخالف نہیں ہے۔ اس طور پر کہ جانتا ہو کہ میرا قول متقدمین میں سے کسی

--- الإجماع والاختلاف بل يكفي أن يعرف في المسئلة التي يقضي فيها أن قوله لا يخاف الإجماع بأن يعلم أنه وافق بعض المتقدمين أو يغلب على ظنه أنه لم يتكلم الأولون فيها بل تولدت في عصره، وكذا معرفة النسخ والمنسوخ وكل حديث أجمع السلف على قبوله وتواتر أهل زوائده وما عدا ذلك يبحث عن عدالة رواة واجتماع هذه العلوم إنما اشترط في المجتهد المطلق الذي يفتي في جميع أبواب الشرع ويجوز أن يكون مجتهداً في باب دون باب۔ (ص: ۱۰۵، ۱۰۳)

(۱) دیکھو: نور الانوار، صفحہ ۲۳۶۔ بحث اجتہاد نور الانوار حنفیوں کی ایک مشہور و معتبر کتاب ہے۔

(۲) ان سب باتوں کی شرح اصول کی کتابوں میں جیسا کہ نور الانوار، توضیح و تلویح۔ ارشاد الفحول وغیرہ میں اپنی

طرح سے مذکور ہے۔

کے ساتھ موافق ہے یا نہیں غالب معلوم ہو کہ متقدمین میں سے کسی نے اس میں گفتگو نہیں کی۔ بلکہ اسی زمانہ میں یہ واقعہ حادث ہوا۔ اور اسی طرح نسخ و منسوخ کی آگاہی کا بھی احاطہ شرط نہیں۔ اور جس حدیث کو سلف نے بالاجماع مان لیا ہو یا اس کے راویوں کا معتبر ہونا تو اتر کے طور پر ثابت ہو تو اس حدیث کے راویوں کی عدالت میں کچھ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے سوا اور حدیث کے راویوں پر بحث کی جاوے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ ان علوم کا جو شرط ہونا ٹھہرا ہے تو اس مجتہد مطلق میں ہے جو تمام ابواب شرع میں فتویٰ دے ورنہ جائز ہے کہ کوئی شخص بعض خاص مسائل میں مجتہد ہو اور دوسرے مسائل میں نہ ہو تو اس کے لئے اتنی قیود کی بھی ضرورت نہیں۔“

آگے چل کر یہ بھی لکھتے ہیں^(۱) کہ:

”یہ بھی شرط نہیں کہ مجتہد کا مذہب مدون ہی ہوا کرے۔“

یہ مقدار علم جو کہ مذکور ہوئی۔

برائے نام انتساب اور اس کے وجوہ:

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان مشاہیر علماء مثل علامہ ابن دین العید۔ امام ابو الحسن اشعری۔ امام الحرمین۔ علامہ محمد بن نصر مروزی۔ علامہ ابن المنذر۔ امام نووی۔ علامہ تقی الدین سبکی۔ امام محی الدین بغوی۔ علامہ بلقینی۔ حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی۔ علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہم جو کہ شافعی کہے جاتے ہیں۔ اور دیگر مشہور علماء محدثین میں سے کوئی ایسا تھا، جس کو اتنا علم نہ ہو۔ لہذا کچھ شبہ نہیں کہ ان تمام لوگوں کی نسبت کسی امام کی طرف بوجہ تقلید نہ تھی۔ بلکہ صرف برائے نام یا بوجہ مذکورہ تھی۔

اور ایسا بھی ہوا ہے کہ کبھی یہ لوگ خود بھی اس نسبت کو اپنی بابت قائم رکھتے تھے اور اس

(۱) عبارت یہ ہے: ولا يشترط أن يكون للمجتهد مذهب مدون۔ (ص: ۱۰۵)۔

سے کچھ انکار نہ کرتے تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اپنے کام سے کام تھا۔ اپنے عمل و تحقیق میں راست تھے۔ لہذا محض نام لگنے میں کوئی حرج نہ سمجھا۔ خصوصاً جب کہ یہ نسبت زمانہ میں عام ہو رہی تھی۔ پس اس سے انکار میں عوام کی نظر میں اپنی تعلیٰ اور اس امام کی جس کی طرف نسبت ہو رہی تھی تحقیر کا مظنہ تھا۔

دوسرے کسی شخص کے طرز عمل و مسائل مختار و مذہب کے بڑے حصہ کا آسانی کے ساتھ بتانے و معلوم کرانے کا یہی طریقہ ہو سکتا تھا کہ کسی ایسے امام کی نسبت کر کے جس کا مذہب مشہور ہونے کے سبب سے سب جانتے ہیں۔ اور وہ شخص اس امام کے ساتھ بیشتر مسائل میں موافق ہے۔ بتا دیا جائے۔ ورنہ ایک ایک کے لئے ایک مسئلہ تفصیل وار کہاں تک بیان کیا جاسکتا تھا۔ لہذا اس سے بہتر کوئی صورت نہ تھی کہ اس کا مسلک جس کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا تھا اسی کی طرف اس کو نسبت کر دیا جائے۔ مثلاً کہہ دیا جائے کہ وہ شافعی ہے۔ یعنی اس کی عام روش اور زیادہ تر اس کی تحقیقات امام شافعی کے مذہب کے موافق ہے۔

تیسرے جو شخص اس زمانے کے حالات سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ اس زمانے میں امن و عافیت۔ حصول خدمت درس و افتاء وغیرہ۔ موقع اشاعت علم و تبلیغ احکام الہی بلا کسی امام کی طرف انتساب کے ساتھ دشوار تھا۔ تواریخ دیکھو اکثر مدارس خاص خاص مذہب کے فقہاء کے نام پر واقف تھے۔ جب تک کوئی اسی مذہب کی طرف منتسب نہ ہو وہ ان مدارس میں مقرر نہ ہو سکتا تھا۔ اسی طرح قضاء و افتاء کے محکمہ کا حال تھا کہ خاص خاص مذاہب کے نام کی مدت تھیں۔ جب تک کوئی انہیں میں شامل نہ ہو وہ اس عہدے پر مقرر نہ ہو سکتا تھا۔ ابوزرہ کہتے ہیں:

”میں نے ایک مرتبہ اپنے استاذ امام بلقینی (رحمہ اللہ) سے عرض کیا کہ شیخ تقی الدین (رحمہ اللہ) کی کو اجتہاد سے کون چیز روکتی تھی، حالانکہ ان کو پورے طور پر آلات اجتہاد حاصل تھے تو پھر مقلد

کیوں بنتے تھے۔ ابو زرہ کہتے ہیں مجھ کو اپنے استاذ بلقینی کی نسبت بھی یہی سوال تھا مگر میں نے ان کے سامنے ان کا نام شروع سے نہیں لیا۔ لیکن میں نے سوچ لیا تھا جو جواب وہ سبکی کی بابت دیں گے وہی میں ان کی نسبت بھی خیال کر لوں گا تو امام بلقینی چپ رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے کہا میری رائے میں اس کی وجہ سو اس کے اور کوئی نہیں ہے کہ یہ صرف ان وظائف کی وجہ سے تھا کہ جو مذاہب اربعہ کے فقہاء کے لئے مقرر تھے اگر کبھی وہ ان سے نکلتے اور خود اجتہاد کا نام لیتے تو ان وظائف میں سے ان کو کچھ نہ مل سکتا۔ اور لوگ ان سے فتویٰ لینے سے بھی رک جاتے اور اُسے وہ بدعتی ٹھہراتے جاتے۔ اس میرے کہنے پر امام بلقینی مسکرائے اور میری موافقت کی۔^(۱)

اہل حدیث کے ساتھ تشدد اور ان کی ایذا دہی:

خلیفہ^(۱) معتمد باللہ کے زمانے میں کہیں بیچارے علی شہربانی محدث نے (حنفی مذہب کے خلاف) اس مسئلہ پر فتویٰ لکھ دیا کہ ایسا گھٹنا بڑھتا ہے۔ اور محدث عبدالعزیز محیطی نے ان کی موافقت کی۔ لہذا ان دونوں کی ایذائیں دی گئیں۔ اور شہربانی جس مدرسہ میں تھے اس سے نکال

(۱) اس حکایت کو شاہ ولی اللہ صاحب نے انصاف میں فقہ ابن زیاد کے کلام سے ذکر کیا ہے لیکن فقہ مذکور نے ابو زرہ کی اس رائے سے موافقت نہیں کی اور بنا بر حسن ظن کی سبکی کی نسبت اس بات کا خیال رکھنا کہ انہوں نے بوجہ وظائف کے اجتہاد کو چھوڑنا جائز خیال بلکہ اس سے بہتر وجہ یہ سمجھی کہ سبکی مرتبہ اجتہاد مستحب کار کہتے تھے اور موافقت کی وجہ سے منسوب ہوئے۔ لیکن ہم نے اس حکایت کو صرف اس غرض سے نقل کیا ہے کہ وظائف خاص خاص مذہب کے نام کے مقرر تھے اور جو ان سے باہر ہونے کا نام لیتا وہ ان سے محروم رکھا جاتا تھا بلکہ اور مطعون ہوتا تھا۔ لہذا ابو زرہ کی بابت سبکی کی رائے کے صواب ہونے نہ ہونے چنداں ہم کو بحث نہیں۔ دوسرے اندرونی حالات کے متعلق ایک قریب زمانے کے مبصر کی رائے بہ نسبت دور والے زمانے کے انداز سے بہت زائد دینی ہے۔ پس ابو زرہ کی رائے بابت سبکی اور بلقینی کے فقہ ابن زیاد کی رائے سے زائد معتبر ہے۔ قیصرے سبکی کی بابت یہ رائے صحیح ہو یا نہ ہو۔ مگر اس میں شک نہیں کہ ان باتوں کا اثر اس زمانے میں ضرور تھا جو کہ اس حکایت سے ثابت ہوتا ہے۔ اس سب کے علاوہ اس اقسام کی ایک نہایت جہلن وجہ تم آگے ہمارے کلام میں دیکھو گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۲) التاج المکمل جس: ۱۶۶۔

دیے گئے اور محیطی بھی شہر بدر کر دیے گئے۔

علامہ ابن حزم^(۱) کو جو ظاہر حدیث پر عمل کرتے تھے اور کسی امام کی طرف منسوب ہونا نہیں چاہتے تھے باوجودیکہ وہ ایک نہایت معزز^(۲) شخص تھے، ان کے معاصر زمانے کے ہم رنگ علماء نے بالاتفاق ان کو گمراہ ٹھہرایا اور لوگوں کو ان سے ملنے کی ممانعت کر دی، اور سلاطین کو بھی ان کی طرف سے بھڑکا دیا۔ حتیٰ کہ تمام سلاطین ممالک نے اپنے اپنے ملک سے ان کو نکال دیا۔ آخر بے چارے مجبور ہو کر کسی گاؤں کی طرف نکل گئے اور وہیں قضاء کی۔

علامہ^(۳) ابن تیمیہ کو بھی ان کے معاصرین نے سخت سخت اذیتیں دیں۔ طرح طرح سے ان کے معاصر فقہاء ان کے پھنسانے کے لئے ان پر تہمتیں لگاتے تھے۔ اس وجہ سے کتنی مرتبہ بیچارے قید کئے گئے اور قید خانہ ہی میں انتقال کیا۔ لوگوں نے بہت مرتبہ ان کو جان سے مار دینے کے لئے ان پر حملے کیے مگر یہ ہمیشہ کرامۃً بچ بچ جاتے تھے۔

اسی طرح علامہ ابن القیم^(۴) کو ایذائیں دی گئیں اور وہ ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) کے ساتھ قید کیے گئے اور انٹ پر بٹھا کر پھرائے گئے۔ درے لگتے جاتے تھے اور رسوا کیے جاتے تھے۔

امام ابوالحاج مزنی^(۵) جو کہ اپنے وقت کے ایک بڑے مشہور اور مستند عالم تھے اور ان کی زندگی ہی میں ان کی تصانیف مثل تہذیب الکمال وغیرہ مقبول و مشہور ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچیں۔ اور جن کے حافظ الحدیث علامہ ذہبی اور علامہ ابن حجر عسقلانی بھی خوشہ چین ہیں۔ صرف اتنی

(۱) التاج المکمل ص: ۲۴۹۔

(۲) ان کے والد وزیر سلطنت تھے اور یہ خود بھی وزیر ہے تھے۔

(۳) التاج المکمل ص: ۲۸۹۔

(۴) التاج المکمل ص: ۲۸۵، وغیرہ۔

(۵) التاج المکمل ص: ۳۲۹، از ذہبی۔

بات پر کہ ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) کی طرف سے وہ کسی شافعی سے بحث کرنے لگے۔ اور ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) کے مخالفین کے مقابلے میں امام بخاری کی کتاب خلق افعال العباد پڑھنے لگے۔ فقہاء سمجھے کہ اس سے ہماری تردید مقصود ہے۔ وہ غضب میں آگئے اور قاضی شافعی نے ان کو قید کر دیا۔

حافظ الحدیث^(۱) مہ عبد الغنی مقدسی کہیں ظاہر قرآن وحدیث کے موافق صفات الہی میں اس طریقے کے خلاف کہ فقہاء ان میں تاویل کرتے ہیں کلام کرنے لگے۔ اس پر فقہاء ان کے پیچھے پڑ گئے اور ان کا قتل مباح قرار دیا۔ بادشاہ ان کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ مگر کچھ مسراء نے بڑی سعی وسفارش کر کے ان کی جان چھڑائی اور آخر وہ شہر بدر کر دیے گئے۔ اور ایک دوسرے مقام پر جا کر بقیہ عمر روپوش ہو کر رہے۔

امام حمیدی^(۲) صاحب الجمع بین الصحیحین کو بھی کہ ظاہر قرآن وحدیث پر چلتے تھے تھے، سخت سخت مصیبتیں پہننا پڑیں۔

اسی^(۳) طرح شیخ الاسلام ہروی اور علامہ صالح المقلبی اور سید محمد بن اسماعیل امیر کو جو کہ یہ سب علماء اہل حدیث سے تھے اور زمانہ کے رنگ کے خلاف قرآن وحدیث پر چلتے تھے، زمانے کے لوگوں سے طرح طرح کے مصائب برداشت کرنا پڑے۔ بھلا یہ لوگ تو گویا سب سے غیر تھے ان کو جتنا ستایا جائے تعجب نہیں۔

علامہ منصور^(۴) بن محمد تمیمی کو جو کہ حنفی تھے وہ حج کو گئے۔ وہاں ان کو شافعی مذہب زیادہ پسند ہوا۔ اس کی طرف منتقل ہو گئے۔ اس پر بھی باوجودیکہ وہ شافعی کا نام لیتے تھے، لوگ ان کی ایذا

(۱) التاج المکمل ص: ۱۳۹، از ابن النجار۔

(۲) التاج المکمل ص: ۱۸۷، نقل از ذہبی۔

(۳) مکتب تراجم میں ان کے حالات دیکھو اور موقع ہو تو شاید ہم بھی آگے لکھیں۔

(۴) التاج المکمل ص: ۲۱۰۔

رسانی سے باز نہ رہے اور ان کے ساتھ تعصب اور بدسلوکی کا طریقہ برتنا۔

غرض اس میں کچھ کلام نہیں کہ زمانہ کی عام روش و رنگ کے خلاف کسی بڑے یا چھوٹے کا زبان بلانا کچھ آسان امر نہ تھا اور اس سے نہ صرف اپنی ہی جان کو نشانہ بلا یا واقعات کرنا ہوتا بلکہ بہت مواقع میں جس امر کی بابت مخالفت کی جائے اس سے زائد اہم اور ضروری شرعی امور کو مثل اشاعت علم و تدریس، فنون و تبلیغ مسائل ضروریہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، بسط عدل و انصاف، بذریعہ خدمت قضاء و افتاء، اصلاح ملک، موعظۃ امراء و سلاطین وغیرہ وغیرہ کے نقصان پہنچتا تھا۔ پس اس خاص وجہ سے بہت علماء محققین نے جو کہ دراصل کسی کے مقلد نہیں اور نہ ان کو تقلید کی ضرورت ہے۔ زمانہ کے عام رواج کے موافق اپنے آپ کو کسی نہ کسی امام کی طرف منسوب ہونے دیا اور اس سے کوئی انکار نہ کیا۔ اور ان کا ایسا کرنا ضرورت وقتی یا بمصلحت^(۱) شرعی تھا نہ یہ کہ ان سب نے دنیا کے پیچھے دین کو چھپایا اور نہ یہ کہ وہ فی الاصل مقلد تھے۔

مصلحت بینی یا استخفاف حدیث:

ان لوگوں نے جب کہ وہ ان امام کا جن کی طرف وہ منسوب تھے خلاف کرتے تھے، عوام کے سمجھا دینے کا یہ اچھا ذریعہ پایا تھا کہ وہ کہہ دیتے تھے کہ امام نے فرما دیا ہے، ”إذا صح الحديث فهو مذهبي“ اور ”أترى كواثري بخير الرسول (ﷺ)“، لہذا اہم جو یہ ان کا خلاف کرتے ہیں، تو یہ نہ سمجھو کہ جس امام کے ہم مقلد ہیں ہم نے ان کو چھوڑ دیا یا ان کا خلاف کیا۔ نہیں، بلکہ

(۱) اس سے یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ جو لوگ اس اعتبار سے علیحدہ ہوئے اور طرح طرح کے مصائب و آفات کے نشان بنے، انہوں نے سخت غلطی کی اور وہ اس مصلحت سے ناواقف رہے، نہیں بلکہ ان کے ایمان نے اس کا حکم دیا جو انہوں نے کیا۔ اور انہوں نے اپنے حق میں شرمناہی مناسب پایا اور انہوں نے یہ مصائب اللہ ہی کے واسطے برداشت کئے۔ اور غور کیا جائے تو اصل میں عزیمت پر انہیں نے عمل کیا اور وہ جو لوگوں کے فتنہ وغیرہ کے خوف کی وجہ سے منتجب ہوتے رہے رخصت پر عامل رہے یا خاص مصالح کے خیال سے ایسا کیا۔

انہوں نے خود کھد دیا کہ جب حدیث رسول (ﷺ) مل جائے تو اس پر عمل کرنا۔ تو اصل میں ہمس انہیں کے کہے پر چلتے ہیں۔ چنانچہ تم امام نووی وغیرہ کے کلام میں اکثر ایسا پایاؤ گے۔ لیکن یہ عذر ان کا صرف عوام کے فتنہ کو فرو کرنے کی غرض سے تھا۔ ورنہ حقیقت میں حدیث رسول (ﷺ) کے ساتھ سخت گستاخی اور بے ادبی ہے کہ اس پر عمل کرنے کی وجہ یہ ٹھہرائی جائے کہ فلاں امام نے حدیث پر عمل کرنے کو فرمایا ہے۔ اس وجہ سے اس حدیث پر عمل کیا جاتا ہے۔ تو گویا امام اصل ٹھہرے اور حدیث رسول (ﷺ) کی پیروی ان کے حکم کی فرع ہوئی۔ ایک مسلمان کو جس کے سامنے حدیث رسول (ﷺ) موجود ہے اور اس کی نسبت اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ صحیح اور غیر منسوخ ہے۔ کیا اس پر عمل کرنے کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ کسی امام کی اجازت بھی ہونا چاہئے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسا کہنایا کرنا حدیث رسول (ﷺ) کی سخت توہین اور بے قدری اور اس کے ساتھ گستاخی کرنا ہے۔ افسوس مذہب تقلید ہی ہے کہ اس نے حدیث کے ساتھ یہ صورت گستاخی کی پیدا کی اور علماء کو مجبور کیا کہ وہ ایسا کہہ کر اپنا پیچھا چھڑائیں۔

اظہار حق سے علماء کو سکوت کیوں اور کیسے؟

خلاصہ یہ کہ بہت سے اسباب ایسے پیش آئے جن کی وجہ سے یہ علماء ان مشہور مذاہب میں سے کسی نہ کسی طرف منسوب ہوئے۔ جس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سب مقلد تھے۔ حالانکہ وہ مقلد نہ تھے بلکہ یہ نسبت اصل میں بوجہ مجبوری تھی۔ علامہ شوکانی (۱) کیا خوب لکھتے ہیں: ”ہم کسی مجتہد کو نہیں جانتے کہ اس نے مقلدین کے فعل کو جنہوں نے شریعت کے کئی حصے بنائے ہیں جائز رکھا ہو بلکہ اکابر علماء یا

(۱) علامہ موصوف نے یہ مضمون القول المفید جس: ۱۸۶-۲۳۲ میں لکھا ہے۔ علامہ موصوف ملک یمن کے رہنے والے

تھے۔ ۱۱۷۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔ علامہ شوکانی کے زمانے کے جوامیر یمن تھے وہ ان کے موافق اور اہل حدیث تھے۔ اسی وجہ سے علامہ موصوف کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ ایسا ظاہر باہر حق ظاہر کر سکیں۔ چنانچہ علامہ موصوف نے بدرطالع میں بذیل ترجمہ مید قائم بن امیر المؤمنین لکھا ہے۔

تو منع کرتے رہے یا ڈر کے مارے بخوف ضرر یا فوت نفع کے چپ رہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے اور ہر عاقل جانتا ہے کہ اگر کوئی عالم اعلان کے ساتھ ممالک اسلام میں سے کسی شہر میں کہتا ہے کہ یہ تقلید بدعت ہے اس پر رہنا جائز نہیں تو اگر کل نہیں تو اکثر تو ضرور اس کی اہانت کے لئے اور اس کے مال و بدن اور آبرو میں نقصان پہنچانے کے لئے اٹھے کھڑے ہوتے جو اس سے ادنیٰ درجہ کے آدمی کی شان کے بھی لائق نہیں اور یہ تو جب ہوتا کہ مقلدین اور ان کے مددگار سلاطین اور حکام کے ہاتھ سے قتل ہونے سے بچ جاتا ہے (ورنہ جان ہی بچنا مشکل تھی) اور اسی سبب سے یہ بدعت تمام بلاد اسلامیہ پر چھا گئی اور تمام افراد مسلمین شامل نظر آنے لگے۔ تو ناواقف لوگ خیال کرتے ہیں کہ دین ہمیشہ سے ایسا ہی رہا ہے اور ایسا ہی قیامت تک رہے گا اور (اصلی) بجلی بری بات کو نہیں جانتے (اور بہ سبب اپنی ناواقفیت کے حقیقت حال سے واقف نہیں) اور یہی حال تقلیدی علم کے عالموں کا بھی ہے بلکہ ان کا ضرر اور زائد ہے کیونکہ ان کو اپنے مذہب پر زاید ہٹ ہوتی ہے اور وہ اس کو جھلاء کی نظر میں اچھا بنا کر دکھاتے ہیں اور علماء محققین (اہل حدیث) کی تحقیر کرتے ہیں اور ان پر تہمت لگاتے ہیں کہ یہ اماموں کے مخالف ہیں اور ان کی توہین کرتے ہیں۔ اس کو ملوک اور مسراء ان سے سن کر یقین کر لیتے ہیں۔ کیونکہ انہیں کے ہم جنس ہیں۔ جیسا کہ وہ بے علم ہیں ایسے ہی یہ بے علم ہیں۔ گو ان مسائل کے عالم ہیں۔ جس میں دوسرے کی تقلید کر رہے ہیں۔ خصوصاً جب کہ انہیں کے قاضی یا مفتی بھی ہوئے کیونکہ عوام لوگ اہل علم میں سے کامل اور غیر کامل کو کیا پہچان سکتے ہیں بجز اس کے کہ جس کو مناصب اور قرب سلاطین حاصل ہو۔ اور جس کی طرف رجوع زائد دیکھیں اسی کو بڑا عالم سمجھیں اور یہ امور اکثر طبقہ مقلدین ہی کے ہاتھ میں رہے ہیں۔

چنانچہ حال کے اور پہلے زمانے کے حالات کا ہر جاننے والا اس بات کو جائز (۱) ہے

(۱) ہم نے یا علامہ شوکانی نے جو لکھا ہے کہ بہت سے علماء عوام کے مروج مسلک کی برائی ان کے فتنہ اور امراء۔۔۔۔۔

جس کو دیکھنا ہو اس زمانے میں دیکھ لے اور زمانہ میں دیکھ لے اور زمانہ سابق کی کتب توارخ کو دیکھے اور علماء محقق (غیر مقلدین) بیچارے لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے اکثر پوشیدہ اور علیحدہ رہے۔ جب کوئی علماء مجتہدین میں سے مقلدین کے معتقدات کے خلاف کوئی بات کہتا ہے تو علماء مقلدین جاہلانہ طریقہ سے اُس کے مقابلہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اہل دنیا اور اہل باب سلطنت اُن کی موافقت کرتے ہیں اور جو کچھ ضرر بدنی اور مالی کی قدرت پاتے ہیں کر گزرتے ہیں اور اس سے اُن کے ہم جنس لوگ ان کا اور شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ان کے گمان میں دین کی مدد کی اور ائمہ اور ان کے مذاہب کی طرف سے جواب دی کر دی۔ پس ان کی اور عزت بڑھ جاتی ہے اور اس بے چارے محقق عالم کی آبرو ان لوگوں کی گالیوں کا نشانہ ٹھہرتی اور مبتدع اور جاہل اور گمراہ بنایا جاتا تو ذرا نظر کرو کون ہے (جو ایسی حالت میں) اس بدعت کے روکنے کے لئے کھڑا ہو۔ باوجودیکہ ہر شخص کو (طبعی طور پر) دنیا مقدم ہے اور جب مال اور جاہ کی طرف (عموماً) دل مائل ہیں تو اسے منصف نظر انصاف سے دیکھ سکوت (اُن) علماء اجتہاد کا اس تقلید کے منع سے (جنہوں نے سکوت

---- وسلاطین کی مخالفت کی وجہ سے علی الاعلان ظاہر نہ کر سکے۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جس سے کوئی صاحب بصیرت انکار کر سکے خود ہمارے زمانے کی بھی یہی حالت ہے۔ کسی متبع سنت کی ایذا رسانی میں جب قابو پاتے ہیں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتے۔ ہندوستان کی اسلامی ریاستیں جن کے رئیس باوجودیکہ برائے نام ہی خود مختار ہیں پھر بھی ان کی حدود ریاست کے اندر کوئی عالم طاقت نہیں رکھتا کہ اُس مسلک و مذہب کو یا اور کسی مسئلہ کو جو وہاں کے رئیس کے عقیدہ کے مطابق ہے اور وہاں عموماً مروج ہے بدعت و ناجائز و غلط علی الاعلان کہہ سکے۔ اس بات کا اگر کوئی سورج پر خاک ڈال کر انکار کر دے تو کر دے مگر دیوبندی المذہب لوگ تو کسی طرح انکار نہیں کر سکتے۔ ورنہ جواب دیں کیا وہ ہے وہ علماء جو ریاست حضور نظام دام شمس یار یاست رامپور حضرت عین الشریعہ یاد یگر ممالک اسلامیہ مثل افغانستان یا ممالک عثمانیہ اُد ام شوکتیہ میں رونق افروز ہیں ان باتوں کو جن کو دیوبندی بدعت و شرک کہتے ہیں۔ مثلاً مجلس میلاد شریف و قیام عند ذکر الولادت اور وروم جو میت کے بعد کئے جاتے ہیں یا وہ معاملات جو مزارات اولیاء کے ساتھ کئے جاتے ہیں کیوں نہیں منع کرتے اور ان کو موقوف کر دیتے۔ کیا سب کے سب وہ جاہل ہیں جو ان امور کا منع ہونا ان کے علم میں نہیں آیا یا سب کج فہم و پلید ہیں کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا یا ایسے بد دین ہیں کہ باوجود جانتے اور قدرت دفع کے دفع نہیں کرتے۔

کیا) کیا موافقت پر دلالت کرتا ہے، ہرگز نہیں، بلکہ یہ سکوت خوف سے ہے نہ کہ رضا مندی سے۔

علماء کی صراحت یا اشارۃً تقلید سے ممانعت:

مگر اس پر بھی یہ لوگ اللہ کے عہد اظہار حق کو کسی نہ کسی طور سے پورا کرتے تھے، کسی نے اپنی تصنیف میں صراحت لکھ دیا یا کسی نے اشارۃً لکھا۔ کسی نے اپنی تحریر کو چھپا کر رکھ دیا کہ بعد موت کے ظاہر ہووے۔ چنانچہ افوی اپنے استاد امام ابن دقیق العید کی حکایت کرتے ہیں کہ ”انہوں نے اپنی مرض الموت میں ان سے ایک کاغذ مانگا اور لکھ کر اپنے بستر کے نیچے رکھ دیا۔ جب انتقال کر گئے تو لوگوں نے وہ پرچہ نکال کر دیکھا تو اس میں بالکل تقلید کی حرمت لکھی تھی۔“

اور بعض اپنے معتمد لوگوں سے کہہ دیا کرتے تھے اور طبقۃً بعد طبقۃً یہ نصیحت متواتر چسلی آتی تھی اور کامل لوگ (اپنے خاص خاص) واقفوں کو بتا دیا کرتے تھے۔ اور گو یہ بات اہل تقلید سے پوشیدہ رہی (اور پوشیدہ رہنا بھی چاہئے اس لئے کہ یہ خاص طور پر کہا جاتا تھا نہ عام طور پر) مگر اوروں سے پوشیدہ نہیں۔ اور ہم اپنے زمانہ میں بہت سے مشائخ کو دیکھتے ہیں، جو علم اجتہاد میں مشغول ہیں کہ کوئی ان میں سے تقلید کے درست ہونے کا قائل نہیں۔ اور بعض نے تو صاف صاف تقلید کے بے بنیاد ہونے کو ظاہر کر دیا اور کتنے ان مسائل کا جن کے مقلدین معتقد ہیں انکار کیا۔ آخر معاصرین نے ان کے ساتھ جھگڑے کئے اور ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں اور انہوں نے ان کو برداشت کیا۔ جس سے ان کا اجر اور بڑھا۔

تقلید کے نتائج فاسدہ:

غرض جو علم تقلیدی کے حاصل کرنے والے ہیں، ان پر علماء اجتہاد کے ساتھ بے حد تعصب غالب ہوتا ہے۔ اور نیز عوام کو اس وہم میں ڈالنا کہ یہ لوگ اماموں کے مخالف ہیں، جن کی عظمت سے ان کے دل بھرے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے برابر صحابہ کو بھی اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا ہوا نہیں

جانتے پھر بھلا بعد والا کوئی کیسے ہو سکتا ہے۔ اور گو وہ اس بات کو زبان سے نہ کہیں مگر ان کے دل میں یہ ضرور سمایا ہوا ہے (جیسا کہ طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔) پس ان کے نزدیک امام کا کوئی کسی مسئلہ میں خلاف کرے تو گویا وہ نص قطعی کا مخالف اور ایک امر شنیع کا مرتکب ہے اور گو وہ کیسا ہی قسراں وحدیث سے اپنے دلائل بیان کرے مگر کوئی اس کی نہیں سنتا بلکہ ہمیشہ اس کے درپے توین رہتے ہیں، اس حد تک کہ کسی فاسق اور مبتدع اور خارجی رافضی کے نہیں رہتے اور اس سے اس قدر بغض رکھتے ہیں، جتنا یہود و نصاریٰ سے نہیں رکھتے۔ اور جو اس سے انکار کرے وہ اصل واقعات سے بے خبر ہے۔ حاصل کلام یہ کہ وہ ان کے نزدیک ضال و مضل ہے۔ حالانکہ اس کا کوئی گناہ نہیں بحسب اس کے کہ وہ کتاب وسنت پر عمل کرتا ہے۔ ملخصاً۔

ہمارے اس تمام بیان سے خوب واضح ہو گیا کہ یہ خیال کہ سارے علماء مجددین کسی نہ کسی کے مقلد تھے کسی قدر غلطی و ناواقفی پر مبنی ہے۔ حالانکہ یہ سارے بڑے بڑے علماء مجددین جو گزرے ہیں گو وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی کی طرف منسوب ہوں مگر اصل میں وہ کس کے مقلد نہیں۔ اور یہ نسبت خاص خاص وجوہ سے وقوع میں آئی اور اصل میں تقلید ہی کا رواج تھا، جس نے ان کو تقلید کے سلسلے میں جکڑا اور صورت مقلدین میں ان کو ظاہر کیا۔ افسوس مذہب تقلید نے اپنے اثر سے جس کا اثر عوام تک محدود رہنا چاہئے تھا۔ ان محقق علماء کو بھی نہ چھوڑا اور ان کی نفس الامر کے خلاف صورت بنا کر دکھائی۔

مذہب تقلید نے صرف یہی نہیں کیا جو ہم نے اب تک لکھا ہے ^(۱)۔ یعنی یہ کہ خیر القرون کے رنگ کو بدل کر دوسرا رنگ پیدا کیا۔ مسلمانوں میں تفریق ڈال کر چار جماعتوں میں تقسیم کر دیا۔ لوگوں سے بے اصل اور نئے نئے دعوے کرائے۔ عالموں کے ساتھ انبیاء کا معاملہ

(۱) چنانچہ ان تمام باتوں کا ذکر مفصل اور پہنچا۔

کرایا۔ خیر بقاع الارض مکہ معظمہ میں چار مصلے قائم کرا دیئے اور جماعت صلوٰۃ میں تفسیر میں پسیدا کردی۔ لوگوں سے آزادی و انصاف پسندی کی بحث کو جس کا نام تحقیق و مناظرہ ہے، چھڑا کر خاص خاص راویوں اور مذہبوں کی طرف داری و حمیت پر مجبور کیا جیسا کہ برابر مقلد علماء ایسا کرتے ہیں۔ لوگوں سے ان کے خاص خاص اماموں کی واقع کے خلاف تعریفیں اور دوسرے اماموں کی مذمتیں کرائیں۔ اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ ان کی تائید کے جتنے سے ان سے جھوٹی جھوٹی حدیثیں بنوائیں۔ علماء حقانی و عالمین بالحدیث کے ساتھ عداوت پیدا کرا دی اور ان پر ظلم کرائے۔ حدیث رسول (ﷺ) کے ساتھ ایک صورت گستاخی کی پیدا کی۔ علماء حقانی کو مجبور کیا کہ وہ صورت تقلیدی میں ظاہر ہوں۔ وغیرہ۔

تقلید مشغل حدیث سے مانع ہوتی ہے:

بلکہ اس نے دو خرابیاں اور بہت بڑی پیدا کر دیں: اول یہ کہ لوگوں کو عموماً اس سے روک دیا کہ وہ فن حدیث میں مشغول ہوں۔ اور اس سے جو کہ مقصود اصلی استدلال و استفادہ تھا وہ حاصل کریں بلکہ وہ اس سے محروم رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا علم اور ان کے خیالات کی دوڑ خاص خاص ائمہ کے اقوال کے اندر محدود رہی اور ان کا بلاغ علم کچھ زائد اور وسیع نہ ہو سکا۔ گویا ان کے نزدیک بس شریعت وہی ہے جو ان کے امام فرما گئے۔ علم حدیث وہ علم تھا کہ ہر اس شخص کے لئے جو تحصیل علم دین کا قصد کرے وہی غایت قصویٰ اور مقصود اصلی ہونا چاہئے اور زیادہ تر اسی کا مشغل رہنا چاہئے تھا۔ کیونکہ اسلامی احکام کے بڑے حصہ کا مدار اسی پر ہے اور وہی سب کا رہنما ہے، لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ چونکہ بڑی غرض جو حدیث سے متعلق ہے، وہ اس سے احکام کا استخراج اور اس پر عمل ہے۔ تو جب احکام و عمل کا مدار خاص خاص علماء کے اقوال پر ٹھہرا اور انہیں سے کام رہا تو حدیث سے استغناء ہو گیا۔ اور اس سے کوئی بڑی غرض متعلق نہ رہی۔ لہذا اس کی طرف توجہ

نہ کی گئی۔

حدیث کی بے قدری اور اس سے بے توقہی:

دوسرے جب قضاء و افتاء و نظام سلطنت اور ملکی قوانین وغیرہ کا مدار انہیں فقہی مسائل پر قرار پا گیا۔ اور عموماً لوگ اپنے حوادث و واقعات۔ عبادات و معاملات میں انہی پر عمل کرتے اور انہیں کو پوچھتے تھے۔ لہذا انہیں کے حاصل کرنے کی ضرورت ہوئی اور انہیں کی قدر ہوئی۔ پس انہیں کی طرف عام توجہ ہوئی اور انہیں کو حاصل کیا گیا۔ اور فن حدیث سے جس کی ان کو نہ چنداں ضرورت تھی اور نہ کچھ زائد اس کی قدر تھی بے توقہی کی گئی اور اس میں مشغل نہ پیدا کیا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ جس چیز کی ضرورت اور اس کی قدر ہوتی ہے اسی کو حاصل کیا جاتا ہے اور اسی میں کمال پیدا کیا جاتا ہے اور اسی کی طرح عام توجہ ہوتی ہے اور جس چیز کی ضرورت نہیں ہوتی یا اس کی قدر نہیں ہوتی اس کے حاصل کرنے والے اور اس میں کمال پیدا کرنے والے بہت کم نکلتے ہیں۔ غرض رواج تقلید نے عموماً لوگوں کو حدیث سے بے بہرہ کر دیا اور بیشتر وہ طبقہ جو اہل علم کے ساتھ نامزد ہے فن حدیث سے بے خبر رہ گیا۔ چنانچہ تفصیل اس کی مع ثبوت کے ان شاء اللہ تعالیٰ آگے تم دیکھو گے۔

”اہل علم“ میں سے تقلید کے حامی؟

اہل علم میں شمار ہونے والوں میں سے یہی وہ جماعت ہے، جو مذہب تقلید کی پشت پناہ و حامی رہی۔ علماء کے اس فریق کا تقلیدی طرز عمل پر قائم رہنا یا اس کی تائید کرنا نہ کچھ باعث تعجب ہے اور نہ قابل حجت ہے، اس لئے کہ وہ خود ہی مبنی اجتہاد و اصول دلائل سے ناواقف رہے اور ان کا مبلغ علم انہیں تقلیدی علوم کے اندر محدود رہا۔ پس ان کا قول و فعل خاص کر ایسے امور کی بابت کسی قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ خود ہی دوسرے کے مقلد تھے نہ ان کی کوئی ذاتی تحقیق تھی اور نہ اپنی کوئی رائے۔

فقہاء کی شہرت، کم علوم میں زیادہ ہوتی تھی؟

علماء^(۱) کا یہ گروہ زیادہ تر علم فقہ اور اصول فقہ و علم بیان و معانی میں اور بعض فلسفہ میں بھی جو کچھ عرصہ سے اسلام میں داخل ہو گیا تھا، تبحر و کمال حاصل کرتا تھا اور انہیں میں وہ استاد زمانہ مقتداء فن اور صاحب تصنیف و تالیف ہوتے تھے اور انہیں کے اعتبار سے وہ بڑے بڑے مقتدر عالم کہلاتے تھے۔ اور شیخ الاسلام اور فخر الاسلام اور صدر الشریعہ اور ملک العلماء اور تاج الشریعہ اور شمس الأئمة وغیرہ لقب پاتے تھے۔ مگر افسوس جس عالی پایہ کے وہ عالم شمار ہوتے تھے یا جس رفیع منزلت کے ان کے القاب تھے، اکثر ان میں کے اس درجہ کے موافق تو کیا اس سے کم بھی حدیث سے واقفیت نہ رکھتے تھے جس کے غالب اسباب ہم بتا چکے۔

فقہاء بالخصوص حقیقہ کی علم حدیث میں بے مائیگی:

علامہ عبدالرحمن ابن اسماعیل ابوشامہ فرماتے ہیں:

”ہمارے^(۲) زمانے کے فقہاء کتب حدیث و آثار دیکھنے سے اور احادیث کے معانی اور ان سے جو مسائل نکلتے ہیں، ان میں بحث کرنے سے اور شروح حدیث میں جو نفیس نفیس کتبا ہیں لکھی

(۱) اس قسم کے علماء زیادہ تر حنفی مذہب میں ہوئے ہیں، جو فن حدیث سے ناواقف رہنے کی وجہ سے درجہ اجتہاد کو نہ پہنچتے تھے۔ بلکہ اگر وہ بہت ترقی کرتے تھے تو اپنے مذہب کے مجتہد تھے۔ ثناء ولی اللہ صاحب انصاف میں فرماتے ہیں: والقرض المجتہد المطلق المنتسب فی مذہب أبي حنيفة بعد المائة الثالثة وذلك لانه لا يكون إلا محدثاً جهلاً أو اشتغالهم بعلم الحديث قليل قديماً وحديثاً وإنما كان فيهم المجتهدون في المذهب۔ یعنی ”مجتہد مطلق منتسب حنفی مذہب میں تیسری صدی بعد سے نہیں ہوئے۔ کیونکہ وہ تو وہی ہو سکتا ہے جو بڑا محدث ہو۔ اور حنفیوں کا شغل حدیث کے ساتھ کم رہا ہے۔ پہلے سے بھی اور اب بھی۔ ہاں ان میں جو ہوئے تو مجتہد فی المذہب ہوئے۔“ اس سے ثابت ہوا کہ حنفیوں میں تیسری صدی کے بعد سے جس قدر علماء ہوئے ہیں جن میں یہ اکثر مشاہیر فقہاء اور اصحاب تصنیف اور ان مذکورہ القاب والے بھی داخل ہیں حدیث میں کچھ ایسا داخل نہ رکھتے تھے اور زیادہ تفصیل آگے آتی ہے۔

(۲) عبارت یہ ہے: وقد حرم الفقهاء في زماننا النظر في كتب الحديث والآثار والبحث عن---

گئیں، ان کے دیکھنے سے محروم ہیں۔ بلکہ انہوں نے اپنے وقت اور اپنی عمروں کو ان سے پہلے جو پچھلے فقہاء گزرے ہیں، انہیں کے اقوال میں فنا کر دیا۔ اور اپنے نبی کے نصوص میں نظر کو جو خطا سے معصوم تھے اور آثار صحابہ میں جنہوں نے وحی اترتی دیکھی اور پیغمبر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور مغز شریعت کو سمجھا، چھوڑ بیٹھے۔ سو بے شبہ یہ لوگ رتبہ اجتهاد سے محروم رہ گئے اور اپنے باپ دادا کی تقلید ہی پر باقی رہے۔“

شاہ ولی اللہ صاحب الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں:

”اگر نمونہ یہود و خواہی کی بیٹی علماء ہو کہ طالب دنیا باشند و خو گرفته بہ تقلید سلف و معرض از کتاب و سنت و تعمق و تشدد امتحان عالمی را مستند ساختہ از کلام شارح معصوم بے پروا شدہ باشند و احادیث موضوعہ و تالیفات فاسدہ را معتد اء خود ساختہ باشند تماشا کن کا نہم ہم۔“

اس طبقہ کے لوگوں میں سے اگر کسی پر محدث کا لفظ کسی نے بولا ہو تو اس وجہ سے ہے کہ وہ اسی طبقہ کے لوگوں میں سے بہ نسبت دوسرے کے کسی قدر حدیث سے لگاؤ رکھتا تھا یا یہ کسی مناقب لکھنے والے نے مبالغہ لکھ دیا جیسا کہ عادیۃ محدثین کے سوا مناقب لکھنے والوں کا مبالغہ کا دستور ہوتا ہے، چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے۔

تقلید، عمل بالحدیث سے مانع ہوتی ہے:

دوسرے وہ بات جو مذہب تقلید نے پیدا کر دی یہ ہے کہ اس نے لوگوں کو کلام الہی اور

---- فقہیہا و معانیہا و مطالعة الكتب النفیسة المصنفة فی شروحہا و غریبہا بل ألفوا زمانہم و عمرہم فی النظر فی أقوال من سبقہم من متأخري الفقہاء و ترکوا النظر فی نصوص نیہم المعصوم عن المخطئ (رحمۃ اللہ علیہ) و آثار الصحابة الذین شہدوا الوحی و عایتوا المصطفی و فہموا فانیس الشریعة فلا جرم حرم هؤلاء رتبة الاجتهاد و بقوا مقلدین علی الاباء۔ (دیکھئے: مختصر المنوکل، ص: ۲۹، و مجموعہ الرسائل المنیریہ، ج: ۳، ع: ۲۔)

حدیث رسول (ﷺ) پر عمل سے روکا اور ان سے طرح طرح کے حیلوں و بہانوں کے ساتھ جن کا ذکر ہم ان شاء اللہ العزیز آگے کریں گے۔ ان کا رد اور دونوں سے انکار کرایا۔ اس کے متعلق اگر ہم صرف اپنا ہی مشاہدہ لکھیں، جو ہم دیکھ رہے ہیں کہ جب کسی مقلد کے سامنے خواہ وہ عوام میں سے ہوں یا خواص میں سے (إلا ما شاء الله) کوئی ایسی آیت یا حدیث پیش کی جاتی ہے، جو ان کے مذہب کے موافق نہیں تو اس کے دفع کے لئے کیا کیا وہ حیلے نکالتے اور باتیں پیدا کرتے ہیں اور کسی طرح وہ ان کو تسلیم کرنا نہیں چاہتے تو کاہے کو کوئی اعتبار کرے گا۔ لہذا ہم نظیر کے طور پر چند ایسے مستند علماء کی شہادت پیش کرتے ہیں، جس سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:

”میرے استاد خاتمة المحققين والمجتہدين نے فرمایا کہ میں نے (ایک دو کو نہیں) بلکہ ایک جماعت مقلدین فقہاء کو مشاہدہ کیا کہ میں نے بعض ان مسائل میں جو ان کے مذہب کے خلاف تھے، ان کے سامنے قرآن مجید کی بہت سی آیتیں پڑھیں مگر انہوں نے ان آیتوں کو نہ مانا اور نہ ان کی طرف کچھ التفات کیا بلکہ مجھ کو اور تعجب^(۱) کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ گویا یہ کہ ان ظاہر آیتوں پر عمل کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ ہمارے سلف تو اس کے خلاف کہہ گئے ہیں (لکھتے ہیں) اے مخاطب اگر

(۱) اس سے زیادہ تعجب خیر یہ بات ہے کہ ہمارے ہم عصر جناب مولوی ارشاد حسین صاحب مرحوم راجپوری کو جن کی تحقیقات بالغہ پر بہت سے مقلدین کو باز ہے، یہ مضمون تفسیر کبیر میں تحت آیت {اتَّخِذُوا الْاٰخِیَارَ هُمُ وَاَوَّلٰیہُمْ} کے نہیں ملا جیسا کہ وہ خود امتصار الحق میں لکھتے ہیں۔ حالانکہ اسی آیت کے تحت میں یہ مضمون موجود ہے۔ چنانچہ عبارت اس کی یہ ہے: قال شیخنا و مولانا خاتمة المحققين والمجتہدين رضي الله تعالى عنه قد شاهدت جماعة من مقلدة الفقهاء قرأت عليهم آیات كثيرة من كتاب الله تعالى في بعض المسائل وكانت مذاہبهم بخلاف تلك الآيات فلم يقبلوا تلك الآيات ولم يلتفتوا إليها وبقوا ينظرون إلى كالمستعجب یعنی كيف يكون العمل بظواهر الآيات مع أن الرواية عن سلفنا وردت على خلافها ولو تأملت حق التأمل وجدت هذا الدواء سارياً في عروق الأكثرين من أهل الدنيا۔

تو ٹھیک ٹھیک طور پر غور کرے (تو ایک جماعت فقہاء کیا) یہ بلا تو اکثر (ایسے مقلدین) میں تو گھسی ہوئی پائے گا جو اہل دنیا سے ہیں۔“

حیلہ تراشی:

شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ کے باب ۳۲۸ معرفت نسخ شریعت میں لکھتے ہیں:

”شیطان^(۱) کو اللہ تعالیٰ نے خیال پر تسلط دیا ہے، پس جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی فقہ خواہش کی طرف مائل ہے تو اس کو یہ کاتا ہے اور یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہ روایت اللہ کی ہے اور یوں سمجھاتا ہے کہ پہلے نیک لوگ بھی بسبب رائے کے اللہ تک پہنچے ہیں اور احکام میں قیاس سے کام لیا ہے۔ اسی قسم کی باتیں اس فقیہ کے دل میں ڈال کر اس کی خواہشات پوری کرنے کے لئے اسے ایک حیلہ شرعی بتا دیتا ہے۔ پس وہ فقہی احادیث نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بالائے طاق^(۲) رکھ دیتا ہے اور اس کے عدم قبول پر یہ عذر کرتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی یا اگر یہ حدیث صحیح ہے مگر کوئی دوسری حدیث اس کے معارض اور اس کی ناخ نہ ہوتی تو ضرور امام شافعی اس پر عمل کرتے۔ اگر وہ فقہ شافعی ہے یا امام ابو حنیفہ اس پر عامل ہوتے اگر وہ فقہ حنفی ہے۔ غرض کہ جو فقہ جس امام کا مقلد ہے وہ ترک حدیث پر ایسے ہی عذر و حیلے کرتا ہے اور عامل بالحدیث کو گمراہ جانتا ہے اور جو کچھ اس کے امام نے کہہ دیا اس کی تقلید کو واجب جانتا ہے اگرچہ ان کے اقوال حدیث کے معارض ہوں۔ لیکن وہ کتاب وسنت کو چھوڑ کر اپنے ہی اماموں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ پس اگر ہم اس سے کہیں کہ امام شافعی صاف کہہ گئے کہ اگر کوئی حدیث تم کو مخالف میرے قول کے ملے تو میرے قول کو دیوار سے پسٹو اور حدیث پر عمل کرو اس لئے کہ میرا مذہب وہی ہے جو حدیث سے ثابت ہو۔ اور مثل اسی کے امام ابو

(۱) اس مضمون کو شیخ موصوف نے طویل عبارت میں لکھا ہے ہم نے اس کا خلاصہ بطور حاصل کے ذکر کر دیا۔

(۲) یہاں پر کی عبارت یہ ہے: ویرد الأحادیث النبویة الخ۔

حفیظہ نے فرمایا ہے۔ اور یہ اقوال انہیں کے مقلدین کی روایت سے ثابت ہیں۔ پس ایسی باتوں کو سن کر مقلد چپ ہو جاتے ہیں اور کچھ معقول جواب نہیں دے سکتے۔ مجھے ایسے مباحث کا اکثر اتفاق ہوا ہے۔ غرضیکہ خواہشات نفسانی کے سبب سے فقہاء نے شریعت محمدی (ﷺ) کو منسوخ کر دیا۔ احادیث صحیحہ کتب صحاح میں موجود ہیں اور ان کے راویوں کے نام بھی مذکور ہیں اور ان کی جرح و تعدیل بھی منقول ہے اور ان کی سندیں بھی بلا تغیر و تبدل کے محفوظ ہیں، لیکن باوجود ان سب باتوں کے مقلدین میں سے کوئی ان پر عمل نہیں کرتا اور اپنے اگلوں ہی کے فتوؤں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور باوجود مخالفت احادیث صحیحہ کے اپنے فقیہوں کے قول کو ترک نہیں کرتے۔ (۱)

شیخ عبدالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں:

بڑا ہی (۲) تعجب ہے کہ فقہاء مقلدین باوجودیکہ وہ اپنے امام کی دلیل کے ضعیف ہونے سے واقف ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے ضعف کا کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ مگر بالیں ہمارے امام کی تقلید کئے جاتے ہیں اور اپنے امام کی تقلید پر جمے رہنے کی وجہ سے ایسے شخص کے قول کو جس کے لئے قرآن و حدیث و قیاس صحیح شاہد ہے نہیں قبول کرتے بلکہ ٹا ہر کتاب و سنت کے رد کرنے کے لئے حیلہ ڈھونڈتے ہیں اور ان میں بعید اور غلط غلطیاں کرتے ہیں تاکہ اپنے امام کی طرف سے جواب دیں۔“

(۱) ماخوذ از درامات اللیب جس: ۱۸۰، ۱۷۹ طبع کراچی۔ ع۔ ج۔

(۲) عبارت یہ ہے: ومن العجب العجیب أن الفقهاء المقلدين يقف أحدهم على ضعف مأخذ إمامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا وهو مع ذلك يقلده فيه ويترك من شهد الكتاب والسنة والأقضية الصحيحة لمذهبههم جمودا على تقليد إمامه بل يتحیل لدفع ظاهر الكتاب والسنة وبنائها بالتأويلات البعيدة الباطلة فيضال عن مقلده۔ (حجة الله البالغة، ص: ۵۵، ج: ۱)

امام شعرانی میزان کبریٰ میں تحریر^(۱) فرماتے ہیں:

”اگر تو پوچھے ان احادیث کی بابت میں کیا کروں جو میرے امام کی وفات کے بعد صحیح ثابت ہوئیں اور امام نے ان کو نہیں لیا تھا تو جواب یہ ہے کہ تجھ کو لائق ہے کہ ان پر عمل کرے۔ کیونکہ اگر تیرا امام ان کو پاسا تو انہیں کے ساتھ حکم دیتا۔ اور جس نے ایسا کیا تو اس نے بھلائی کو دونوں ہاتھوں سے جمع کر لیا۔ اور جس نے کہا کہ وہ حدیث جس کو میرے امام نے نہیں لیا میں اس پر نہیں عمل کرنے کا تو اس کے ہاتھ سے خیر کثیر نکل گئی۔ جیسا کہ بہت سے مقلدین کا حال ہے حالانکہ لائق ان کو یہ تھا کہ وہ ہر حدیث پر عمل کرتے۔“ **ملخصاً۔**

اور ایک دوسری^(۲) جگہ لکھتے ہیں:

”برخلاف اس کے کہ بعض مقلدین کا حال ہے کہ انہوں مجھ سے کہہ دیا کہ اگر میں کوئی حدیث بخاری یا مسلم میں پاؤں اور اس کو میرے امام نے نہ لیا ہو تو اس پر عمل نہیں کرنے کا حالانکہ یہ اس کی شریعت کے ساتھ ناڈانی ہے۔ اور سب سے پہلے اس کا امام ہی بری (اور ناراض) ہے۔“
اس کے متعلق امام شعرانی کا ایک قول ان شاء اللہ العزیز آئندہ بھی آئے گا۔

(۱) عبارت یہ ہے: فإن قلت فما أصنع بالأحاديث التي صحت بعد موت إمامي ولم يأخذ بها۔ فالجواب الذي ينبغي لك أن تعمل بها فإن إمامك لو ظفر بها وصحت عنده لأمرك بها ومن فعل مثل ذلك فقد حاذ الخير بكلتي يديه ومن قال لا أعمل بحديث إلا إذا أخذه إمامي فاته خير كثير كما عليه كثير من المقلدين لأنهم المذاهب، وكان الأولى له العمل بكل حديث صح بعد إمامهم۔ (ملخصاً، ص: ۴۶)

(۲) عبارت یہ ہے: خلاف ما عليه بعض المقلدين حتى أنه قال لي لو وجدت حديثاً في البخاري ومسلم لم يأخذ إمامي لا أعمل به وذلك جهل منه بالشرعية وأول من يبرأ منه إمامه۔ (ص: ۵)

مقلد، حدیث کیوں پڑھتے ہیں؟

علامہ (۱) محمد حیات السندی ثم الممدنی اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”ابلیس نے بہت سے لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا اور ان کو حدیث چھڑا کر اسے کا اختیار کرنا اچھا بنا کر دکھایا۔ لہذا ان کو حدیث خیر البشر پر عمل کرنے سے محروم کر دیا۔ تو یہ لوگ جو کتب احادیث کو پڑھتے و پڑھاتے یاد رکھتے ہیں تو یہ اس لئے نہیں ہے کہ اس پر عمل کریں بلکہ اس لئے کہ جس امام کے مقلد ہیں، ان کے دلائل (مخالفین پر پیش کرنے کے لئے) معلوم کر لیں۔ اور جو حدیثیں اپنے امام کے خلاف ہیں ان کی تاویل کر دیں۔ چنانچہ یہ لوگ ایسی احادیث کے (جو ان کے امام کے خلاف ہیں) بعید بعید معنی بناتے ہیں اور جب یہ بھی نہیں کر سکتے (اس لئے کہ کوئی بعید معنی بھی نہیں بن پڑتے) تو یہی مجھ دیتے ہیں کہ جن کے ہم مقلد ہیں وہ ہم سے زیادہ حدیث کے جاننے والے تھے۔ اور وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ وہ ایسا کر کے اپنے اوپر اللہ کی حجت اور قائم کرتے ہیں۔ کیونکہ ایک ناواقف آدمی دلیل پر عمل نہ کرے اور ایک جان کر نہ کرے، یہ دونوں برابر نہیں ہوتے (اور انہوں نے جان بوجھ کر حدیث کا انکار کیا) اور (ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ) اگر ایسی

(۱) عبارت یہ ہے: **لَبِسَ ابْلِيسُ عَلَى كَثِيرٍ مِنَ الْبَشَرِ فَحَسَنَ لَهُمُ الْاِخْتِذَا بِالرَّايِ لَا بِالْاَثَرِ وَ اَوْهَمَهُمْ اَنْ هَذَا هُوَ الْاَوَّلِيُّ وَالْاٰخِرُ فَيَجْعَلُهُمْ بِسَبَبِ ذَلِكَ مُحَرَّوْمِيْنَ عَنِ الْعَمَلِ بِحَدِيثِ خَيْرِ الْبَشَرِ وَ هَذِهِ الْبَلِيَّةُ مِنَ الْبَلَايَا الْكُبْرَى فَاَنَا لَللّٰهِ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ وَ تَرَاهُمْ يَقْرَءُونَ كُتُبَ الْحَدِيثِ وَ يَطَّالِعُونَ نَهَاوِيْدَ سَوْنَهَالٍ لِيَعْمَلُوا بِهَا بَلِ لِيَعْمَلُوا اَدْلَالَ مِنْ قُلْدِهِ وَ تَأْوِيلَ مَا خَالَفَ قَوْلَهُ وَ يَبْتَغُونَ فِي الْمَحَامِلِ الْبَعِيدَةِ وَاِذَا عَجَزُوا عَنِ الْمَحْمُولِ قَالُوا اِنْ قُلْدُنَا هُوَ اَعْلَمُ مِنَّا بِالْحَدِيثِ اَوْ لَا يَعْلَمُونَ اَنَّهُمْ يَقْسِمُونَ حِيَّةَ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ بِذَلِكَ وَاِنْ يَسْتَوِي الْعَالَمُ وَالْجَاهِلُ فِي تَرْكِ الْعَمَلِ بِالْحِجَّةِ وَاِذَا مَرَّ عَلَيْهِمْ حَدِيثٌ يُوَافِقُ قَوْلَ مَنْ قُلْدَهُ اَتَبَسُّطُوا وَاِذَا مَرَّ عَلَيْهِمْ حَدِيثٌ يَخَالَفُ قَوْلَهُ اَوْ يُوَافِقُ مَذْهَبَ غَيْرِهِ اَتَقَيَّضُوا اَلَمْ يَسْمَعُوا قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰی:**

{قُلْ اَوْ رَبِّكَ لَا يُوْمِنُوْنَ حَتّٰى تُخْرِجُوْهُمْ مِنْ اَرْضِهِمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِىْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا}۔ دیکھئے: ایقانہم الأبرار ص: ۷۷، مصرع: ح۔

حدیث نکلے جو ان کے امام کے موافق ہو تو خوش ہو جاتے ہیں۔ اور جب ایسی حدیث پر نظر پڑے، جو ان کے امام کے قول کے مخالف ہے یا کسی دوسرے امام کے قول کے موافق ہے تو تنگ دل ہو جاتے ہیں (اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو اصل حدیث سے غرض نہیں بلکہ اپنے امام کی موافقت سے غرض ہے) کیا انہوں نے اللہ کا یہ قول نہیں سنا ^(۱) {فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا}۔ یعنی (سو تیرے رب کی قسم ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنی اختلافی باتوں میں تک پہنچ نہ ٹھہرائیں (اور تمہاری طرف رجوع نہ کریں) پھر تمہارے فیصلے سے اپنے دلوں میں ذرا بھی تنگی نہ پائیں اور نہ (تمہاری بات کو) خوب اچھی طور سے نہ تسلیم کر لیں۔)

فاضل لکھنوی ^(۲) نافع کبیر میں جس کو انہوں نے امام محمد کی جامع صغیر کی شرح کے لئے بطور مقدمہ کے لکھا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

”پہلے ہی زمانے سے اس وقت تک برابر لوگ اس بارے میں دو فسرین رہے ہیں۔ ایک گروہ وہ جنہوں نے حنفیت میں سخت تعصب برتا اور جو کچھ فتاویٰ فقہ حنفی کی کتابوں میں ہے، اسی کا سختی کے ساتھ التزام کر لیا گو حدیث صحیح یا اثر صریح اس کے معارض ہو مگر وہ ہفت کے مسئلہ کو نہیں چھوڑتے (اور یہ خیال کر لیا کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ہمارے امام اس کو ضرور لیتے اور اس کے خلاف حکم نہ دیتے۔ حالانکہ یہ ان لوگوں کی نادانی ہے۔ امام کے اس قول سے جو انہوں نے اپنے

(۱) سورة النساء: ۶۵۔

(۲) عبارت یہ ہے: نفرق الناس من قديم الزمان إلى هذا لأوان في هذا الباب إلى فرقتين فطائفة قد تعصبوا في الحنفية تعصبا شديدا والنزمو بما في الفتاوى التزاما شديدا وإن وجدوا حديثا صحيحا أو أثرا صريحا على خلافه وزعموا أنه لو كان هذا المذهب صحيحا لأخذ به صاحب المذهب ولم يحكم بخلافه وهذا جهل منهم بما روت الثقات عن أبي حنيفة من تقديم الأحاديث والآثار على أقوالهم۔

اقوال کے اوپر حدیث و آثار کے مقدم کرنے کو فرمایا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے ایک فتوے^(۱) میں تحریر فرماتے ہیں:

”فی الحقیقت اگر مقلدان مذاہب تخص کنند دریا بند کہ ایں بلاء تقلید ایٹال را بحدے کشیدہ کہ

قول ہر یکے از احاد فقہاء بمقابلہ حدیثی آرند بلکہ ترجیح میدہند و ایں ازاں قبیل ست کہ علماء را بہ

پیغمبری رسانیدہ شود بلکہ بخندائے۔“

حضرت مرزا^(۲) مظہر جان جاناں صاحب فرماتے ہیں:

”علم حدیث جامع تفسیر و فقہ و دقائق سلوک است از برکات ایں علم نور ایمان مے افزاند

و توفیق عمل نیک و اعمال حسن پیدا می شود۔ عجب ست کہ حدیث صحیح غیر منسوخ کہ محدثین بیان آل نمودہ

اند و احوال رواۃ آل معلوم ست و بچند واسطہ میرسد بہ نبی معصوم کہ خطار ابراہاں راہ نیست بعمل نمی آرند

و روایت فقہ کہ ناقلاں آل قضاۃ و مفتیان اند و احوال ضبط و عدل آنہا معلوم نیست و بزیاہ از دہ واسطہ

میرسد بچند کہ خطاء و صواب از شان اوست معمول گردیدہ است۔ (رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا

اَوْ اَخْطَاْنَا) (یعنی اے رب ہمارے تو ہماری بھول چوک پر ہم سے مواخذہ نہ کر۔)

اسی قسم کی اور بھی بہت سی مستند علماء کی شہادتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس تقلید نے

کس قدر عمل بالحدیث سے روکا اور کس کس طرح سے حدیث رسول (ﷺ) کا انکار کرایا۔ ان مختلف

زمانے^(۳) کے لوگوں کی شہادت سے ثابت ہوا کہ ان تمام زمانوں میں مذہب تقلید نے اپنا یہ اثر

دکھایا ہے اور یہ صرف انہیں شہادتوں سے نہیں بلکہ ہم نے جو پہلے اہل حدیث کو اذیتیں دیے حبانے

کے چند قصے لکھے۔ ان سے بھی یہ ثابت ہے۔ اس لئے کہ وہ لوگ اگر دلیل و تحقیق کے پابند ہوتے اور

(۱) دیکھو فتاویٰ عربی مطبوعہ مطبع مجتہائی، دہلی۔

(۲) دیکھو کلمات لطیبات بضم ملفوظات جس: ۱۰۵، مطبوعہ مطبع العلوم مراد آباد۔

(۳) ان لوگوں کے زمانے ہم کو ہمارے آئندہ بیان میں معلوم ہوں گے۔

تقليد کے شیدائہ ہوتے اور ان کو عمل بالحدیث سے کوئی خلافت نہ ہوتا تو اہل تحقیق کو اذیتیں کیوں دیتے۔
ناظرین کو اس بیان سے خوب واضح ہو گیا کہ تقلید پیشہ لوگوں کا حدیث پر عمل سے انکار اور اہل حدیث سے عداوت یہ کچھ آج نئی بات نہیں ہے بلکہ پہلے ہی سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے اور اہل حدیث کے ان کے ساتھ یہ جھگڑے قہے^(۱) جو ہمارے زمانے میں ہو رہے ہیں برابر ہوتے رہے ہیں۔

پس ہمارے زمانے کے لوگوں کا یہ خیال کہ یہ سارے جھگڑے اب پیدا ہوئے ہیں، پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا اور نہ ان غیر مقلدوں کے خیال کا کوئی شخص تھا، کس قدر ناواقفی اور غلطی پر مبنی ہے۔ بلکہ جیسا اہل تقلید کو ان تمام زمانوں میں عمل بالحدیث سے انکار و نفرت رہی ویسے ہی ہمیشہ اہل تحقیق ان کے مقابلے میں موجود رہے اور ان کا رد اور ان سے بحث کرتے رہے۔ افسوس مذہب تقلید نے اسلام میں یہ کس قدر بڑی خرابی پیدا کر دی، جس نے عین منشاء اسلام کے ساتھ مزاحمت کی اور اصل تعلیم اسلام {وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا} (یعنی جو رسول تم کو (حکم) دیں اس کو (مان) لو اور جس (بات) سے منع کریں اس سے باز رہو۔) کے ساتھ مخالفت پیدا کر دی۔

الحاصل مذہب تقلید پر جو نتائج مرتب ہوئے اس کا نمونہ یہ تھا، جو تم نے دیکھا اور واقع میں یہ جو کچھ ذکر کیا بطور نمونہ کے ذکر کیا ہے ورنہ نتائج ان کے سواء اور بھی ہیں جن میں سے بعض بعض متفرق طور پر ان شاء اللہ آگے بھی ہماری تحریر میں تم پاؤ گے یہاں تک کہ ہم مذہب تقلید کے مبداء ولادت سے اس کے سن شباب تک کی سوانح عمری سے فارغ ہو گئے اور یہ صاف طور پر بتا چکے کہ وہ

(۱) البتہ پہلے کے بیشتر زمانوں میں اہل حدیث اس بے خوفی سے بحث و جھگڑے نہ کر سکتے تھے جیسا کہ اب ہندوستان میں کر سکتے ہیں۔

کب پیدا ہوا اور کیوں کر پیدا ہوا، اور کس وقت پوری ترقی حاصل کی، اور اپنی ترقی کے بعد اُس نے کیا کیا کام کئے اور کیا اثر دکھلائے۔ اب ہم کو صرف اُس کے سن انخطاط و وقت وفات کی بابت کچھ کہنا باقی رہا۔

لیکن قبل اُس کے کہ ہم اس کے متعلق کوئی مفصل بات کہیں اس بات کا سننا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ ان مختلف زمانوں میں مذہب تقلید کے عجب عجب رنگ بدلے ہیں۔ اسلام کے اندر ایک وہ وقت تھا کہ اُس کو (تقلید کو) کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ پھر ایک وہ وقت آیا جب اس کے کچھ آثار نمودار ہوئے تو عموماً علماء وقت اور ائمہ نے اُس سے منع کیا اور وہ اس کی مذمت کرتے رہے۔ پھر ایک وہ زمانہ آیا کہ عموماً لوگ اسی کے پابند اور اسی کے مقدر ہو گئے، گو علماء محققین اُس وقت میں بھی اُس کو برا ہی کہتے رہے مگر عام رنگ اسی کے موافق تھا۔

تقلید کی شرعی حیثیت؟

ان زمانوں میں تقلید کبھی واجب فرض کبھی علامت اہل سنت قرار دی جانے لگی۔ پھر ایک وقت آیا کہ جب علماء اہل حدیث نے اعلانیہ اُس کو رد کیا اور بحث مباحثے ہوئے اور اس کی ذریات کو ان دعوؤں کے ثابت کرنے کے لئے کوئی کافی دلیل نہ مل سکی تو کبھی تو کوئی محسوس ہو کر یہ کہنے لگا کہ بیشک واجب نہیں ہے^(۱)۔ مگر مصلحتاً اور مجبوری کو التزام کرنا پڑا مگر اثبات کا اُس کے بھی کوئی ذریعہ نہ مل سکا۔ اور جو کچھ اس بارے میں کہا گیا اُس کی وقعت کسی طرح اُس سے زائد نہیں ہو سکتی جو کسی بات کے چل نکلنے کے بعد اُس کے صحیح بنانے کے لئے باتیں بنائی جاتی ہیں بلکہ جو کچھ کہا گیا،

(۱) چنانچہ صاحب الفتح البیہن لکھتے ہیں: "حاصل کلام یہ ہے حنفیہ تقلید شخصی کو واجب نہیں جانتے ہیں۔" ص: ۳۴۔ اسی صفحہ میں بخواب قول صاحب النظر البیہن (التزام مذہب معین میں حکم اور خطاب شارع کا صادر نہیں ہوا) لکھتے ہیں مذہب معین کا التزام بوجہ عوارض مجبوراً کرنا پڑا۔ کیونکہ ایک ایک مسئلہ میں اختلافات کثیر تھے۔ کسی کے نزدیک حرام کسی کے نزدیک حلال تھا۔ اس لئے بغیر تقلید ایک کے چارہ نہ تھا۔"

اُس پر ناقابل دفع اعتراض کیے گئے اور کبھی کسی نے اُس میں بہت سی قسیدیں ^(۱) اور تخصیص بڑھائیں اور دعوے کے دائرے کو بہت کچھ تنگ کیا کہ نہیں یہی ثابت ہو جائے اور فریق مقابل کی بات کو دعوے کے اکثر حصوں میں تسلیم کر لیا کہ شاید اس پر ہی راضی ہو کر چپ ہو جاویں۔ لیکن اہل تحقیق نے اپنے فرض منصبی کو نہ چھوڑا اور بقیہ دعوے کے نقصانات کو بھی کھول کر سامنے رکھ دیا۔ آخر وہ جزء دعویٰ بھی ثابت نہ رہ سکا۔ بالآخر کہا گھیا نہ واجب ہے، نہ فرض ہے، نہ شرعاً نہ مصلحتاً۔ ہاں حائر ہے۔ ^(۲) حالانکہ جواز بھی ایک امر شرعی ہے، اُس کے لئے بھی دلیل درکار ہے اور کوئی دلیل نہیں

(۱) چنانچہ انتصار الحج جس: ۱۳۳ میں لکھتے ہیں: ”معلوم کرو کہ مجتہد مطلق مستقل ہو یا منتجب اسی طرح مجتہد فی بعض المسائل او مجتہد فی المذہب ان سب پر حکم وجوب تقلید امام کا جمیع احکام اجتہاد یہ میں نہیں کیا گیا۔ اگر حکم وجوب تقلید جمیع احکام اجتہاد یہ میں ہے تو مقلد صفر پر ہے جس کو کسی قسم کی استقامت اور فہم استخراج مسائل کے نہیں۔“ پھر لکھتے ہیں: ”پھر وہ مقلد جس پر جمیع مسائل اجتہاد یہ میں حکم وجوب تقلید ہے اس کی کئی قسموں میں ایک تو وہ کہ ابتداء اسلام لایا اور ابھی تقلید کسی مجتہد کی نہیں کی ہے۔ دوسرا وہ کہ تقلید کسی امام کی لیکن التزام اور عدم تقلید امام معین کا جمیع مسائل میں نہیں کیا۔ تیسرا وہ کہ اس نے التزام تقلید کسی مجتہد کا جمیع مسائل اجتہاد یہ میں کر لیا۔ قسم اول و ثانی پر ہم کو ثابت کرنا وجوب تقلید امام معین کا اس محل میں مقصود نہیں۔“ پھر لکھتے ہیں: ”باقی رہی قسم ثالث ان پر حکم وجوب تقلید امام معین کیا جاتا ہے اور اس قسم ثالث پر جو مقصود ہے، حکم وجوب تقلید امام معین علی الاطلاق نہیں۔ مقید ہے ساتھ عدم وقوع ضرورت ملجہ معتبرہ شرع کے اور ساتھ عدم ظہور ضعف مافذ حکم کے ظہور معتبر عند الشرع۔“ ملخصاً۔ اور صفحہ ۱۳۹ میں لکھتے ہیں: ”ملتزم مذہب معین پر بھی ہم نے مطلقاً عدم جواز ترک تقلید کا حکم نہیں سمجھا۔ در صورت جمع مذہبین کے اور وقوع ضرورت معتبرہ شرعیہ کے ترک تقلید واسطے، حامی کے جائز ہے۔“ اور صفحہ ۱۹۱ میں لکھتے ہیں: ”خلاصہ تمام کلام ہماری کالیہ ہے کہ مقلد صرف ملتزم مذہب پر مسائل تقلید یہ میں تقلید امام اپنے کی علی التبعین واجب ہے۔ جب تک کوئی ضرورت تو یہ معتبرہ ترک تقلید پر باعث نہ ہو اور جب تک احتیاط مذہب غیر میں نہ ہو اور جب تک قوت اجتہادی حاصل نہ ہو اور در صورت وقوع ضرورت معتبرہ کے اور احتیاط کے بیچ مذہب غیر کے بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروہ مذہب مقلد کے اور وقت پہنچ جانے مقلد کے مرتبہ اجتہاد کو اگرچہ فی الجملہ ہو بنظر کسفی یا استدلال چھوڑ دینا تقلید امام معین اپنے کا بغرض محمود ممنوع نہیں۔“ اور صاحب الفتح لمبیین لکھتے ہیں: ”حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص واقعہ سنت ہو اس کو حنفی یا شافعی بنانا کچھ ضرور نہیں اور واقعہ جوئے کی کئی صورتیں ہیں۔“ صفحہ: ۳۵، اور صفحہ: ۳۴ میں لکھتے ہیں: ”اور اسی قسم کے (اختلافی) مسائل میں تقلید ضروری ہے جو مسائل صریح قرآن و حدیث سے ماخوذ ہوتے ہیں، ان میں تقلید محض بے اصل اور لغو ہے۔“ اور کچھ اقوال ان کے اُس کے متعلق ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں۔ (دیکھو: نوٹ جس: ۳۶)

(۲) بیساکہ اب ہمارے بعض معاصر کہتے ہیں۔

ہے جو اس مذہب تقلید کے جواز پیش کی جاسکے۔ ومن ادعی فعلیہ البیان۔

اہل حدیث کے فرقہ ناجیہ ہونے کا اعتراف:

غرض آخر کار اہل حدیث کے فریق مقابل بجائے اس کے کہ وہ اہل حدیث کو کافر و فاسق و گمراہ اہل سنت سے خارج ٹھہراتے تھے، اُن کے قوی قوی دلائل اور ناقابل رد اعتراضات سنتی سنتی تنگ آ کر اپنی ہی خیر منانے لگے اور اُن کی ہوشمند افراد کی تحریروں اور تقریروں میں اہل حدیث کے مذہب اور اہل حدیث کے مسائل سے انکار اور اُن پر آپڑنے کے بجائے اپنے مذہب اور اپنے مسائل کے صحیح ثابت کرنے کے لئے پڑ گئے بلکہ اپنے مذہب کے سوا کی (۱) بھی صحت کا مجبوراً صاف صاف اقرار کرنے لگے نہیں بلکہ خود اپنے فریق کی غلطی و تعصب کے قائل ہو کر ان کو

(۱) چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی پیشوائے حنفیہ دیوبندی المذہب رسالہ سبیل الرشاد میں لکھتے ہیں: ”الحاصل تقلید مطلق جو شخصی اور غیر شخصی دونوں کو شامل ہے، کتاب و سنت سے ثابت ہے۔“ (صفحہ: ۳۲) اور کہتے ہیں: ”پس خلاصہ جواب یہ ہوا کہ تقلید بہر دونوع کتاب و سنت و فعل صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے ثابت ہے۔ اور بدوں ہوائے نفسانی کے خاصاً بوجہ اللہ تعالیٰ خواص کو عمل بہر دو (شخصی و غیر شخصی) پر درست ہے اور عوام اہل اعجاب پر غیر شخصی موجب ان کے انفعال کا ہے، بسبب ان کے فساد فہمت کے نہ فی حد ذاتہ کہ وہ مامور ہے، لہذا شخصی کا ارتکاب اولیٰ ہے اور مصالح عدیدہ پر مشکل ہے۔“ (صفحہ: ۳۷) ”اس سے معلوم ہوا کہ شارع کی طرف سے تقلید شخصی کی کوئی تخصیص و تعیین نہیں ہے۔ اور خواص کو تو عام اجازت ہے کہ وہ تقلید شخصی کے پابند نہ رہیں۔ لیکن عوام کے لئے شخصی کی قید ہے تو صرف بالائی باتوں کی وجہ سے ہے نہ اصل حکم شارع میں۔ بہر حال شخصی اولیٰ ہے نہ ضروری۔“ اور لکھتے ہیں: ”پس جملہ محدثین (اہل حدیث) اور فقہاء (مقلدین) عامل کتاب اللہ و سنت رسول اللہ (ﷺ) کے ہیں۔ اور وہ سب فرقہ ناجیہ و سنت جماعت سے ہیں کہ حدیث صحیح میں وارد ہو گیا ہے۔ بیان فرقہ ناجیہ میں ما اُفأ علیہ و أصحابی پس صحابہ کا طریق اور ان کا اتباع ہی راہ نجات ہے اور وہی فرقہ ناجیہ ہے۔ لہذا جملہ مجتہدین (مثل احمد اربعہ) اور ان کے اتباع (مقلدین) اور جملہ محدثین (اہل حدیث) فرقہ ناجیہ اہل السنۃ والجماعت ہو گئے۔ البتہ جو جہال کہ محدثین مقبولین کو اپنی تقلید کے جوش تعصب میں طعن و تشنیع کرتے ہیں یا جو عامل بحدیث بزم خود ہو کر فقہاء و مجتہدین را سکن پر سب و شتم کرتے ہیں اور فقہ کے مسائل مستنبط من النصوص کو بنظر حقارت دیکھ کر زشت و زبون جانتے ہیں وہ لوگ خارج از فرقہ ناجیہ اہل سنت اور متبع ہوائے نفسانی اور داخل گروہ اہل اجواء کے ہیں فقہ اور لاریب جو مسئلہ خلاف سب نصوص کے ہے وہ باطل اور ترک اس کا واجب ہے۔“ (ص: ۳۰، ۳۱) پس معلوم ہوا کہ تسلیم ہے کہ ———

ڈپٹنے لگے گوزبانی ہی سہی کہ تھوڑی دیر کو وہ چپ ہو جائیں ورنہ یہاں تو بالکل ہی کرکری ہوئی جاتی ہے اور مسائل کی نسبت^(۱) بھی یہ ہونے لگا، بھائی ہمارے مسائل بھی صحیح ہیں تمہارے مسائل بھی صحیح ہیں۔ ہمارے مسائل بھی غلط نہیں ہیں (کچھ نہ کچھ اصل رکھتے ہیں) جیسا کہ تمہارے مسئلہ میں اور کسی کو دوسرے پر گنجائش طعن کی نہیں۔

--- اہل حدیث بھی فرقہ نابیہ و اہل سنت والجماعت میں اور بہت سے متعصب مقلد جو اہل حدیث پر طعن و تشنیع بیجا کرتے ہیں، وہ لوگ گمراہ اور خارج از اہل سنت ہیں اور اہل حدیث میں سے صرف وہی لوگ جو فقہاء و مجتہدین راہنیں پر سب و شتم کرتے اور مسائل فقہ کو جو مستند عن النصوص میں برا جانتے ہیں غلطی پر ہیں، سب۔ حالانکہ یہ باتیں جو اہل حدیث کی طرف نسبت کرتے ہیں، ان کی حقیقت ہم پہلے بتا چکے۔

(۱) مولوی رشید احمد صاحب کا اہل حدیث کے مسائل متنازعہ کو صحیح تسلیم کرنا:

چنانچہ بخیل الإرشاد میں انہیں مسائل کی بابت جن میں اہل حدیث کا زیادہ تر خلاف مشہور ہے، جو لگھتے ہیں اس سے ظاہر ہے (قرآن فاتحہ غلت الامام) "ہرگز تارک قرآن غلت الامام کی صلوٰۃ فاسد و ناقص نہ ہوگی جیسا کہ قاری کی نماز میں نقصان نہیں کہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے اور ہر ایک رائے و تاویل صحابہ و تقریر فخر عالم (علیہ السلام) پر شامل ہے کسی کو دوسرے پر گنجائش طعن کی نہیں" (ص: ۲۷)۔ "اور دونوں کا عمل عند اللہ کامل ہے کچھ فساد کسی میں نہیں اور نہ کراہت" (ص: ۲۶)۔ (رفع الیدین) دونوں طرف احادیث صحاح میں اور ہر دو جانب معمول صحابہ (علیہم السلام) ہیں۔ پس اب کیا محل طعن و کلام کا کسی کو ہے؟" (ص: ۲۹)۔ (آمین بالجہر) دونوں قول صحیح ہیں کہ دونوں تقریر فخر عالم (علیہ السلام) سے اور عمل صحابہ سے ثابت ہے؟" (ص: ۲۹)۔ (وضع الایدی علی الصدور) علی ہذا سینے پر ہاتھ باندھنا یا زیر ناف دونوں میں یکساں احادیث میں؟" (ص: ۲۹)۔ لیکن یہ ساری باتیں زبانی ہیں اور اس مجبوری کو کہ بغیر اس طریقہ کلام کے برہمن کے اپنے مذہب و اپنے مسائل کے صحیح ثابت کرنے کے کوئی صورت نہیں نکل سکتی ورنہ تعصب و عناد کی جو حالت خود ان کی اور ان کے معتقدین کی ہے ان کے طرز برتاؤ سے ظاہر ہے اور کچھ اس کے متعلق ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں (دیکھو حاشیہ: ۲۷)۔ اسی طرح اگر کوئی شخص چاہندی انہیں قیدوں و تخصیصوں کے جن کی صورت میں یہ لوگ تقلید شخصی کو واجب نہیں کہتے جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے، ترک تقلید شخصی کر کے عمل بالحدیث کرتے اور اہل حدیث ویسا کرتے ہی ہیں تب بھی اس سے جلے جاتے ہیں۔ پس اگر یہ صرف زبانی باتیں نہیں تو پھر اس سے کیوں ملتے ہیں۔

تسلیم حق کے باوجود اہل حدیث سے عداوت:

مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ عملاً بھی ایسا ہی برتا گیا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اکثر باتیں مدقول ہی میں محدود رہیں۔ اور وہ بھی اس ضرورت سے کہ مباحثے و مناظرے میں کوئی پیش نہیں جاتی تھی۔ اور عملاً ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ عملاً تقلید کے التزام کی اور فریق مقابل کے ساتھ خلاف و عناد کی وہی حالت رہی لیکن ان سارے بحث و مباحثوں کا یہ اثر ضرور ہوا کہ اس کی جماعت کے افراد گھٹنے لگے اور اس کی جمعیت میں انحطاط شروع ہو گیا۔ گو ایک طائفہ تو ہمیشہ ہی سے اہل حدیث کا قائم رہا ہے۔ جس کا قائم رہنا ضروری تھا جیسا کہ ہم آگے ظاہر کریں گے۔

مذہب تقلید کا وقت انحطاط اور وفات:

مگر اب ایک مدت سے تقلیدی گروہ کی اصل جمعیت میں انحطاط ہو کر اہل حدیث کی جمعیت کو بہت ترقی ہو گئی۔ اور ماشاء اللہ روز افزوں ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہئے تھا۔ اس لئے کہ وہ وقت جس میں ان تمام نئے نئے نکلے ہوئے مذہبوں کا فنا و زوال ایک لازمی امر ہے۔ یعنی وقت ظہور مہدی موعود نزول مسیح (علیہما السلام) غالباً بہت قریب آگیا۔ اور یہاں نفس الامر کے خلاف اُلٹے خیالات^(۱) پکڑنے لگے تھے کہ وہ مقلد اور حنفی المذہب ہوں گے، اگر کوئی ان لغو خیالات کا رد کرنے والا نہ ہوتا تو یہ مسئلہ بھی ان کے قطعی علامات میں داخل ہو جاتا، اور جب وہ ان کے قطعی عقیدے کے خلاف ظہور فرماتے جیسا کہ ہونے والا ہے، اس لئے کہ وہ خود مجتہد^(۲) و عامل بالحدیث ہوں گے نہ مقلد۔ تو بھڑاس کے کہ ان کی تکذیب کی جاتی اور کیا ہوتا۔ اس وجہ سے اللہ جل شانہ نے اس کا انتظام

(۱) چنانچہ اوپر ہم لکھ چکے ہیں۔ (دیکھو: حاشیہ ص: ۱۰) اور اگلی عبارت رد المحتار کی بھی اس کی شاہد ہے۔

(۲) کیا مہدی موعود حنفی ہوں گے؟

چنانچہ رد المحتار حاشیہ و رد المحتار میں لکھتے ہیں: وما يقال أن الإمام المهدى يفتقد أبا حنيفة وده ملاحظ على القاري ---

یہ فرمایا کہ پہلے ہی سے مذہب تقلید کا انحطاط شروع کر دیا۔ اور لوگوں کے دلوں میں تحقیق واتباع

۔۔۔ فی رسالۃ المشرب الوردی فی مذهب المہدی وقرر فیہا أنه مجتہد مطلق ورد فیہا ما وضعہ بعض الکذابين من قصۃ طویلة۔ (ص: ۴۲) اسی صفحہ میں اس سے پہلے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی بابت تحریر فرماتے ہیں: قال الحافظ السيوطي في رسالة سماها الإعلام ما حاصله أن ما يقال أنه يحکم بمذهب من المذاهب الأربعة باطل لا أصل له وكيف يظن بنبي أنه يقلد مجتهدا مع أن المجتهد من أحاد لهذه الأمة لا يجوز له التقليد وإنما يحکم بالاجتهاد أو بما كان يعلمه قبل من شرعنا بالوحي أو بما تعلمه منها وهو في الدعاء أو أنه ينظر في القرآن في فهم منه كما كان يفهم نبينا (عليه الصلاة والسلام) وذكر ملا علي القاري أن الحافظ ابن حجر العسقلاني سئل هل ينزل عيسى (عليه السلام) حافظاً للقرآن والسنة أو يتلقاهما عن علماء ذلك الزمان فأجاب لم ينقل في ذلك شيء صريح والذي يليق بمقامه (عليه السلام) أنه يتلقى ذلك عن رسول الله (ﷺ) فيحكم في أمته كما تلقاه منه لأنه في الحقيقة خليفة عنه۔ اور خود بخود پیغمبر صاحب (ﷺ) نے بھی فرمایا کہ عامل باللحدیث ہوں گے۔ چنانچہ امام مہدی کی بابت ایک حدیث میں فرمایا: ويعمل في الناس بسنة نبهم اس حدیث کو امام احمد اور ابو داؤد اور حاکم نے روایت کیا۔ علامہ شوکانی التوضیح فی تواتر ما جاء في المہدی المنتظر والذجال والمسیح میں اس حدیث کی بابت فرماتے ہیں: وأخرجه أيضا الطبراني في الأوسط ورجالہ رجال الصحيح۔ یعنی (یہ حدیث اس درجہ کی صحیح ہے کہ) اس کے راوی وہی ہیں جو صحیح بخاری کی احادیث کے راوی ہیں۔ اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا: يقول بسني۔ یعنی میری سنت (حدیث) کے ساتھ (مسئلہ) کہا کریں گے۔ أخرجه الطبراني في الأوسط اور حضرت عیسیٰ کی بابت فرمایا: فإما حكم منكم۔ راوی حدیث ابن ابی ذئب اس کے معنی بتاتے ہیں: أمكم بكتاب ربكم عز وجل وسنة نبيكم (ﷺ)۔ یعنی وہ قرآن وحدیث کے ساتھ تم پر حکومت کریں گے۔ أخرجه مسلم۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ مسیح موعود ومہدی منتظر ان مذاہب میں سے کسی کے مقلد نہ ہوں گے بلکہ وہ خود مجتہد اور عامل بالقرآن واللحدیث ہوں گے نہ کسی اور کے اجتہاد وراے کے پابند۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے زمانے میں جو ان کا طریقہ عمل وطریقہ ہوگا، ان کے خلاف کوئی اپنا علیحدہ مذہب وطریقہ قائم نہیں رکھ سکتا۔ لہذا ان مذاہب کی خاص غاص تقلید اور ان کی تخصیص اور ان کی تقلید ان کے وقت میں قائم نہیں رہ سکتی۔ اور علامہ شعرانی اہل کشف کا مکاشفہ اور نیز اپنی تحقیق بھی لکھتے ہیں کہ امام مہدی کے وقت میں ان تمام مذاہب کی تقلید و تقلید باقی رہے گی۔ چنانچہ عبارت یہ ہے: إلى أن يخرج المہدی (عليه السلام) فيبطل في عصره التقليد بالعمل بقول من قبله كما صرخ به أهل الكشف ويلهم الحكم بشريعة محمد (ﷺ) بحكم المطابقة بحيث لو كان رسول الله (ﷺ) موجوداً لاقوه على جميع أحكامه كما أشار إليه في حديث ذكر المہدی بقوله يقفوا أنري لا يخطئ۔ (ص: ۴۲، مطبوعہ مہدیہ مصر) بعض اہل کشف کا یہ بھی کشف ہے کہ مقلدین مسیح موعود ومہدی کی تکذیب کریں گے۔ والله أعلم۔

حدیث و پیروی دلیل کا الہام کیا تا کہ تقلید کے ضروری اوقات کے وقت عموماً لوگوں کو کسی کا اعجاب نہ ہو {وَيَأْتِي اللَّهَ إِلَّا أَنْ يُدَّخِرَ} (یعنی اللہ اپنے (سچے طریقے کی) روشنی بے پوری کیے نہیں رہنے کا۔^(۱) الحمد للہ کہ ہم اجمالی طور پر مذہب تقلید کی پوری سوانح عمری سے فارغ ہو گئے جس سے کافی طور پر اور بوضاحت ثابت ہو گیا کہ اسلام میں مذہب تقلید ایک مستحدث اور ناجائز مذہب ہے جس کا شارع نے حکم نہیں دیا بلکہ لوگوں نے از خود اس کو پیدا کر لیا۔ لیکن ہمارے اس تمام بیان سے یہ نہ خیال کر لینا چاہئے کہ اس سے ہماری یہ غرض ہے کہ کوئی جاہل کسی عالم کا اتباع نہ کرے یا کوئی عامی کسی مجتہد کا اعتبار نہ کرے۔ ہرگز نہیں اس لئے کہ بے علم کو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ مسلم والے کی طرف رجوع کرے یا یہ کہ ہم ان ائمہ مذاہب کو اہل حق یا مجتہد نہیں جانتے، نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ چاروں امام باوجود باہم تفاوت منازل کے امت کے افراد کا ملین اور مجلس اجتہاد کے اعلیٰ اراکین میں سے ہیں یا یہ کہ ہم کو نفس ان مذاہب سے کوئی خلاف و عناد ہے۔ اور ہم ان کو بالکل غلط و ناجائز اصول پر مبنی سمجھتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ مذاہب وہی منزل رکھتے ہیں جو ایک مجتہد کا مذہب منزلت رکھتا ہے بلکہ بیشتر اوقات ہم ایک مجتہد کے مذہب کی حیثیت سے ان مذاہب کو اور مذاہب پر ترجیح دیتے ہیں ہم کو ان مذاہب سے باستثناء خاص خاص مسائل کے کوئی خلاف نہیں۔

مقلدین اور اہل حدیث میں نقاط اختلاف:

تو اب وہ کون سی باتیں ہیں جن کی بناء اہل حدیث کو مقلدین سے خلاف ہے؟ وہ صرف

تین باتیں ہیں:

اول بات یہ ہے کہ اہل حدیث کہتے ہیں جب امام کافر مودہ مسئلہ قرآن یا حدیث کے

خلاف ثابت ہو جائے تو اس مسئلہ کو بے تکلف چھوڑ دینا چاہئے۔ تو ضیح اس کی یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ جائز طور پر کسی عالم کے قول کی پیروی کرنے کی کوئی وجہ ہے تو صرف یہی ہے کہ وہ عالم اللہ و رسول (ﷺ) کا حکم ہم کو پہنچاتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں اللہ و رسول (ﷺ) کے سوا کسی کا حکم واجب الاتباع اور لائق عمل نہیں بلکہ رسول (ﷺ) کی تابعداری بھی باذن اللہ ہے۔ {وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ} (یعنی ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اللہ کے اذن سے اس کی تابعداری کی جائے۔) ^(۱) اور اصل میں بجز اللہ جل شانہ کے کوئی نہیں ہے، جس کا حکم واجب العمل ہو۔ {إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ} (یعنی حکم سوا اللہ کے کسی کا نہیں۔) ^(۲) مگر خود اللہ ہی نے رسول (ﷺ) کی اطاعت ان کے تمام فرمانوں میں ہم پر فرض کر دی۔ {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ} (یعنی اے ایمان والو، تابعداری کرو اللہ کی اور تابعداری کرو رسول کی اور (اس کے خلاف کر کے) اپنے عمل کو باطل نہ کرو۔) ^(۳) اور فرمایا: {مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ} (یعنی جس نے رسول (ﷺ) کی حکم برداری کی تو اس نے اللہ ہی کی حکم برداری کی۔) ^(۴) لہذا ان کے تمام فرمان ہمارے لئے واجب العمل ہو گئے۔ اور کیوں نہیں وہ تبلیغ احکام الہی میں غلطی و خطاء سے معصوم تھے۔ ان کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم سے غیر نہ ہوتا تھا۔ وہ وہی حکم دیتے تھے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملتا تھا۔ {وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ} ^(۵) (یعنی اور وہ (محمد

(۱) سورۃ نساء: ۶۴۔

(۲) سورۃ یوسف: ۴۰۔

(۳) سورۃ محمد: ۳۳۔

(۴) سورۃ نساء: ۸۰۔

(۵) سورۃ النجم: ۴-۳۔

(طور پر بھیج دی) ہے اور ہم پر اس کی اطاعت فرض کر دی اور وہ خطا سے (معصوم ہے۔ پس اگر ہم ان میں سے کسی کی پیروی کریں تو یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (ﷺ) کا عالم ہے تو (اب دو تین حال سے) خالی نہیں یا اس کا قول صریح قرآن وحدیث سے ثابت ہو گا یا کسی طریقہ استنباط کے ساتھ ان ہی دونوں میں (کسی سے) مستنبط ہو گا۔ یا اس نے قرآن سے معلوم کیا کہ قرآن یا حدیث کا فلاں حکم فلاں صورت میں فلاں علت کی وجہ سے ہے اور اس کے دل میں یہی بات ٹھکن گئی تو اس نے ایک غیر منصوص صورت کو (جس کا حکم شارع سے اس کو صریحاً نہیں معلوم ہوا) اسی علت کے پائے جانے کی وجہ سے (اس منصوص صورت پر قیاس کر لیا تو گویا وہ کہتا ہے کہ مسیحا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے یوں فرمایا کہ جہاں کہیں یہ علت پائی جائے گی، وہاں یہی حکم ہو گا۔ اور قیاسی مسئلہ اسی عموم میں داخل ہے تو یہ مسئلہ بھی رسول (ﷺ) ہی کی طرف منسوب ہو گا۔ البتہ اس کے طریقہ (ثبوت) میں گمان (ضرور) ہے نہ یقین۔ جیسا کہ صریح مسئلہ میں یقین ہوتا ہے۔ غرض یہی بات ہے جس کی وجہ سے جائز ہوا کہ جاہل عالم کے قول پر عمل کرے) اور اگر یہ بات نہ ہو تو کبھی کوئی مومن (جو کر) کسی مجتہد کی تقلید نہ کرے (اور جب یہ بات ہے) تو اگر ہم کو اسی فقیہ کے مذہب

--- سے عمدہ جو شکل شکل مل سکتی تھی وہ بیان کی لیکن وہ بغیر ان باتوں کے تسلیم کیے پوری نہ ہو سکتی کہ (۱) اللہ نے کسی امام پر فتح نازل فرما کر اس کی اطاعت ہم پر فرض نہیں کی۔ (۲) کوئی امام خطا سے معصوم نہیں۔ (۳) قیاسی مسائل کسی امام کے ہوں اپنے اصل ثبوت ہی میں غلطی اور غیر یقینی ہیں۔ (۴) کسی عالم کی اقتداء اسی بات کو مد نظر رکھ کر جائز ہو سکتی ہے کہ اس کو قرآن وحدیث کا مسلک سمجھنا چاہئے۔ اگر یہ بات پیش نظر نہ ہو تو کسی مومن کو کسی عالم کی تقلید جائز نہیں۔ (۵) مجتہد کے بتائے ہوئے مسئلے کے خلاف پر دلالت کرنے والی جب بھی حدیث رسول کسی معتبر سند سے مل جائے تو فوراً مجتہد کے قول کو چھوڑ کر اس حدیث پر عمل کرے ورنہ سخت گنہ گار ہو گا اگرچہ یہ باتیں تو ایسی ظاہری ہیں، جن سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اور مقلدین کو بھی بغیر ان کے اقرار کیے ہوئے چارہ نہیں۔ مگر افسوس ہے کہ وہ عملی حیثیت سے ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ جہاں تک مشاہدہ کیا جاتا ہے، عموماً ان کا طرز عمل اپنے مذہب کے مسائل پر جمود اور اپنے امام کی تقلید میں تعصب کی وجہ سے ان باتوں سے سخت غیر ہے۔

کے خلاف کسی معتبر سند سے رسول (ﷺ) کی حدیث مل جائے جو (خطا سے) معصوم تھے (اور) جن کی اطاعت اللہ نے ہم پر فرض کر دی اور ہم ان کی حدیث کو چھوڑ دیں اور (فقہ کی اس تحسین (وگمان) کے تابع رہیں تو ہم سے بڑھ کر ظالم کون ہے۔ اور اس دن جب کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے، ہمارا کیا عذر ہو گا۔“

غرض کہ امام کا مسئلہ حدیث رسول اللہ (ﷺ) کے خلاف معلوم ہونے کی صورت میں امام کے قول کو چھوڑ کر حدیث رسول کو نہ لینا جان بوجھ کر مقصود اصلی کو چھوڑنا اور خود بخود خسران میں گرنا ہے۔

ائمہ مذاہب اربعہ کی تلقین عمل بالحدیث:

دوسرے وہ ائمہ جن کی تقلید کی جارہی ہے خود ہی صاف صاف ہدایت فرما گئے ہیں کہ جب حدیث رسول (ﷺ) مل جائے تو ہمارے قول کو چھوڑ دینا^(۱)۔ افسوس ہے کہ ان کی باتوں پر تو عمل کیا جاتا ہے مگر یہی بات ان کی قابل عمل نہیں سمجھی جاتی اور اس عمدہ ہدایت میں ان کا خلاف ہی کیا جاتا ہے۔ پس قول امام کو اختیار کر کے حدیث رسول (ﷺ) کو چھوڑنے والا نہ صرف اللہ و رسول کا مخالفت ہے بلکہ وہ اپنے امام کا بھی مخالفت ہے اور خود اس کے امام بھی اس سے بری ہیں۔ جیسا کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ علامہ شعرانی کے قول میں گزر چکا اور علامہ موصوف مشارق الأنوار^(۲) اللہ سیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

(۱) ہم چاہتے تھے کہ ائمہ اربعہ کے وہ اقوال جن میں انہوں نے سخت سخت تائید میں اس بات کی فرمائی ہیں کہ ہمارے قول کو حدیث رسول (ﷺ) کے سامنے چھوڑ کر حدیث رسول (ﷺ) پر عمل کرنا اور اپنے ایسے قولوں سے بہت کچھ بہتری ظاہر کی ہے نقل کرتے۔ مگر چونکہ یہ بات ایک بہت ظاہر اور کھلی ہوئی تھی اس وجہ سے اس میں طول دینا پسند نہ کیا۔ اگر کسی کو دیکھنا ہے تو القول المفید مؤلفہ علامہ شوکانی اور اعلام المؤمنین مؤلفہ علامہ ابن القیم اور مؤلفات شافعی ولی اللہ صاحب اور میزان شعرانی وغیرہ دیکھئے۔ باقی مستشرق اس کا بیان ہمارے رسالے میں بھی تھوڑا سا موجود ہے۔

(۲) عبارت یہ ہے: وسمعت سیدی علی النبی (رحمۃ اللہ علیہ) يقول لفقہہ ایک یا ولدی وإن تعمل برائی رأیتہ فخالفا لما صح لہی الأحادیث و تقول هذا مذهب إمامی فإن الأئمة کلہم تبرؤا من أقوالہم إذا خالفت ---

”میں نے اپنے پیشوا علی بن ابی طالب (رحمہ اللہ) کو سنا کہ وہ ایک فقیہ سے فرماتے تھے۔ اے بیٹے! اس سے بچنا کہ ایسی رائے پر جس کو تم احادیث صحیحہ کے مخالف دیکھو (کبھی) عمل کرنے لگو اور یہ کہنے لگو کہ (میں اس رائے پر عمل اس لئے کرتا ہوں کہ) یہ میرے امام کا مذہب ہے۔ کیونکہ امام ہمارے کے سارے اپنے اقوال سے جب کہ وہ صریح حدیث کے خلاف ہوں بری ہو چکے ہیں۔ اور جب بالضرورت ہم انہیں میں سے کسی کے مقلد ہو تو اس کی کیا وجہ ہے کہ تم ان کے اس قول میں (کہ جب ہمارا قول حدیث کے خلاف پاؤ تو حدیث پر عمل کرنا) ان کی تقلید نہیں کرتے اور دلیل پر (کہ وہ حدیث رسول (ﷺ) اور ایک یقینی چیز ہے) عمل نہیں کر لیتے۔ جیسا کہ امام کے قول پر (صرف) اس احتمال پر کہ (شاید) ان کے پاس کوئی دلیل ہو جس پر ہم کو اطلاع نہ ہوئی ہو، عمل کرتے ہو۔“

غرض کہ اور سب باتوں سے قطع نظر کر کے اگر صرف امام ہی کی تقلید پر اصرار ہے تو امام بھی تو فرما گئے ہیں کہ جب ہمارا قول حدیث کے خلاف ہو تو حدیث ہی پر عمل کرنا۔ تاہم حدیث ہی پر عمل ہونا چاہئے۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ امام کا قول حدیث رسول (ﷺ) کے خلاف ہونے کی صورت میں مدار عمل حدیث رسول پر ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت تکوینی:

اور یہ بات اسلام کے اندر ایسی ظاہر ہے کہ اس کے لئے کسی سند و دلیل کی یا اس کی بابت کسی امام یا مجتہد کے کہنے کی ضرورت نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اللہ جل شانہ کا ان ائمہ کے منہ سے اس بات کا نکلنا ان مابعد کے زمانے میں آنے والے ان کے مقلدوں پر حجت قائم کرنے کے لئے تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس کی ان کو کہنے کی ضرورت ہوتی یا ان کے کہنے پر

--- صریح السنۃ وانت مقلد لأحدہم بلا شک فما لک لا تقلدہم فی هذا القول وتعمل بالدلیل کما

تعمل بقول إمامک لا احتمال أن یکون لدلیل لم تطلع أنت علیہ۔

موقوف رہتی۔ بلکہ اس بات کا سرے سے منہ پر لانا ہی گراں و نازیبا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس سے بدالام میں دوسرے کے قول کی حدیث رسول (ﷺ) کے ساتھ ایک ہمسری اور مساوات کی سی صورت پیدا ہوتی ہے کہ پھر حدیث رسول (ﷺ) کو ترجیح دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر وہ تو ان مقلدین پر حجت قائم ہونا بھی ایک ضروری امر تھا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان اماموں کے دل میں کچھ ایسے ایسے خیالات پیدا کر دیے جن کے سبب سے ان کے منہ سے یہ بات نکل ہی گئی اور ان کے مقلدین پر پوری پوری حجت قائم ہو کر رہی۔ افسوس کہ اس پر بھی مقلدین نے نہ مانا۔ اور گو قولا تو وہ بھی اس کا انکار کسی طرح نہ کر سکے اور نہ کر سکتے تھے مگر عملاً اس کا خلاف ہی کرتے رہے۔ چنانچہ مشاہدہ و شاہدہ ہے۔ جس کا جی چاہے ان کے مخالف مذہب حدیث پیش کر کے دیکھ لے۔ اس کے علاوہ ہم پہلے بشہادت کتنے مستند علماء کے اس کا ثبوت دے چکے ہو اور جو ایسا نہ کرے پھر ہم کو اس سے اس بات کی کوئی شکایت نہیں) بلکہ بعض تو ان ائمہ کے خود اس قول ہی کے کچھ اور ہی طرح کے معنی بنانے لگے۔ جن کے متعلق اگر موقع ملا تو ہم آگے ان شاء اللہ تحریر کریں گے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

سردست ہم اس جگہ ایک ایسے شبہ کی بابت کچھ لکھنا پسند کرتے ہیں جس کا اس موقع پر ایک طالب حق کے دل میں پیدا ہونا کچھ بعید نہیں۔ وہ یہ کہ یہ تو مسلم ہے کہ امام اعظم صاحب اور نیز بقسبہ تینوں امام بڑے بڑے عالم و امام و مجتہد تھے۔ اور جناب رسول اللہ (ﷺ) کے زمانہ مبارک سے قریب۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث رسول (ﷺ) کا خلاف کریں۔ یا وہ رسول (ﷺ) کی کسی حدیث سے بے خبر رہیں۔ اور ہم کو خبر ہو جائے کہ ہم ان کی غلطی پکڑیں یا ان کی باتوں میں اصلاح دیں۔ ہم لوگوں کی کیا ہستی ہے کہ ہم ان جیسے بقہر عالموں کا کوئی مسئلہ حدیث کے خلاف ثابت کر سکیں۔ تو بات یہ ہے کہ علم حدیث ابتداء زمانہ میں بہت منتشر اور مشکل الحصول تھا۔ جس کا فراہم کرنا

سخت دشوار تھا۔ اور تمام تر کوشش صرف کرنے سے بھی اس کی تھوڑی ہی مقدار حاصل ہو سکتی تھی۔ کم و بیش ائمہ اربعہ^(۱) نے یہی زمانہ پایا۔ اور جیسا زمانہ گزرتا گیا وہ مجتمع اور سہل الحصول ہوتا گیا۔ کہ جس کا حاصل کرنا آسان ہو گیا۔

شرح اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ (ﷺ) جب اوقات مختلفہ میں احکام اسلام تعلیم فرمایا کرتے تھے تو سارے صحابہ اور مسلمان سب کے سب ہر وقت و ہر موقع پر حضور میں حاضر و موجود نہ ہوتے تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ اس لئے کہ وہ مشاغل اسباب معیشت اور امور خانہ داری اور ضروریات بشری کو بھی انجام دیتے تھے کوئی تجارت و دکانداری کرتا تھا۔ کوئی محنت مزدوری کر کے بسر اوقات کرتا تھا۔ کوئی کھیتی و باغبانی کا شغل رکھتا۔ کوئی اور پیشہ کرتا تھا۔ کسی کو کوئی اور ضرورت مجبور کرتی تھی کہ وہ اس میں جا کر مصروف ہو۔ اس وجہ سے کسی طرح نہ ہو سکتا تھا کہ ہر وقت ہر شخص حضور انور میں حاضر ہی رہے کہ جو کچھ ارشاد ہو ہر ایک کو اس کا علم ہو جانا ضرور ہو۔

اس کے علاوہ بہت سے مسلمان ایسے تھے جو دوسرے دوسرے شہروں و قصبوں و گاؤں کے رہنے والے تھے لہذا وہ کبھی کبھار حاضر ہوتے تھے اور مسافرانہ طریقہ سے کچھ عرصہ تک خدمت میں حاضر رہ کر اپنے وطن کو واپس چلے جاتے تھے بعض بے چارے کل مدت العمر میں ایک ہی آدمہ بارشرف صحبت سے مشرف ہو سکے۔ یہ لوگ حضور (ﷺ) سے احادیث اور بھی کم پاسکے۔

علاوہ ازیں بہت سے اوقات ظہور حدیث کے ایسے ہوتے تھے، جو خاص خاص اور خلوت کے اوقات تھے جن میں غیر لوگ موجود نہ ہو سکتے تھے۔ اور سوائے خاص افسراد (مثل ازواج مطہرات وغیرہ) کے اور لوگ ان احادیث پر مطلع نہ ہو سکتے تھے۔ اس کے برعکس بعض مواقع

(۱) یا امام احمد صاحب کو ان میں سے مستثنیٰ کر دینا چاہئے۔ تاہم امام احمد صاحب کے مابعد زمانہ میں ان کے زمانے سے زیادہ تحقیقات اور کثرت فراہمی احادیث ایک مقدار تک علاوہ صحیح و تیسیر کے ضرور ہوئی۔ چنانچہ کچھ تفصیل آگے ان شاء اللہ آئے گی۔

(مثل سفروں وغیرہ کے) ایسے ہوتے تھے کہ ان میں وہ خاص افراد موجود نہ ہوتے تھے۔ اور ایک دوسرا ہی گروہ ان احادیث سے مستفید ہوتا تھا۔

قلع نظر اس سب کے ظہور حدیث کی حالت یہ تھی اور یہی ہو سکتی تھی کہ وہ عند الحاجات اور بحسب ضرورت اور بحسب سوال سائل بلا تعین و بلا تخصیص کسی وقت کے بیان فرمائی جایا کرتی تھی۔ اس کے لئے کوئی خاص وقت یا خاص موقع مقرر نہ تھا کہ اس وقت پر سب کے سب آکر جمع ہو جائیں۔ اور بیان کیا موقوف آپ تو قولاً، فعلاً، تقریراً ہر طرح سے معلم بنا کر بھیجے گئے تھے اور آپ کے اقوال و افعال و اوضاع و اطوار اور ہر بات سے احکام شرع نکلتے تھے۔ جو شخص جتنی دیر حضور میں حاضری کا شرف حاصل کرتا اسی قدر وہ استفادہ کر سکتا۔ اور جتنی دیر کو غائب رہتا اتنی دیر کے علوم سے محروم رہتا۔

اگرچہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک کو دوسرے سے خبر ہو جاتی تھی۔ مگر نہ سب کو اور نہ ہر حدیث کی۔ اس لئے اس کا کوئی انتظام نہ تھا، اور نہ اس زمانے کی حالت پر غور کرنے سے ایسا انتظام ہونا آسان تھا کہ کسی ایک شخص کو یا ہر شخص کو جملہ احادیث و جملہ واقعات کی تمام لوگ جن جن کو جو معلوم ہوں وہ خبر کر دیں۔ اور نہ کوئی اس کا بند و بست کر لیا گیا تھا کہ جو کچھ فرمادیں، اس کو قلم بند کر کے سب کو یکجا جمع کر دیا جائے جیسا کہ پہلے ہی تم کو معلوم ہو چکا۔ پس یہ کسی طرح عادتاً ممکن نہ تھا کہ ہر ایک فرد صحابہ کو یا کسی ایک کو جملہ احادیث رسول اللہ (ﷺ) کا احاطہ ہوتا اور کوئی حدیث اس کی علم سے باہر نہ ہوتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا خلفائے اربعہ^(۱) جیسے اولوا العزم صحابہ سے خصوصاً ابو بکر (رضی اللہ عنہ) جنہوں نے شرف مساجد اور نعمت معیت کا بڑا حصہ لیا اور اکثر سفر و حضر میں ساتھ رہے اور جن کو علم

(۱) خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ سے کتنی احادیث منجلی رہ گئیں؟

چنانچہ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو جہد کی میراث والی حدیث معلوم نہ تھی۔ یہ حدیث مغیرہ بن شعبہ اور ---

کے لینے کا طبعی شوق تھا بہت ایسی احادیث مخفی رہیں جو بعض دیگر صحابہ کو باوجودیکہ ان کے

۔۔۔ محمد بن مسلمہ سے ان کو معلوم ہوئی۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو تین بار آواز دے کر لوٹ جانے والی حدیث معلوم نہ تھی۔ آخر ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) وغیرہ سے معلوم ہوئی۔ اور نیز ان کو دیت جنین کی حدیث معلوم نہ تھی۔ وہ وغیرہ بن شعبہ سے معلوم ہوئی۔ اور نیز ان کو انگلیوں کی دیت کی حدیث معلوم نہ تھی۔ اس وجہ سے انہوں نے انگوٹھے اور اس کے پاس والی انگلی کی دیت میں ہیکس اونٹ کا حکم جاری کر دیا۔ آخر دوسرے صحابہ سے معلوم ہوا کہ پیغمبر صاحب (ﷺ) نے سب انگلیوں میں دس دس اونٹ کی بابت حکم فرمایا تھا۔ تب انہوں نے اپنے قول سے رجوع کیا۔ اور نیز بخونس سے جزیہ لینے کی حدیث ان کو معلوم نہ تھی۔ وہ عبدالرحمن (رضی اللہ عنہ) بن عوف سے معلوم ہوئی۔ و نیز ان کو دیت زوج میں سے عورت کے میراث پانے کی حدیث معلوم نہ تھی۔ آخر ضحاک بن سفیان نے جو دیہات میں رہتے تھے، ان کو لکھ کر بھیجا کہ پیغمبر صاحب (ﷺ) نے میراث دلائی ہے۔ تب انہوں نے اس کو اختیار کیا۔ اور نیز ان کو انبیاء کے نام پر نام رکھنے کی حدیث معلوم نہ تھی، اس وجہ سے وہ انبیاء کے نام پر نام رکھنے سے منع کرتے تھے۔ حتیٰ کہ طلحہ سے معلوم ہوا تب رجوع کیا۔ و نیز ان کو اس کی کہ نماز میں شک پڑے تو کیا کرے حدیث معلوم نہ تھی۔ آخر عبدالرحمن (رضی اللہ عنہ) بن عوف نے ان کو اس کی حدیث بتائی۔ اور نیز ان کو طاعون ہونے کی خبر معلوم ہوئی۔ تو ان کو تردد ہوا کہ کیا کرنا چاہئے۔ ساتھ جو صحابہ تھے ان سے مشورے کیے۔ اور بھی کسی کو کوئی صریح حدیث اس کی بابت معلوم نہ تھی۔ آخر عبدالرحمن (رضی اللہ عنہ) بن عوف وہ کہیں گئے ہوئے تھے، جب آئے تو انہوں نے جو حدیث رسول اللہ (ﷺ) سے سنی تھی بیان کی، تب اس کے موافق عمل ہوا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس جلسہ میں جو اور بہت اکابر صحابہ مہاجرین و انصار موجود تھے، ان کو بھی یہ حدیث معلوم نہ تھی۔ اسی طرح اور بھی بیسیوں نظیریں ہیں۔ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کو متوفی عنہا زوجہا کے محل عدت کی حدیث معلوم نہ تھی، آخر فریجہ بنت مالک نے بتائی۔ اور نیز حالت احرام میں شکار کے گوشت کے منع ہونے کی حدیث معلوم نہ تھی آخر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے بتائی وغیرہ وغیرہ۔ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو انبیاء کے مال میں وراثت جاری نہ ہونے کی حدیث معلوم نہ تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کو اس عورت کے مہر کی بابت حدیث معلوم نہ تھی، جس کے خاوند نے انتقال کیا اور کچھ مہر مقرر نہ کیا تھا۔ عرصہ کے بعد معقل بن یسار سے معلوم ہوئی۔ اور نیز ان کو جنہی کے لئے تیمم مشروع ہونے کی حدیث معلوم نہ تھی وغیرہ۔ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کو حضرت (ﷺ) کے ظہر و عصر میں قرأت کرنے کی حدیث معلوم نہ تھی۔ حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو مسح خنجر کی حدیث معلوم نہ تھی اور نیز ان کو روزہ دار کی حالت جنابت میں بیحج کرنے کی حدیث معلوم نہ تھی۔ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والی حدیث معلوم نہ تھی، و نیز مسح خنجر کی حدیث معلوم نہ تھی۔ اس قسم کی مثالیں ان صحابہ کی اور اسی طرح اور صحابہ کی کتب حدیث میں بکثرت موجود ہیں۔ جس قصہ سے ہم نے لکھیں اس سے زائد رسالہ طلب المنفعة فی الذب عن المجتہدین الاربعہ میں مذکور ہیں۔ اسی طرح اس کی بھی بہت نظیریں ہیں کہ نص کے بدلے پختے کی وجہ سے جس بات کے وہ قائل ہوئے برابر وہ اسی کے قائل رہے۔ ان کو نص پہنچی ہی نہیں یا خیال میں نہ آئی۔۔۔۔۔

مقابلے میں فضل و معیت و صحبت کا بہت کم حصہ رکھتے تھے معلوم نہیں۔ چنانچہ عسلم حدیث سے جو شخص تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتا ہے، اس کے سامنے اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ اور جب ان اکابر کا جو شرف مصاحبت رسول (ﷺ) اور نیز محبت علم دونوں کا بڑا حصہ رکھنے والے تھے۔ یہ حال ہے تو

بعض صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا احادیث منسوخ پر عمل:

یہ کہ ایک منسوخ حکم کے قائل رہے اور ان کو ناخ معلوم نہ ہوا۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) جنس کے لئے جواز تیمم کے قائل نہ تھے۔ بلکہ فرماتے تھے پانی نہ پائے تو نمازی نہ پڑھے۔ اور حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) موزوں کے مسح میں توقیت کے قائل نہ تھے۔ بلکہ اجازت دیتے تھے جب تک چاہے مسح کرتا رہے۔ اس کی بابت جو احادیث وارد ہوئیں، ان کو نہ پہنچیں۔ و نیز وہ غسل کے وقت عورتوں کو ہال کھولنے کا حکم دیتے تھے۔ حالانکہ ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کی حدیث میں اجازت وارد ہوئی وہ ان کو نہ پہنچی تھی۔ اور ہند کو مستحاضہ والی حدیث نہ پہنچی تھی، لہذا وہ استحاضہ میں نمازی نہ پڑھتی تھیں۔ اور حضرت ابن عمر اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص دریا کے پانی سے جواز طہارت کے قائل نہ تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) نیند کو ناقض وضو نہ کہتے جیسے اور جس قدر چاہے سوتا رہے۔ مگر وضو نہیں جاتا۔ حضرت ابن مسعود (رضی اللہ عنہما) رکوع میں بھائے گھٹکوں پر ہاتھ رکھنے کے دونوں ہاتھوں کو ملا کر رانوں کے بیچ میں رکھتے تھے جس کو تطبیق کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ پہلے تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ ان کو ناخ معلوم ہوا۔ اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) بھی تطبیق کی اجازت دیتے تھے، ناخ ان کو بھی نہ پہنچا۔ حرمت خمر کے بعد بعض برعواں کا استعمال جن میں وہ لوگ شراب زیادہ پیتے تھے منع فرمایا تھا۔ بعد کو یہ حکم منسوخ کر دیا۔ مگر حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) اور حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) منع ہی سمجھتے رہے ان کو ناخ نہ پہنچا۔ اسی طرح نکاح متنع منسوخ ہوا مگر کتنے صحابہ کو ناخ نہ پہنچا وہ جانو ہی کہتے ہیں۔ جیسے عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما)، جابر، اسماء بنت ابی بکر، معاویہ، ابو سعید وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان میں سے بعض کار جو ع کرنا بھی منقول ہے۔ اس قسم کی مثالیں ہزاروں ہیں۔ جس کو علماء کے مذاہب پر اختلاف ہے وہ بکثرت اس کی مثالیں پاتا ہے۔ بعض شراح نے ان آثار کو احادیث مرفوعہ کے خلاف دیکھ کر بعض بعض میں کچھ کچھ تاویلیں بھی کہیں ہیں مگر اس میں کچھ استبعاد نہیں کہ ان کو حدیث رسول (ﷺ) نہ پہنچی۔ اس وجہ سے انہوں نے ایسا سمجھ لیا کہ ناخ۔ اور صحابہ کے جو تسلیم و انقیاد کی حالت تھی وہ کبھی جائز نہیں رکھتے کہ حدیث رسول (ﷺ) معلوم ہو جانے کے بعد وہ ایسا کرتے۔ ہم نے جو کچھ لکھا عوام کے سمجھانے کے لئے واقعی حالات لکھے۔ اس سے کسی کی منقست شان یا توہین مراد نہیں۔ مآشاؤکلا۔ ہمارا یا کسی کا کیا منہ کی کوئی ایسا کرے۔ اور نہ اس سے ان کی کوئی منقست شان ہوتی ہے۔ بلکہ یہ جو کچھ ہوا وہی مقتضاء وقت تھا اس کے خلاف کیسے ہو سکتا تھا۔

اوروں کی حالت کا اسی پر اندازہ ہو سکتا ہے۔

عصر صحابہ (رضی اللہ عنہم) اور حدیث:

غرض اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ طبقہ صحابہ میں احادیث یکجا جمع نہ تھیں بلکہ وہ تمام صحابہ پر منقسم اور ان میں منتشر تھیں، جس کو جس قدر معلوم تھیں، اسی کا دل اس کا خزانہ تھا، اور وہ اس کے ساتھ ہی ساتھ رہتی تھیں۔ ہر شخص^(۱) اپنی اپنی معلومات پر عمل کرتا تھا، جب کوئی نئی ضرورت پیش آتی، کسی دوسرے سے جو مل جاتا دریافت کر لیتا کہ اس کی بابت شاید اس کے علم میں کوئی حدیث رسول ہی ﷺ ہو مل جاتی تو قبہا ورنہ قیاس و اجتہاد پر عمل کرتا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اجتہاد پر عمل کے بعد کہیں اتفاق سے کوئی صحابی مل گیا اور اس سے اس کی بابت کوئی صریح حدیث معلوم ہو گئی، بعض^(۲) بعض صحابہ اپنی مدت العمر یا ایک عرصہ تک بعض منسوخ حکموں پر عمل کرتے رہے۔ اور ان کو ناسخ نہ پہنچا۔ اس کی نظیریں نہ صرف اصغر صحابہ میں ملتی ہیں بلکہ اکابر صحابہ میں بھی موجود ہیں۔

صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں اختلاف کی وجہ:

بڑی وجہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے مسائل میں باہم اختلاف کی یہی ہے۔ گو اختلاف کی وجہ اور بھی ہیں مگر سب سے بڑی وجہ یہی (ہر ایک صحابہ کو تمام احادیث کا نہ پہنچنا) ہے۔ چنانچہ اس قسم کے اختلافات جو اول طبقہ میں واقع ہوتے تھے بعد کے زمانوں میں جب کہ احادیث عام طور پر ظاہر

(۱) چنانچہ ایک قول شامی صاحب کا اس کی بابت پہلے گزر چکا ہے۔ اور شامی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں لکھتے ہیں: فبین

الشافعی أن العلماء من الصحابة والتابعين لم يزل شأنهم أنهم يطلبون الحديث في المسئلة، فإذا لم يجدوا تمسكوا بنوع آخر من الاستدلال ثم إذا ظهر عليهم الحديث بعد رجعوا من اجتہادهم إلى

الحديث۔ (ص: ۱۵۲)

(۲) دیکھو: ماشیہ سابق۔

ہو گئیں^(۱) رفع ہو گئے اور جو باقی رہے ان کے باقی رہنے کی کوئی دوسرے وجود پیش^(۲) آگئے۔
طبقہ صحابہ میں جو ہم نے احادیث کے منتشر و متفرق ہونے کا بیان کیا۔ یہ اس وقت اور زائد ہو گیا جب
کہ صحابہ مختلف بلاد میں پھیلے اور دور دراز ممالک میں منتشر ہو گئے۔

بعد میں اختلاف کے باقی رہنے کی وجہ:

جب تک رسول اللہ (ﷺ) اپنے وجود باوجود سے اس عالم کو منور فرماتے رہے۔ تمام
صحابہ کا رخ مدینہ منورہ کی طرف کو تھا اور وہ لوٹ پھر کر اسی کی طرف رجوع کرتے تھے اور پروانہ کی
طرف شمع عالم پر آ کر فدا ہوتے تھے۔ جب پیغمبر نے وفات پائی تو یہ زبردست مرکزی کشش چونکہ فوت
ہو گئی۔ لہذا صحابہ اور بھی جا بجا منتشر ہو گئے۔ خصوصاً جب کہ اسلامی دنیا زائد وسیع ہوئی اور دور دراز کے
ممالک فتح ہو گئے، اور صحابہ دینی و دنیاوی انتظام کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں اور دور دور
مقاموں پر بھیجے گئے تو اب وہ علم جو ان کے سینوں میں تھا اور بھی منتشر و متفرق ہو گیا۔

طبقہ تابعین میں اشاعت حدیث کا حال:

طبقہ صحابہ کے بعد طبقہ تابعین کا آیا۔ تابعین نے علم صحابہ سے لیا ہر تابعی کو ان صحابی سے کہ
جو ان کی اپنی بستی میں موجود تھے۔ بشرط قصد حاصل کرنا تو آسان ہی تھا۔ ان کے پاس جس قدر مل

(۱) مثلاً مسائل مذکورہ میں سے جب کے لئے تیمم ناجائز ہونا۔ مستحاضہ کا نماز عید ہنا۔ دریا کے پانی سے طہارت کا جائز نہ
ہونا۔ رکوع میں تطہیق۔ قربانی کا گوشت تین دن سے زائد رکھنا منع ہونا۔ متعہ کا جائز ہونا ان مسائل کا پچھلے مشہور علماء میں سے
کوئی قائل نہ ہا اور ان مسائل میں اختلاف رفع ہو گیا۔

(۲) مثلاً یہ کہ کوئی امام کسی صحابی کے مذہب پر خود بھی اس کی بابت حدیث نہ پانے کی وجہ سے قائم ہوا تھا۔ اسکے بعد اس
کے مقلد اسی مذہب پر چلے جاتے ہیں، لہذا وہ ایک مذہب قائم ہو گیا گو اس کے مخالف حدیث ظاہر ہو گئی اور وہ مذہب اب
قائم نہ رہنا چاہئے مگر ان مقلدوں نے اختلاف کو قائم رکھا اور اس مذہب کو چھوڑ نہ دیا۔ اس کی مثالیں زیادہ حنفی و مالکی مذہب
میں موجود ہیں۔

مکان سے حاصل کیا اور پھر اپنے اپنے شوق اور حوصلے اور وسعت اور برداشت مصائب کے لائق جن سے جتنا بن پڑا، دوسرے دوسرے شہروں میں جا کر دوسرے صحابہ سے حدیثیں لیں۔ کوئی دو سے ملا کوئی چار سے ملا۔ کوئی دس سے کوئی بیس سے کوئی زیادہ سے۔ مگر اس طبقہ میں بھی انتشار احادیث کی قریب قریب وہی حالت تھی جو زمانہ صحابہ میں تھی۔ تابعین میں سے وہی شخص تمام احادیث نبویہ پر محیط ہو سکتا تھا، جو تقریباً تمام افراد صحابہ سے جن کی تعداد ^(۱) تقریباً لاکھ سو لاکھ بلکہ اس سے بھی زائد تھی۔ اور جو دنیا کے دور دراز حصوں اور مختلف ممالک میں منتشر ہو گئے تھے۔ ہر ایک سے ملتا اور ہر ایک کی خدمت میں رہتا، اور ہر ایک سے ان کی معلومات کو حاصل کرتا (اور پھر ہر ہر صحابی تعلیم کے وقت ان سب احادیث کو جو ان کو معلوم تھیں، بلا وقوع ^(۲) اس کے متعلق کسی حادثے کے یاد بھی لے آتا اور ان میں سے کسی حدیث کا اس کو ذہول بھی نہ ہوتا) حالانکہ ایسا ہونا امکان بشری سے خارج ہے، خصوصاً اس وقت میں جب کہ سفر سخت دشوار تھا، اور ذرائع سفر بہت کم تھے اور سلسلہ مراسلت مکاتبت کا بھی پورا انتظام نہ تھا۔ اس طبقہ سے ایک نئی خرابی یہ شروع ہو گئی تھی کہ ہر شخص پر اعتبار نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اس طبقہ کے کل افراد ثقہ نہ تھے۔ بلکہ ان میں غیر معتبر ^(۳) اور مجروح بھی

(۱) اس وقت ہمارے پاس کوئی ایسی کتاب موجود نہیں، جس سے ہم صحیح تعداد صحابہ کی لکھ سکیں مگر ہم نے جو یہ تعداد لکھی وہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ غزوہ تبوک میں تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی، اور غزوہ تبوک کے بعد پھر اور لوگ بھی مسلمان ہوئے تھے۔ الوداع میں حاضرین کی جو تعداد بتائی گئی وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ایک روایت میں ایک لاکھ چودہ ہزار ہے۔ دیکھو: شروع مشکوٰۃ بیان قصہ حجۃ الوداع۔ اور ظاہر ہے کہ حجۃ الوداع میں تمام جہاں کے مسلمان مرد و عورت شامل ہو سکے تھے، بلکہ خود مدینہ کی بابت عقل تسلیم نہیں کرتی کہ تمام مردوں عورتوں بچوں گل مسلمانوں نے مدینہ کو خالی کر کے کفار کے لئے چھوڑ دیا تھا، پس جب حاضرین کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا چودہ ہزار تھی تو کل صحابہ ضرور اس سے زائد تھے۔ واللہ اعلم۔

(۲) اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک بات کو جانتا ہے مگر یاد وہ اسی وقت آتی ہے کہ اس کے متعلق کوئی واقعہ پیش آئے اور ویسے اس کی طرف خیال بھی نہیں جاتا۔

(۳) دیکھو: کتب اسماء الرجال اور خطبہ صحیح مسلم۔ تابعین ہی میں سے جابر جعفی اور عاتق بن عمرو جن کو کذب اور متروک کہا گیا ہے۔ دیکھو: خطبہ صحیح مسلم وغیرہ۔

ہونے لگے تھے۔ طبقہ صحابہ اس عیب سے پاک رہا۔ پس مابعد کے زمانوں میں اس کی بھی ضرورت پیدا ہوگئی تھی کہ جس کی حدیث لی جائے اس کو پرکھا بھی جائے۔ ان زمانوں میں بہت سی مصنوعی^(۱) اور موضوع حدیثیں بھی مشہور ہوگئی تھیں۔ طبقہ تابعین کے بعد طبقہ تبع تابعین میں بھی فن حدیث^(۲) منتشر ہی تھا۔ اور یہ انتشار کم و بیش اس وقت تک رہا کہ فن حدیث مجتمع ہو کر مکمل ہو گیا اور احاطہ تحریر میں لا کر ان کی کتابیں بن گئیں، جس کا ذکر تم اوپر پڑھ چکے ہو۔

منتقدین کی مشکلات اور متاخرین کے لئے آسانیاں:

مگر ان طبقات میں جب کہ اور امور سے قطع نظر کر کے صرف تقدم و تاخر زمانے کے لحاظ سے دیکھا جائے تو پچھلے زمانہ کے طبقات کے افراد بہ نسبت پہلے زمانے کے افراد سے مقدار احادیث کا زیادہ حصہ پاتے گئے۔ نظیر کے طور پر دیکھو۔ مثلاً: ایک تابعی دس ایسے صحابی سے مل سکا جن سے اس کو دس حدیثیں ملیں، تو اس تابعی کو سو حدیثیں یاد ہو گئیں۔ ایک تبع تابعی دس ایسے تابعین سے مل لیا تو اس کو ہزار حدیثیں مل گئیں۔ ایک تبع تابعی دس ایسے تبع تابعین سے مستفید ہوا تو اس کو دس ہزار حدیثیں مل گئیں۔ اسی طرح یہ سلسلہ ترقی پکڑتا گیا۔ حتیٰ کہ امام بخاری (رحمہ اللہ) کو جو کہ جو تھے پانچویں طبقہ میں ہیں چھ لاکھ^(۳) حدیثیں ملیں، حالانکہ امام مالک (رحمہ اللہ) جو ان سے دو

(۱) دیکھو: فتح المغیرۃ شرح الغنیۃ الحدیث اور کچھ اس کا تذکرہ ہمارے اگلے حواشی میں بھی آتا ہے۔

(۲) گو تدوین کا لگا تو لگ گیا تھا، مگر تھا منتشر ہی۔

(۳) جیسا کہ پہلے خود امام بخاری کا قول بضم عبارت مقدمہ فتح الباری گزر چکا، اور یہ خیال کرنا سخت غلطی ہے کہ ان میں سے صحیح اسی قدر تھیں جتنی انہوں نے اپنی صحیح (صحیح بخاری) میں درج کیں، جیسا کہ نعمانی صاحب کی عبارت سیرۃ النعمان ص: ۱۵۴ کہتی ہے۔ خود امام بخاری سے منقول ہے، انہوں نے بہت سی احادیث صحیحہ بخوف طول اس کتاب میں درج نہیں کیں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جتنی چھوڑ دیں وہ زائد ہیں، ان سے جتنی اس میں درج کیں۔ دیکھو: مقدمہ فتح الباری ص: ۶ وغیرہ۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری میں بحذف تکرار کل دو ہزار چھ سو تین حدیثیں ہیں۔ دیکھو ص: ۵۶۳ اور امام بخاری سے منقول ہے کہ صحیح بخاری ایک لاکھ حدیث یاد ہے اور غیر صحیح دو لاکھ۔ دیکھو ص: ۵۷۵، نعمانی صاحب نے جو اعداد ---

تین درجہ اوپر ہیں۔ ان کی مرویات^(۱) کی تعداد کل قریب ایک ہزار ہے۔ بات یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، وہ علم جو دنیا کے اقطار و جوانب میں پراگندہ ہو جانے کی وجہ سے کسی ایک کو اس کا پانا اور اس کا فراہم کرنا نہ صرف دشوار بلکہ عادتاً ناممکن تھا۔ اس میں رفتہ رفتہ سٹانیں پھوٹنے اور پھیلنے کی وجہ سے یومانیو ما آسان اور سہل الوصول ہوتا گیا۔ اور آخر کار ایسا ہو گیا کہ ہر جگہ سے اور ہر شخص کو ملنے لگا۔

مثلاً: فرض کیجئے کہ ایک صحابی کے دس تابعی شاگرد ہوئے اور پھر ہر تابعی کے دس دس تبع تابعی شاگرد ہوئے۔ تو اب جو حدیث زمانہ صحابہ میں صرف ایک شخص سے اور ایک جگہ سے مل سکتی تھی، وہ زمانہ تابعین میں دس شخص سے اور دس جگہ سے اور زمانہ تبع تابعین میں سو شخص سے اور سو جگہ سے ملنے لگی۔

و علیٰ ہذا القیاس سلسلہ ترقی پکڑتا گیا۔ چنانچہ اکثر احادیث میں برابر یہی دیکھا جاتا ہے کہ طبقہ اولیٰ میں جتنے اس کے راوی ہوتے ہیں، اس کے نیچے کے طبقے میں اس سے کئی درجہ زائد ہوتے ہیں اور پھر اس سے نیچے کے طبقے میں اس سے بھی اور کئی درجہ زائد ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے پچھلے زمانے والوں کو پہلے والوں کی نسبت آسانی ہوتی گئی۔ اور نیز ہر ایک پہلے زمانے والا جتنے شیوخ سے جس^(۲) در احادیث پاسکتا تھا، ایک بعد کے زمانے والا اتنے ہی شیوخ سے اس سے بہت

---- احادیث صحیح بخاری کے بیان کئے اس میں بھی غلطی کھائی۔

(۱) قال ابن المديني له نحو ألف حديث۔ انتہی۔ (دیکھو: خلاصہ تہذیب الکمال فی أسماء الرجال) ایک قول اس کے خلاف بھی ہماری نظر سے گزرا مگر وہ اس کے سامنے پایہ اعتبار نہیں رکھتا اور نہ دوسری شہادتیں اس کی تائید کرتی ہیں۔

(۲) چنانچہ یہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ امام مالک صاحب اور امام بخاری صاحب تعداد شیوخ میں قریب ہی قریب ہیں اور پھر ان دونوں کا تعداد احادیث میں جو کچھ باہم تفاوت ہے، وہ ابھی تم پڑھ چکے ہو۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ امام مالک کے شیوخ کی تعداد نو سو سے زائد بتائی گئی ہے۔ دیکھو: زرقانی شرح مؤطا اور امام بخاری صاحب کے شیوخ کی ایک ہزار سے زائد۔ دیکھو خلاصہ وغیرہ۔

زائد احادیث پانے لگا۔ انہی وجوہ سے ایک یا بعد کے زمانے کا محدث پہلے زمانے کے محدث کی نسبت جب کہ دونوں کوشش و جستجو میں مساوی ہوں، حدیث کی مقدار کا زائد حصہ پاتا گیا۔

ائمہ اربعہ کی باہمی علمی نسبت اور متاخرین کا ذخیرہ معلومات حدیث:

چنانچہ ائمہ اربعہ میں سے اسی انتشار احادیث کے زمانے میں سب سے پہلے امام ابوحنیفہ^(۱) (رحمہ اللہ) صاحب ہوئے، اس وجہ سے سب سے کم حدیثیں انہیں کو ملیں امام مالک (رحمہ اللہ) جو زمانے میں ان سے کسی قدر بعدیت رکھتے تھے انہوں نے ان سے زیادہ حصہ پایا۔ چنانچہ امام محمد صاحب^(۲) جو ان دونوں صاحبوں کے شاگرد تھے وہ اس بات کی بصراحت

(۱) چنانچہ امام ابوحنیفہ صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے تھے، اور امام مالک ۹۳ھ اور امام شافعی ۱۵۰ھ میں اور امام احمد ۱۶۲ھ میں۔ اور ابوحنیفہ نے ۱۵۰ھ میں انتقال کیا۔ اور امام مالک نے ۹۷ھ میں اور امام شافعی ۲۰۴ھ اور امام احمد نے ۲۴۱ھ میں دیکھ خلاصہ اسماء الرجال وغیرہ۔

(۲) چنانچہ تاریخ ابن خلکان میں ہے: قال الشافعي قال لي محمد بن الحسن أبيهما أعلم صاحبنا أو صاحبكم؟ يعني أبا حنيفة ومالكاً قال: قلت علي الإنصاف۔ قال: نعم۔ قال: قلت ناشدتك الله من أعلم بالقرآن صاحبنا أم صاحبكم؟ قال: اللهم صاحبكم۔ قال: قلت ناشدتك الله من أعلم بالسنّة صاحبنا أم صاحبكم؟ قال: اللهم صاحبكم۔ قال: قلت ناشدتك الله من أعلم بأقوال أصحاب رسول الله (ﷺ) المتقدمين صاحبنا أم صاحبكم؟ قال: اللهم صاحبكم قال الشافعي: فلم يبق إلا القياس، والقياس لا يكون إلا على هذه الأشياء فعلى أي شيء نقیس۔ انتہی۔ یعنی امام شافعی کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن الحسن نے کہا: بتاؤ دونوں میں کون زیادہ علم رکھتا تھا؟ ہمارے استاذ امام (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) یا تمہارے استاذ (امام مالک رحمہ اللہ) کو امام مالک۔۔۔ امام محمد کے بھی استاذ ہیں، مگر زیادہ تخصیص امام محمد کو امام ابوحنیفہ سے ہے جیسا کہ امام شافعی کو امام مالک سے) میں نے کہا: انصافاً پوچھتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ: قرآن کا علم زیادہ کون رکھتا تھا؟ ہمارے استاذ یا تمہارے استاذ۔ امام محمد نے کہا: تمہارے استاذ (امام مالک)۔ میں نے کہا کہ: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: حدیث کا علم کون زیادہ رکھتا تھا؟ ہمارے استاذ یا تمہارے استاذ۔ کہا: تمہارے استاذ (امام مالک)۔ اسی طرح امام محمد نے اقوال صحابہ کی بابت بھی امام مالک کو امام ابوحنیفہ سے زیادہ واقع بتایا تو شافعی نے کہا کہ اب قیاس ہی باقی رہ گیا۔ اور قیاس ان ہی چیزوں پہ کیا جاتا ہے اور جب یہ چیزیں یعنی قرآن و حدیث ہی نہیں تو قیاس کس پر کریں گے۔

شہادت دیتے ہیں۔ امام شافعی ^(۱) صاحب جوان دونوں کے بعد ہیں، ان کو ان دونوں سے زائد حدیثیں ملیں۔ امام شافعی (رحمہ اللہ) سے بعد امام احمد (رحمہ اللہ) ہیں ان کو ان سے بھی زائد حدیثیں فراہم ہوئیں بلکہ خود امام شافعی ^(۲) (رحمہ اللہ) امام احمد (رحمہ اللہ) سے باوجود یکہ امام احمد (رحمہ اللہ) ان کے شاگرد بھی تھے کہتے تھے تم لوگ (یعنی تمہارے طبقے کے لوگ) ہم لوگوں (ہمارے طبقے کے لوگوں) سے زیادہ احادیث صحیحہ کے جاننے والے ہو۔ کوئی حدیث صحیح ہو تو مجھے بھی بتادو کہ میں اسے اختیار کروں۔ امام احمد صاحب (رحمہ اللہ) چونکہ سب میں بعد تھے۔ اس وجہ سے ان کو سب سے زائد حدیثیں ملیں۔ چنانچہ امام احمد (رحمہ اللہ) نے جو مسند بنائی، اس میں تقریباً تیس ہزار ^(۳) حدیثیں ہیں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ امام احمد صاحب جب مسند جمع کر کے فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنی تمام اولاد کو جمع کر کے وہ مسند ان کو سنائی اور فرمایا، مسلمانوں میں جب کبھی کسی حدیث رسول (ﷺ) کی بابت اختلاف ہو تو ان کو چاہئے کہ وہ اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔ اگر اس کی

(۱) چنانچہ مؤطا امام مالک (جس میں کچھ کم سات سو حدیثیں ہیں) تو امام شافعی نے دس بی برس کی عمر میں حفظ کر لیا تھا، یہ تو جمع کیا کر لیا انہیں بلا مشقت مل گیا اور پھر عرصہ تک امام مالک کی خدمت میں رہ کر اور جوان سے مزید برآں ملا، وہ حاصل کیا اور امام مالک کے سوا اور بہت شیوخ کے پاس رہ کر اپنی معلومات کو بڑھایا۔ دیکھو: خلاصہ اسماء الرجال۔ امام شافعی صاحب نے تصنیفات بھی کیں۔ اور قاضی ابویوسف کی اس کتاب کو جواب لکھا، جو انہوں نے امام اوزاعی کی کتاب کے جواب میں لکھی تھی۔ جس میں اوزاعی نے امام ابوحنیفہ کی کتاب السیر کا رد لکھا ہے۔ دیکھو: توالی التامیس جس: ۸۷، مؤلفہ: علامہ ابن حجر عسقلانی۔ افسوس ہے کہ نعمانی صاحب نے سیرۃ النعمان میں قاضی ابویوسف کا اوزاعی کے جواب میں کتاب لکھنے کا ذکر تو کیا مگر امام شافعی صاحب اس کا رد کر دینے کا نام نہ لیا۔ امام شافعی نے نہ صرف امام ابوحنیفہ کے کتنے مسائل کا خلاف حدیث ہونا ثابت کیا بلکہ انہوں نے امام مالک کے بھی کتنے مسائل حدیث کے خلاف ثابت کئے اور دونوں ہی کے رد میں تحریریں کیں۔ دیکھو: توالی التامیس۔ جس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ان کو ان دونوں سے زائد حدیثیں ملیں۔

(۲) چنانچہ آگے شاہ صاحب کے قول میں آتا ہے۔

(۳) مسند احمد کی عدد احادیث میں مختلف قول ہیں، کسی نے چالیس ہزار اور کسی نے پچاس ہزار بھی کہا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے پچاس ہزار والا قول لکھا ہے۔ وجہ توفیق کی تراجم کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اصل اس کتاب میں پائیں تو اس حدیث کو معتبر جانیں، والا اس کو غیر معتبر خیال کریں۔ امام احمد صاحب کا بھی یہ دعویٰ (اگر اس کے یہی معنی ہیں جو ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتے ہیں) صحیح نہ اترتا۔ امام احمد صاحب کے بعد بھی بہت ایسی صحیح احادیث ثابت ہوئیں، جن کی صحت میں کوئی کلام نہیں اور وہ ان کی مسند میں نہیں ہیں۔ عرض اس میں شک کرنے کی کوئی ذرا سی بھی وجہ نہیں ہے کہ ذخیرہ فن حدیث کا اس کے مجتمع ہو جانے اور کتابوں کے اندر مدون ہو جانے کی وجہ سے جیسا کہ زمانہ بعد کے لوگوں کو ملا، ائمہ اربعہ کو نہ ملا تھا اور وہ تمام احادیث جو نہایت مشکل اور منقطع اب ہم بآسانی پارہے ہیں، اس زمانہ میں انتشار کی وجہ سے یہ ائمہ ان سب پر محیط نہ تھے اور نہ ان کو ان سب کا پالینا آسان تھا بالخصوص وہ جو زمانے میں دوسروں پر تقدم رکھتے تھے مثل امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) اور امام مالک (رحمہ اللہ) کے ان کے لئے اور بھی زائد اشکال تھا۔ اس لئے وہ دونوں بیچارے بقیہ دونوں اماموں سے بھی کم حصہ پاسکے۔

امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) اور امام مالک (رحمہ اللہ) کے حدیث کم پانے کی ایک اور وجہ: اس کے علاوہ ان دونوں صاحبوں کے حدیث سے حصہ بہت کم پانے کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ اتفاق سے ان دونوں صاحبوں کی عمر کا ایک بڑا حصہ اس زمانے میں گزرا تھا کہ وہ مسلمانوں^(۱) کے باہم ملکی نزاعات و فسادات کا زمانہ تھا اور چاروں طرف سے جنگ و جدال اور شرور

(۱) افسوس کہ اس مقام پر ہم پورا نقشہ اس کا اور نیز اس کا جو ہم نے پہلے زمانے کے سلسلہ خانہ جنگیوں کی طرف اشارہ کیا نہیں دکھا سکتے۔ اس لئے کہ اس کے لئے زیادہ بسط کی ضرورت ہے، تاہم اجمالی طور پر کچھ ذکر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں نعمانی صاحب سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں: "امام کے بچپن کا زمانہ نہایت پر آشوب زمانہ تھا۔ حجاج بن یوسف خلیفہ عبد الملک کی طرف سے عراق کا (جو کہ امام صاحب کا وطن و مسکن تھا) گورنر تھا اور ہر طرف ایک قیامت برپا تھی، چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کی وجہ سے عرب (جو کہ امام مالک کا وطن و مسکن تھا) و عراق میں اب تک مروانی حکومت کے پاؤں نہیں جھے تھے۔ حجاج کی سفاحیاں زیادہ تر انہیں لوگوں پر مبدل تھیں، جو ائمہ مذہب اور علم و فضل کی حیثیت سے مقتدائے مام تھے۔ عبد الملک۔۔۔"

وفتن کا بازار گرم تھا۔ اور مسلمانوں کے دن رات بڑی بد امنی اور بے چینی سے گزرتے تھے۔ اس وقت

--- نے ۸۶ھ میں وفات پائی اور اس کا بیٹا ولید تخت نشین ہوا۔ ولید کے زمانے میں اگرچہ فتوحات نے نہایت ترقی کی۔ لیکن اسلام کی روحانی برکتوں کا نشانہ تھا۔ ملکی عہدہ داروں میں سے جو لوگ جس قدر زیادہ معزز اور با اختیار تھے۔ اسی قدر ظالم اور سفاک تھے۔ اسی زمانے کے نسبت حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ ولید تمام میں حجاج عراق میں، عثمان حجاز میں، قرہ مصر میں، واثق تمام دنیا قلم سے بھر گئی۔ حجاج ۹۵ھ میں مر گیا۔ ولید نے ۹۶ھ میں وفات پائی۔ عرض حجاج ولید کے عہد تک تو امام ابو حنیفہ کو تحصیل علم کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہو سکتی تھی۔ یہ کافی موقع مل سکتا تھا۔ تجارت باپ دادا کی میراث تھی۔ اس لئے خربائی کا کارخانہ قائم کیا اور حسن تدبیر سے اس کو بہت کچھ ترقی دی۔ انھی مخلصانہ

امام صاحب کو تحصیل حدیث میں رکاوٹیں:

اس وقت تک کہ امام صاحب اپنی عمر میں سے سولہ برس ختم کر چکے۔ لیکن فتن و شرور نے ان کو اب تک طالب علمی بھی نہ شروع کرنے دی۔ لیکن اب ملک میں کچھ دنوں کے لئے امن قائم ہو گیا اور اس عرصہ میں لوگوں نے علم کی طرف توجہ بھی شروع کی۔ چنانچہ خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے ابی بکر بن حزم کو جو کہ مدینہ کے ان کی طرف سے حاکم و قاضی تھے لکھ بھیجا کہ احادیث رسول تلاش کر کے لکھ کر بھیج دو۔ لیکن قبل اس کے کہ ابن حزم لکھ کر بھیجیں عمر بن عبد العزیز نے وفات پائی۔ عمر بن عبد العزیز نے اور ممالک میں بھی حدیث کے لکھنے کا حکم بھیجا تھا۔ (دیکھو: زرقانی شرح مؤطا و فتح الباری) حضرت عمر بن عبد العزیز نے کل دوحاتی برس خلافت کی۔ تھوڑے دنوں کے بعد اب ایک عالمگیر فساد اٹھنا شروع ہوا۔ جس کے جھگڑے میں لوگ بڑ کر اور سب کچھ بھول گئے اور وہ سلسلہ جمع حدیث کا یوں ہی رہا۔ وہ عالمگیر فساد کیا ہے انقلاب سلطنت یعنی دولت بنی امیہ کا زوال اور دولت عباسیہ کا قائم ہونا۔ چنانچہ اس کے متعلق بھی ہم نعمانی صاحب کے قول کو المامون سے لے کر پیش کرتے ہیں، لکھتے ہیں: ”بنی ہاشم اپنی کوششوں میں برابر سرگرم تھے۔ اور مختلف وقتوں میں بڑے زور و شور سے مقابلے کواٹھے۔ اگرچہ ولید و ہشام کے پر زور ہاتھوں نے سلطنت کو ہر خطرے سے بچا لیا۔ لیکن بنیاد حکومت میں کسی قدر زلزل پیدا ہو گیا۔ اور جب اس عظمت و اقتدار کے فرمانروا اٹھ گئے تو حکومت مروانی کا ڈھچکا پڑ گیا۔ آل عباس کے نقباء تمام عراق و خراسان میں پھیل گئے اور ۱۰۲ھ و ۱۰۵ھ و ۱۰۶ھ و ۱۰۹ھ و ۱۱۸ھ میں ان کی طرف سے نمایاں کوششیں عمل میں آئیں، بعض وقت حکام بنی امیہ پر یہ سازش کھل گئی۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جن لوگوں پر شبہ ہوا وہ گرفتار ہو کر قتل کر دیے گئے۔ اس اختتام میں کبھی کبھی علویین نے بھی علم خلافت بلند کیا مثلاً ۱۲۱ھ میں زید بن علی و ۱۲۵ھ میں یحییٰ بن زید نے اپنی حوصلہ مندی کے جوہر دکھائے اور میدان جنگ میں شجاعت کی داد دے کر مارے گئے۔“

عرض اسی طرح یہ فساد بڑھتا گیا حتیٰ کہ ۱۳۲ھ میں بڑی کشت و خون کے بعد مروانی خلافت کا ستارہ گر کر عباسیوں کا اقبال یاور ہوا۔ اور خلافت ان کے ہاتھ میں گئی۔ اس انقلاب میں ایک عالم کا عالم یہ تیغ ہوا۔ اور خون کے ندی نالے بہ گئے جیسا کہ ذہبی کے کلام میں تم پہلے بڑھ چکے ہو۔ عباسیہ کے تسلط کے بعد بھی عرصہ تک مخلوق کو امن نہ ملی۔ چنانچہ المامون میں لکھتے ہیں: ---

آسان نہ تھا کہ یکسوئی کے ساتھ سلسلہ تعلیم و تعلم کا کھولا جاتا یا پوری توجہ اس طرف ہو سکتی۔ گو مسلمان کسی

--- اس کے بعد عباسیوں نے بڑی سفاکی کے ساتھ قتل عام شروع کیا اور بالاتفاق ٹھہر گیا کہ خاندان بنو امیہ کا ایک بچہ دنیا میں زندہ نہ رہے پائے، ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کا پتہ لگایا جاتا تھا اور قتل کر دیئے جاتے تھے۔ اور سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں: "اس خاندان کا پہلا فرمانروا ابو العباس سفاح تھا۔ اس نے چار برس حکومت کے بعد ۳۲ھ میں قضا کی۔ سفاح کے بعد اس کا بھائی منظور تخت نشین ہوا۔ عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ خلفائے شی امیہ کی قبریں اکھڑوا کر ان کی ہڈیاں تک جلا دیں۔ تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتقام کا سکہ نہیں جلتا تھا۔ جا بجا بغاوتیں برپا تھیں۔ ان فتنوں کے فرو کرنے میں سفاح و منصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے اور وہ زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر بھیا۔ تمام ملک کی آغلیں ان سے بانشینوں پر لگی تھیں۔ لیکن ان خونریز یوں نے سب کے دل افسردہ کر دیئے۔"

لیکن رفتہ رفتہ انتقام کے بعد امن و امان نے اپنا رنگ دکھلایا۔ چنانچہ ۳۲ھ میں منصور نے شہر بغداد کی بنا ڈالی، اور اس کو بسانا شروع کیا۔ اب جب اٹھینان ہو گیا تو ۳۳ھ میں علماء اسلام تدوین حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور جا بجا محدثین نے کچھ کچھ مجموعے تیار کئے۔ جس کا ذکر تم پہلے ذہبی کے کلام میں پڑھ چکے ہو۔ اب وہ یہ وقت ہے کہ امام اعظم صاحب (رحمہ اللہ) کی عمر عرب میں گئی چھ سات برس باقی رہ گئے۔ اتفاق کی بات کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد یعنی ۳۴ھ میں پھر بغاوت قائم ہوئی کہ جس نے اکثر بلاد اسلام کو بلا دیا، اس وقت امام ابو حنیفہ صاحب اور امام مالک صاحب دونوں منصور کے فریق مقابل کے حامی تھے۔ لیکن اس جھگڑے کا بلد خاتمہ ہو گیا، اب منصور نے چونکہ زیادہ تر فسادات کا مرکز عراق اور عراق میں بھی کوفہ تھا، اس وجہ سے اپنے سابق دار الخلافہ کو جو کہ کوفہ کے قریب تھا، چھوڑ کر بغداد کو دار الخلافہ مقرر کیا۔ اور پھر ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا۔ جو بغاوت میں شریک تھے۔ اور ان کا ضرب و قتل اور ان کی ایذا و رسائی شروع کی، امام ابو حنیفہ صاحب کو بھی کوفہ سے جو ان کا وطن تھا، طلب کیا کہتے ہیں، ان کے قتل کا تو اس نے ارادہ کر ہی لیا تھا۔ مگر بہانے ڈھونڈتا تھا، آخر قید کر دیا اور بے خبری میں ان کو زہر دلوا دیا، امام صاحب نے ۳۵ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (دیکھو: تاریخ الخلفاء، اور سیرۃ النعمان وغیرہ) افسوس کہ ان پریشانیوں کے زمانے میں امام صاحب کو اس کی بھی مہلت نہ ملی۔ کہ وہ اپنے زمانے کے محدثین کے مجموعے فراہم کر کے دیکھتے۔ گو وہ مجموعے ایسے جامع و مفید نہ تھے۔ جیسا کہ تم زمانہ مابعد کے محدثین کی تالیفات دیکھتے ہو۔ کیونکہ یہ تو ابتدائے زمانہ تدوین تھا۔ پوری تکمیل تدوین و جمع حدیث کی تو اب سے لے کر تقریباً سو برس کے بعد تک میں ہوئی۔ جیسا کہ تم پہلے پڑھ چکے ہو تاہم اگر وہ سارے مجموعے امام صاحب کی نظر سے گزر جاتے، تو ان کے علم میں حدیث کا ایک معقول مجموعہ صرف ہو تو ورنہ ظاہر ہے کہ ایسے انتشار و امارت اور سخت پریشانیوں کے زمانے میں اکیلے امام صاحب کہاں تک کر سکتے تھے۔

اس وقت میں انتشار حدیث نعمانی صاحب کی زبانی:

نعمانی صاحب امام صاحب کے زمانے میں احادیث کے انتشار کی بابت لکھتے ہیں: "حدیثیں اس وقت تک ---

وقت میں بھی اپنے دین کی حفاظت اور اس کی تحصیل و تبلیغ سے غافل نہیں رہے۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ سلسلہ باقی کا ہے کورہتا۔ مگر کچھ شک نہیں کہ حدیث کے منتشر ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ حصہ پانے کے لئے جو ہم تن مصروف ہونے کی ضرورت تھی، وہ اس پر آشوب زمانہ میں کسی طرح نہ کر سکتے تھے اور اسی طرح ان سے پہلے کے مسلمان ابھی انہیں ضرورت فتن کی وجہ سے جو حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی خلافت کے وقت سے شروع ہو کر کم و بیش استحکام خلافت عباسیہ تک باستثناء کچھ کچھ فترات کے جاری رہے ہیں، ایسے مظہن اور فارغ دل نہ تھے کہ وہ پوری توجہ اس طرف مبذول کر کے ایک معقول ذخیرہ فراہم کر رکھتے، جو ان دنوں اماموں (ابوحنیفہ و مالک رحمہما اللہ) کو تیار شدہ مل جاتا۔ کیونکہ خود ہی معذور تھے اور ان کی مسلسل توجہ اس طرف نہ ہو سکتی تھی۔ اس سب کے علاوہ ویسے بھی اس وقت تک ان لوگوں کے دلوں میں اس کی کوئی تحریک پیدا نہ ہوئی تھی۔

--- نہایت پریشان و غیر مرتب تھیں۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے اساتذہ دو چار محدثوں سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ طرق روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریقوں سے نہ معلوم ہو، اس کے مفہوم اور تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا دشوار تھا۔ اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: ”غرض امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کے زمانے میں احادیث کا جو دفتر تیار ہو چکا تھا۔ ہزاروں موضوعات۔ الغایط۔ ضعافت۔ درجات سے بھرا ہوا تھا۔ اس وقت امام بخاری و مسلم نہ تھے، جو صحیح حدیثوں کے انتخاب کی کوشش کرتے۔“

(تنبیہ): ہم نے جو جامع نعمانی صاحب کے قول نقل کئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تاریخ کے علاوہ حدیث و فقہ کا بڑا ذخیرہ مہیا کر کے کتاب سیرۃ النعمان لکھی (جیسا کہ خود انہوں نے اول میں اقرار کیا ہے) جس میں امام اعظم کی سوانح عمری کے سوا امام صاحب کی تانیہ کو مد نظر رکھا اور ان کے مذہب کی ترجیح کی بہت کچھ کوشش کی (حتیٰ کہ انہوں نے اس مقصد میں حد سے زائد غلو کی وجہ سے سخت سخت مسامحات کئے، جن میں سے بعض بعض کے جواب ہمارے ہم عصر جناب مولوی عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی نے حسن البیان میں جو انہوں نے اسی واسطے تالیف کی، دیکھے ہیں۔ اور بہتوں سے انہوں نے درگزر کیا ان میں بعض بعض پر ہم نے بھی تنبیہ کی ہے) پس نعمانی صاحب نے جو بات اس مضمون کے خلاف ذکر کی یا تسلیم کی وہ وہی ہے، جس سے وہ کسی طرح انکار نہ کر سکتے تھے اور جس کے ثبوت میں ذرا بھی کلام کی گنجائش نہیں۔ لہذا اتمام حجت کے لئے ان کا کلام نقل کر دینا، ہم نے زیادہ مفید خیال کیا۔

حضرت عمر (رحمہ اللہ) بن عبد العزیز کے زمانے میں کہ اس وقت امن وعافیت نے اپنا رنگ دکھلایا تھا۔ گو چند روزہ ہی یہی کچھ تحریکی اس کی ہوئی تھی۔ مگر ہم نہیں جانتے کہ اس کا سلسلہ آگے چلتا رہا ہو۔ بہر حال ان دونوں نے جو کیا وہ ان کو بیشتر اپنی قوت بازو سے کرنا پڑا۔ اور گو انہوں نے کچھ امن وعافیت کا بھی زمانہ پایا مگر بہت ہی تھوڑا سا زمانہ تھا۔ تو وہ بیچارے اس ابتدائی زمانہ میں اور تھوڑے سے وقت میں اور صرف اپنی ذاتی کوشش سے کیا کر سکتے تھے اور کہاں تک کر سکتے تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے باوجود تمام تر سعی کے بہت ہی تھوڑا حصہ حدیث کا پایا۔ برخلاف زمانہ مابعد کے کہ اس میں تدوین کی وجہ سے جو احادیث منتشر تھیں، وہ جمع ہو گئیں اور جو مخفی تھیں وہ ظاہر ہو گئیں اور پھر ہر شخص کو ملنے لگیں۔

اہل حدیث کی مساعی تحصیل حدیث اور ان کے ثمرات:

چنانچہ شاہ صاحب اہل الرائے کے مقابل اہل حدیث کے بیان میں جن کا کچھ ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں، لکھتے ہیں:

”توان^(۱) اہل حدیث کے لئے بلاد اسلام میں تدوین احادیث و آثار کا شائع ہونا اور کتابوں اور رسالوں کا لکھا جانا، حتیٰ کہ اہل روایت کم تکلیں گے جن کی کوئی کتاب یا رسالہ نہ ہوا ہو، بڑا کارآمد ہوا۔

پس اس وقت میں جو ان کے اکابر تھے، وہ بلاد حجاز و حرمین شریفین اور شام اور عراق اور یمن اور مصر اور خراسان میں پھرے اور ان کتابوں اور رسالوں کو (جو اس ابتدائے زمانے میں لکھے گئے تھے، انہوں نے) جمع کیا اور کیا بحدیثوں اور نادرا آثاروں کی جستجو میں خوب کوشش کی تو ان لوگوں کے اہتمام سے ان کے پاس احادیث و آثار اس قدر جمع ہو گئے، جو ان سے پہلے کسی کو میسر

(۱) دیکھو: حجة الله البالغة، ص: ۵۳ و ۵۴ عبارت طویل جو نے کی وجہ سے نقل نہیں کی۔

نہ آئے تھے اور ان کے پاس حدیث کی اسانید بہت بہت جمع ہو گئیں۔ حتیٰ کہ ان کے پاس بہت احادیث ایسی تھیں کہ (ان میں سے ایک ایک حدیث کے) سو سو طریقے اور سندیں تھیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ تو بعض طریقوں نے (اس میں کچھ تفصیل ہونے کی وجہ سے حدیث کے معنی و مطلب کے متعلق) ایسی بات کھول دی۔ جو دوسرے طریقوں میں پوشیدہ تھی۔ اس وجہ سے یہ لوگ نفس حدیث کے علاوہ مطالب حدیث سے بھی زیادہ واقفیت رکھنے والے ہو گئے۔ اور ان لوگوں نے ہر حدیث کا مرتبہ کہ وہ غریب ہے (جس کے بہت سے راوی نہیں) یا مستفیض ہے (جس کے رواۃ بکثرت ہیں، بھی) پہچان لیا اور ان کو اس کی بھی قدرت ہوئی کہ وہ حدیث کے متابعات و شواہد دیکھیں۔ اور ان پر بہت سی احادیث صحیحہ ظاہر ہو گئیں، جو پہلے کے اہل فتویٰ (مجتہدین) پر ظاہر نہ ہوئی تھیں، (دیکھو) امام شافعی (رحمہ اللہ)، امام احمد (رحمہ اللہ) سے درخواست کرتے ہیں کہ (چونکہ) تم احادیث صحیحہ کے ہم سے زیادہ جاننے والے ہو تو کوئی صحیح حدیث ہو تو مجھ کو بھی بتا دینا کہ میں بھی اسے لوں۔ کوئی ہو یا بصری ہو یا شامی (یعنی کسی شہر والے کی حدیث ہو)۔ چنانچہ ابن الہمام (حنفی) نے اس کو حکایت کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت احادیث صحیحہ ایسی ہیں کہ ان کو صرف خاص ایک ہی شہر کے لوگ روایت کرتے ہیں، جیسے افراد شامیین، افراد عراقیین (یعنی وہ احادیث جن کو مسرون شام والے روایت کرتے ہیں یا صرف عراق والے روایت کرتے ہیں۔ جو کہ حدیث کی قسمیں کہلاتی ہیں) یا ان کو کوئی خاص خاندان روایت کرتا ہے۔ جیسے نسخہ برید عن ابی بردہ الخ کا یا عمرو بن شعیب الخ کا یا (مثلاً کسی حدیث کا) صحابی کم روایت کرنے والا وغیرہ مشہور تھا کہ جس سے (اس حدیث کو) کم لوگوں نے لیا تو اس قسم کی احادیث سے اکثر اہل فتویٰ (ائمہ) بے خبر رہے (اور اسب ان زمانوں میں وہ آ کر کھل گئیں اور علاوہ اس کے ان لوگوں کے پاس ہر شہر کے فقہاء (و مجتہدین) کے اقوال (بھی خواہ وہ فقہاء) صحابہ میں سے ہوں یا تابعین میں سے جمع ہو گئے۔ حالانکہ پہلے وقت میں آدمی

اپنے شہر کی اور اپنے اساتذہ کی حدیث کے سوا اور جمع نہ کر سکتا تھا) (اور صرف انہیں کے مجتہدات و اقوال پر واقف ہو سکتا تھا) اور (ایک بات اور ہے کہ) پہلے کے لوگ راویوں کے پہچاننے اور ان کے مراتب عدالت معلوم کرنے میں اسی پر بھروسہ کرتے تھے جو خود ان کو مشاہدہ حال اور تتبع قرائن سے سمجھ میں آتا تھا۔ اور (اب) اس طبقہ نے اس فن میں (بھی) تدقیق (و تحقیق) کی اور اس میں بحث کر کے اور اس کو جمع کر کے اس کو ایک مستقل علم بنا دیا۔ (پس اس میں بجائے صرف اپنے تتبع کے ہزاروں مبصروں کی تحقیق جمع ہو کر بات روشن ہو گئی اور اب زمانہ مابعد کے لوگ بطور خود اس تحقیقات سے بھی سبکدوش ہو گئے) اور انہوں نے (کسی حدیث پر) صحت کے حکم لگانے وغیرہ میں آپس میں بحثیں کیں تو ان پر اس تدوین و بحث کیں تو ان پر اس تدوین و بحث کی وجہ سے (احادیث کے) اتصال و انقطاع کا حال بھی کھل گیا۔ (غرض ہر طرح سے پچھلوں کی معلومات پہلوں کی معلومات سے ترقی کر گئی۔ چنانچہ پہلوں میں سے نظیر کے طور پر دیکھو) سفیان و وکیع اور جوان کے ہم مثل تھے (جو کہ امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) و امام مالک (رحمہ اللہ) کے ہم زمانہ ہیں) باوجودیکہ غایت درجہ کی کوشش کرتے تھے۔ تاہم مرفوع متصل حدیث ہزار سے کم ہی پاتے تھے۔ جیسا کہ ابو داؤد سجستانی (صاحب سنن) نے اپنے اس خط میں جو اہل مکہ کو انہوں نے بھیجا تھا لکھا ہے۔ (اسی سے امام ابو حنیفہ اور امام مالک کی بھی تعداد احادیث معلوم ہو سکتی ہیں) اور (اب) اس طبقہ کے لوگ (جوان سے بعد ہیں) چالیس چالیس ہزار حدیث یا اس کے قریب قریب روایت کرتے تھے بلکہ (امام) بخاری سے بسند صحیح ثابت ہوا کہ انہوں نے اپنی صحیح کو چھ لاکھ حدیث سے تلخیص کیا۔ اور ابو داؤد سے مسدوی ہے کہ انہوں نے اپنی سنن کو پانچ لاکھ حدیث سے منتخب کیا۔ اور (امام) احمد (رحمہ اللہ) نے تو اپنی مسند کو حدیث رسول اللہ (ﷺ) کے جانچنے کا آلہ ٹھہرا دیا کہ جو حدیث اس میں ہو گو ایک ہی سند سے بھی تو اس کی اصل ہے اور جو حدیث اس میں نہ ہو وہ بے اصل ہے۔ (ان کے

پاس کثرت سے احادیث جمع ہو گئیں کہ ان کو تمام احادیث کے احاطہ کا خیال ہو گیا۔ مگر بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ بہت سی احادیث ان کو بھی نہیں پہنچیں۔“

ائمہ اربعہ مورد الزام نہیں!

پس کچھ تعجب نہیں، اگر ان ائمہ میں سے خصوصاً ان میں سے جو زمانہ میں اور بھی تقدیم رکھتے تھے۔ مثل امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) اور امام مالک (رحمہ اللہ) کے کسی امام کا کوئی مسئلہ حدیث رسول (ﷺ) کے خلاف پڑ جائے یا زمانہ مابعد کے لوگوں میں سے کسی کو کوئی ایسی حدیث معلوم ہو جائے جو ان کو معلوم نہ تھی یا اس کو کوئی ان کی اجتہادی خطا ثابت ہو جائے، لیکن اس میں ان کا کوئی قصور نہیں۔ وہ تو بڑے بڑے پاکیزہ نفوس تھے اور صاحب مناقب جلیلہ اور مفاخر جمیلہ۔ ان میں سے ہر ایک کے مناقب میں بڑی بڑی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔

ان مناقب کی کتابوں کو دیکھو تو جس امام کے مناقب کو پڑھو یہی جی چاہتا ہے کہ بس ان ہی کی تقلید کر لی جائے۔ مگر اگر مناقب ہی پر مدار تقلید ہے تو کس کس کی تقلید کی جائے۔ جس امام کے مناقب دیکھو ہر ایک کی یہی حالت ہے۔ ائمہ اربعہ پر مخصوص نہیں اور تمام اکابر ائمہ کا بھی یہی حال ہے کہ ایک سے ایک بڑھ کر نظر آتا ہے۔ پس اس سے بہتر کوئی بات نہیں کہ فروع کی بجائے سب کے اصل کی طرف رجوع کیا جائے کہ وہ سرور اکرم فخر عالم رسول اللہ (ﷺ) ہیں اور نیز مناقب کے لحاظ سے بھی سب سے زیادہ مناقب آپ ہی کے ہیں۔ لیکن ان ائمہ سے بھی ہم کو کسی طرح استغناء نہیں۔ شریعت و احکام رسول (ﷺ) انہیں کے یا ان کے ہم مشکلوں کے ذریعہ سے ہمیں پہنچے پھر ہم ان کو کیسے بھول سکتے ہیں۔ تاہم ہم کو یہ جائز نہیں کہ ہم ان کا کوئی قول جو حدیث رسول اللہ (ﷺ) کے خلاف معلوم ہو اس کو اختیار کر لیں۔

کسی مسئلہ کی تلاش میں ائمہ کا دستور العمل:

یہ کوئی نہیں کہتا کہ ان اماموں میں سے کوئی امام اپنی طرف سے حدیث کے لینے میں اور اس کی تلاش میں ^(۱) دانتہ کستی کرتا تھا یا اس کے ملنے کی صورت میں اس پر عمل میں اس کو کوئی دریغ نہ تھا بلکہ وہ قاعدے کے مطابق اول مسئلہ قرآن میں تلاش کرتے تھے، اس میں نہ ملتا تھا تو حدیث رسول ﷺ ڈھونڈتے تھے۔ جب حدیث نہ ملتی تب اجتہاد و قیاس سے کام لگاتے تھے، جیسا کہ مجتہد کو کرنا چاہئے۔ اور چونکہ اجتہاد میں خطا بھی ہوتی ہے، اس وجہ سے ایسا بہت ہوا کہ جو مسئلہ انہوں نے اجتہاد سے بتایا اس میں ان سے خطا ہو گئی اور دوسروں کو حدیث اس کو خلاف معلوم ہو گئی، لیکن اس سے ان کے ذمہ کوئی الزام نہیں وہ بہر صورت مابور ہیں۔

بلکہ انہوں نے تو خود ہی بہت سے مسائل کا اپنے اجتہاد و رائے ^(۲) سے کہنا ظاہر کر دیا۔ چنانچہ فرمادیا کہ حدیث رسول (ﷺ) مل جائے تو ہمارا قول چھوڑ دینا اور حدیث رسول (ﷺ) پر عمل کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے مسائل اجتہاد سے بھی کہے تھے۔ اگر کل صریح منصوص سے کہے ہوتے تو اس کے کہنے کی کیا ضرورت تھی ^(۳)۔ اور ان کے اس قول سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ان کو خود بھی اقرار ہے کہ ہم کو تمام احادیث رسول (ﷺ) پر احاطہ نہیں۔ اگر احاطہ ^(۴) ہوتا تو وہ ایسا

(۱) البتہ تلاش کے منازل متفاوت ہیں۔

(۲) امام اعظم صاحب کا ایک قول کہ جب وہ مسئلہ بتاتے تھے تو فرمادیتے تھے کہ یہ میری رائے ہے، پس جو اس سے بہتر لاوے تو وہی اولیٰ ہے۔ پہلے گزر چکا اور ایک قول ان کا یہ بھی ہے، جس کو نعمانی صاحب نے بھی سیرۃ النعمان ص: ۱۸۳ میں ذکر کیا۔ هذا الذي نحن فيه رأي لا يجبر عليه أحد، ولا نقول: يجب على أحد قبوله، انتهى۔ یعنی ہم جس بات میں (مشغول) ہیں، وہ رائے واجتہاد ہے، ہم کسی پر جبر نہیں کر سکتے (کہ اس پر عمل کرے) اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا قبول کرنا کسی پر واجب ہے۔

(۳) اور اگر محدود سے چند ہوئے تو خاص طور پر ان کو بتا دیئے۔

(۴) چنانچہ جناب مرزا مظہر جانجاناں صاحب نقشبندی اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: وظنی نیست کہ هیچ۔۔۔

کیوں فرماتے۔ بہر حال وہ ہر طرح سے بری ہیں اور ان پر کوئی الزام نہیں۔

کج بحثیاں اور تاویلات رکیکہ :

الزام تو ان پر ہے کہ باوجود حدیث پانے اور امام کے قول کے اس کے مخالف ہونے کے امام کی رائے پر چلے جاتے ہیں اور حدیث رسول (ﷺ) کی ذرا بھی پروا نہ نہیں کرتے بلکہ امام سے اپنے الزام دور کرنے اور اپنے^(۱) پر سے اعتراض اٹھانے کی غرض سے حدیث کے

--- یکے از علماء امت جمیع احادیث را حاطہ نہ کردہ است۔ چنانچہ قول ”أمر كذا أقول“ بخبر الرسول ”نقل است برال کہ جمیع احادیث با امام مزیدہ بلکہ بعض از انہا قوت شدہ و چرافوت نشود کہ مثل خلفاء راشدین کہ اعلم امت و ملازم محبت جناب رسالت مآب (ﷺ) بودند بعض احادیث از ایشان نیز قوت شدہ و مہد اندہ معنی ہر کہ معرفتے بظن حدیث وارد۔

(۱) حدیث کے ساتھ مقلدین کا سلوک :

جیسا کہ پہلے تم غلام محمد حیات مندی کے قول میں پڑ چکے ہو۔ اور ان کے لکھنے پر کیا موقوف اب بھی برابر یہی ہو رہا ہے۔ حدیث پڑھتے وقت کسی مقلد طالب علم کے سامنے جس وقت حدیث سے جو جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں بیان کئے جاتے ہیں تو جب تک اسے یہ نہ معلوم ہو کہ یہ مسائل میرے امام کے مذہب کے خلاف ہیں، اس وقت تک اس کو ان مسائل کے تسلیم میں اور ان مسائل کے اس حدیث سے مستنبط ہونے میں ذرا کلام نہیں ہوتا اور جب اس کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں مسئلہ میرے امام کے خلاف ہے تو فوراً اس کو اس مسئلہ کے اس حدیث سے مستنبط ہونے میں کلام پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کسی طرح سے اس مسئلہ پر اس حدیث کا دلائل کرنا تسلیم کرنا نہیں چاہتا بلکہ طرح طرح کی کج بحثیوں سے اس کو رد ہی کرتا پاتا جاتا ہے۔ اور طالب علم کیا۔ ان کے عوام و علماء سب کی یہی حالت ہے۔ کسی ایسی حدیث کو جو ان کے امام کے مخالف نہیں اور اس کا مخالف ہونا معلوم نہیں۔ جب سنتے ہیں تو اس میں کوئی بحث و انکار ان کو نہیں ہوتا۔ اور وہ حدیث کہ اس کا مخالف ہونا ان کے علم میں ہو۔ اس میں طرح طرح کے عیب نکل آتے ہیں۔ اس سب کو جانے دو۔ ہم انہیں بے انصاف رکھتے ہیں۔ وہ ایمان سے کہہ دیں۔ ان احادیث میں جو رفع الیدین یا آمین یا کھبر یا قرآن خلف الامام کے ثبوت میں مقلد وارد ہیں (جن کے صحت و ثبوت کو تمام محققین تسلیم کرتے ہیں) یہ لوگ جو کچھ کلام کرتے ہیں اور کسی طرح ان کا لائق عمل ثابت ہونے دینا نہیں چاہتے بلکہ طرح طرح سے ان کو غیر معمول بہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں، کیا یہ اس وقت بھی ایسا ہی کرتے اگر فرضا امام ابوحنیفہ صاحب کی بھی رائے ان احادیث کے موافق ہوتی اور ان کا قول ان کے خلاف نہ ہوتا۔ بلکہ امام شافعی وغیرہ کو ان سے خلاف ہوتا۔ اور کیا اس صورت میں بھی یہ لوگ ان احادیث کی مخالفت میں ایسا ہی گفتگو کرتے ہیں اب کرتے ہیں۔ اور کیا اس حالت میں بھی ان لوگوں کے ذہن ان احادیث کی بابت انہیں تاویلوں کو جگہ دیتے جن کو اب دیتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔۔۔

معنی میں طرح طرح سے تاویلیں کر کے اور پھیر پھار کر اس کو اپنے امام کے قول کے مطابق بناتے ہیں نہ یہ کہ حدیث رسول (ﷺ) کو اصل قرار دے کر امام کے قول کو اس کی طرف پھیرتے اور حدیث کے تابع ہوتے۔ جب یہ کچھ نہیں بنتی تو کبھی تو چونکہ اپنے مشائخ کا عمل اس کے خلاف دیکھتے ہیں تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ^(۱) ہوگی۔ حالانکہ محض باتوں سے نسخ ثابت نہیں ہوتا۔ جب تک کہ صریح طور پر ثابت نہ ہو جائے کہ پیغمبر صاحب (ﷺ) نے یہ حکم دے کر پھر اس کو اٹھا دیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں^(۲): ”فقہاء کا ان احادیث کو جو ان کے مشائخ کے عمل کے خلاف ہیں، منسوخ کہہ دینا کوئی ماسننے کے لائق بات نہیں۔“

--- بلکہ وہاں تو یہ حالت ہے کہ اپنے موافق کے نام سے اگر ضعیف سے ضعیف دلیل مل جائے تو اس کو قوی سے قوی سمجھا جاتا ہے اور مخالفت کی کیسی ہی صریح و قوی دلیل ہو اس میں بیسیوں عیب نکالے جاتے ہیں بہر حال وہ جی میں انصاف کریں تو کبھی اس کے خلاف نہیں کہہ سکتے کہ اب وہ جن احادیث میں ان کو اپنے امام کے مخالفت پانے کی صورت میں جو کچھ کلام کرتے ہیں اگر بالفرض ان کے امام کا مذہب اس کے برعکس ہو تا یا یہ کسی شافعی المذہب کے گھر میں پیدا ہوئے ہوتے، تو کبھی ان کو ان میں یہ کلام نہ ہوتا اور صرف یہی نہیں۔ بلکہ ایک لفظ اور ہے وہ یہ ہے کہ ایک ہی حدیث میں کا ایک جزو جو اپنے موافق ہے وہ معتبر قابل حجت قرار دیا جائے اور دوسرا جزو جو موافق نہیں غیر قابل عمل قرار دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر حدیث عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ اور حدیث ابی محمد و روکو دیکھو کہ ہر ایک میں جو جزو کہ صفت اذان بلا ترجیح اور اقامت بلا ایثار پر دلالت کرتا ہے معتبر و حجت ہے اور دوسرا جزو ترجیح اذان و ایثار اقامت پر دلالت کرتا ہے۔ غیر معتبر ہے۔ اس قسم کی مثالیں اگر تمہیں دیکھنا ہو تو اعلام المؤمنین دیکھو۔ اور جب ایسا ہے تو ان کی احادیث میں یہ ساری کھشیں محققانہ کہاں رہیں بلکہ محض امام کی طرفداری کے لئے ہوئیں۔ افسوس کہ تقلید پیش لوگوں نے حدیث رسول (ﷺ) کی کیسی بی قدری کی۔ فعوذ باللہ من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا۔

(۱) بتوں کو استثنیوں اور منہ میں رکھنے کا جھوٹا قصہ:

رفع الیہ ین اور آمین بالجہر کے منسوخ بنانے کے لئے کیسے جھوٹے قصے اڑائے ہیں کہ وہ تو اس لئے حکم دیا گھیا تھا کہ منافق لوگ استثنیوں میں اور منہ میں بت رکھ کر نماز کو آتے تھے۔ پس رفع الیہ ین کا حکم دیا گھیا کہ بت گرہیں اور زور سے آمین کہنے کی وجہ سے منہ میں نہ رکھ سکیں۔ کیسی جھوٹی جھوٹی باتوں سے سنت رسول (ﷺ) کو رو کر ناپا ہتے ہیں۔

(۲) عبارت یہ ہے: ”وقول الفقهاء لما يجدون خلاف عمل مشائخهم منسوخ غير مقنع۔“ (انتہی جس: ۱۴۴)۔

کبھی کہتے ہیں ہمارے امام کے پاس بھی کوئی حدیث ضرور ہوگی جب تو انہوں نے اس طرح مسئلہ بتایا۔ حالانکہ امام کے پاس ان کے بتائے ہوئے مسئلہ کے موافق حدیث کا ہونا محض ایک احتمالی بات ہے۔ کیونکہ نہ صرف احتمال بلکہ ظن غالب ہے کہ یہ مسئلہ انہوں نے قیاس و استنباط سے کہا ہوگا۔ اور اس کے خلاف میں حدیث رسول (ﷺ) یقینی موجود ہے۔ پس کیسی غلطی ہے کہ یقین کو چھوڑ کر محض احتمال و شک پر مدار عمل رکھا جائے۔

کبھی کہتے ہیں کہ ہمارے امام نے اس حدیث کو ضعیف سمجھا ہوگا۔ یا اس کے کوئی اور معنی کہتے ہوں گے۔ یا ان کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہوگی تب ہی تو اس کے موافق مسئلہ بتایا۔ اس وجہ سے ہم اس حدیث کو نہیں مانتے۔

حالانکہ یہ سارے خیال اس وقت کہنے جاسکتے ہیں کہ پہلے یقینی طور پر یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ حدیث ان کو ملی تھی اور پھر اختیار نہیں کی تو کہا جاسکتا ہے۔ شاید اس وجہ سے اختیار نہیں کی کہ سند ضعیف سے ان کو پہنچی تھی یا اس کے کوئی اور معنی خیال کئے یا اس کو منسوخ جانا۔ اور جب سرے سے یہی نہیں معلوم کہ انہوں نے یہ حدیث سنی بھی ہے یا نہیں۔ تو پھر محض ایسے گمانوں پر ایک صریح و صحیح حدیث رسول (ﷺ) کو رد کر دینا کیسی بے انصافی ہے۔

کبھی کسی صحابی کا قول یا فعل اپنے موافق پا کر کہنے لگتے ہیں۔ دیکھو فلاں صحابی اس کے قائل ہیں، اگر یہ بات صحیح نہ ہوتی اور اس مخالف حدیث میں کوئی نہ کوئی بات نہ ہوتی تو یہ صحابی کیسے اس مسئلہ کے قائل ہوتے۔ حالانکہ اگر یہ دلیل صحیح مان لی جائے تو بہت سی احادیث رسول (ﷺ) رد ہو جائیں۔ کیونکہ بہت سی احادیث ایسی ہیں، جن کے صریح خلاف افعال و اقوال صحابہ (رضی اللہ عنہم) ملتے ہیں (جس کی بڑی وجہ ابھی تم معلوم کر چکے ہو) تو چاہئے کہ ان تمام حدیثوں کو ایسے ہی احتمالات پیدا کر کے غیر مقبول کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس قسم کے موقعوں پر اکثر فریق مقابل کے موافق

بھی اقوال و افعال موجود ہوتے ہیں تو فریق مقابل بھی اسی طرح کہہ سکتا ہے کہ یہ مسئلہ اس طرح پر نہ ہوتا تو فلاں فلاں صحابہ کیسے اس کے قائل ہوتے۔ فریق مقابل کے پاس تو اس دلیل کے سوا حدیث رسول (ﷺ) بھی موجود ہے۔ پھر بڑا تعجب ہے کہ ان کا یہ قول تو مقبول رہے اور فریق مقابل کا قول جو ان سے زبردست تر حجت رکھتا ہے، قابل قبول نہ ہو۔ اور قطع نظر اس سب کے خود ان کے اصول کا بھی مسئلہ مسئلہ ہے کہ موقوف^(۱) (قول و فعل و تقریر صحابہ) مرفوع حدیث (رسول اللہ ﷺ) کے مقابل حجت نہیں ہو سکتا۔ پس اگر ایسے حیلوں کا اعتبار ہوتا تو اس قاعدے کے کیا معنی ہیں؟

تقلیدی قول اور عمل کا تضاد:

کبھی یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ حدیث کا سمجھنا اور اس سے دلیل پکڑنا اور اس کی موافقت و مخالفت کا جاننا مجتہد کا کام ہے۔ ہم کیا سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حدیث مخالف ہے یا موافق ہے۔ اس کا مفصل جواب تو ان شاء اللہ تم آگے پڑھو گے۔ مگر یہاں پر اتنا کہہ دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ جب تم حدیث سمجھتے ہی نہیں تو تم امام کے قول کی حدیث رسول (ﷺ) سے مخالفت اٹھانے کے وقت یہ کیسے کہتے ہو کہ اس حدیث کے یہ معنی نہیں ہیں (جس سے مخالفت امام کے قول کی ثابت ہوتی ہو) بلکہ اس کے معنی یہ ہیں (جو مخالفت امام کے قول کے نہ ہوں) اور حدیثوں میں تاویلیں اور تجتسیں کیوں کرتے ہو بلکہ تم کو بالکل سکوت اختیار کرنا چاہئے۔ { فَلِمَ تَحْجُونَ قِيَمَ الْيُسُ لَكُمْ بِهِ عَلَمًا } (یعنی سو کیوں جھگڑتے ہو، جس بات میں تم کو خبر نہیں۔)^(۲) اور نیز فریق مقابل کے مقابلے میں دلیلیں اور تجتسیں کیوں لاتے اور مناظرے کیوں کرتے ہو، جب تم کو موافق و مخالف و دلیل پہنچانے اور دلیل پکڑنے کی تمیز ہی نہیں تو اپنی بساط سے زائد کام کیوں کرتے ہو، جس کے تم اہل نہیں۔ اور نیز پھر

(۱) چنانچہ ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں: قول الصحابي عندنا حجة ما لم ينفقه شيء من السنة۔ انتہی اور

یہ ایسی ظاہر بات ہے جس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں۔

(۲) آل عمران: ۶۶۔

تمہارے لئے علم اصول پڑھنا اور اس میں اپنے اوقات صرف کرنا بالکل ایک فضول کام ہے۔ اس لئے کہ عرض علم اصول سے طریقہ استدلال اور دلائل سے استنباط مسائل کا طریقہ معلوم کرنا ہوتا ہے، جب تم اس کی اہلیت کو پہنچتے ہی نہیں تو اس میں مصروف ہو کر اپنی تضييع اوقات کیوں کرتے ہو۔

اہل تقلید کو ایک نیک مشورہ:

مگر اصل میں یہ کچھ نہیں یہ سارے حیلے^(۱) و بہانے صرف اس واسطے ہیں کہ امام کے

(۱) اہل حدیث پر غلط الزامات اور ان کی حقیقت:

بعض لوگوں میں ہم نے دیکھا کہ جب وہ جانتے ہیں کہ غلطی بحث میں تو ہم ان سے پیش لے جای نہیں سکتے اور ولی عہد صبر سینے نہیں دیتا تو اور ہی طرح طرح کی باتوں سے وہ اپنے دل کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ آئین بالجہر و رفیع الیدین پر بہت اصرار و جھگڑے کرتے ہیں اور سنتوں پر عمل نہیں کرتے تو اول تو یہ الزام ہی صحیح نہیں جس سے جہاں تک ہو سکتا ہے عمل کرتا ہے۔ ان کی کوئی تخصیص نہیں مگر چونکہ اس سے زیادہ ان کو خلاف ہے اس وجہ سے یہی ان کو بہت کھٹکتا ہے اور ناگوار ہونے کی وجہ سے اسی سے صدمہ زیادہ پہنچتا ہے اس واسطے یہی یاد رہتا ہے دوسرے یہ ضرور نہیں کہ جو تمام باتوں پر عمل کر سکتے تب ہی کرے ورنہ ساری سنتیں چھوڑ کر بیٹھ رہے اور کبھی ایک پر بھی عمل نہ کرے۔ قیصر نے ان سنتوں کا اگر یہ نسبت دوسری سنتوں کے زائد اہتمام کیا جاتے تو اس کی خالص کجی و جہیں ہیں اول یہ سنتیں مستحبات و مکملات صلاۃ سے ہیں جو کہ افضل اعمال اسلام ہے لہذا وہ اسی قابل ہیں کہ ان کا زائد اہتمام کیا جائے۔ دوسرے لوگ ان سنتوں سے بالخصوص بے خبر ہیں پس ان پر زیادہ عمل درآمد کرنے سے احیاء سنت ہوتا ہے۔ قیصر سنتوں سے بچنے والے سب سے زیادہ انہیں سنتوں سے بچتے ہیں لہذا ان کو زیادہ جھانا بھی داخل خیر ہے۔ پیغمبر مصاب نے آئین سے یہود کے بچنے کی وجہ سے حکم دیا کہ تم آئین زیادہ کہو تا کہ وہ خوب بچیں معلوم ہوا کہ عمل خیر سے بچنے والے کو اور جھانا چاہئے۔ لہذا ان وجود سے اگر سنتوں پر زیادہ اصرار کیا جائے تو حق بجانب ہے۔ بائیں ہمہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا کرتا ہے کہ اور سنتوں پر عمل کا ارادہ نہیں کرتا تو اس کو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

کبھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ اماموں کا خلاف جو کرتے ہیں تو اپنی شہرت کے لئے اور تکبر ایسا کرتے ہیں۔ ان کی نیت بخیر نہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور یہ اتہام آج نیا نہیں انہیں کے پیش رووں نے پہلے امام شافعی کے اوپر بھی یہی اتہام کیا تھا کہ شافعی جو امام مالک اور امام ابوحنیفہ وغیرہ کا خلاف کرتے ہیں تو دنیا کے لئے (اور اپنی شہرت کے لئے) کرتے ہیں۔ دیکھو: توالی التامیس جس: ۷۶، مطبوعہ مطبع منیرہ مصر۔

کبھی یوں اپنے جی کو خوش کر لیتے ہیں کہ کبھی کسی اہل حدیث سے بحسب اتفاق و مقتضائے بشریت کوئی عہد یا غیر۔۔۔۔۔

قول کے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا، مجبور ہیں، کچھ بنتی نہیں تو اسی طرح باتیں بنا کر پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔ اور اہل حدیث ہیں کہ کسی کل پر انہیں چین نہیں لینے دیتے۔ لیکن ہم کہتے ہیں اگر تم کو براہ راست رسول (ﷺ) سے اور رسول (ﷺ) کی حدیث سے ذرا بھی الفت و غرض نہیں۔ اور تم اپنے امام ہی کے قول کے پابند رہنا چاہتے ہو تو آؤ ہم تم کو ایک ایسی تدبیر بتائیں جس سے تم اپنے امام کے اقوال پر بھی جھے رہو اور ان غیر مقلدوں کے اعتراضوں سے بھی نجات پاؤ۔ وہ یہ کہ تم یہی سمجھ کر کہ ہمارے ہی امام نے فرمایا ہے کہ میرا قول حدیث کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کرنا۔ حدیث پر عمل کر لو۔ اگر تم ایسا کرنے لگو گے تو غیر مقلد بھی تم پر اعتراض نہ کر سکیں گے۔ اور تم اپنے امام کے قول کے بھی پابند رہے۔ گو ہم اس صورت میں اس بات کی تو ذمہ داری کر نہیں سکتے کہ یہ عمل تمہارا عند اللہ مقبول ہو گا۔ اس لئے کہ یہ عمل حدیث پر نہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کے رسول (ﷺ) کی حدیث پر عمل ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اپنے امام کے قول پر عمل ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ غیر مقلدوں کے مذکورہ بالا اعتراضوں سے ضرور بچ جاؤ گے۔ اور اپنے مقصود اصلی (قول امام) پر بھی قائم رہے۔ اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ امام اعظم صاحب یا کوئی اور امام اگر اس وقت تک زندہ رہتے کہ احادیث فراہم ہو کر مدون ہو جاتیں تو ان کا مذہب بھی یہی ہوتا جو یہ حدیثیں بتاتی ہیں۔

حضرت امام معذور تھے لیکن مقلدین معذور نہیں:

شیخ المشائخ امام^(۱) عبد الوہاب شمرانی کی میزان بھری میں ہے:

--- موزوں فعل ہو گیا تو کہتے ہیں، دیکھو یہ لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان باتوں کو نفس مذہب سے کیا تعلق محسوس مسلمان سے اگر کوئی نامناسب فعل ہو جائے تو اسام یا مسلمانوں پر عیب اس سے کیونکر لگ سکتا ہے۔ دوسرے کیا وہ خود سب کے سب معصوم ہیں۔ ان کے افراد اس قسم کے افعال کے کیا مرتکب نہیں ہوتے۔ مگر وہاں اصلیت کو کون دیکھتا ہے۔ مقصود تو عیب گیری ہے۔ غرض اسی طرح کی ان لوگوں کی اور بھی کتنی باتیں ہیں جن کو ہم بخوف طول کلام چھوڑتے ہیں۔

(۱) عبارت یہ ہے: واعتقادنا واعتقاد كل منصف في الإمام أبي حنيفة (رحمہ اللہ) بقريضة ما رويناہ۔۔۔۔۔

”امام الوصفہ (رحمہ اللہ) کے بارے میں ہمارا اعتقاد اور ہر مصنف کا اس قرینہ سے جو ہم نے ان سے ابھی رائے کی مذمت اور رائے سے تبریٰ اور ان کا نص (قرآن و حدیث) کو قیاس پر مقدم کرنا نقل کیا یہ ہے۔ اگر وہ احادیث کے جمع ہو جانے تک اور حفاظ (حدیث کے) جمع کرنے کے لئے مختلف بلاد اور اطراف ممالک اسلام میں پھرنے کے بعد زندہ رہتے اور ان احادیث کو پاتے تو ضرور وہ ان کو لیتے۔ اور جو جو قیاسیں انہوں نے کی ہیں، وہ سب چھوڑ دیتے اور ان کے مذہب میں بھی قیاس کم ہوتا۔ جیسا کہ اوروں کے مذہب میں کم ہے۔ مگر چونکہ ان کے زمانے میں (جو زیادہ) دیلیس شریعت کی ہیں۔ یعنی احادیث وہ تابعین اور تبع تابعین کے ساتھ ساتھ (متفرق) شہروں اور گاؤں اور سرحدوں پر منتشر تھیں (اس وجہ سے ان کو زیادہ نہ مل سکیں۔ لہذا اور ائمہ کی بہ نسبت ان کے مذاہب میں قیاس سے مجبوراً زیادہ کام لینا پڑا۔ کیونکہ ان مسائل (کثیرہ) میں جن میں انہوں نے قیاس کیا ان کو کوئی نص نہیں ملی۔ بخلاف دوسرے اماموں کے

۔۔۔ انفا عنه من ذم الرأي والتبري منه ومن تقديمه النص على القياس أنه لو عاش حتى دوت أحاديث الشريعة وبعد رحيل الحفاظ في جمعها من البلاد والفقور، وظفر بها لأخذ بها وترك كل قياس كان قاسه وكان قل في مذهبه كما قل في مذهب غيره بالنسبة إليه لكن لما كانت أدلة الشريعة مفرقة في عصره مع التابعين وتابعي التابعين في المدائن والقرى والفقور كثر القياس في مذهبه بالنسبة إلى غيره من الأئمة ضرورة لعدم وجود النص في تلك المسائل التي قاس فيها، بخلاف غيره من الأئمة فإن الحفاظ كانوا قد رحلوا في طلب الأحاديث وجمعها في عصرهم من المدائن والقرى ودوتوها فجاءت أحاديث الشريعة بعضها بعضاً فهذا كان سبب كثرة القياس في مذهبه وقلته في مذاهب غيره. ويحتمل أن الذي أضاف إلى الإمام أبي حنيفة أنه يقدم القياس على النص ظفر بذلك في كلام مقلدائه الذين يلزمون العمل بما وجدوه عن إمامهم من القياس ويشتركون الحديث الذي صح بعد موت الإمام فالإمام معذور وأتباعه غير معذورين. وقولهم إن إمامنا لم يأخذ بهذا الحديث، لا ينهض حجة لا حتمال أنه لم يظفر به أو ظفر به لكن لم يصح عنده وقد تقدم قول الأئمة كلهم إذا صح الحديث فهو مذهبن وليس لأحد معه قياس ولا حجة إلا طاعة الله ورسوله بالتسليم له. انتهى۔ (دیکھئے: ۵۷)

کیونکہ ان کے زمانوں میں حفاظ حدیث کا قول و شہروں سے حدیثیں تلاش کرتے اور حدیثوں کے جمع کرنے کے لئے سفر کرنے لگے تھے۔ اور انہوں نے احادیث کو اکٹھا کیا تھا تو احادیث ایک دوسری سے آملیں۔ یہ وجہ ہوئی امام ابو حنیفہ کے مذہب میں قیاس کے زیادہ ہونے اور اماموں کے مذہب میں کم ہونے کی۔

اور یہ جو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ قیاس کو نص (قرآن و حدیث) پر مقدم رکھتے تھے، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ان کے مقلدین کے کلام میں ایسا (قیاس کو نص پر مقدم کرنا) پایا گیا۔ جو کہ اسی پر عمل کو لازم رکھتے ہیں۔ جو قیاس کہ امام سے منقول پاتے ہیں اور امام کی وفات کے بعد جو حدیثیں صحیح ثابت ہوئیں ان کو چھوڑتے ہیں تو امام تو معذور تھے اور یہ ان کے اتباع غیر معذور ہیں۔ اور ان کا یہ عذر کہ ہمارے لوگوں نے اس حدیث کو نہیں لیا، حجت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ احتمال ہے کہ ان کو وہ حدیث نہیں ملی یا ملی مگر ان کو صحیح نہ ثابت ہوئی۔ اور پہلے تمام اماموں کا قول گزر چکا ہے کہ جب حدیث صحت کو پہنچ جائے وہی ہمارا مذہب ہے۔ اور پھر کسی کو اس کے ساتھ کوئی قیاس یا حجت کی گنجائش نہیں۔ سوائے اس کے کہ بس سر جھکا کر اللہ اور رسول (ﷺ) کی تابعداری کی جائے۔

میزان شعرانی کے اس بیان سے منکشف ہو گیا کہ جو مسلک صحیح حدیث سے ثابت ہو وہی امام کا مذہب ہے اور گویا وہی ان کا قول ہے۔ پھر اب امام کے قول پر اصرار کرنے والوں کو حدیث پر عمل میں کون سا عذر باقی ہے۔

امام صاحب اور قلت حدیث کے اسباب و وجوہ:

اس بیان سے صرف یہی نہیں ثابت ہوا، بلکہ اس سے چند اور بھی باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ (جیسا کہ ہم نے اوپر بھی لکھا ہے) امام کا کسی حدیث کو نہ لینا اس کے غیر معمول بہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ مقلدین حنیفہ نے امام صاحب کے قیاس پر عمل کو لازم پکڑ کر حدیث

پر عمل کو چھوڑ دیا۔ تیسرے امام ابوحنیفہ صاحب کے مذہب میں اور سب اماموں سے قیاس زائد ہے۔ چوتھے امام صاحب کو اور سب اماموں سے کم حدیثیں ملیں (جبھی ان کو سب سے زیادہ قیاس کرنا پڑا) جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے زمانے میں اور سب اماموں کے زمانے سے زائد انتشار احادیث تھا۔ اس وجہ سے وہ بہت کم حصہ پاسکے۔ امام صاحب کے حدیث سے کم حصہ پانے کی صرف یہی دو وجہ نہیں ہیں جواب تک تم نے پڑھیں۔ بلکہ اس کی کئی وجہیں اور بھی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے جس کو تیسری وجہ شمار کرنا چاہئے کہ حدیث کے حاصل کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ بغرض طلب حدیث مختلف شہروں کے سفر کئے جاتے اور جا بجا اساتذہ ارباب روایت کی خدمتوں میں جا جا کر رہا جاتا اور ہر ایک سے ان کی احادیث محفوظہ حاصل کی جاتیں۔ جیسا کہ ان تمام محدثین نے کیا۔ چنانچہ جہاں ان کی سوانح عمریاں اور ان کے مفصل حالات لکھے ہیں، ان کے تمام ان اسفار اور رہلتوں کا بھی ذکر ہے۔

امام اعظم صاحب (رحمہ اللہ) کی جب سوانح عمری پر نظر کی جاتی ہے اور تحقیق نظر سے جو ان کے حالات دیکھے جاتے ہیں، تو ان کا اس طرح پر طلب حدیث کے لئے مختلف بلاد میں سفر کرنا کچھ بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ ہم نے باوجود کوشش و تلاش کے اس وقت تک کوئی ثبوت اس کا نہ پایا۔ بلکہ انہیں مناقب کی کتابوں سے جن میں ان کے مناقب کے علاوہ ان کے مذہب کی نصرت اور ان کو اور ائمہ پر ترجیح دینے کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ اس کے برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عمر عزیز کا وہ حصہ^(۱) جو عموماً انسان کی آزادی اور امور دنیاوی سے بے تعلقی کا زمانہ ہوتا ہے۔ اور جو تحصیل علم و سفروں کے لئے زیادہ مناسب ہے، ایسی حالت میں گزرا گیا کہ ان کو کسی علم کی طرف توجہ نہ ہو سکی

(۱) جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے اور سیرۃ النعمان میں امام صاحب کی طلب حدیث کا وقت نہیں برس کی عمر سے بتایا ہے۔

تھی۔ اور جب توجہ ہوئی تو پہلے علم کلام^(۱) کی طرف ہوئی (جس کا تعلق زیادہ تر حدیث سے ہے ہی نہیں) اور عرصہ تک اس میں مشغول رہے اور اپنی طباعی و ذہانت کی وجہ سے اس میں بہت کچھ تجربہ پیدا کیا۔ اس عمر میں امام صاحب کو مسائل عملیہ سے (کہ انہیں کے ساتھ حدیث کو بڑا تعلق ہے) ایسی بے تعلقی تھی کہ ایک مرتبہ ایک عورت نے ایک معمولی مسئلہ طلاق کا در یافت کیا تو اس کے بھی جواب میں توقف ہوا۔ آخر مجبور ہو کر فرمانا پڑا کہ کسی اور سے جا کر در یافت کر لے۔ لیکن عمر و تجربہ بڑھنے پر علم کلام سے طبیعت ہٹتی تو فقہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور اپنے وطن کے مشہور فقیہ امام حماد (رحمہ اللہ) کے حلقہ درس میں جا کر داخل ہوئے اور ان کی زندگی بھر ان کی مصاحبت نہ چھوڑی^(۲)۔ حماد روایت حدیث میں یا محدث کے نام کے ساتھ کچھ ایسی شہرت نہ رکھتے تھے۔ ہاں وہ اس مجموعہ فقہ کے جو کہ ابراہیم نخعی سے ان کو ملا تھا، بڑے حافظ تھے اور کوفہ کے مشہور فقہاء میں سے تھے۔ امام صاحب^(۳) نے علم فقہ پڑھنا چاہا تو استاذی کے لئے انہیں کو انتخاب کیا۔ امام صاحب ان کی زندگی ہی^(۴) میں

(۱) سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں: "امام ابو حنیفہ کی تحصیل علم کلام سے شروع ہوئی۔ جس کی مہارت نے ان کی قوت و فکر وحدت نظر کو نہایت قوی کر دیا تھا۔ علم کلام کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔" انتہی۔ ص: ۲۳۳ و ۲۳۴۔ اور لکھتے ہیں: "امام ابو حنیفہ نے اس فن میں وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذہ فن بحکمت کرنے میں ان سے جی پڑاتے تھے۔ اگرچہ آخر ان جھگڑوں کو چھوڑ کر وہ علم فقہ پر مائل ہوئے۔ اور تمام عمر اس کی نذر کر دی۔ لیکن اخیر تک یہ مذاق طبیعت سے نہ ہٹا۔ شروع شروع تو امام صاحب اس فن (علم کلام) کے بہت دلداد دے رہے۔ لیکن جس قدر عمر و تجربہ بڑھتا جاتا تھا۔ ان کی طبیعت رکتی جاتی تھی خود ان کا بیان ہے کہ آغاز عمر میں میں اس علم کو سب سے افضل جانتا تھا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ صحابہ کرام ہمیشہ ان بحثوں سے الگ رہے۔ اسی زمانہ میں ایک دن ایک عورت نے آکر یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے طریقہ پر طلاق دینی چاہتا ہے کیونکر دے خود تو بتا دے کہ عورت کو ہدایت کی کہ امام حماد جن کا حلقہ درس یہاں سے قریب ہے جا کر پوچھئے۔ مجھ کو سخت عبرت ہوئی۔ اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا۔ اور حماد کے حلقہ درس میں جا بیٹھا۔" انتہی ملخصاً۔ (ص: ۲۸ وغیرہ۔)

(۲) چنانچہ خود امام صاحب کا قول آگے آتا ہے۔

(۳) دیکھو سیرۃ النعمان، ص: ۳۱۔

(۴) دیکھو سیرۃ النعمان، ص: ۵۳-۱۲۔

درجہ اجتہاد پر پہنچ گئے تھے اور ان کی وفات^(۱) کے بعد انہیں کی مسند درس پر جانشین ہو گئے، اور اب خود درس دینے لگے اور ترتیب فقہ و نشر مسائل میں مشغول ہو گئے اور اخیر عمر تک اسی میں مشغول رہے^(۲)۔ حماد کا علمی خاندان امام صاحب کی معلومات کا بس یہی سرگز ہے^(۳)۔ اور اسی پر امام صاحب کے مذہب کی زیادہ تر بنا ہے مگر ان کی قدرتی ذہانت اور فطرتی ذکاوت نے ان کو بہت کچھ ترقی دے لی اور ان کو حماد کے وقت سے زائد چمکا دیا۔

امام صاحب کے جلد شہرت پانے کے وجوہ:

اس کے علاوہ ان کے عالم باعمل^(۴) ہونے نے، ان کے زہد و عبادت نے، ان کے

(۱) سیرۃ النعمان ص: ۱۹ میں ہے "ابراہیم نخعی کے عہد مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہو گیا تھا جس کا مافقہ حدیث نبوی اور حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود کے فتاویٰ تھے۔ یہ مجموعہ گویا مرتب طور پر قلمبند نہیں کیا گیا۔ لیکن ان کے شاگردوں کو اس کے مسائل زبانی یاد تھے سب سے زیادہ یہ مجموعہ حماد کے پاس جمع تھا۔ جو ابراہیم کے تلامذہ میں نہایت ممتاز تھے۔ چنانچہ ان کے مرنے کے بعد فقہ کی مسند خلافت بھی انہیں کو ملی۔ حماد نے گو فقہ کو چنداں ترقی نہیں دی۔ لیکن وہ ابراہیم کے مجموعہ فقہ کے بہت بڑے حافظ تھے۔ حماد نے سن ۱۲۰ھ میں قضائے اور لوگوں نے ان کی جگہ امام ابو حنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا۔" انتہی۔

(۲) چنانچہ ابھی نعمانی کے قول میں گزر چکا۔ اور ص: ۲۰۰ میں لکھتے ہیں کہ اس کام (تدوین فقہ) میں کم و بیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا۔ یعنی سن ۱۲۱ھ سے سن ۱۵۰ھ تک جو امام ابو حنیفہ کی وفات کا سال ہے۔

(۳) سیرۃ النعمان ص: ۳۲ میں لکھتے ہیں: "امام ابو حنیفہ نے اگرچہ حماد ہی کے سوا اور بزرگوں کی خدمت میں بھی فقہ کی تحصیل کی لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن خاص میں وہ حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں۔" انہی نعمانی صاحب نے اس کے بعد جو امام صاحب کے طلب حدیث کے متعلق لکھا ہے اس کی تحقیق تم ہمارے کلام میں پڑھو۔ نعمانی صاحب کا ایک اور قول امام صاحب کے لئے حدیث وفقہ و مذہب سب میں اسی خاندان کے مرکز ہونے کی بابت آگے آتا ہے۔

(۴) امام صاحب کے یہ تمام اوصاف ایسے مشہور و مسلم ہیں کہ ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم بھی کتاب کے حوالہ سے بیان کریں تاہم کچھ لکھتے دیتے ہیں۔ مگر بلا لحاظ ترتیب کے۔ امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں: "فقیہ العراق و کان إماماً و رعا عالماً عاقلاً متعبداً كبير الشأن۔ قال ابن المبارك: أبو حنيفة أفقه الناس۔ انتہی۔ اور تاج مکی میں ہے: "کان حسن الوجه حسن المجلس۔ شديد الكرم حسن البوار افا لاخوانه۔ أحسن الناس منطلقاً وأغلاهم نفعاً۔"

ورع وتقویٰ نے، ان کی سخاوت^(۱) نے، ان کے حسن خلق نے، ان کے بڑے مقرر اور خوش تقریر ہونے نے، ان کے ہر شخص کے ساتھ بڑے سلوک سے پیش آنے نے، ان کے علم مجلس نے، ان کے ملکی خدمات عہد وقت و غیرہ سے بے رغبتی کرنے اور ان کو قبول کرنے نے، ان کے اخلاص و بڑی بے غرضی کے ساتھ درس علم و شغل افتا نے، بالخصوص اپنی ذاتی آسودگی کی وجہ^(۲) سے ان کے طلبہ کو نہایت بے تکلفی کے ساتھ درس دینے نے۔ ان کے طلبہ کے ساتھ مالی امداد و سلوک نے، ان کے کوفہ کے اندر اپنے خاندان علم اور اپنے گروہ کے طرز استدلال کے اندر^(۳) منفرد رہ جانے

(۱) سیرۃ النعمان میں ہے: ”جبکہ احباب ملنے والے تھے، سب کے روزینے مقرر کر رکھے تھے۔ شیوخ اور محدثین کے لئے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا۔ سال کے سال ان لوگوں کو پہنچتا تھا۔ عام معمول تھا کہ گھروالوں کے لئے کوئی چیز خریدتے تو اسی قدر محدثین اور علماء کے پاس بچھواتے۔ اتفاقہ کوئی شخص ملنے آتا تو اس کا حال پوچھتے۔ حاجتمند ہوتا تو حاجت روانی کرتے۔ شاگردوں میں جس کو تنگ حال دیکھتے، ان کی ضروریات غائیگی کی کفالت کرتے۔ بہت سے لوگ جن کو مغربی کی وجہ سے تحصیل علم کا موقع نہیں مل سکتا تھا، امام صاحب کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبوں پر پہنچے۔ انہیں میں قاضی ابو یوسف صاحب بھی ہیں۔“ (ص: ۷۳) امام صاحب کی سخاوت و موصات کے بہت سے قصے ہیں اور لکھتے ہیں: ”گنگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی، کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کر سکتے تھے۔“ (ص: ۷۰)

(۲) سیرۃ النعمان میں ہے: ”امام صاحب کی تجارت نہایت وسیع تھی۔ لاکھوں کالین دین تھا۔ اکثر شہروں میں گماشتے مقرر تھے۔ بڑے بڑے سودا گروں سے معاملہ رہتا تھا۔ ایسے بڑے کارخانے کے ساتھ دیانت و اعتیاد کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک جہ بھی ان کے خزانے میں نہیں داخل ہو سکتا تھا۔“ (اس اعتیاد کے متعلق ان کے کتنے ہا اثر قصے ہیں۔) (انتہی ص: ۷۳) اور لکھتے ہیں: ”مزاج میں تلک تھا۔ اور اکثر خوش لباس رہتے تھے۔ کبھی کبھی سحاب اور قاقم کے جبے بھی استعمال کرتے تھے۔ (چادر و قمیص چار سو درہم کی پہنی ہوئی بھی ان کو دیکھا گیا۔)“ (انتہی ص: ۷۰)

(۳) سیرۃ النعمان میں ہے: ”حماد کوفہ کے مشہور امام اور اتنا وقت تھے۔ حضرت انس سے حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے تابعین کی فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ اس وقت کوفہ میں انہیں کا مدرسہ مرجع عام سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے فقہ کا جو سلسلہ چلا آتا تھا، اس کا مدار ان ہی پر رہ گیا تھا، ان باتوں کے ساتھ زمانے نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا۔ یعنی دولتمند اور فارغ البال تھے۔ اور اس وجہ سے نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے۔“ (انتہی ص: ۳۱) اور لکھتے ہیں: ”چونکہ ابراہیم نخعی کے بعد فقہ کا مدار انہی پر رہ گیا تھا ان کی موت نے کوفہ کو بے چراغ کر دیا۔ حماد نے ایک لائق چنا چھوڑا۔ لیکن و بافت و ادب کی طرف زیادہ مائل تھے۔ آخر موسیٰ بن کثیر نے کہ حماد کے شاگردوں میں حجرہ کار اور بن کے۔۔۔

نے، ان کے ایک موروثی اور مشہور علمی خاندان کی گدی پر متمکن ہونے نے، ان کے فقاہت میں ایک خاص طریقہ پر امتیاز اور کمال اور تجربے نے ان کو بہت جلد مشہور کر دیا۔ اور جماعت کثیر کا مرجع بنا دیا۔ اور آگے چل کر قاضی ابو یوسف^(۱) وغیرہ نے دنیا میں ان کا سکہ حماد یا۔ چونکہ حماد کا سلسلہ خاندان علم امام صاحب کی علمی زندگی کا مربی تھا۔ اس وجہ سے امام صاحب اس خاندان کے ہمیشہ بڑے دلدادہ رہے۔ حماد کو سوا کوفہ کے دیگر شیوخ سے جو کہ روایت حدیث میں مشہور تھے۔ گوان سے بعض سے امام کے اخذ روایت کا ذکر بعض معتبر کتابوں میں ملتا ہے۔ مگر ہم کو اس کا کوئی معتبر ثبوت نہیں ملتا کہ امام صاحب نے ان کی خاص^(۲) طور پر ملازمت کی ہو۔ اور ان کی روایات کا استقصاء کیا ہو اور ان کی تمام حدیثیں لے لیں ہوں۔ کوفہ کے سوا بعض دیگر بلاد کے روات حدیث سے اخذ روایت کا جو کہیں کہیں پستہ چلتا ہے تو یہ بھی غالباً ایام حج میں حرمین شریفین کے اندر اتفاقی اجتماع کی وجہ سے وقوع^(۳) میں آگیا۔ یا تجارت وغیرہ کے متعلق سفر میں اتفاق پڑ گیا۔

--- لحاظ سے سب سے ممتاز تھے ان کی جگہ لی وہ فقہ کے ماہر نہ تھے۔ وہ حج کو گئے تو تمام بزرگوں نے مستقلاً امام ابو حنیفہ سے درخواست کی کہ مسند درس کو مشرف فرمائیں۔ انتہی ملخصاً ص: ۵۳) اس سے معلوم ہوا کہ حماد کی درگاہ بڑی مرجع و مشہور تھی۔ جس پر امام صاحب مسند نشین ہوئے۔ اور یہ کہ اس مشہور سلسلہ خاندان علمی کا مدار حمادی پر رہ گیا تھا اور حماد کے بعد صرف امام ابو حنیفہ صاحب پر رہا۔

(۱) چنانچہ اس کا بیان مفصل اوپر گزر چکا۔

(۲) افسوس کہ نعمانی صاحب نے ظاہر لفظوں میں دعویٰ کیا مگر باوجود دعویٰ تحقیق کے کوئی ثبوت اس کا پیش کیا۔

(۳) گو نعمانی صاحب بلا کسی ثبوت پیش کرنے کے اس کے خلاف دکھانا چاہتے ہیں، تاہم ان کے کلام سے بھی یہ بات مترشح ہے۔ چنانچہ جہاں حرمین کے سفر کا ذکر شروع کرتے ہیں، تو امام صاحب کے ایک حج کی حکایت بیان کرتے ہیں۔ انتہی۔ صفحہ: ۳۰ و صفحہ: ۳۱ میں لکھتے ہیں: ”علمائے اہل بیت تک زندہ رہے اور اس مدت میں امام ابو حنیفہ کو جب مکہ جانے کا اتفاق ہوتا تو ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے۔ انتہی۔ اور صفحہ: ۵۳ میں لکھتے ہیں حج کی تقریب میں ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال مکہ میں آکر جمع ہو جاتے تھے۔ امام صاحب اکثر ان لوگوں سے ملتے امام اوزاعی۔ مکحول۔ کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے مکہ ہی میں ان لوگوں سے تجارت حاصل کیا۔ انتہی ملخصاً۔ اور بصرہ کی بابت لکھتے ہیں۔ ---

امام صاحب کے طلب حدیث کے لئے سفر نہ کرنے کی وجہ:

ورنہ اس وقت تک کسی معتبر ذریعہ سے ثابت نہ ہو سکا اور نہ کسی دعویٰ کرنے والے نے کوئی کافی ثبوت پیش کیا۔ جس سے متحقق ہو جاتا کہ امام صاحب نے طلب حدیث کے لئے مختلف ممالک میں سفر کئے ہیں اور جابجا اساتذہ کی خدمت میں جا کر رہے ہیں اور ان سے تحصیل حدیث کی ہے^(۱) اور مشکل سے اگر کوئی دو ایک شہروں کا سفر دکھاسکے تو دکھاسکے۔ تاہم یہ کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ اور محدثین کی طرح طلب حدیث کے لئے شہروں شہروں^(۲) پھرے ہوں۔ اور حقیقت میں ان کو ایسا کرنا تھا بھی مشکل۔ ابتداء عمر سے ان کے ساتھ دوکان داری کا ایک بڑا تعلق لگا ہوا تھا۔ لاکھوں کالین

--- تجارت کی ضرورت سے اکثر بصرہ جانا ہوتا تھا۔ ص: ۲۸۔ امام صاحب کی توجہ طلب حدیث کی غرض سے سفر کرنے کی طرف تھی اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ امام حسن بصریؒ ۱۱۰ھ تک زندہ رہے۔ باوجودیکہ وہ ایک مشہور آدمی تھے اور بصرہ کوفہ سے کچھ ایسا دور بھی نہ تھا اور حسن بصریؒ کی زندگی میں امام صاحب تقریباً تیس برس کے ہو گئے تھے بلکہ طالب علمی کرتے ہوئے، دس برس گزرے تھے مگر پھر بھی انہوں نے قصہ نہ کیا کہ حسن بصریؒ کی خدمت میں آکر حاضر ہوتے۔ دیکھو: میرۃ العثمان، صفحہ: ۳۸۔

(۱) امام صاحب کی تحصیل حدیث کی بابت نعمانی صاحب نے دعویٰ تو بڑے لمبے چوڑے اور خوب خوش آئند الفاظ میں کئے مگر افسوس کہ ثبوت کچھ نہ پیش کر سکے۔ کہیں کہیں جو عقود الجمان کا حوالہ دی ہے، تو عقود الجمان تاریخ یا رجال کی کوئی معتبر کتاب نہیں۔ یہ بھی انہیں کتابوں میں ہے جن کو آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں دور از کار اور فضول قصے مذکور ہیں (ص: ۶۵) جن میں سے جس کو آپ کا جی چاہتا ہے صحیح تسلیم کرتے ہیں اور جس کو جی چاہتا ہے غلط کہہ دیتے ہیں، پھر ایسی غیر معتبر کتاب کا حوالہ کیا حجت ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا روایت کی رو سے ناقابل اعتبار ہونا تو ثابت ہی ہو گیا۔ رہی روایت تو جو بات درایت کی رو سے ناممکن الوقوع ہے تو اس کا نہ ہونا تو مسلم و یقینی ہے اور جو روایت کی رو سے ممکن الوقوع ہو تو مجرد امکان سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ واقع بھی ہوئی ہو، اس لئے کہ ہر مائل جانتا ہے کہ ممکن کے لئے واقع بھی ہونا ضروری نہیں۔ افسوس کہ اس پر آپ کی جرات یہ ہے کہ ص: ۳۳ میں لکھتے ہیں: ”ہم امام ابو حنیفہؒ کی تحصیل حدیث کے حالات ان کتابوں کی سند سے لکھ آئے ہیں جن پر فن رجال کا دار و مدار ہے۔“ انتہی۔ تعجب ہے کہ ایسا صریح خلاف دعویٰ۔ بعض شیوخ کے نام تو بیشک بعض معتبر کتابوں کے حوالے سے گناہے ہیں، مگر تحصیل حدیث کے حالات کون سی ایسی کتاب سے لکھے ہیں ذرا بتائیں تو۔

(۲) یہ تو نعمانی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ امام صاحب بصرہ و مکہ مدینہ کے سوا اور کہیں نہیں گئے، چنانچہ ص: ۴۳ میں مدینہ کو منتہائے مسافت ان کی طالب علمی کا تسلیم کرتے ہیں۔

دین تھا اس کے ہوتے ہوئے وہ ایسے آزاد کیسے پھسہ سکتے تھے۔ اس کے علاوہ موروٹی آسودگی کی وجہ سے مزاج میں ایک خاص تکلف^(۱) اور نزاکت بھی تھی، جو محدثین کی طرح میلے پچھیلے، نرمی سختی، سردی و گرمی، دور و قریب، کی مشقتوں اور سفر کی لازمی مصیبتوں کو کب سہنے دیتے۔ تاہم ان سب باتوں کے ساتھ جو کچھ امام صاحب نے کیا جہاں تک ہم خیال کرتے ہیں، وہ اس سے بہت زائد کیا جو ایک دوسرا شخص ان تمام باتوں کے ساتھ کرتا۔ انہوں نے اپنی اوقات میں سے بڑا حصہ اللہ کی عبادت اور علم کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ حماد کے حلقہ درس میں ہمیشہ حاضری دیتے تھے۔

امام صاحب (رحمہ اللہ) کا اپنا بیان:

خود ان کا بیان^(۲) ہے کہ ”میں دس برس تک حماد کے حلقہ درس میں حاضر ہوتا رہا۔ پھر خیال ہوا کہ اب خود درس تعلیم کا سلسلہ قائم کروں، لیکن استاذ کا ادب مانع تھا۔ اتفاق سے انہیں دنوں حماد کو ایک ضرورت سے بصرہ جانا پڑا۔ چونکہ مجھ کو اپنا جانشین کر گئے تھے۔ حکام مذہب وار باسب حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ بہت سے ایسے مسائل پیش آئے، جن میں استاذ سے میں نے کوئی روایت نہیں سنی تھی، اس لئے اپنے اجتہاد سے جواب دیے اور احتیاط کے لئے ایک یادداشت لکھتا گیا۔ دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے۔ میں نے وہ یادداشت پیش کی۔ کل ساٹھ

(۱) چنانچہ اس کے متعلق ہم نعمانی صاحب کے اقوال پہلے لکھ چکے ہیں اور لکھتے ہیں: ”اس قسم کی ٹوپی جو اہل دربار اور امراء کے ساتھ مخصوص تھی، کبھی کبھی استعمال کرتے تھے، دنیا دار و متمندوں کے لئے تو ایک معمولی بات ہے۔ لیکن علماء کے دائرے میں یہ امر تعجب کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ امام صاحب کے گوشہ خانہ میں اکثر سات آنٹھ ٹوپیاں موجود رہتی تھیں اور باتوں میں بھی امام صاحب کا طرز معاشرت ان پیشیتوں میں اور علماء سے بالکل جدا تھا۔ انہی کے حلقہ: ۱۷۱۔ امام صاحب کو اس چادر اور اوڑھنے میں شرم آنا بھی لکھتے ہیں، جس پر دوسرے بعض علماء نماز کرتے تھے اور جس کی قیمت پانچ دینار سرخ تھے۔ دیکھو ص: ۷۰۔“

(۲) دیکھو: سیرۃ النعمان ص: ۳۲، یہ عبارت بھی اسی کی ہے۔

مسئلے تھے، ان^(۱) میں سے بیس میں غلطیاں نکالیں۔ باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں، میں نے عہد کیا کہ جب تک حماد زندہ ہیں، ان کی شاگردی کا تعلق کبھی نہ چھوڑوں گا۔“ الحاصل امام صاحب کی معلومات کے بڑے حصے کا مدار حماد کی روایت پر ہے۔

اہل عراق کا قلیل الحدیث ہونا اور امام صاحب کے خاندان کا علم:

اتفاق کی بات کہ اول تو عراق والے عموماً بالخصوص بہ نسبت اہل حرمین^(۲) قلیل

الحدیث تھے، یہ خاندان کہ جو امام صاحب کی معلومات کا مرکز ہے وہ اور بھی زائد قلیل الروایہ^(۳)

(۱) یہ وہ وقت ہے کہ امام صاحب اپنے آپ کو فارغ التحصیل اور کامل العلم خیال فرماتے تھے، اسی وجہ سے متعدد درس کا سلسلہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ جس پر ایک تہائی مسائل میں خطا اجتہادی ہوئی، جو حماد نے آکر نکالی کاش ہمارے زمانے کے ان کے ساتھ معصوموں کا معاملہ کرنے والے اس سے عبرت پکڑتے۔

(۲) کیونکہ اہل علم کی تو وہیں سے ہے اور وہی صحابہ کی اصلی قرار گاہ ہے اور دوسری جگہ وہیں سے نکل کر ان صحابہ کے ساتھ جو وہاں گئے، پہنچا، اور عراق میں جو صحابہ گئے تھے، ان کا زیادہ تر شغل جہاد و باندا شاعت علم۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: مع أن أهل الحجاز أكثر رواية للأحاديث رواية للأحاديث من أهل العراق لأن المدينة دار الهجرة وماوى الصحابة ومن انتقل منهم إلى العراق كان شغليهم بالجهاد أكثر۔ انتہی اور لکھتے ہیں: وكان الحديث قليلا في أهل العراق۔ انتہی۔ یعنی حدیث اہل عراق میں کم تھی، اس سے سیرۃ النعمان کی وہ غلطی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جو انہوں نے کوفہ بصرہ کو حرمین کا مثل بنایا ہے۔ اور نعمانی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ کوفہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کی وجہ سے دار العلم تھا جیسا کہ حرمین حضرت عمر اور حضرت ابن عباس کی وجہ سے اس کا جواب حسن البیان میں دے دیا گیا ہے اس وجہ سے ہم لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

(۳) چنانچہ نعمانی لکھتے ہیں حدیث کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ بہت کم حدیثیں ہیں، جو صحیح ہیں یا یہ کہ بہت کم حدیثیں ہیں جن کی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے۔ اس خیال کا بڑا سبب یہی تھا کہ یہ مسئلہ کسی نہ کسی پیرایہ میں ان کے خاندان تعلیم میں وراثتاً چلا آتا تھا۔ حدیث و فقہ میں ان کے خاندان کی تعلیم کے مورث اول عبد اللہ بن مسعود اور حنفی مذہب کی بنیاد زیادہ تر انہیں کی روایات و استنباط پر ہے۔ عبد اللہ بن مسعود اگرچہ بڑے محدث تھے۔ لیکن اور محدثین صحابہ کی نسبت قلیل الروایہ تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ مشہد اور محتاط تھے۔ ابراہیم نخعی جو عبد اللہ بن مسعود کے ایک واسطہ شاگرد اور امام ابوحنیفہ کے ایک واسطہ استاد تھے۔ ان کا بھی یہی مذہب تھا اور اسی وجہ سے سیرۃ الحدیث کہلاتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے گو اور بہت سی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی، لیکن ان کی معلومات اور خیالات کا اصلی مرکز ہی خاندان ---

تھایہ بات ان کی قسمت حدیث کے لئے اور معین ہوگئی۔ یہی ان کا قلیل الحدیث ہونا وجہ ہے کہ وہ عام (۱) طور پر محدث مشہور نہ ہوئے اور کتب طبقات و تراجم میں جہاں ان کا نام نامی اور ان کے مناقب کا ذکر آتا ہے، تو فقہ (۲) (مثل فقہ اہل العراق وغیرہ) کے لقب سے ان کو یاد کیا جاتا ہے۔ اور ان کی فتاہت ہی کی تھی جس میں ان کو بڑا کمال تھا تعریف کی جاتی ہے اور ان کا فن حدیث کے ساتھ چنداں تعلق یا اس میں کچھ تجر بیان نہیں کیا جاتا۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب (۳) نے حجۃ اللہ و انصاف میں جہاں ائمہ کا موازنہ کیا ہے اور ہر امام کے خصوصیت کے ساتھ کارنامہ بتائے ہیں، تو ہر ایک کا خاص خاص تعلق حدیث کے ساتھ بیان کیا، لیکن امام صاحب کے تذکرہ میں حدیث کا

--- تھا۔ انتہی۔ ملخصاً جس: ۵۴ اوص: ۵۵ اوص: ۱۵۶۔

(۱) چنانچہ خود نعمانی صاحب لکھتے ہیں: اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عام طور پر محدث کے لفظ سے مشہور نہیں۔ انتہی جس: ۱۳۴۔
(۲) دیکھو: کتب طبقات و تراجم تذکرۃ الحفاظ کی عبارت ابھی دیکھ چکے ہو گھوم گھام کر نعمانی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ امام صاحب کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہی ہے جس: ۱۹۳۔

(۳) چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ کی بابت لکھتے ہیں: وکان مالک من أئمتهم في حديث المدينة عن رسول الله (ﷺ) وأوثقهم إسناده وأعلمهم بقضايا عمرو وأقارب عبد الله بن عمرو وعائشة وأصحابهم من الفقهاء السبعة وبه يأمنه قام علم الرواية والفتوى۔ انتہی۔ (حجة الله البالغة، ص: ۱۵۰) یعنی مدینہ والے جو حدیث رسول (ﷺ) روایت کرتے ہیں، تو اس میں امام مالک اثبت الناس تھے اور سب سے زیادہ اسناد میں تھے۔ اور حضرت عمر کے فیصلوں اور ابن عمر اور عائشہ اور ان کے شاگرد فقہاء سبعہ کے اقوال کو سب سے زیادہ جاسنے والے۔ چنانچہ امام مالک اور انہیں جیسوں سے علم روایت (حدیث) اور علم فتویٰ قائم ہوا۔ انتہی۔ اور امام شافعی کے ذکر میں ان کی ترتیب اصول حدیث اور فن حدیث سے بہت سی باتوں میں پہلوں کے تسامح نکالتے اور انکی حدیث میں تجر کی بابت تو بہت کچھ لکھا عجب نہیں، اگر موقع ملا تو ہم آگے نہیں نقل کریں اور آگے چل کر اہل حدیث کے ذکر میں امام احمد صاحب کی بابت لکھتے ہیں: وکان أعظمهم شأنًا وأوسعهم رواية وأعمقهم مرتبة وأعمقهم فقهاً أحمد بن محمد بن حنبل۔ انتہی جس: ۱۵۵۔ یعنی ان سب میں زائد عظیم الشان اور وسیع الروایت اور زیادہ حدیث کے جاسنے والے اور فتاہت میں سب سے زائد دقیق الشکر احمد بن حنبل تھے فقہاء۔ اور امام ابو حنیفہ کے تذکرے میں حدیث کا نام تک نہ لیا بلکہ ابراہیم نخعی کے مذہب کو لازم چکونا اور اس پر سچے رہنا اور اس پر تخریج کرنا ذکر کیا، چنانچہ اس عبارت کو ہم ان شاء اللہ عنقریب نقل کریں گے۔

کچھ ذکر نہ آیا۔

اور خود امام صاحب نے اپنے زمانہ میں جب کہ تدوین علم کی تحریک ہوئی اور ہر علم والے نے اپنی اپنی معلومات کو مدون کرنے کی توجہ کی۔ تو اوروں نے تو احادیث رسول (ﷺ) کی تدوین کی، مگر انہوں نے بجائے حدیث کے فقہ و رائے کو جمع کیا، جیسا کہ پہلے تم امام ذہبی کے کلام میں پڑھ چکے ہو۔ یہ تمام باتیں اس بات کی کافی دلیلیں ہیں کہ امام صاحب کو فن حدیث میں بہت زیادہ دخل نہ تھا اور نہ وہ کثیر الحدیث تھے۔ اور نہ ان کو حدیث کے ساتھ کوئی بڑا نمایاں تعلق تھا، جو ان کے علمی کارناموں میں قابل ذکر ہوتا۔ بلکہ ذکر آتا ہے تو برعکس۔ اور قلت روایت کا ذکر آتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی مرحوم مقدمہ عمدۃ الرعاۃ میں امام صاحب کے ترجمہ میں ان کی نسبت ان کے مشائخ ان کے تلامذہ ان کے طبقہ کے ذکر کے بعد جب ان کی روایت احادیث کی سرخی دے کر لکھتے ہیں تو لکھتے ہیں^(۱): ”کہ اور محدثین کی نسبت ان کی روایت حدیث گو کم ہے، مگر یہ کمی ان کے مرتبہ کو نہیں گھٹاتی۔“^(۲)

اور اس سب سے زیادہ ذی اثر وہ شہادت ہے، جو ان کے ایک مشہور شاگرد عبد اللہ بن مبارک کی ہے اور کچھ شک نہیں کہ ایک لائق واقف کار ماہر صاف گو شاگرد کی شہادت اعتاد کے علمی حالات کی بابت بہت وزنی اور قابل قبول ہے۔ امام محمد بن نصر مروزی اپنی کتاب قیام اللیل^(۳)

(۱) عبارت یہ ہے: وأما رواياته للأحاديث فهي وإن كانت قليلة بالنسبة إلى غيره من المحدثين إلا أن

فلتهالاً تحط مرتبته۔ انتہی۔ ص: ۳۴۔

(۲) بے شک ان کے علمی و عملی صد با فضائل کے سامنے جیسا کہ ہم نے بار بار ذکر کیا۔ اگر ان میں حدیث کی ایک حد تک

کمی ہے تو اس سے ان کی عظمت اور شان میں فرق نہیں آتا۔

(۳) یہ کتاب نہایت عمدہ کتاب ہے، اس کا حوالہ بابجاہ بن حجر نے بھی فتح الباری وغیرہ میں دیا ہے طبع ہو چکی ہے۔ عبارت

یہ ہے: سمعت اسحاق بن إبراهيم يقول قال ابن المبارك: كان ابو حنيفة يصما في الحديث۔ انتہی۔ ابن مبارک کو

امام صاحب کا مشہور مختص و معتقد شاگرد نعمانی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ (دیکھو ص: ۴۳ ص: ۲۸۶)

میں فرماتے ہیں کہ: ”مکہ میں میں نے اسحاق بن ابراہیم سے سنا کہ ابن مبارک کہتے تھے کہ ابو حنیفہ حدیث میں یتیم (کم مایہ) تھے۔“ اور امام محمد کی شہادت تو تم پہلے ہی سن چکے ہو۔ اور ابن داؤد^(۱) کہتے تھے: اگر تو روایات چاہے تو سفیان اس کے محل میں (ان کے پاس جا) اور اگر یہ (عقلی) دلائل مطلوب ہوں تو (امام) ابو حنیفہ اس کے محل میں (ان کے پاس جا)۔“

اس مقابلہ کا جو مفاد ہے وہ ظاہر ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس میں شک کرنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے کہ امام اعظم صاحب نے حدیث کا حصہ کم پایا اور وہ کثیر الحدیث نہ تھے۔ اور حقیقت میں یہ وہ بات ہے کہ جس کے اقرار سے کسی محقق کو انکار نہیں۔ چنانچہ اکابر محققین کے اقوال ہم ذکر کر چکے ہیں اور بعض آگے بھی ان شاء اللہ تعالیٰ آئیں گے۔ اور لطف یہ ہے کہ جو اس کے خلاف میں بڑے ساعی ہیں وہ خود بھی لوٹ پھر کر اقرار کرتے ہیں کہ امام صاحب اور تمام محدثین سے قلیل الحدیث تھے۔^(۲)

امام صاحب کے ”کثیر الحدیث“ کی حقیقت:

بڑی سے بڑی دلیل^(۳) جو امام صاحب کے کثیر الحدیث ہونے کی وجہ پیش کرتے ہیں یہ ہے کہ وہ کتنے ایسے رواۃ حدیث کے نام جو کہ روایت حدیث میں مشہور ہیں، جن سے امام صاحب کے اخذ روایت کا کتب رجال سے پتہ چلتا ہے، شمار کرنا کر لکھتے ہیں۔ جس کے اساتذہ یہ لوگ ہوں جو

(۱) دیکھو: مقدمہ عمدۃ الرعاۃ۔ عبارت یہ ہے: إذا أردت الآثار فسفيان وإذا أردت تلك الدقائق فأبو حنيفة۔

انتہی (ص: ۳۷)۔

(۲) چنانچہ نعمانی صاحب ص: ۵۳ میں لکھتے ہیں: ”ان کے اصول تنقید نہایت سخت خیال تھے مجھے میں، یہاں تک کہ محدثین نے ان کی مشدونی الروایۃ کا لقب دیا ہے۔ تمام اور محدثین کی بہ نسبت امام صاحب کی قلیل الروایۃ ہونے کی ایک یہ بھی وجہ ہے بلکہ تمام اور وجوہ کی بہ نسبت زیادہ قوی سبب ہے۔“ انتہی۔ اور ص: ۵۷ میں لکھتے ہیں البتہ اور محدثین کی نسبت ان کی احادیث مسلمہ کی تعداد کم ہے۔“ انتہی۔ ۱۲

(۳) سیرۃ النعمان وغیرہ۔

فن روایت کے ارکان ہیں، اور جن کی روایتوں سے بخاری، مسلم، مالا مال ہیں، وہ حدیث میں کس رتبہ کا شخص ہوگا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ امام صاحب کے شاگردوں پر لحاظ کرو، فلاں فلاں میں (جو بڑے بڑے پایہ کے لوگ ہیں، جن کا امام صاحب سے اخذ روایت کا پتہ چلتا ہے۔) کیا اس رتبہ کے لوگ جو خود روایت و حدیث کے پیشوا تھے کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے۔ ”بہا صمد، امام صاحب کے شیوخ کی تعداد بلا تحقیق مناقب لکھنے والوں نے تو بہت کچھ لکھی ہے۔ مگر چونکہ اس وقت تحقیق کی روشنی عام ہو رہی ہے۔ پس اب ایسی کچی باتیں ذرا دیر کو بھی فروغ نہیں پاسکتیں۔ اس وجہ سے خود ہی مجبوری کو تسلیم کرتے ہیں^(۱) کہ یہ تعداد محدثانہ اصول سے بے شک ثابت نہیں ہے۔ تاہم جن لوگوں سے امام کے اخذ روایت کا ذکر معتبر کتابوں سے نکلتا ہے، گو وہ تھوڑے ہی سہی مگر ان کی حبالت شان بادی النظر میں بالخصوص ایک ناواقف کو ضرور دھوکے میں ڈالتی ہے کہ ایسے لوگوں کے شاگرد کو قلیل الحدیث کیسے کہا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ان مشہور محدثوں کی شاگردی جائز نہیں رکھتے کہ ان لوگوں کا استاد قلیل الحدیث ہو۔ لیکن فن روایت سے جو شخص ذرا سی بھی واقفیت رکھتا ہے، اس کے سامنے یہ دلیل کچھ چیز نہیں^(۲)۔

(۱) چنانچہ نعمانی صاحب لکھتے ہیں: ”ابو حفص کبیر نے دعویٰ کیا ہے کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیثیں روایت کیں۔ اگرچہ تاریخ اسلام میں یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ مسلمانوں نے حدیثوں کے جمع کرنے میں جو محنتیں اور جانفشانیاں کیں ہیں، دنیا کی اور قومیں اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں، ہم متعدد شخصوں کے نام بتا سکتے ہیں، جن کے شیوخ حدیث چار ہزار سے کم نہ تھے، لیکن انصاف یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کی نسبت یہ دعویٰ محدثانہ اصول پر ثابت نہیں ہو سکتا عقود الجہان میں تین سو انیس شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی فہرست زیادہ تر فقہاء حنفیہ سے ماخوذ ہے ممکن ہے کہ محدثین کو کلیۃً اس سے اتفاق نہ ہو۔ انتہیٰ ص: ۴۹ و ۵۰۔

(۲) اس دلیل کی کمزوری وہ بے بنیاد فی اس سے بھی ظاہر ہے کہ امام صاحب کے ہمعصر مثل امام مالک اور سفیان و کعب (جو امام صاحب کے اکثر مشائخ میں باوجود امام صاحب کے شریک ہونے کے امام صاحب سے اور بہت زائد بڑے بڑے مشائخ رکھتے تھے اور جیسے امام صاحب کے بڑے بڑے نامی شاگرد بتائے جاتے ہیں، ان کے بھی ایسے ہی اور اس سے زائد ہیں) احادیث کی جس مقدار کے ساتھ ظفریاب ہوئے تم اوپر بڑے چکے ہو یعنی ایک ہزار۔۔۔

فن روایت سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ ایک محدث کا دوسرے سے سلسلہ روایت قائم ہو جانے کے لئے اس کی تمام معلومات کا استیعاب شرط نہیں۔ کوئی شخص کسی محدث کثیر الحدیث سے اگر ایک حدیث بھی لے لے، خواہ کسی طور سے اس کا اتفاق پڑ جائے تو اس کے ساتھ اس شخص کے سلسلہ اخذ روایت پیدا ہو جانے کے لئے وہی کافی سمجھا جاتا ہے اور یہ شخص اس کا شاگرد (اور اس سے روایت کرنے والا) کہلائے گا۔ حالانکہ یہ ضرور نہیں کہ اس شخص کو اس محدث کی تمام احادیث مرویہ معلوم ہو گئی ہوں۔ یا مثلاً کوئی محدث کثیر الحدیث ایک شخص سے جس کے پاس چند ہی حدیثیں تھیں، کوئی ایک حدیث لے کر روایت کرنے لگے تو یہ محدث اس کا شاگرد اور اس سے روایت لینے والا کہلائے گا۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ جس قدر اس شاگرد روایت لینے والے کو حدیثیں معلوم ہیں، اس استاذ قلیل الحدیث کو بھی معلوم تھیں۔ اس کے علاوہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی ابتداء تحصیل کے زمانہ میں ایک معمولی استاذ سے کچھ حاصل کرتا ہے، پھر اور اساتذہ سے حاصل کر کے پہلے استاذ سے بہت زائد کامل اور ماہر فن ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ اس کا ہمیشہ استاذ ہی کہلاتا ہے اور برابر وہ اس کی تعظیم و تکریم بھی استاذوں کی سی کرتا ہے حالانکہ وہ ایک معمولی ہی استاذ تھا۔ پس یہ کہنا کیسی غلطی ہے کہ یہ استاذ اگر معمولی ہوتا تو فلاں ماہر فن اس کے سامنے سر کیسے جھکاتا۔ بہر حال محسوس اس قسم کی شاگردی اور استاذی کے تعلقات سے کسی شخص کا کثیر الحدیث یا اس فن کا حدیث میں عالی پایہ ثابت کرنا ایک صریح غلطی سے خالی نہیں۔

--- حدیث یا اس سے بھی کم۔ پس ایسے بڑے بڑے اساتذہ کی شاگردی اور اتنے بڑے بڑے پایہ کے لوگوں کی استاذی کے ساتھ امام صاحب کی قلت حدیث پر جو کچھ تعجب اور استبعاد ہوتا ہے، اس سے زائد ان لوگوں کی بابت ہے۔ اور حقیقت میں واقعہ کار کے لئے کوئی استبعاد نہیں، استبعاد و تعجب جب ہی ہوتا ہے کہ ہر زمانہ کی خصوصیت سے ناواقف ہو اور آدمی ہر زمانے کے تاریخی واقعات کو اپنے زمانے پر قیاس کر کے رائے زنی کرے یا ظاہر بینی سے کام لینا چاہیے اور حقائق امور میں غور نہ کرے۔

قیاس مع الفارق:

اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ امام صاحب نے ان تمام اکابر روایت حدیث سے ان کی تمام مرویات اخذ کر لیں تھیں اور امام صاحب کثیر الحدیث تھے تو ظاہر ہے کہ امام صاحب (۱) کا زمانہ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا سا زمانہ نہ تھا کہ اس وقت میں سلسلہ روایت کا رواج نہ ہوا تھا، اور نیز اس وقت تک روایت حدیث کی عموماً چنداں حاجت بھی نہ تھی (۲)، جس کی وجہ سے باوجود ان کی وسیع معلومات ہونے کے ان کی روایات بکثرت مروی نہ ہوئیں، بلکہ یہ وہ وقت تھا کہ روایت کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا اور لوگوں کو احادیث کے حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہو چکی تھی۔ اور جس محدث کے پاس کسی حدیث رسول (ﷺ) کا پتہ چلتا تھا، طالب حدیث دوڑ دوڑ کر دور دور سے اس کے پاس پہنچتے تھے، اور اس سے اس کی مرویات کو حاصل کرتے اور ان کو روایت کرتے تھے۔

امام صاحب (رحمہ اللہ) کی کثیر حدیثیں ہیں کہاں؟

غلاوہ ازیں ایسے وقت میں کسی علم والے کو خود بھی جائز نہ تھا کہ وہ اپنی معلومات کا کتہمان کرے۔ اور ان احادیث رسول (ﷺ) کو جو اس کے علم میں ہے، طالبین کو اعلان کے ساتھ نہ پہنچا دے۔ تو اگر امام صاحب کثیر الحدیث تھے تو ان کی وہ تمام احادیث کیا ہو گئیں (۳)۔ جب امام

(۱) یہ نعمانی صاحب کی اس غلطی کی طرف اشارہ ہے۔ جو انہوں نے امام صاحب کی قلت حدیث کو شیخین پر قیاس کر کے رفع کرنا چاہا ہے۔ دیکھو جس: ۱۳۷۔

(۲) جیسا کہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے۔

(۳) مسند امام اعظم و عقود الجواہر کا حال:

اس موقع پر جب کہ ہم امام صاحب کے علم حدیث کی بابت ایک مختصراً بحث لکھ رہے ہیں، مناسب سمجھتے ہیں کہ ان مسندوں کی بابت کچھ لکھیں جو امام صاحب کے بتائے گئے ہیں، جن کو ابو المؤید خوارزمی متوفی ۶۶۶ھ میں نام ---

صاحب سے امام صاحب کی احادیث لینے والے ایسے مشہور محدث تھے، جن کی روایات سے کتب

--- بتا کر ان کو یکجا جمع کر کے اس کا نام جامع المسانید رکھا جو مسند خوارزمی بلکہ مسند امام اعظم (رحمہ اللہ) کے نام سے مشہور ہے اور انہی کے حوائے سے علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۸۰ھ نے عقود الجواهر المنیۃ فی أولیٰ مذہب ال (امام ابی حنیفہ) تالیف کی لیکن اس جنگ مقام پر ہم صرف نعمانی صاحب کی تحقیقات کا ذکر کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ نعمانی صاحب ان سب مسندوں کا نام لکھ کر تحریر فرماتے ہیں ”جو لوگ امام صاحب کے سلسلہ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہیں، وہ ان میں مفصلہ بالا کتابوں کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے مسند خوارزمی کو امام صاحب کا مسند کہنا مجازی الطلاق ہے خوارزمی خود ساتویں صدی میں تھے۔ جن مسندوں کو جمع کیا ہے، وہ بھی اکثر تیسری چوتھی صدی یا اس سے بھی بعد کی ہیں۔ حماد قاضی ابو یوسف البتہ امام صاحب کے ہم عصر ہیں اور ان کا مسند بے شبہ امام ابو حنیفہ کا کیا جاسکتا تھا۔ لیکن خوارزمی کے سوا اور کسی نے ان مسندوں کا نام نہیں لیا ہے، حالانکہ حدیث کی کتاب جب تک مشہور اور مستند روایتوں سے نہ ثابت ہو، اس کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا، ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے، وہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد ان روایتوں کو جمع کرنا چاہا، جو وہ پہلے طبقوں میں موجود نہ تھیں اور گناہ مندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں، ان لوگوں نے ان کو بلند کرنا چاہا، حالانکہ وہ حدیثیں ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں جن کا محدثین اعتبار نہیں کرتے مثلاً زیاد و گوا عظیم اور اہل بدعت اور ضعیف الروایہ یا وہ صحابہ اور تابعین کے آثار یا بنی اسرائیل کے قصے تھے یا حکما اور واعظین کے مقولے تھے، جن کو راویوں نے رسول اللہ کے کلام سے مخلوہ کر دیا تھا۔ یا قرآن اور حدیث کے متحمل مضامین تھے، جن کو ان نیک آدمیوں نے بالمعنی روایت کیا، جو ان روایت کی باریکیوں سے ناواقف تھے، ان لوگوں نے ان باتوں کو رسول اللہ (ﷺ) کی طرف منسوب کر دیا۔ یا ایسے مضامین تھے، جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہوتے تھے، ان کو قصداً حدیث نبوی بنا دیا یا مختلف حدیثوں کے ٹکڑے تھے۔ جو ایک عبارت میں مرتب کر دیئے گئے۔ اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفاء ابن حبان، کامل ابن عدی تصنیفات خطیب و ابونعیم و جوزقانی۔ و ابن عساکر و ابن خبار دہلی میں مل سکتی ہیں مسند خوارزمی بھی قریباً اسی طبقہ میں داخل ہے۔“ (شاہ صاحب کا کلام ختم ہوا) شاہ ولی اللہ صاحب نے ذرا سختی کی۔ بات اتنی ہے کہ جن مسندوں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے شاگردوں نے لکھے۔ ان کا نہ تاریخوں سے ثبوت ملتا ہے نہ وہ خود کہیں پائے جاتے ہیں، جو مسند امام صاحب کے زمانے سے بہت پیچھے لکھے گئے۔ وہ البتہ موجود ہیں۔ لیکن ان کی حدیثوں کا امام صاحب تک صحیح متصل پہنچنا نہایت مشتبہ ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض بعض مسانید میں بے اعتباری کی اندرونی شہادتیں موجود ہیں، مسند مصطفیٰ میں بھی روایتیں امام صاحب کی طرف منسوب ہیں، جن کو خود صحابہ سے سنا اور روایت کیا ہے۔ حالانکہ امام صاحب کا صحابہ سے روایت کرنا محدثانہ تحقیقات کی رو سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ انتہی (صفحہ: ۱۱۴-۱۱۵) اس تحقیقات سے ثابت ہے کہ جو امام صاحب کی مسندیں بھی

حدیث پڑھیں۔ بلکہ امام صاحب کی کثرت تلامذہ کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ اس کثرت سے تھے کہ ان کی اتنا ذی^(۱) کی حدود خلیفہ وقت کے حدود حکومت کے برابر تھے، تو ان لوگوں نے وہ ان کی تمام روایتیں کیوں نہیں روایت کیں۔ اور وہ احادیث اہل علم میں کیوں نہ مشہور ہوئیں اور پھیلیں۔ اور وہ تمام احادیث انہیں محدثین کی جو امام صاحب کے شیوخ بتاتے جاتے ہیں۔ جیسا کہ بتوسط امام صاحب کے اور جمعہ محدثین کے ان تمام کتاب احادیث میں مذکور ہیں، اگر امام صاحب بھی ان کے راوی تھے، تو وہ امام صاحب کے بھی سلسلہ سند سے کیوں نہیں مذکور ہوئیں۔

امام صاحب (رحمہ اللہ) اور تعداد احادیث تحلیل و تجزیہ:

ان سب کے علاوہ اگر امام صاحب کثیر الحدیث ہوتے تو ضرور سب سے پہلے ان کے باخلاص شاگرد جو ان کی اعلاء منزلت اور اظہار علو شان میں بڑی گرمجوشی کے ساتھ کوشاں تھے، اس کا اعلان کرتے اور ان کی روایت کثیرہ کو پھیلاتے^(۲) اور شہرت دیتے۔ حالانکہ ان لوگوں نے ایسا نہ کیا بلکہ انہوں نے جس قدر اوروں سے روایتیں کیں، ان سے نہ کیں اور جو ان سے روایت کیں، وہ کثرت کا مصداق نہیں بلکہ وہ بہت کم ہیں۔ چنانچہ وہی علماء جو امام صاحب کی بابت قلت حدیث

--- جاتی ہیں اور جو احادیث ان میں مذکور ہیں، ان کا راوی امام صاحب کو بنایا جاتا ہے۔ اس بات کا کوئی کافی ثبوت

نہیں۔

اور نیز عقود الجواہر میں جو احادیث ذکر کر کے امام صاحب کو ان کا راوی قرار دیا ہے، گو وہ احادیث فی نفسہا ثابت ہوں، اس لئے کہ وہ دوسرے محدثین کی روایت سے ثابت ہیں، جیسا کہ خود عقود الجواہر کے اول میں ذکر کیا ہے مگر اس بات کی کوئی سند نہیں کہ امام صاحب یہی ان کے راوی ہیں، کیونکہ امام صاحب کا ان احادیث کو روایت کرنا صرف انہیں مسندوں کے اعتماد پر بتایا گیا ہے جیسا کہ خود عقود الجواہر کے اول میں اور نیز آخر میں ذکر کر دیا اور یہ مسندیں جن کے اعتماد پر امام صاحب کو راوی ٹھہرایا وہ خود ہی درجہ اعتماد کا عند تحقیق نہیں رکھتیں۔

(۱) دیکھو: سیرۃ النعمان ص: ۵۶۔

(۲) یہ وہ دلیل ہے، جس کو نعمانی صاحب نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ امام صاحب نے کسی صحابہ سے ---

کے بعض اقوال کی بڑے زور سے مخالفت کرتے ہیں، وہ بھی امام صاحب کی کثرت احادیث کو ثابت کرنے کے لئے (گویا مبالغہ کے ساتھ) جب انہیں کتابوں کے پت سے جو ان کی روایات کا مرکز اور مخزن ہیں اور جو ان کے انہیں ارشد تلامذہ اور مخلص شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد کی تالیفات ہیں۔ ذکر کرتے ہیں، تو بس سور ۱۰۰، دوسور ۲۰۰ روایتیں یا اس سے کسی^(۱) قدر زائد بتاتے ہیں، کچھ شبہ نہیں کہ ان کے خاص شاگردوں کا ان سے اس قلت کے ساتھ احادیث کا ذکر کرنا خصوصاً ایسی تالیفات میں جو حدیث کی کتابیں ہوں، اس تقدیر کہ وہ کثیر الحدیث تھے، بڑا ہی قابل تعجب امر ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس بات کے یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ امام صاحب کثیر الحدیث تھے۔ لیکن اس سے ان کی عظمت شان میں جب کہ ان میں دیگر علمی و عملی بے شمار فضائل جمع تھے، نقصان نہیں آتا۔

۔۔۔ کوئی روایت نہیں لی بخش کی ہے۔ چنانچہ ص: ۲۴ میں لکھتے ہیں ”صاف بات یہ ہے کہ امام صاحب نے صحابہ سے ایک بھی روایت کی ہوئی تو سب سے پہلے امام کے تلامذہ خاص اس کو شہرت دیتے، لیکن قاضی ابو یوسف۔ امام محمد۔ حاکم۔ عبد الرزاق بن ہمام۔ عبد اللہ بن مبارک۔ ابو نعیم۔ مکی بن ابراہیم۔ ابو عاصم وغیرہ سے کہ امام مشہور اور باخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھئے تو زیادہ تر انہیں لوگوں نے ان کی ناموری کے سکے بٹھائے ہیں، ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں۔“ آخری۔ یہ دلیل نعمانی صاحب کے ہوا اور لوگ بھی بیان کرتے ہیں، دیکھو: رد المحتار حاشیہ در مختار یہ دلیل اس مطلوب کے لئے دلیل ہو سکتی ہے، تو وہ ہمارے مطلوب کے لئے یہی دلیل ہے۔

(۱) چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب مقدمہ عمدۃ الرعاہ میں سترہ حدیث والے قول کے رد میں لکھتے ہیں: لأن من نظر تصانیف تلامذۃ الإمام الذین أسندوا الروایات فیہا إلی أستاذہم وأسندوها إلی رسول اللہ (ﷺ) بإسنادہم کمؤطا للإمام محمد و کتاب المحجج لہ و کتاب الآثار و السیر الکبیر لہ و کتاب الخراج للإمام أبي یوسف وغیر ذلک وجد فیہا روایات الإمام أزید من مائۃ بل مائتین فما معنی کون روایاتہ سبعۃ عشر فقط۔ انتہی۔ ص: ۳۶۔ اور نعمانی صاحب لکھتے ہیں: ”ان کے شاگردوں نے خود ان سے سیکڑوں حدیثیں روایت کی ہیں۔ مؤطا امام محمد کتاب الآثار، کتاب الحج جو عام طور پر مستداول ہیں، ان میں بھی امام صاحب سے بیسیوں حدیثیں مروی ہیں۔“ انتہی۔ ص: ۱۵۷۔

علامہ ابن خلدون نے امام صاحب کی تعداد احادیث کی بابت ایک قول لکھا ہے کہ ان کی روایات سترہ حدیث تک تھیں۔ مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نے جس موقع پر اس قول کا رد کیا ہے، وہیں ^(۱) امام صاحب کی تعداد روایات کی بابت پانچ قول نقل کئے ہیں۔ ایک ^(۲) یہ کہ ان کی کل روایات پانچ سو ۵۰۰ ہیں۔ دوسرا قول سات سو ۷۰۰ ہیں۔ تیسرا قول ایک ہزار اور کئی حدیث ہیں۔ چوتھا ایک ہزار سات سو ہیں۔ پانچواں چھ سو چھیاسٹھ ہیں۔ افسوس ہمارے پاس اس وقت کوئی ایسا ذریعہ نہیں، جس سے ہم تحقیق کر سکیں کہ ان میں کون سا قول زیادہ قرین صواب ہے۔ تاہم دو معتبر شہادتیں ایک امام (رحمہ اللہ) کی جس میں انہوں نے امام مالک سے جن کی تعداد احادیث قریب ایک ہزار ہے۔ امام صاحب کو حدیث میں کم بتایا ہے۔ دوسری وہ جس کو شاہ صاحب نے امام ابو داؤد سے نقل کیا، جس میں انہوں نے امام صاحب کے ہم عصر سفیان و وکیع کا (جن کا امام کی بہ نسبت کثیر الحدیث ہونا ایک ظاہر امر ہے) باوجود تمام ترکوشش کے ایک ہزار حدیث سے کم ہی پر دسترس پانا ذکر کیا ہے، (جن کو پہلے ذکر کر چکے ہیں) اس فیصلے پر مجبور کرتے ہیں کہ ہزار سے کم ہی والے قولوں میں سے کوئی قول صحیح ہے نہ ہزار سے زائد والا قول۔ اور ان شہادتوں کے سوا اور وجوہ و اسباب جو ہم ذکر کر چکے یا جو آگے کرنے والے ہیں، وہ بھی اسی کے قرینہ ہیں ^(۳)۔ پس بہ حسب ظن غالب محقق یہی ہے کہ امام اعظم صاحب کی کل احادیث کی تعداد جو ان کے علم و روایت میں تھیں۔

(۱) معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زائد مقدار بتانے والا کوئی قول نہیں ملا۔

(۲) عبارت یہ ہے: ذکر الزرقانی شارح المواهب اللدنیة و للمؤطا و غیرہ فی عدد روایة اقواء احدثا ان روایاتہ خمس مائۃ و ثانیہا سبع مائۃ و ثالثہا بضع و ائلف و رابعہا سبع مائۃ و ائلف و خاصہا ست و ستون و ست مائۃ۔ انتہی۔ (مقدمہ عمدۃ الرعاۃ، ص: ۳۵)۔

(۳) اس سب کے علاوہ ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ ان کے ہم عصر امام مالک کو تقریباً نو سو شیوخ میں ہزار حدیث پر دسترس ہوئی اور امام صاحب کے شیوخ تو تین سو بھی ثبوت کو نہیں پہنچے۔ نعمانی صاحب نے تمام کوشش صرف کر کے تقریباً اسی ۸۰ شمار کرائے ہیں، اس نسبت سے انداز ہو سکتا ہے کہ امام صاحب کی احادیث کا کیا مقدار ہونا چاہئے۔

ایک ہزار سے کم ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ خود علماء حنفیہ لکھتے ہیں کہ وہ احادیث جن سے تعلق احکام کا ہے، ان کی مقدار تین ہزار^(۱) ہے۔ پس اس حساب سے بین طور پر ثابت ہوا کہ حنفیہ ہی کی مقدار مسلمہ کے موافق امام سے احکام ہی کی احادیث میں سے دو تہائی سے زائد رہ گئی تھیں اور ایک تہائی سے کم ان کو ملی تھیں۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب ہم تسلیم کر لیں کہ وہ کل احادیث جو امام صاحب کو ملیں احکام ہی کی تھیں۔ ان میں کوئی سیر، ترغیب و ترہیب، تفسیر کی حدیثوں میں سے نہ تھی۔ حالانکہ عقل سلیم کسی طرح باور نہیں کرتی کہ امام صاحب (رحمہ اللہ) کے سامنے جب کوئی اتاذ پیغمبر صاحب (ﷺ) کے حالات کے متعلق ان کے غزوات، ان کے اسفار وغیرہ کی کیفیت کے بیان میں کوئی حدیث یا قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق، اس کے شان نزول، اس کے معنی و مطلب کی بابت کوئی حدیث یا کسی اچھے کام کی فضیلت، کس برے کام کی مذمت، ثواب و عقاب امور آخرت، دوزخ، جنت وغیرہ وغیرہ کی نسبت کوئی حدیث بیان کرتا ہو تو وہ اس کو رد کر دیتے ہوں اور اس کو لینا نہ چاہتے ہوں، اور اس کو اپنے خزانہ معلومات میں جگہ دینا پسند نہ کرتے ہوں، یا اگر معلوم ہو تو اس کو کسی کے سامنے بیان کرنے اور اس کی تبلیغ کو ناجائز یا ناپسند رکھتے ہوں۔ ہرگز نہیں۔ لہذا ضرور ہے کہ جو تعداد احادیث کی مذکور ہوئی، اس میں احکام کے سوا اس قسم کی بھی ضرور احادیث تھیں۔ پس احکام کی احادیث اور بھی گھٹ گئیں۔

ابھی ایک بات اور باقی ہے، یہ معلوم نہیں کہ وہ تمام احادیث جو امام صاحب (رحمہ اللہ) کو پہنچی تھیں، وہ کل کی کل، سند صحیح و متصل تھیں، یا ان میں ضعیف، منقطع و مسرسل بھی تھیں، ہم تو ان

(۱) چنانچہ بحوالہ نور الانوار ادبہ لکھ چکے ہیں۔

شاگردوں^(۱) کی کتابوں میں جو امام صاحب کی احادیث دیکھتے ہیں تو بہت سی معلق و منقطع و مرسل بھی پاتے ہیں۔ اور نیز ایسی بھی پاتے ہیں جو ضعیف و مجروح راویوں سے امام صاحب (رحمہ اللہ) کو پہنچیں۔ ایک مشکل یہ ہوئی کہ امام صاحب (رحمہ اللہ) کے زمانے میں لوگ مرسل حدیث کو صحیح و معتبر خیال کرتے تھے۔ چنانچہ امام صاحب (رحمہ اللہ) اور امام مالک (رحمہ اللہ) اور سفیان ثوری (رحمہ اللہ) کا عمل درآمد بھی تھا کہ وہ مرسل حدیث سے حجت پکڑتے تھے۔ اس وجہ سے امام صاحب نے بے دھڑک مرسل حدیثیں لے کر ان پر اعتماد کر لیا۔ لیکن بعد کے زمانے میں تجربہ سے ثابت ہوا کہ مرسل قابل اعتبار نہیں۔ جیسا کہ ہم آگے ان شاء اللہ العزیز مفصل بیان کریں گے۔ پس کل وہ احادیث جو امام صاحب نے (معتبر سمجھ کر) مرسل کی تھیں خارج ہو گئیں۔ اور مرسل ہی کی طرح منقطع کے ساتھ بھی ہوا۔ چنانچہ آگے آتا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان سب باتوں کے اعتبار کے بعد امام صاحب کے احکام کی صحیح صحیح احادیث قلت کی کس حد تک پہنچیں گی اور وہ احادیث احکام کی کس کثرت سے نکلیں گی جو ان کو نہیں پہنچیں۔

افسوس ناک طرز عمل:

افسوس صد افسوس کہ اس پر بھی مقلدین حنفیہ جب سمجھی ان کے سامنے کوئی ایسی حدیث جس کو نہ پانے کے سبب سے ان کے امام نے اجتہاد کیا اور اتفاق سے اجتہاد خلاف پڑ گیا، پیش کی جاتی ہے تو وہ اس کو کسی طرح ماننا نہیں چاہتے اور وہ یہ بھی خیال کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے امام نے بھی ضرور یہ حدیث دیکھی ہوگی اور اس میں کوئی نہ کوئی خلل پایا، لہذا یہ حدیث عمل کے قابل نہیں، اور گویا ان کو اس سے انکار ہے کہ امام صاحب (رحمہ اللہ) کو کوئی حدیث نہ پہنچی ہو۔ یا ان کا کوئی مسئلہ حدیث کے خلاف ثابت ہو سکے۔ کاش یہ لوگ مذکورہ تصدیقات کو بغوش ہوش سنتے۔

(۱) دیکھو کتاب الآثار اور کتاب الحجج امام محمد صاحب وغیرہما۔

ہماری مجبوری:

لیکن بعض تو باوجود دعویٰ تحقیق کے صریح اس سے انکار کرتے ہیں^(۱) اور وہ امام صاحب

(۱) امام صاحب کی قلت حدیث از اقوال حنفیہ:

چنانچہ نعمانی صاحب فرماتے ہیں: ”یہ خیال غلط اور بالکل غلط ہے کہ امام ابو حنیفہ حدیث میں کم مایہ تھے۔“ ص: ۱۳۴ اور فرماتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں: ”بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں۔ ان لوگوں میں سے بعض نے الزام دیا کہ امام صاحب نے دانت حدیث کی مخالفت کی بعض انصاف پسند وہ یہ بتاتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانہ تک احادیث کا استحصا نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے بہت سی حدیثیں ان کو نہیں پہنچیں۔ لیکن یہ خیال محض لغو اور بے سرو پا ہے۔“ انتہی۔ (ص: ۲۶۲) ہم کو نعمانی صاحب کے باوجود دعویٰ اجتہاد و تالیف دانی و تحقیق کے اس سخت تعصب پر سخت تعجب ہے۔ ایک ایسی قطعی و صریح بات کا انکار کر دیا جس میں آج تک کسی مورخ یا محقق عالم نے شک نہیں کیا۔ امام صاحب کا بسبب احادیث مدون نہ ہونے کے بہت سی احادیث کو نہ پانا ایک ایسی مسلم بات ہے جس کی برابر محقق و اکابر علماء تصریح کرتے چلے آئے ہیں مگر نعمانی صاحب کی غیرت قحی کہ انہوں نے ایسی صریح بات سے انکار کر دیا خود حنیفہ کو بھی اس سے انکار نہیں کہ امام صاحب کو کل حدیثیں نہیں پہنچیں۔ چنانچہ فتح البین کا قول جس پر اکثر مشاہیر حنیفہ کی مہریں ہیں، ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اور امام صاحب کے قلت حدیث کی بابت تو ہم نے کتنے محققین کے اقوال اس رسالہ میں نقل کئے ہیں سب لوگ اس بات کی گویا شہادت دیتے ہیں کہ امام صاحب سے بہت حدیث چھوٹ گئیں۔ کیونکہ جب اقرار ہے کہ وہ قلیل الحدیث تھے تو ظاہر ہے کہ بڑا حصہ حدیث کا ان سے رو گیا۔ ان کی قلت حدیث سے تو کسی دید و دو کو انکار نہیں یہی وجہ ہے کہ فقہاء برابر ان کے تذکرے میں ان کی حدیث میں دخل ثابت کرنے کے لئے بڑی بڑی کوششیں لگاتے ہیں اور بالائی باتوں سے اس کے ثابت کرنے میں سعی کرتے ہیں کوئی شیوخ کے عدد کثیر بتا کر کہتے ہیں: ”دیکھو جس کے اتنے شیوخ ہوں گے اس کا حدیث میں کیا پایہ ہو گا کوئی کسی محدث کے تذکرہ محدثین میں ان کا ترجمہ ذکر کر دینے سے استدلال کرتا ہے۔ کوئی ان کا مذہب محدثین میں رد او قبولاً مسموٹ ہونے سے حجت لاتا ہے۔ کوئی مجتہد ہونے سے محدث ہونا ثابت کرتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ دلائل فی نفسہا کیسے ہیں۔ اس قسم کے دلائل پیش کرنے سے خود ظاہر ہے کہ ان کا تخرج حدیث میں ایسا ظاہر نہیں ہے جس کے لئے ایسے بالائی دلائل پیش کرنے ضرورت نہ ہو۔ دوسرے خود فقہاء امام صاحب کے قلت حدیث کی طرح طرح سے عذر پیش کرتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ فقہ کے مشغل کی وجہ سے قلیل الروایات رہے۔ کوئی شروط میں تشدد کا عذر بیان کرتا ہے۔ کوئی اختصار احادیث کو بسبب بتاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے روایت کے ساتھ تھوڑے سی روایت ہوں تو بہتر ہوں کثرت روایت بلا درایت سے۔ ان اعدا سے ہم کو بحث نہیں لیکن ان تمام اعدا کے پیش کرنے سے ثابت ہے کہ سب کو مسلم ہے کہ وہ قلیل الحدیث اور قلیل الروایت تھے۔ مگر نعمانی صاحب کی حمیت نے ان باتوں کی ذرا پروا نہ کی۔

--- نعمانی صاحب کے دلائل اور ان کا مفصل جواب:

شبلی نعمانی اس کے بعد اپنے دعویٰ کا ثبوت جو پیش کرتے وہ یہ ہے کہ "امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں جمع نہ ہوئیں۔ لیکن جب جمع ہو چکیں اس وقت بڑے بڑے محدثین ان کے مسائل کو صحیح تسلیم کرتے رہے، وکیع بن الجراح جن کی روایتیں بخاری میں بکثرت موجود ہیں۔ وہ امام ابو حنیفہ کے مسائل کی تقلید کرتے تھے۔ خطیب بغدادی نے ان کے حال میں لکھا ہے: کان یفتی بقول أبي حنيفة۔ یحییٰ بن سعید القطان جو فن جرح تعدیل کے مجدد ہیں۔ اکثر مسائل میں امام ابو حنیفہ کے پیرو تھے۔ خود ان کا قول ہے: قد أخذنا ما سکنر أئمة۔ امام طحاوی نے جو حافظ الحدیث تھے، امام ابو حنیفہ کے مسائل اختیار کئے اور کہا کرتے تھے، میں ابو حنیفہ کا مقلد نہیں ہوں بلکہ ان سے مجھ کو توارد ہے، طحاوی امام بخاری و مسلم کے ہمزمان ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے کہ جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہو گیا تھا، متاخرین میں علامہ مارون بنی، حافظ زبیدی، ابن الہمام، قاسم بن قطلوبغا وغیرہ کی نسبت قلت نظر کا کون گمان کر سکتا ہے، یہ لوگ عموماً حنفی مسائل کے حامی ہیں۔ اس کے علاوہ جو لوگ عموماً حافظ الحدیث تسلیم کیے گئے ہیں ان کے مسائل امام ابو حنیفہ سے کیوں موافق ہیں۔ طبقہ اولیٰ میں سب سے بڑے محدث امام احمد بن حنبل ہیں۔ امام احمد بہت سے مسائل میں امام ابو حنیفہ کے موافق ہیں۔ سفیان ثوری کو محدثین نے امام الحدیث تسلیم کیا ہے، ان کے مسائل عموماً ابو حنیفہ کے مسائل کے موافق ہیں۔ آخری۔ ملخصاً۔ مگر یہ تو ظاہر ہے کہ یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ امام صاحب کے حملہ مسائل، اول سے آخر تک سب ہی حدیث کے خلاف ہیں، اور کوئی ان میں سے صحیح نہیں۔ بلکہ کچھ شک نہیں کہ ان کے بھی مسائل بکثرت صحیح ہیں۔ خواہ اس وجہ سے کہ امام صاحب نے ان کو نص صریح سے فرمایا۔ یا یہ کہ قیاس واجتہاد سے فرمایا تھا، مگر وہ قیاس و استنباط صحیح تھا۔ اس کے خلاف میں کوئی حدیث رسول ثابت نہیں ہوئی، تو اس قسم کے مسائل میں مگر کسی محدث نے ان کی موافقت کی یا ان کے قول پر فتویٰ دیا یا ان کے قول کو لیا تو کوئی تعجب نہیں لیکن اس سے ان کے تمام مسائل کا حدیث کے مطابق ہونا لازم نہیں آتا۔ یہ عام دستور رہا ہے کہ متاخر علماء معتد م مشاہیر علماء کے اقوال و مذاہب کو موقعوں پر پیش کرتے اور بطور مویلا لانے کے ان سے سند پکڑتے رہے ہیں اور چونکہ امام صاحب اپنے وقت کے مشہور علماء میں سے تھے اور وکیع ابن الجراح اور یحییٰ بن سعید کے طبقہ سے معتد م تھے، لہذا انہوں نے ان کے قول و مذاہب کو لیا اور اس پر فتویٰ دیا، خصوصاً جب کہ ان کو امام صاحب سے کچھ علاقہ تلمذ کا بھی تھا، لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان کو امام صاحب کے تمام مسائل سے اتفاق تھا اور انہوں نے ان کا ایک ایک مسئلہ حدیث سے پڑتالا تھا اور سب کو حدیث کے موافق پایا اور ان کو امام صاحب کے کسی مسئلہ سے خلاف نہ تھا سب سے بڑے امام صاحب کے مذاہب کے حامی اور ان کے اقوال کے دلدادہ تو امام ابو یوسف اور امام محمد تھے، جب انہیں نے امام صاحب کا دوتہائی مذاہب میں خلاف کیا تو پچھارے وکیع بن الجراح اور یحییٰ بن سعید کہاں تک امام صاحب کی موافقت کر سکتے تھے مگر چونکہ محدثین کا امام صاحب کے اقوال سے استناد کرنا باوجودیکہ امام صاحب ایک دوسرے فریق (اہل الراے) کے ہاتھ شہرت رکھتے تھے، تعجب خیز امر تھا، اس لئے وہ خاص طور پر ذکر کیا گیا۔ اور یحییٰ بن سعید کے قول کا منشا بھی غالباً یہی ہے کہ گو وہ اہل الراے ہیں، مگر یہ نہ سمجھو کہ ان کے ---

— کل اقوال غیر معتبر ہیں۔ نہیں۔ بلکہ ہم نے ان کے اکثر اقوال لئے ہیں۔ اور کوئی شبہ نہیں کہ امام ابو یوسف اور امام محمد صاحب کے مذہب و اقوال اور ان کے دلائل اور ان کے وجوہ استدلال کے ساتھ سب سے زیادہ واقف اور امام صاحب کے پورے ہمارے تھے۔ اگر امام صاحب کے تمام اقوال قرآن و حدیث سے ثابت کے موافق ہوتے اور ذرا بھی خلاف نہ ہوتے تو کبھی وہ امام صاحب کا خلاف نہ کرتے۔ ان کا اس کثرت سے مخالفت کرنا صریح دلیل ہے کہ امام صاحب کے اقوال و مذہب کا بڑا حصہ وہ ہے، جو صریح قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ اور اگر کسی کی موافقت و مخالفت بھی کسی کے مذہب کے حق دریافت کرنے کا معیار ہے تو دیکھنا چاہئے کہ کتنے محدثین نے جو نہ صرف فن حدیث کے امام تھے، بلکہ فقہات و اجتہاد میں بھی نہایت رفیع پایہ رکھتے تھے، امام صاحب کی موافقت کی اور کتنوں نے مخالفت کی اور کس قدر مسائل میں مخالفت کی۔ افسوس کہ اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں لیکن ظاہر ہے کہ اگر مخالف فریق و مخالفت حصہ کا ذکر کرنا چاہیں، تو صرف نام ہی شمار کرنا مشکل ہو گا اور موافق فریق اگر نکلیں گے تو مشکل سے محدود سے چند اشخاص مل سکیں گے۔ اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ وکیع یا کسی اور محدث نے امام صاحب کے تمام مذہب کی اجمالاً تصویب کر دی لیکن ایک ایک مسئلہ پر کوئی حدیث پیش کر کے نہیں دکھائی تو یہ بات اس شخص کے لئے جس کے سامنے امام صاحب کے کسی مسئلے کے خلاف کوئی صریح و صحیح حدیث رسول موجود ہو اور اس کا نسخ بھی نہ ثابت ہو کسی طرح قابل حجت نہیں ہو سکتی، چنانچہ یہ ایک اصولی مسئلہ ہے، جس کی شرح افسوس کے ساتھ ہم ننگی مقام کی وجہ سے چھوڑتے ہیں، حالانکہ یہ نہیں ثابت نہیں کہ وکیع و سبکی بن سعید نے امام صاحب کے تمام مسائل سے اتفاق رائے کیا۔ اور امام طحاوی نے بھی تمام مسائل میں امام صاحب کی موافقت نہیں کی۔ باوجودیکہ ان کے مزاج میں امام صاحب کے مذہب کی ایک خاص طرفداری و حمایت بھی تھی جیسا کہ خود حنفیہ لکھتے ہیں تاہم ان کو بہت جگہ امام صاحب کے خلاف کرنا پڑا۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی التعليقات السنية میں فرماتے ہیں: فقد خالف صاحب المذهب في كثير من الأصول والفروع من طالع شرح معاني الآثار وغيره يجده يختار خلاف ما اختاره صاحب المذهب كثيرا إذا كان ما يدل عليه قويا۔ انتہی۔ یعنی طحاوی امام صاحب کے بارے میں بہت سے اصول و فروع میں خلاف کیا، جو شرح معانی الآثار وغیرہ دیکھے گا، وہ پائے گا کہ وہ بکثرت امام صاحب کے خلاف اختیار کرتے ہیں، جب خلاف کی دلیل قوی ہوتی ہے۔ اور فوائد ہیہ میں لکھتے ہیں: سلك مسلک الانصاف الإلهي بعض المواضع قد عزل النظر فيها عن التحقيق وسلك مسلک الجدل والخلاف الغير الأنبيی۔ انتہی۔ یعنی امام طحاوی (امام صاحب کے مسائل کے متعلق فیصلے میں) طریقہ انصاف کا چلے، مگر بعض مواضع میں (ایسا نہیں کیا بلکہ امام صاحب کے مسائل کی حمایت میں نا انصافی اختیار کی اور) نظر کو تحقیق سے علیحدہ رکھا اور طریقہ جدال اور نامناسب خلاف کا چلے۔ اس تمام بیان سے ثابت ہوا کہ امام طحاوی کو امام صاحب کے مذہب کی حمایت مد نظر تھی تاہم انہوں نے مجبوراً بہت جگہ خلاف کیا۔ اس کے علاوہ امام طحاوی حدیث میں پوری بصیرت بھی نہ رکھتے تھے، علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ليست عاداته نقد الحديث كنفذ أهل العلم وإنما رجح ما رجحه منها في الغالب من جهة القياس الذي رأوا حجة ويكون أكثره۔۔۔

(رحمہ اللہ) کے کثیر الحدیث ثابت کرنے میں ضعیف ضعیف باتوں کے ساتھ بڑی کوششیں کرتے

۔۔۔ مجروحات من جهة الإسناد ولا يثبت فإن لم يكن له معرفة بالإسناد كمعرفة أهل العلم به وإن كان كثير الحديث فقيها عالماً انتهى۔ (منهاج السنة، ص: ۱۹۳، ج: ۳) یعنی ”ان کی عادت حدیث پر کہنے میں اہل العلم کی طرح تھی بلکہ اکثر قیاس کی رو سے جس کو وجہ تسمیہ تھے ترجیح دیتے تھے حالانکہ اکثر اس میں اسناد کی رو سے مجروح وغیر ثابت ہوتا تھا، کیونکہ اہل العلم کی طرح اسناد حدیث میں ان کو بصیرت نہ تھی، گو وہ کثیر الحدیث اور فہم و عالم تھے۔“ مولانا عبدالحی صاحب فوائد بیہ میں اس قول کو نقل فرما کر گو کہ کسی قدر اس میں مبالغہ بتاتے ہیں تاہم اصل بات انہیں بھی تسلیم ہے امام بیہقی نے بھی امام طحاوی کے متعلق اس کے قریب قریب لکھا ہے۔ ابن الہمام اور بیہقی کی بابت جو لکھا تو انہوں نے بھی بکثرت امام صاحب کا خلاف کیا، جس کے متعلق ہم ان شاء اللہ کچھ آگے بھی لکھیں گے۔ اور امام احمد صاحب وغیرہ کا جو امام صاحب سے کچھ مسائل میں موافقت کرنا بیان کیا تو امام صاحب کے کل مسائل کو خلاف حدیث کون کہتا ہے۔

نعمانی صاحب کی ایک اور غلطی:

پھر نعمانی صاحب اپنے فرائض حمایت کی وجہ سے محققین کو کوٹاہ نظر بتا کر امام مالک اور امام شافعی کے بھی مسائل کا خلاف حدیث جو ناکلمہ کر (جن کو ہم بھی معلوم نہیں کہتے) لکھتے ہیں: ”لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتہادی امور ہیں اور ان کی بنا پر ہم کسی کو مخالف حدیث نہیں کہہ سکتے۔ جس حدیث کو ایک مجتہد صحیح سمجھتا ہے ضرور نہیں کہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی صحیح ہو۔“ انتہی۔

نعمانی صاحب خوب سمجھتے تھے کہ بغیر کسی اور بات کے پیدا کئے ہوئے اب تک جو کچھ ہم نے لکھا اس سے امام صاحب کے مذہب کی پوری حمایت اور ان سے رفع الزام (حالانکہ اصل میں امام صاحب کے ذمہ کوئی الزام نہیں بیجا کہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں) ممکن نہیں۔ اس وجہ سے یہ بات بنائی۔ حالانکہ یہ وہیں بن سکتا ہے کہ اس حدیث کی صحیح و تضعیف میں اختلاف کا موقع ہو اور وہ حدیث ہر دو مجتہد کو پہنچی ہو۔ ورنہ ہر جگہ ایسا خیال کرنا سخت غلطی ہے، جس کے خلاف ثابت کرنے کے لئے ہماری یہ تمام مدلل تحقیقات جو ذکر کی کافی ہے، اور خود ظاہر ہے کہ اگر ہر امام کو سب حدیثیں پہنچ گئیں جو تیں او ہر ایک کو وہی حدیث صحیح معلوم ہوتی، جو اس کا مذہب ہے تو وہ یہ کیوں فرماتے ہیں کہ جب تم کو ہمارے خلاف صحیح حدیث مل جائے تو اس پر عمل کرنا۔ اس کے بعد نعمانی صاحب نے اپنی خوش فہمی سے امام بخاری پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے، جو اگر خود ہماری نظر سے نہ گزرا ہوتا تو ہم بھی یقین نہ کرتے کہ نعمانی صاحب باوجود ایسے دعووں کے امام بخاری پر ایسے بے اصل اعتراض کریں گے جس کا جواب غالباً حسن البیان میں دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے ہم لکھنا ضروری نہیں سمجھتے۔۔۔۔۔ ہم انہوں کے ساتھ کہتے ہیں کہ نعمانی صاحب کو سیرۃ الشعمان میں جس قدر سقطات پیش آئے ہیں، ہم ان کا ذکر نہیں کر سکتے، ان کے لئے ایک مستقل تالیف کی ضرورت ہے۔ اور حسن البیان میں جس قدر ان کی لغزشوں سے تعرض کیا گیا وہ بہت کم ہیں، ان سے جن سے انعام حاصل کیا گیا۔ واللہ یقول الحق وہو یشہدی السبیل۔

ہیں تاکہ مذکورہ بالا خیال کو قوت دیں اور رسول (ﷺ) کی احادیث صحیحہ و صحیحہ کو رد کریں۔ ان کی انہیں باتوں (۱) نے ہم کو مجبور کیا کہ ہم اس بحث کو کسی قدر شرح کے ساتھ لکھیں، ورنہ ہم قسمیہ کہتے ہیں کہ ہم خود بھی اس بحث کو بڑی کراہت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ کہاں امام اعظم صاحب (رحمہ اللہ) اور کہاں ہمارا منہ جو ہم ان کی حدیث دانی پر نکتہ چینی کی صورت پیدا کریں۔ تاہم بفضل اللہ تعالیٰ جہاں تک ہم خیال کرتے ہیں کوئی بات نفس الامر کے خلاف نہیں لکھی۔ بایں ہمارا اگر ہم کو یہ مجبوری نہ ہوتی تو ہم کسی طرح پسند نہیں کرتے کہ ہم یا کوئی اور اس قسم کے تذکرے سے ان ائمہ عظام (۲) کی بابت کیا کرے۔ اس واسطے کہ یہ کسی طرح لائق نہیں کہ ایک شخص جس میں سینکڑوں کمال ہوں، اگر اس میں کسی

(۱) اور فتح مبین میں لکھتے ہیں "اور یہ باتیں کہ امام صاحب وغیرہ کو بہت سی حدیثیں نہیں پہنچیں، متعصبین کی محض نفراست اور فائدہ ساز ہیں کوئی حجت ان پر نہیں۔" انتہی ص: ۱۲۔ اور ص: ۳۴ میں لکھتے ہیں کوئی اس دعویٰ کو بھی نہیں ثابت کر سکتا کہ امام صاحب کو اس قدر حدیثیں نہیں پہنچیں جس قدر امام بخاری کو پہنچیں تھیں۔"
(۲) مولوی رشید احمد صاحب کی امام بخاری کے بارے میں تلخ کلامی:

جیسا کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی امام المحدثین امام بخاری کو (جن کے منجملہ سینکڑوں مناقب کے ایک منقبت پر ہے کہ قرآن مجید کے بعد اسلام کے اندر انہی کی کتاب کا مرتبہ ہے۔) متعصب بغرض تائید اپنے مذہب کے حدیثوں کی تصحیح و تصدیق کرنے والا۔ اور اپنے مطلب کے لئے ثابت حدیثوں سے انکار کر دینے والا لکھتے ہیں (دیکھو: ہدایت المعتقدی، ص: ۳۳، ۳۴) لفظ یہ میں "اسی واسطے باقتضاء تعصب مذہبی امام بخاری کو ہر گاہ کہ اس فقرے میں گنجائش طعن نہ ملی، تو جزء قرأت میں لکھتے ہیں معلوم نہیں، اس فقرے کو سلیمان تہی نے قتادہ سے سنا یا نہیں سخت تعجب ہے کہ سلیمان تہی درمجلس اس فقرے پر بھی امام بخاری، بسبب معنعن ہونے کے سماع سلیمان میں شک فرما دیں۔ معاذ اللہ اگر یہی شک ہے تو تصحیح بخاری کی صدا با روایتوں کا آدمی انکار کر سکتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اور جیسا کہ امام بخاری اس زیادہ سلیمان میں بسبب اپنی تائید کے مذہب کے عدم سماع سلیمان تہی لکھتا ہے، اس سے بھی زیادہ ہے جو کہ زیادہ معمر لفظ فصاحت کی نسبت انکار کیا ہے۔ بس ایسے تو ہمارے خلاف اپنے قواعد مسلمہ کے خلاف ائمہ حدیث کے کس طرح معتبر اور ملتفت الیہ ہو سکتے ہیں۔" انتہی۔ ہم کو اپنے ہم عصر پر بڑا افسوس ہے کہ ان کو ایسے عالی منزلت شخص کی بابت جن کا طبقہ صحابہ کے بعد دنیا سے اسلام میں کوئی نظیر نہیں، ایسے سخت الفاظ استعمال کرتے ذرا پاک نہ ہوئی کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی عیب ہے کہ آدمی حدیث رسول کی تنقید کے وقت جس پر بنائے اسلام ہے، خود دہریہ کو کام میں لائے یہ بہت بڑا الزام ہے جو انہوں نے امام بخاری پر تھوپ دیا ہمارے ہم عصر کو۔۔۔

ایک وصفت کی غامی ہو تو ہم اس کی اس غامی کے پیچھے پڑ جائیں اور اس کے تمام کمالات کو گویا خیال نہ رکھیں، نہیں بلکہ چاہئے تو یہ ہے کہ اس کے اور تمام کمالات کے لحاظ کی وجہ سے اس کی اس غامی سے چشم پوشی کر کے اس کو بہمہ صفات موصوفین میں شمار کرنے لگیں۔

”تذکرۃ الحفاظ“ اور تذکرہ امام صاحب :

یہی وجہ ہے کہ علامہ ذہبی (رحمہ اللہ) نے امام اعظم صاحب (رحمہ اللہ) کو تذکرۃ الحفاظ میں داخل کر لیا۔ لیکن افسوس کہ بعض لوگ اس نکتہ کو نہ سمجھے اور وہ یہ لے دوڑے کہ علامہ ذہبی (رحمہ اللہ) نے امام صاحب کو حفاظ حدیث میں شمار کیا اور ان کے کثیر الحدیث ہونے کا اعتراف کیا۔ حالانکہ علامہ ذہبی (رحمہ اللہ) نے جو کچھ امام صاحب (رحمہ اللہ) کے ترجمہ میں ذکر کیا، وہ ہمارے سامنے ہے۔ اس میں ان کے تمام مناقب و اوصاف بیان کئے، لیکن ان کے کثیر الحدیث ہونے کا نام بھی نہ لیا۔ (بلکہ ان کی قلت حدیث کی طرف اشارہ کیا۔ کیونکہ علمی منتقبتوں میں سے صرف افتخار ہونا ذکر کیا، اور حدیث میں سفیان کو ان سے حفظ بتایا)۔ حالانکہ سب سے بڑی بات بیان کے لائق یہی

--- اس کا خیال نہ رہا، جو پہلے محدثین مقبولین پر طعن و تشنیع کرنے والوں کو اہل سنت سے خارج کر چکے ہیں۔ اس سے تم کو اس بات کی محسوس قدر تصدیق ہو سکتی ہے۔ جو ہم بار بار لکھ آئے ہیں کہ ان کی یہ پکٹی چیزیں باتیں صرف حد قول تک محدود ہیں اور محض اس مجبوری کو جو ہم پہلے بتا چکے نہ عملاً و رداً اگر ہم تھوڑی دیر کو تسلیم بھی کر لیں کہ امام بخاری صاحب سے اس تنقید میں غلطی ہو گئی تو کیا یہ بھی ضرور تھا کہ ہمارے ہم عصر ان کے حق میں اس دریدہ دہنی کو بھی کام فرمائیں گے۔ مگر ہم نے جہاں تک اپنے ہم عصر کے رسائل دیکھے ہم کو ثابت ہوا کہ ان کو اپنی تنقید کے جوش تعصب میں اہل حدیث کے ساتھ زبان درازی کرنے کا خاص شیوہ ہے، جن میں سے بعض الفاظ ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں، دیکھو: حاشیہ ص: ۲۷۔ ان کے ہوا بہت سے اور عوام و خواص کی بھی اکثر یہی حالت ہے۔ اہل حدیث کو رافضیوں خارجیوں کی طرح اہل سنت سے خارج گمراہ فاسق، ضال، مضل، بے دین، ملحد، بے ایمان، وغیرہ کہنا تو کوئی بات ہی نہیں۔ دیکھو: رسالہ جامع الشواہد اور بعض تقریظات فتح مبین جواب ظفر مبین مشہور وغیرہ مشہور مولویوں نے کیسے کیسے دھوڑ دھوڑ کے (بغیر تحقیق کئے ہوئے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اور پھر بھی آپ پاک کے پاک۔ اور اہل حدیث بیچاروں پر بدگوئی کا الزام خیر..... لنا اعمالنا و لکم اعمالکم۔

تھی۔ خصوصاً جب کہ قدیم^(۱) سے ان کی نسبت خیال قلت کا پھیلا ہوا تھا اور عام طور پر ان کی بابت قلیل الحدیث ہونے کا گمان کیا جاتا تھا۔ پس امام ذہبی (رحمہ اللہ) کے نزدیک اگر وہ کثیر الحدیث تھے تو صاف طور پر امام ذہبی کو اس عام بدظنی اور غلط خیالی کا رفع کرنا اور صراحت کے ساتھ اس کا رد کرنا ضرور تھا۔ بہر حال امام صاحب (رحمہ اللہ) کو امام ذہبی (رحمہ اللہ) کے مجرد تذکرۃ الحفاظ میں ذکر کرنے سے یا کسی اور قلیل الحدیث کو نہ ذکر کرنے سے امام صاحب کے کثیر الحدیث ہونے پر استدلال صحیح نہیں کیا۔ جس قلیل الحدیث کو انہوں نے تذکرہ میں نہیں ذکر کیا اس میں اسی قدر اوصاف تھے، جتنے امام صاحب میں تھے؟ اور کیا وہ اسی مرتبہ کا شخص تھا جس مرتبہ کے امام اعظم صاحب تھے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اس قلیل الحدیث کو نہ ذکر کرنے اور امام صاحب کے ذکر کرنے سے امام صاحب کا کثیر الحدیث ثابت کرنا کیسا بیجا ہے۔

امام صاحب (رحمہ اللہ) کے قلیل الحدیث ہونے کی چوٹی اور پانچویں وجہ:

چوٹی وجہ امام صاحب (رحمہ اللہ) کے قلیل الحدیث ہونے کی وہ وجہ ہے جو کہ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں اور فقہائے حنفیہ وغیرہم کے کلام سے بھی اس کی تصدیق و تسلیم ثابت ہوتی ہے کہ امام ابو حنیفہ^(۲) کی روایت اس وجہ سے کم ہوئی کہ انہوں نے حدیث کی روایت اور تحمل کے شروط سخت مقرر کئے اور وہ

(۱) چنانچہ امام محمد اور ابن مبارک اور ابن داؤد کا قول پہلے بڑھ چکے جو۔ اور امام احمد صاحب کا مقولہ ہے: هؤلاء أصحاب أبي حنيفة ليس لهم بصري شيء من الحديث ما هو إلا الجرافة أخرجه محمد بن نصر المروزي في قيام الليل۔ یعنی (دیکھو) یہ ابو حنیفہ کے اصحاب ہیں، ان کو حدیث میں ذرا بھی بصیرت نہیں پس جرأت ہی جرأت ہے۔ انتہی اور دیکھو: مسند خوارزمی متوفی ۳۶۶ھ اور نعمانی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ یہ خیال پہلے سے چلا آتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں یہ (امام صاحب کی قلت روایت کا) خیال کچھ نیا نہیں ہے۔ اگلے زمانے میں بھی بعض لوگوں کی یہ رائے تھی۔ انتہی۔ ص: ۱۳۶۔

(۲) عبارت یہ ہے: والإمام أبو حنيفة إنما قلت روايته لما شدد في شروط الرواية والتحمل وضعف رواية الحديث اليقيني إذا عارضها النقل النفسي وقلت من أجلها روايته فقل حديث... لا إنه ترك رواية الحديث متعمداً فجاءه من ذلك۔

یقینی (صحیح) حدیث کو ضعیف ٹھہرا دیتے تھے جب کہ ان کی شہادت نفس (قیاس) کے برخلاف ہوتی تھی۔ اس وجہ سے ان کا روایت و حدیث کا شغل کرنا کم ہوا (اور وسعت کے ساتھ وہ حدیث روایت نہ کر سکے)۔ پس ان کی حدیث کم رہی، نہ یہ کہ انہوں نے قصد اُحد حدیث چھوڑ دی۔“

اس کلام میں علامہ موصوف نے امام صاحب کی قلت حدیث کی ایک وجہ نہیں بلکہ دو وجہیں بتائیں۔ ایک تشدد و شروط، دوسری اپنی درایت پر زیادہ اعتماد کرنا۔ حتیٰ کہ روایت کی رو سے گو حدیث یقینی ثابت ہو مگر وہ اپنی درایت کے سامنے اسے قبول (۱) نہیں کرتے تھے۔ تو اگر اس کو دو وجہیں ٹھہرایا جائے تو ہم جو پانچویں وجہ لکھنے کو تھے، اس کو چھٹی وجہ کہنا چاہئے۔

چھٹی وجہ:

اور وہ یہ ہے کہ جناب امام صاحب (رحمہ اللہ) کی اصل وجہ فروعات و فقہی مسائل کی طرف تھی اور پیشتر وہ اسی میں مشغول رہے، جن کا بیان مشرح ہم بضمّن وجہ سوم کے کر چکے ہیں، اور عنقریب شاہ صاحب کے قول میں بھی آتا ہے اور اس بارے میں خطیب بغدادی (۲) کی روایت بھی جو انہوں نے بسند امام صاحب سے روایت کی ہے، اس کی شاید ہے جس میں امام صاحب نے اور علوم کو چھوڑ فقہ کا اپنے لئے مشغول پسند کرنا فرمایا ہے۔ غرض اس میں شبہ نہیں کہ امام صاحب (رحمہ اللہ) کا بڑا مشغول

(۱) اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث کو حدیث جان کر نہیں قبول کرتے تھے۔ نہیں۔ بلکہ ان کو اپنی شہادت نفس پر اس قدر وثوق ہوتا تھا کہ ان کو حدیث حدیث ہونے کا یقین نہیں آتا تھا۔ واللہ اعلم۔

(۲) نعمانی صاحب کی ایک نقلی اور اس کا جواب:

اس روایت سے نعمانی صاحب نے بلا کسی معقول وجہ کے انکار کر دیا ہے (جس پر حسن البیان میں بحث کی گئی اور نعمانی صاحب کے شکوک کے جواب بھی دئے ہیں) تاہم یہ نعمانی لکھتے ہیں ”ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد آپ نے خیال مایا ہو گا کہ کسی فن کا اپنا خاص فن بنائیں اور چونکہ عام خلافت کی ضرورتیں فقہ سے وابستہ دیکھیں۔ اسی کو ترجیح دی۔“ (انتہی جس پر ۳۰) اور اس روایت کے نکل جانے کے ثبوت میں جو نعمانی صاحب کہتے ہیں کہ اس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑے گا کہ حدیث ---

فقہ تھا اور اسی طرف ان کی مزید توجہ تھی۔ اس وجہ^(۱) سے وہ حدیث کا زیادہ حصہ نہ پاسکے۔

ساتویں وجہ:

ساتویں وجہ یہ ہے کہ حضرت امام صاحب (رحمہ اللہ) اہل الرائے^(۲) میں سے تھے۔ اور

--- وکلام کی طرف امام ابوحنیفہ نے توجہ ہی نہیں کی حالانکہ ان فنون میں امام کا جو پایا ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ انتہی۔ تو حدیث کی طرف توجہ دیا یہ کامال حسن البیان میں بھی لکھا ہے اور ہماری تحقیقات سے بھی ظاہر ہے باقی رہا علم کلام تو جیسا مناقب والے لکھتے ہیں کہ انہوں نے علم کلام کی طرف توجہ کی تھی اگر اس کا کوئی قوی ثبوت ہے تو ممکن ہے کہ علم کلام کی بابت ان کی رائے پلٹ گئی ہو جس کا ثبوت اسی سے ہوتا ہے کہ انہوں نے اس طرف توجہ کی جس کا کافی ثبوت موجود ہے اور چونکہ حدیث کی بابت ایسا ثبوت نہیں لہذا اس کی بابت معلوم ہوتا ہے کہ وہی رائے قائم رہی۔ دوسرے ممکن ہے کہ یہ مقولہ اس وقت کا ہو جب کہ علم کلام حاصل کر چکے تھے اور اس سے دل بہت کرکشی دوسرے علم کی طرف توجہ کا ارادہ تھا، تو علم کلام میں مشغول رہنے سے بھی بے رغبتی مع اس کی وجہ سے ظاہر فرمائی اور طلب حدیث کے شغل کو بھی بائیں وجہ جیسا کہ اسی روایت میں مذکور ہے "حدیث کے لئے اولاً تو ایک مدت درکار تھی، اس کے علاوہ کم سنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہ فکر رہتی کہ لوگ جرح و تعدیل کا نشانہ بنائیں، ناپسند فرمایا نعمانی صاحب کو اس پر بھی تعجب ہے کہ یہ روایت کسی کتاب میں امام کا قول کر کے بیان کی گئی ہے اور کسی کا ہم کلام کا قول ہے اور امام صاحب کا اس کو تسلیم کرنا ذکر ہے۔ افسوس نعمانی صاحب نے یہ خیال نہ فرمایا کہ عام دستور ہے کہ جب اہل شوری باہم خطاب کر کے ایک بات پر متفق الرائے ہوتے ہیں تو وہ بات ہر ایک کی طرف نسبت کی جاسکتی ہے، جیسا انہوں نے قرآن مجید میں یہ آیتیں نہیں پڑھیں: {قَالَ الضَّالُّمِينَ قَوْمٌ فِرْعَوْنُ إِنَّ هَذَا لَشَايِرٌ عَلَيْهِمُ} الآية۔ اور {قَالَ لِلضَّالِّمِينَ إِنَّ هَذَا لَشَايِرٌ عَلَيْهِمُ} الآية۔ ایک ہی بات کو ایک واقعہ میں ایک جگہ فرعون کا کہنا بیان فرمایا دوسری جگہ بھائے اس کے حواشی فرعون کا بیان فرمایا دوسری جگہ بھائے اس کے حواشی فرعون کا کہنا فرمایا۔ تو کیا اس واقعہ میں بھی نعمانی صاحب کو شک ہے۔

(۱) فقہ کی وجہ سے امام صاحب کا حدیث کی صرف (ابھی طرح) نہ توجہ ہو سکتا نعمانی صاحب کو بھی قبول ہے، چنانچہ ص: ۱۵۴ میں لکھتے ہیں: "امام ابوحنیفہ کے زمانے میں امام حدیث کا جو دفتر تیار ہو چکا تھا۔ ہزاروں موضوعات افالیہ و مدرجات سے بھر ہوا تھا۔ اس وقت امام بخاری۔ مسلم نہ تھے، جو صحیح حدیثوں کی انتخاب کی کوشش کرتے، امام ابوحنیفہ کو مہمات فقہ کی وجہ سے اس طرف متوجہ نہ ہو سکے انھیں اور کچھ عبارتیں اوپر گزر چکیں۔

(۲) چنانچہ اگلی عبارتوں سے تم کو معلوم ہو جائے گا اور نعمانی صاحب ص: ۱۴۲ میں لکھتے ہیں۔ چنانچہ تاریخوں

میں جہاں ان کا (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا) کا نام لکھا جاتا ہے، امام اہل الرائے لکھا جاتا ہے۔

اہل الرائے^(۱) کا حال تم پہلے شاہ صاحب کے کلام سے معلوم کر چکے ہو کہ وہ روایت حدیث سے ڈرتے تھے، اور بخوف کلام رسول (ﷺ) میں غلطی ہو جانے کے نقل حدیث سے بچتے تھے، اس وجہ سے ان کے اس احادیث رسول (ﷺ) کم تھیں اور وہ بجائے حدیث کے اپنے سے پہلوں کے کلام پر اعتماد کرتے تھے، اور بیشتر مسائل کی بناء انہیں کے اقوال پر رکھتے تھے۔ چنانچہ امام صاحب (رحمہ اللہ) کا بھی یہی دستور تھا۔ جیسا کہ شاہ صاحب حجتہ اللہ البالغہ میں ان کے حال میں لکھتے ہیں:

”امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ)^(۲) میں زیادہ ابراہیم نخعی اور ان کے اقران کے مذہب کو لازم پکڑے ہوئے تھے۔ اس سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ الا ما شاء اللہ، (یعنی بہت کم)۔ اور ابراہیم نخعی کے مذہب (قواعد) پر مسائل نکالنے میں بڑی شان (یعنی اس میں خوب دخل) رکھتے تھے۔ تخریج کے طریقوں میں باریک بین تھے۔ پوری توجہ فروعات (مسائل فقہیہ) پر رکھتے تھے۔ اگر تم کو ہمارے قول کی تحقیق منظور ہو تو ابراہیم (نخعی) اور ان کے اقران کے اقوال آثار (امام) محمد اور جامع عبد الرزاق اور مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ سے تلخیص کر کے امام صاحب کے مذہب کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھو تو ان کے مذہب کو تم پاؤ گے کہ اس طریقے سے جدا نہیں ہوتا۔ مگر بہت تھوڑی جگہ اور ان تھوڑی جگہوں میں بھی فقہاء کوفہ (کے اقوال) سے باہر نہیں جاتا۔“

(۱) نعمانی صاحب کو جہاں ان کی حمیت نے اور خلافت واقع باتوں کو ملمع کاری کر کے دکھانے پر مجبور کیا تھا۔ اس بات پر بھی مجبور کیا کہ وہ اہل الرائے کے کوئی ایسے سنے معنی بنائیں، جس سے اس مقصود کو جس کی حمایت میں وہ بڑے سرگرم ہیں، جو نقصان پہنچتا تھا بچنے۔ چنانچہ انہوں نے اہل الرائے کے ایک اپنے طبع زاد معنی ایجاد کئے (جس کے رد کے لئے مستند علماء کے وہ اقوال اہل الرائے کے معنی میں جو ہم نے ذکر کئے کافی ہیں)۔ اور اہل حدیث کو وہ گروہ ٹھہرایا جن کو ناسخ و منسوخ سے بھی سروکار نہ تھا۔ والی اللہ المشتکی۔

(۲) دیکھو جس: ۵۱، حواشی کے طول پکڑنے کی وجہ سے عبارت نقل نہیں کی اور یہ کتاب نادر الوجود بھی نہیں۔

اور مصنفی شرح مؤطا میں لکھتے ہیں:

”باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل وقت اوئی بر دو وجه بودند۔ یکے آنکے قسراً آن حدیث و آثار صحابہ جمع مے کردند و از انجا استنباط مے نمودند و این اصل رائے محدثین است و دیگر آنکہ قواعد کلیہ کہ جمعی از ائمہ تصحیح و تہذیب آں کرده اند یا دیگرند بے ملاحظہ ماخذ آنہا۔ پس ہر مسئلہ کہ دارد ہمیشہ جواب آں از ہماں قواعد طلب مے کردند و این اصل رائے فقہاء است و اشارہ بہمیں معنی است از آنکہ گفتہ اند کہ حماد بن ابی سلیمان اعلم ناس بود بمذہب ابراہیم اسے بقواعد کلیہ کہ و سے در فتاوی تہذیب و تصحیح آں کردہ بود۔“

علامہ ابن خلدون^(۱) مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں:

”ان (متقدمین) میں فقہ دو طریقہ پر منقسم ہو گئی۔ ایک طریقہ اہل الرائے والقیاس کا اور وہ عراق والے لوگ ہیں۔ اور ایک طریقہ اہل حدیث کا اور وہ حجاز (مکہ و مدینہ) والے ہیں۔ اہل عراق میں حدیث کم تھی جس کی وجہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ تو انہوں نے قیاس سے زیادہ کام لیا اور قیاس (ہی) میں وہ خوب ماہر ہوئے ان کو اہل الرائے کہا گیا۔ اہل الرائے کی جماعت کے سردار جن میں اور جن کے شاگردوں میں یہ (طریقہ) مذہب قائم ہوا (امام ابو حنیفہ ہیں۔“

امام صاحب (رحمہ اللہ) کا طریقہ اجتہاد:

الحاصل امام صاحب اہل الرائے میں سے تھے جو روایت سے ڈرتے اور نیکتے تھے، اس

(۱) عبارت یہ ہے: انقسم الفقہ فیہم إلى طریقین اهل الرأي والقياس وهم اهل العراق وطريقة اهل الحديث وهم اهل الحجاز وكان الحديث قليلا في اهل العراق لما قدمناه فاستكثروا من القياس ومهرؤا فيه فلذلك قيل اهل الرأي ومقدم جماعتهم الذي استقر المذهب فيه وفي أصحابه أبو حنيفة انتهى۔ (مقدمہ ابن خلدون، ص: ۳۸۹)

وجہ سے وہ قلیل الحدیث رہے اور اجتہاد و استنباط میں جو طریقہ اہل الرائے کا تھا بیشتر^(۱) وہی طریقہ ان کا بھی تھا۔ اور اہل الرائے کے طریقے کے موافق خاص خاص لوگوں (یعنی ابراہیم نخعی اور ان کے اقران) کے اقوال پر زیادہ تر ان کے مذہب کی بنا ہے اور وہ ابراہیم نخعی وغیرہ کے اقوال پر تخریج میں بڑے ماہر اور دقیق النظر تھے۔

تخریج کی وضاحت:

شاہ صاحب نے انہی اہل الرائے کے ذکر میں تخریج کی جو شرح کی ہے ہم پسند کرتے ہیں کہ اس موقع پر اس کو بھی بدیہ ناظرین کریں۔ شاہ صاحب اس بیان کے بعد کہ: "اہل الرائے کے پاس احادیث رسول (ﷺ) اور آثار صحابہ اس قدر نہ تھے، جن سے وہ استنباط مسائل اس طور پر کر سکتے جس طور پر اہل حدیث کرتے تھے۔ لہذا ان لوگوں نے فقہ کو تخریج کے قاعدے پر مرتب کیا۔" جس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں لکھتے ہیں^(۲):

"تخریج کی صورت یہ ہے کہ ہر شخص اس عالم کے مجموعے کو کہ اساتذہ کے اقوال سے خوب واقف ہے اور ترجیح میں صحیح تر نظر رکھتا ہے اور وہ اساتذہ کی (گویا) زبان سے یاد کر لے۔ پس یہ مسئلہ میں اس کے حکم کی وجہ^(۳) سوچے تو جب کبھی اس سے کسی مسئلہ کا سوال کیا گیا یا اس کو خود کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آئی تو اس نے اساتذہ کے صریح اقوال کو جو اسے یاد تھے دیکھا اگر ان میں اس کا جو اب نکل آیا تو خیر ورنہ (انہیں اقوال سے استنباط شروع کیا تو) ان کے کلام کے عمومات کو دیکھا (اگر

(۱) اس تحقیقات سے نعمانی صاحب اور ان کے ہم خیالوں کے اس دلیل کی بھی بے ثباتی ثابت ہوتی ہے۔ جس میں وہ امام صاحب کے مجتہد ہونے سے کثیر الحدیث ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اجتہاد کے طریقے مختلف ہیں، اس مطلوب کے متعلق نعمانی صاحب نے جو کچھ لکھا، اب سب کا جواب تمہاری اس تحریر میں یا حسن البیان میں ضرور پاؤ گے۔ ان شاء اللہ

(۲) دیکھو، حجتہ اللہ البالغہ، ص: ۱۵۷۔

(۳) یعنی علت یا مسئلہ کی صورت۔

کسی عام کے تحت۔ میں درج ہو سکا) تو اس عموم کو اس مسئلہ پر جاری کر دیا، یا کلام کے اشارے ضمنی کو غور کیا اور اسے (ہی) استنباط کر لیا۔ کبھی کسی کلام سے کوئی اشارہ نکلتا ہے یا اس سے کچھ لازم آتا ہے جو مقصود کو سمجھا دیتا ہے۔ کبھی جس مسئلہ کی تصریح ہے اس کے دوسرا مشکل ہوتا ہے جو اس پر قیاس کر لیا جاتا ہے۔ کبھی کسی وجہ کے ساتھ ان کے بتائے ہوئے مسئلہ میں غلط پیدا کر کے اس غلط پر مدار حکم رکھ کر غیر بتائے ہوئے مسئلوں میں وہ حکم جاری کر دیا۔ کبھی استاذ کے کلاموں کو ملا کر نتیجہ کے طور پر مسئلہ کا حکم نکال لیا۔ کبھی وہ چیز جس کی جامع مانع تعریف اساتذہ کے کلام میں نہیں تھی، گو وہ چیسز مثال سے یا تقسیم سے مفہوم ہوتی تھی، متکلفات کر کے اس کی جامع مانع تعریف مرتب کر دی (اور پھر اس تعریف کے موافق اس کے تمام افراد پر وہ احکام جاری کر دیئے)۔ کبھی اساتذہ کا کلام کئی احتمال رکھتا تھا۔ اس کے ایک معنی قائم کئے۔ کبھی ان مسائل کا دلائل سے لگاؤ، جو خفی تھا، اس کے وجوہ بیان کئے۔ بعض تخریج کرنے والوں نے اپنے ائمہ کے فعل سے یا ان کی کسی بات پر چپ رہنے وغیرہ سے بھی استدلال کیا۔ تخریج یہ ہے۔“

فقہاء کا عمل درآمد زیادہ تر اسی تخریج پر رہا، اور اسی کے ذریعہ سے بیشتر^(۱) فقہ کا دائرہ وسیع ہوا۔ جس فقیہ کو جب کوئی مسئلہ پیش آیا، اپنے امام کے اقوال کو دیکھا۔ ان سے صراحت اس کا حکم معلوم ہو گیا تو خیر ورنہ ان کے اقوال سے انہیں طریقوں میں سے کسی طریقہ سے استنباط کر کے مسئلہ نکال لیا۔ ایسے فقہاء کا نام مجتہد فی المذہب ہے۔

مجتہد فی المذہب کا حدیث سے ناواقف ہونا ضروری نہیں؟

مجتہد فی المذہب کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ وہ اپنے امام کے اقوال میں خوب ماہر ہو۔ اس کے لئے حدیث کا جاننا ضروری نہیں۔ ایک حدیث بھی نہ جانتا ہو وہ بھی اس قسم کا مجتہد ہو سکتا

(۱) چنانچہ آنے والی عبارتیں شاہ صاحب و شامی وغیرہ کی اس پر دال ہیں۔

ہے۔ شاہ صاحب اس کے بعد لکھتے ہیں:

ان لوگوں کو مجتہد^(۱) فی المذہب کہتے ہیں اور ایسا ہی اجتہاد (اور) اسی طریقے پر مراد ہے اس شخص کی جس نے کہا کہ جس شخص نے مبسوط (فقہ کی ایک کتاب ہے) یاد کر لی وہ مجتہد ہو گیا اگرچہ اس کو ذرا بھی روایت کا علم نہ ہو اور نہ ایک حدیث کا۔ تو ہر مذہب میں تخریج واقع ہوئی اور بکثرت ہوئی۔

اور عقد الجعید میں مجتہد فی المذہب کے بیان میں لکھتے ہیں: ”جب ایسا^(۲) حادثہ پیش آیا جس میں امام کی تصریح نہ معلوم ہوئی تو اس حادثہ کے لئے امام کے مذہب پر اجتہاد کیا، اور امام کے اقوال اور انہیں کے طریقہ پر اس کی تخریج کر لی۔“

یہ طرز عمل فقہاء میں طبعاً بعد طبعاً^(۳) جاری رہا۔ ہر طبقہ کے فقہاء نے جو مسائل اپنی تخریج سے تیار کئے، وہ پچھلوں کے مسلمات میں شامل ہوتے گئے اور ایک مستحکم دستاویز قرار پاتے گئے^(۴) (الا ماشاء اللہ) حتیٰ کہ ان میں سے کسی قول کا اگر کوئی خلاف کرے تو گویا اس نے ایک نص قطعی کا انکار کر دیا۔ حالانکہ وہ خود امام صاحب کا بھی قول نہیں ہے۔ اور یہ بھی ضرور نہیں کہ یہ امام صاحب کے اقوال پر تخریج کرنے والے امام صاحب کی منشاء کو پہنچ ہی جائیں اور امام صاحب کے سامنے

(۱) عبارت یہ ہے: ویقال هؤلاء المجتهدون فی المذہب و عنی هذه الاجتهاد علی هذا الأصول من قال من حفظ المبسوط کان مجتهداً وإن لم یکن له علم بروایة أصلاً ولا بحديث واحد فوقع التخریج فی کل مذہب و کثر، ص: ۱۵۷۔

(۲) دیکھو: جس: ۱۰، مطبوعہ صدیقی لاہور۔

(۳) چنانچہ شامی کی عبارت میں بھی آتا ہے۔

(۴) چنانچہ کتب فقہ پر جس کی نظر ہے، وہ اس کو بخوبی جانتا ہے، یہ بڑے بڑے فتاویٰ جو زیادہ تخریج متاخرین سے پر ہیں، انہیں کی عبارتوں میں عموماً فتوؤں کا مدار ہے، جب ان سے کوئی جو یہ صریح نہیں ملتا تو اشارات سے نکالا جاتا ہے اور تخریج در تخریج کے سلسلے کو اور ترقی دی جاتی ہے۔ عمل درآمد تو ہے ہی فقہاء نے اس کی بابت قاعدہ بھی مقرر کر دیا۔ چنانچہ ---

اگر وہی مسئلہ تخریج کیا ہوا پیش کیا جاتا تو امام صاحب بھی یہی فرماتے جو ان تخریج کرنے والوں نے اپنے فہم سے سمجھا۔ کیا کوئی حنفی تسلیم کرے گا کہ امام صاحب کے بعد کوئی فقیہ اس پایہ کا ہوا ہے کہ جو امام صاحب کے ہم پلہ ہو۔ جب کہ امام صاحب فارغ التحصیل ہو کر استقلال کے ساتھ اپنی درسگاہ علیحدہ قائم فرمانا چاہتے تھے۔ خود امام صاحب نے اس زمانے میں جب امام حماد کے اقوال پر تخریج کی تو تم پڑھ چکے ہو کہ منجملہ ساٹھ کے کئی مسئلے ایسے ہیں کہ جن میں وہ حماد کے منشاء کو پہنچے تھے اور کئی وہ ہیں جن میں انہوں نے حماد کے خلاف مرضی تخریج کی جس کو حماد نے ناجائز رکھا۔

تخریجات کا تجزیہ و تحلیل:

پس ہم کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتے کہ امام صاحب کے اقوال پر تخریج کرنے والے امام صاحب کی اصلی منشاء کو ہر جگہ ضرور پہنچے ہوں گے۔ اس کے علاوہ ان اہل تخریج کے امام کے اصلی منشاء تک نہ پہنچنے کی ایک صریح دلیل یہ بھی ہے کہ ان میں باہم بہت کچھ اختلاف ہے۔ ایک کی تخریج میں کچھ نکلتا ہے دوسرے کی تخریج اس کے خلاف ہے۔ پس ظاہر ہے کہ امام کے نزدیک وہ دونوں جواب پر نہیں ہو سکتے ورنہ اجتماع ضدین لازم آجائے گا۔ صرف ایک ہی فقہ کو دیکھو، مثلاً: حنفی فقہ کو کہ اس میں ایک ایک مسئلہ میں کس کثرت سے مختلف اقوال ہیں۔ اس کی بڑی وجہ مخربین کی آراء کا باہم خلاف ہے۔ اگرچہ اس اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خود امام صاحب سے ایک ایک مسئلہ میں کئی کئی قول بھی مروی ہیں، مگر زیادہ تر وجہ اس کی اختلاف فہم مخربین ہے اور ایک وجہ مخرج کے

--- رد المحتار میں لکھتے ہیں: وإذا لم يوجد في الحادثة عن واحد منهم جواب ظاهر وتكلم فيه المشايخ

المتأخرون قولاً واحداً يؤخذ به فإن اختلفوا يؤخذ بقول الأكثرين ثم الأكثرين وإن لم يوجد منهم جواب البتة نصاً ينظر المفتي فيها نظر تأمل وتدبر واجتهاد ليجد فيها ما يقرب عن الخروج عن العهدة. انتهى

ملخصاً، ج: ۱، ص: ۵۲، ۵۳۔

اصل منشاء امام تک پہنچنے کے نہ ضروری ہونے کی یہ بھی ہے کہ تخریج بھی تو ایک قسم کا اجتہاد ہے اور ہر اجتہاد محتمل خطاء و صواب ہے۔ پس کچھ ضرور نہیں کہ ان تمام مسائل کو جو اپنے اجتہاد سے امام کا مذہب پیدا کر کے کہتے ہیں وہ اصل میں بھی ان کا مذہب ہو اور کسی قدر تفصیل آگے بھی آتی ہے۔

کیافتہ کے تمام مسائل کو امام صاحب کا مذہب قرار دیا جاسکتا ہے:

پس ہم نہیں کہہ سکتے کہ اگر آج امام صاحب موجود ہوتے اور ان تمام مسائل کو جن سے فقہ کی کتابیں پر ہیں، ملاحظہ فرماتے تو وہ کتنے ان میں خارج کر دیتے۔ بہر حال ان تمام مسائل کو جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں امام صاحب کا مذہب خیال کرنا سخت نادانی ہے۔ چنانچہ علامہ^(۱) شعرانی فرماتے ہیں:

”یہ جو ہم نے ذکر کیا اس غلطی میں بہت سے لوگ پڑ جاتے ہیں کہ جب اصحاب امام سے کوئی مسئلہ پاتے ہیں، تو اس کو امام کا مذہب ٹھہرا دیتے ہیں۔ اور یہ بڑی جرات ہے، کیونکہ امام صاحب کا مذہب حقیقتاً وہی ہے، جو انہوں نے خود کہا۔ اور پھر اپنے آخر وقت تک اس سے رجوع بھی نہیں کیا وہ کہ جو ان کے اصحاب نے ان کے کلام سے سمجھا۔ کیونکہ کبھی امام اس کو جو انہوں نے ان کے کلام سے سمجھا نہ پسند کرتے اور اس کے قائل نہ ہوتے۔ اگر اس کو یہ لوگ ان پر پیش کرتے تو معلوم ہوا کہ جو شخص کل اس چیز کو جو امام کے کلام سے سمجھا جائے امام کی طرف سے نسبت کر دے تو وہ حقیقت مذاہب سے ناواقف ہے۔“

(۱) عبارت یہ ہے: هذا الذي ذكرنا يقع فيه كثير من الناس فإذا وجدوا عن أصحاب (امام مسئلة جعلوها مذهبا لذلك الإمام وهو تهور فإن مذهب الإمام أبو حنيفة هو ما قاله ولم يرجع عنه إلى أن مات لا ما فهمه أصحابه من كلامه فقد لا يرجع إلى الإمام ذلك الأمر الذي فهموه من كلامه ولا يقول به لو عرفوه عليه فيعلم أن من عزى إلى الإمام كل ما فهم من كلامه فهو جاهل بحقيقة المذهب۔ انتهى۔ (ميزان)

اور شاہ صاحب (۱) حجتہ اللہ میں لکھتے ہیں:

”میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ ان بڑی بڑی شرحوں اور مولے مولے فتاویٰ میں جو کچھ مذکور ہے، وہ سب (امام) ابوحنیفہ اور صاحبین کا قول ہے اور وہ ان کے اصلی قول اور قول مخرج کے درمیان فرق نہیں کرتے۔“

غرض کہ ان تحریکی مسائل کو (کہ فقہ کی مبسوط کتابوں مثل فتاویٰ عالمگیری وقاضی خاں و در مختار وغیرہ میں اس قسم کے مسائل کا ایک بڑا حصہ ہے اور صرف انہیں میں نہیں بلکہ (۲) دیگر متون اور شروح کی متداول و درسی کتابوں میں بھی بلا امتیاز کے بکثرت مذکور ہیں۔ یہ یقینی طور پر امام صاحب کی طرف نسبت کرنا اور ان کا مذہب قرار دینا سخت غلطی ہے۔ اور ان تحریکی مسائل کی خصوصیت نہیں۔ ان کے علاوہ بھی فقہ کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جو خاص (۳) امام صاحب (رحمہ اللہ) کا فرمودہ نہیں ہے بلکہ دوسروں کی رائیں ہیں۔ یا یہ کہ وہ امام صاحب تک کسی معتبر ذریعہ سے نہیں پہنچتے۔

(۱) عبارت یہ ہے: ”انی وجدت بعضهم يزعم أن جميع ما يوجد في هذه الشروح الطويلة وكتب الفتاوى الضخمة هو قول أبي حنيفة (رحمہ اللہ) وصاحبيه ولا يفرق بين القول المخرج وبين ما هو قول في الحقيقة۔ انہی۔ (ص: ۱۶۵)“

(۲) چنانچہ رد المختار کے قول میں آگے آتا ہے اور مولانا عبدالحی صاحب (رحمہ اللہ) مقدمہ عمدۃ الرعاۃ میں تحریر فرماتے ہیں: ”بہت مرتبہ اصحاب متون وہ مسئلہ ذکر کرتے ہیں، جو تحریجات مشائخ معتقدین سے برخلاف مسلک اصحاب مذہب کے ہوتا ہے۔“ (ص: ۱۰)

(۳) نعمانی صاحب لکھتے ہیں: ”حنفی فقہ جس میں امام ابوحنیفہ کے علاوہ ان کے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں۔ زمانہ بعد میں جو علماء نے اس پر بہت کچھ اضافہ کیا اور جزئیات کی تخریج کے ساتھ اصول فن کو نہایت ترقی دی۔ الخ (صفحہ: ۲۱۰ اور صفحہ: ۲۰۳) میں لکھتے ہیں: ”یہ فقہ اگرچہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتی ہے، لیکن درحقیقت وہ پارٹیکلر یعنی امام ابوحنیفہ، زفر قاضی، ابویوسف اور امام محمد کی رایوں کا مجموعہ ہے۔“

مسائل حنفیہ کے طبقات :

چنانچہ ردالمحتار شرح درمختار میں لکھتے ہیں^(۱) :

”ہمارے اصحاب حنفیہ کے مسائل کے تین طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ مسائل اصول جن کو ظاہر روایت کہتے ہیں اور وہ مسائل وہ ہیں جو اصحاب مذہب سے مروی ہیں۔ جو کہ ابوحنیفہ اور ابو یوسف اور محمد ہیں، اور ان میں زقر اور حسن بن زیاد اور ان کے سوا بھی جنہوں نے امام صاحب کی شاگردی کی شامل ہیں۔ لیکن ظاہر روایت میں اکثر پہلے والے تین صاحبوں کا قول ہوتا ہے، اور ظاہر روایت کا مآخذ محمد کی چھ کتابیں ہیں۔

دوسرا طبقہ مسائل نوادر، اور وہ مسائل وہ ہیں جو مذکورہ بالا اصحاب سے مروی ہیں۔ لیکن ان چھ کتابوں میں نہیں بلکہ امام محمد کی دوسری کتابوں وغیرہ میں ہیں۔ اور ان کو غیر ظاہر روایت اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ کتابیں امام محمد سے صحیح وثابت و ظاہر روایتوں کے ساتھ مروی نہیں ہوئیں پہلی کتابوں کی طرح۔

تیسرا طبقہ واقعات، وہ مسائل وہ ہیں جن کو پچھلے مجتہدوں (فی المذہب) نے جب کہ ان سے وقتاً فوقتاً سوال کیا گیا اور انہوں نے (اصحاب مذہب سے) اس میں کوئی روایت نہ پائی۔ استنباط کیا۔ یہ لوگ (استنباط کرنے والے) (امام) ابو یوسف اور (امام) محمد کے شاگرد ہیں اور پھر (ان کے بعد) ان کے شاگردوں کے شاگرد اور اسی طرح یہ سلسلہ چلا گیا۔ اور ایسے لوگ بکثرت ہوئے ہیں۔“

فقہ کی اکثر متداول کتابوں میں یہ تمام مسائل مختلف بلا کسی امتیاز کے مذکور ہیں۔ جیسا کہ شامی

(۱) دیکھو جس : ۵۱۔

نے بھی خود^(۱) اس کے بعد لکھا ہے۔ ناظرین خیال کر سکتے ہیں کہ امام صاحب (رحمہ اللہ) کے علاوہ کس کثرت سے دوسرے لوگوں کی رائیں ان فقہی کتابوں میں درج ہو گئیں لیکن ان میں کسی مسئلہ سے کوئی علیحدگی کرے، عموماً یہی کہا جاتا ہے کہ امام صاحب سے منکر ہو گئے^(۲) اور ان کے مذہب سے انکار کر دیا۔ حالانکہ امام صاحب کا ان مسائل سے جو تعلق ہے اس کی حقیقت تم معلوم کر چکے۔

مسئلہ فقہ کی چند مزید اقسام:

تخریج کے لحاظ سے فقہ کے مسائل کی چند قسمیں اور بھی نکلتی ہیں کہ جن کے منازل باہم ایک دوسرے میں تفاوت رکھتے ہیں۔ اصحاب مذہب کے اقوال (جن پر تخریج کی بنا رکھی ہے) یا نص صریح سے ثابت ہوں گے یا اجتہاد و استنباط سے نکالے گئے ہوں گے۔ پھر تخریج یا قسم اول کے اقوال پر ہوگی^(۳)، یا قسم ثانی کے۔ لہذا مسائل کی یہ چار قسمیں نکلیں۔^(۴)

تخریج کا مبنی، ظن و تخمین!

تخریج کی بابت تم پہلے معلوم کر چکے ہو کہ وہ بھی ایک قسم کا اجتہاد (یعنی اجتہاد فی المذہب) ہے۔ فرق اسی قدر ہے کہ اجتہاد مطلق میں بلا واسطہ خود نصوص شرعیہ سے استنباط کیا جاتا ہے اور تخریج میں ان علماء کے اقوال سے جن کے ساتھ اپنے آپ کو ایک خاص عقیدت ہے اور جن کو خصوصیت

(۱) لفظ یہ ہے: ثم ذكر المتأخرون هذه المسائل مختلطة غير متميزة۔ انہی اور بعض نے ممتاز بھی بیان

کئے ہیں۔

(۲) الیٰ خرّیج کے مختلف ہونے کی صورت میں ایک قول کو اختیار کرنے والا معرض نہیں کہلاتا کیونکہ وہ تو انہیں میں سے

ایک قول کو ترجیح دیتا ہے، معرض جب ہے کہ اتفاقی صورت کہ زمانے یا اختلافی صورت میں کل اقوال سے بے پرواہی کرے۔

(۳) ہمارے آگے کے بیان سے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ مسئلہ جو مجموعہ چند اقوال سے خرّیج ہو جن میں بعض سرکاری

ہوں، بعض استنباطی و استنباطی والی قسم میں شامل ہونے کا زیادہ مستحق ہے۔

(۴) جو مسئلہ تخریجی مسئلہ پر خرّیج ہو گا اس کو قسم چہارم میں شامل سمجھنا چاہئے جو ابتداء خرّیج کسی مسئلہ پر ہو۔

کے ساتھ اپنا پیشوا قرار دیا ہے، استنباط کیا جاتا ہے۔ تو جیسے مجتہد قرآن وحدیث کو پیش نظر رکھ کر مسائل کا استنباط کرتا ہے ایسی ہی محرمین اپنے علماء کے اقوال پیش نظر رکھ کر استنباط کرتے ہیں۔ لہذا جیسا کہ اجتہاد محتمل خطا و صواب ہے، اسی طرح تخریج بھی محتمل خطا و صواب ہے۔ کیونکہ جس طرح مجتہد غیر منصوص واقعہ میں اور نصوص پر غور کر کے اپنے انداز اور تخمین سے شارع کا منشا معلوم کرنا چاہتا ہے اور اپنی رائے شارع کے منشاء کی بابت اپنے گمان کے موافق قائم کرتا ہے اور اس رائے میں کبھی مصیب ہوتا ہے اور کبھی نہیں، اسی طرح محرم غیر مصرح مسئلہ میں اپنے انداز و تخمین سے اس عالم کا منشا جس کے قول پر تخریج کر رہا ہے۔ اس کے اور اقوال کے قرآن سے معلوم کرنا چاہتا ہے اور اپنی سمجھ کے موافق اپنے گمان سے اس کا عندیہ قائم کرتا ہے۔ پس ضرور نہیں کہ وہ ہر جگہ اس کے اصلی عندیہ کو پہنچ جائے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے قول کی ہم کچھ علت خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کے نزدیک اس کی وہ علت نہیں ہوتی یا وہی ہوتی ہے مگر اس کے لئے اس کے نزدیک کچھ شرائط یا موانع بھی ہوتے ہیں کہ جن تک ہمارا خیال نہیں پہنچتا۔ اور ہم بلا لحاظ ان شرائط و موانع کے اس کی رائے ایک امر کی بابت قائم کر لیتے ہیں۔ لیکن جب وہی امر اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس رائے کے ساتھ متفق نہیں ہوتا۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جو روزمرہ ہم اپنے معاملات و گفتگوؤں میں دیکھتے ہیں۔ الحاصل اجتہاد و تخریج دونوں میں احتمال خطا و صواب دونوں کا ہے۔ جب یہ ضمنی بات تم معلوم کر چکے تو اصل مدعا کو سنو۔ فقہ کے مسائل کی چار قسمیں جو ہم نے بتائیں، اس میں سے قسم اول تو بالکل احتمال خطا سے محفوظ ہے۔ قسم دوم و قسم سوم میں ایک مرتبہ احتمال خطا کا ہے۔ قسم دوم میں تو اجتہادی ہونے کی وجہ سے اجتہاد کے وقت پیدا ہوا اور قسم سوم میں تخریجی ہونے کی وجہ سے تخریج کے وقت گواہی قول میں جس پر تخریج کی گئی نصی ہونے کی وجہ سے احتمال خطا کا نہ تھا، مگر تخریج کے

وقت پیدا ہو گیا۔ قسم چہارم میں دو مرتبہ احتمال خطا کا ہے۔ اول احتمال اصل کے اجتہادی ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ اور دوسرا احتمال تخریج کے وقت پیدا ہوا۔ خطا کا احتمال جو اصل میں پیدا ہوا تھا وہ فرع کی طرف متعدی ہو گا۔ اس لئے کہ اگر اصل صحیح نہیں تو فرع جس کا مدار اسی اصل پر ہے کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ گو وہ تفریع و تخریج صحیح ہو اور اصل کو صحیح مانا جائے تو فرع کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ تفریع کے وقت احتمال خطا کا پیدا ہے۔ پس اصل میں جو احتمال خطا ہے وہ فرع کی طرف متعدی ہو گا اور اصل کا احتمال صواب فرع کے لئے تسکین بخش اور اطمینان دہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا جو مسئلہ اجتہادی مسئلہ پر مخرج ہو گا۔ اس میں منجملہ چار صورتوں کے ایک صورت صواب کی اور تین صورتیں خطا کی نکلیں گی۔ صواب کی ایک صورت یہ کہ نہ اصل مسئلہ میں اجتہاد کے وقت خطا ہوئی اور نہ مخرج مسئلہ میں تفریع کے وقت، اور تین صورتیں خطا کی یہ ہیں، اصل میں خطا نہ ہوئی تھی مگر تفریع میں ہو گئی۔ اصل ۲ میں خطا ہو گئی گو تفریع میں نہ ہوئی تھی۔ اصل ۳ میں خطا ہوئی تھی۔ اور تفریع میں بھی ہوئی اور پھر اس تخریبی مسئلہ پر اگر تخریج کی گئی تو خطا کے احتمال اور ترقی پکویں گے۔ چنانچہ اس درجہ میں منجملہ آٹھ صورتوں کے ایک صورت صواب کی اور سات صورتیں خطا کی نکلیں گی، اور جس قدر سلسلہ تخریج آگے کو چلے گا، احتمالات خطا زیادہ ہوتے جائیں گے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ فقہ کے وہ مسائل جن میں تخریج در تخریج سے کام لیا گیا ہے۔ وہ صواب کی بہ نسبت خطا کے بہت زائد محتمل ہیں۔ لیکن وہ اس پر بھی مقلدین کے نزدیک حدیث رسول سے (جو کہ ان احتمالات سے پاک اور خطا سے معصوم ہے) مقدم ہیں اور ایسے ہی اقوال پر چلنے والا راہ صواب اور طریقہ حق پر ہے اور ان کو چھوڑ کر حدیث رسول (ﷺ) پر چلنے والا کسی طرح راستی پر نہیں۔

مسائل فقہ اور حدیث کا موازنہ:

کاش اس موقع پر ہم وہ مضمون ذکر کرتے جو علامہ بہاء الدین^(۱) مرجانی حنفی نے ناظرہ الحق میں حدیث رسول (ﷺ) چھوڑ کر فقہاء کے اقوال کو لازم پکڑنے کی شاعت میں بیان کیا ہے۔ مگر طول کا خوف اس کے ذکر کی اجازت نہیں دیتا۔ تاہم اس کے بعض ٹکڑے ذکر کئے دیتے ہیں۔ فرماتے^(۲) ہیں:

”حدیث فی ذاتہ رسول کا کلام ہے جو کہ (خطا سے) معصوم تھے (اور) اپنی خواہش سے نہیں بولتے تھے، جو فرماتے تھے وہ وحی (الہی) ہوتی تھی۔ اور حدیث میں جو (بالائی) شبہات کا احتمال (مثلاً) موضوع ہونے یا منکر ہونے یا ضعیف ہونے کا پیش آتا ہے۔ اس کو اس کی سند کا صحیح ہونا اور اس کا نقل (کی رو) سے ثابت ہونا رفع کر دیتا ہے۔ خواہ (یہ بات) اس حدیث کی سند رسول اللہ (ﷺ) تک منتقل ایک ثقہ کے دوسرے ثقہ سے، شد و ذعلت سے پاک رہ کر پہنچ جائے اور

(۱) پارون بن بہاء الدین بن شہاب الدین النافع الکبیر ص: ۹۸۔ ع۔ ح۔

(۲) عبارت یہ ہے: والحدیث فی أصله کلام الرسول المعصوم الذی لا یطلق عن الیوی إن هو إلا وحی یوحی وإنما ینتظر فی الیہ مظنة تلک الشبهات من الوضع والنعارة والضعف یدفعه صحة سندہ وثبوت نقلہ إمامہ رفع اسنادہ إلی رسول اللہ (ﷺ) بنقل الثقة عن الثقة سالمأ عن الشذوذ والعلل وتفیش رجالة والیحث عن أحوال رواة وإما یوجد أنه فی الأصول المعتمدة والمجامیع المعتمدة وقول الفقہاء یحتمل الخطأ فی أصله وغالبہ حال عن الإسناد وفعه بطریق مقبول معتمد علیہ وکل احتمال ذکر فی الحدیث قائم فیہ فإیہ یحتمل أن یکون موضوعاً قد افتری علیہ غیرہ ألا تری ویکون منکر الاتهام ناقله وضعیفاً لا یضطر اب راویہ وأمثال ذلک کثیرة عند تنزل الزمان وشیوع الکذب والہدیان ولو صح وثبت یحتمل أن یکون منسوخاً قد رجع عنہ وأفتی بخلافه فإن کلاماً من أبیحنیفة وأصحابہ ومالک والشافعی وأحمد وغیرہم قد رجعوا من أقوال إلی أقوال بما تراجعت عندهم من شواهد دلائل ویحتمل أن یکون مؤولاً أن یکون مخصصاً أو مقیداً۔
انتهی۔ ملخصاً

اس کے راویوں کی تحقیق اور ان کے حالات سے بحث کرنے سے (حاصل) ہو اور خواہ معتبر کتابوں اور معتبر مجموعوں میں اس حدیث کے ملنے سے ہو (جیسے صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں جن کی احادیث^(۱) کو ان کے مصنفوں کے علاوہ اور تمام محدثین بھی پرکھ کر صحیح مان چکے ہیں۔ الحاصل حدیث میں باعتبار اس کی ذات و اصل کے تو کوئی شبہ ہے ہی نہیں اور عارضی شبہ یوں دور ہو گئے۔ اور فقہاء کا قول اپنی اصل (ذات) میں خطا کا محتمل ہے اور (پھر اسناد کی رو سے دیکھو تو) اکثر اقوال اسناد سے اور صاحب مذہب تک معتبر و مقبول سند کے ساتھ پہنچنے سے خالی ہیں۔ (کیونکہ جیسا کہ حدیث کے لئے اسناد وغیرہ کا بند و بست کیا گیا ان کے لئے نہیں کیا گیا) اور (پھر) جس قدر احتمال (سند کی رو سے) حدیث میں ذکر کئے وہاں قول فقہاء میں (بھی) قائم ہیں۔ احتمال ہے کہ وہ موضوع ہو صاحب مذہب کی طرف کسی نے غلط نسبت کر دیا ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے (اس کی چند مثالیں لکھیں کہ جن میں اصحاب مذہب کی طرف غلط نسبت کر دی گئی ہے۔) اور احتمال ہے کہ منکر ہو۔ اس کے راوی کے متہم ہونے کی وجہ سے یا ضعیف ہو۔ اس کے ناقل کے اضطراب کی وجہ سے (اس کی بھی مثال میں چند روایات لکھ کر لکھتے ہیں) مثالیں اس کی اور بہت ہیں۔ خصوصاً زمانہ کے تنزل اور جھوٹ و بیہودہ پھیل جانے کے وقت میں (پھر لکھتے ہیں) اگر (روایت) صحیح و ثابت بھی ہو جائے تو (پھر اور احتمال باقی رہتے ہیں) (چنانچہ) احتمال ہے کہ منسوخ ہو (یعنی یہ) کہ اس سے اس مجتہد نے رجوع کر کے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہو۔ کیونکہ (امام) ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور مالک و شافعی و احمد میں سے ہر ایک نے اپنے (کتنے) قولوں سے رجوع کر کے دوسرے قول اختیار کئے ہیں۔ جو ان کو (بعد کے) دلائل سے راجح ثابت ہوئے اور احتمال ہے کہ اپنے ظاہر معنی کے سوا کوئی اور معنی رکھتا ہو۔ اس کی بھی مثال لکھ کر لکھتے ہیں: اور احتمال ہے کہ اس میں کوئی تخصیص ہو یا اس کے

ساتھ کوئی قید (اور بھی) ہو۔“

خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر شبہ کوئی حدیث رسول (ﷺ) کی نسبت پیدا کر سکتا ہے وہ سارے کے سارے قول فقہیہ میں موجود ہیں۔ اور قول فقہیہ کا اپنی ذات میں محتمل خطا ہونا ان سب پر مزید ہے۔

حدیث ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں:

پس کوئی وجہ نہیں کہ صحیح حدیث رسول (ﷺ) کے سامنے قول مجتہد و فقہیہ کو تو لیا جائے اور حدیث رسول (ﷺ) کو چھوڑ دیا جائے بلکہ ایسا کرنا سخت غلطی ہے۔ بالخصوص جب کہ وہ مجتہد و امام جن کے اقوال کی یا ان کے اقوال پر مخرج اقوال کی پابندی کی جاتی ہو۔ انہوں نے بوجہ چند در چند حدیث کا (جس پر اکثر مسائل کا مدار ہے حصہ کم پایا ہو) گو اس سے ان پر کوئی الزام نہیں۔ وہ اپنی نیک نیتی اور مجبوریوں کی وجہ سے ہر طرح پر معذور اور مایوس ہیں۔ مگر کچھ شک نہیں کہ اس سے ان کے اس مسئلہ کی بابت جو خلاف حدیث ثابت ہو، یہ ظن نہایت قوی ہو جاتا ہے کہ ان کو اس کی بابت حدیث نہ پہنچی تھی اور خود انہوں نے فرما بھی دیا کہ ہمارے قول کو حدیث کے سامنے چھوڑ دینا۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے۔

بالآخر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ امام ابو حنیفہ صاحب کو حدیث کے ساتھ وہ نسبت نہ تھی جیسا کہ اوپر محققین کے اقوال سے محقق ہو چکا بلکہ ان کا پایہ حدیث میں اس سے عالی تھا اور وہ دیگر محدثین کی طرح مثل امام مالک بلکہ امام شافعی کے منزلت رکھتے تھے، جانے دو بلکہ امام احمد صاحب کی طرح کثیر الحدیث تھی تو ان صاحبوں کے بھی تو جملہ مسائل مخالفت حدیث سے نہیں بچ سکے اور زمانہ مابعد کی فراہمی احادیث اور تحقیقات بالغہ نے ان کے بھی بہت سے مسائل ایسے نکالے

جو حدیث کے خلاف ہیں^(۱)۔ پس امام صاحب کے جملہ مسائل کیسے بچ سکتے ہیں۔ ہم خود ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جو بڑے زور سے امام صاحب کے مذہب کی تائید کرتے ہیں اور کبھی جوش میں آ کر یہ بھی کہہ^(۲) دیتے ہیں کہ ان کا کوئی مسئلہ حدیث کے خلاف نہیں آخر کار وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کو تمام احادیث^(۳) نہ پہنچیں تھیں اور بعض انہیں وجود^(۴) کو جو ہم نے ان کی قلت حدیث کی لکھیں، پیش کر کے کہتے ہیں کہ اس وجہ سے ان کو احادیث نہ پہنچ سکیں، لہذا ان کو کثرت سے قیاس کرنا پڑا۔ اور ضرور ان کے مسائل^(۵) ایسے بھی جن میں ان سے خطاء اجتہادی ہوئی اور کم سے کم اس سے انکار کی تو ذرا بھی گنجائش نہیں کہ امام صاحب جملہ احادیث رسول (ﷺ) کو محیط نہ تھے اور نہ اس کا کوئی متعصب سے متعصب دعویٰ کر سکتا ہے۔ پس تب بھی جو مسئلہ ان کا حدیث کے خلاف ثابت ہو، احتمال ضرور ہے کہ اس کی بابت ان کو حدیث نہ ملی اور ان کے خلاف میں حدیث کا موجود ہونا یقینی امر ہے۔ تاہم یہ لائق نہیں کہ اس یقینی حدیث کو چھوڑ کر ان کے قول کا التزام کر لیا جائے۔

-
- (۱) چنانچہ علامہ ابن دقیق العید متوفی ۷۰۲ھ نے ایک ضخیم کتاب تصنیف کی جس میں ائمہ اربعہ کے مسائل جو مخالف حدیث میں جمع کئے جیسا کہ علامہ فلانی نے ذکر کیا۔ (ایضاً اہم)
- (۲) الفتح المبین میں لکھتے ہیں "آج تک کوئی ایسی حدیث پائی نہیں گئی کہ کوئی مسئلہ حقیقہ کا مخالف اس کے نکلے۔"
- (۳) چنانچہ الفتح المبین کا قول امام صاحب کے جملہ احادیث نہ پانے کی بابت گزر چکا۔
- (۴) چنانچہ امام شعرانی اور نعمانی کے اقوال پہلے گزر چکے۔
- (۵) نعمانی صاحب لکھتے ہیں "لیکن یہ سمجھنا چاہئے کہ ہم امام ابو حنیفہ کی نسبت امام یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے مسائل صحیح اور یقینی ہیں امام ابو حنیفہ مجتہد تھے پیغمبر نہ تھے۔ اس لئے ان کے مسائل میں غلطی کا ہونا ممکن ہے نہ صرف امکان بلکہ ہم وقوع کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ خود ان کے شاگردوں نے بہت سے مسائل میں ان سے مخالفت کی۔ مدت رفاعت۔ قضا قاضی کا ظاہر او باطن ہونا۔ قتل بالمشکل۔ نکاح محرمت میں حد کا لازم آنا۔ ان تمام مسائل میں ہمارے نزدیک امام ابو حنیفہ کے مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہو سکتی اور ایسے اور بھی مسائل ہیں۔ (انجمنی ج ۲: ۲۸۰)

امام صاحب سے خلاف حدیث ہو جانے کے چند دیگر وجوہ:

اس سب کے علاوہ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ ان کو وہ حدیث پہنچی تھی۔ تو ممکن ہے کہ کسی اضعیف سند^(۱) سے پہنچی ہو۔

یا کوئی ۲ اور علت قاعدہ اس میں ان کو پیش آئی جس سے انہوں نے اس کو نہیں لیا۔ اب جب ہم اس میں کوئی موجب ترک کا نہیں پاتے تو پھر کس طرح اس کو ترک کر سکتے ہیں۔

یہ ۳ کہ اسی سند سے ان کو بھی ملی تھی جس سند سے ہم کو ملی لیکن اس کے راویوں کو وہ ضعیف سمجھتے تھے۔ اور^(۲) ہم کو دوسری شہادتوں سے ثابت ہوا کہ وہ ضعیف نہیں۔

یا ۴ جس کو وہ علت قاعدہ خیال کرتے تھے۔ تحقیقات کے بعد ثابت ہوا کہ وہ قاعدہ^(۳) نہیں۔

یا انہوں نے کسی حدیث کو تمام ان مذاہب کے جو ان کے علم میں تھے، مخالفت پانے کی وجہ سے خلاف اجماع سمجھ کر قبول نہ کیا۔

یا ۵ قرآن کی کسی آیت کے خلاف کر کے رد کر دیا۔ حالانکہ دوسروں کو وہ تطبیق کی ظاہر ہوئی اور ثابت ہوا کہ وہ حدیث آیت قرآنی کے خلاف نہیں۔

یا ۶ یہ کچھ نہ تھا لیکن امام مسئلہ فرماتے وقت اس حدیث سے ذہول ہو گیا۔ اور بالکل اس کا

(۱) امام شافعی صاحب سے متعدد مسائل میں مستول ہے کہ انہوں نے فرمایا، اس مسئلہ میں میرا قول یہ ہے لیکن اس بارے میں ایک حدیث ہے جس کا مدلول ان کے قول کے منافی تھا اور وہ ان کو بہت ضعیف پہنچی تھی تو فرما دیا کہ اگر وہ صحیح ثابت ہو جائے تو پھر وہی میرا مذہب ہے، چنانچہ کتنی حدیثیں اسی قسم کی بعد کو صحیح ثابت ہوئیں، منجملہ ان کے ایک مسئلہ اونٹ کے گوشت سے وضو نہ کرنے کا ہے جیسا کہ یہ کہتی نے ذکر کیا۔

(۲) اس واسطے کہ بعض رجال کی بابت اختلاف بھی ہے۔

(۳) اس کی تفصیل فن اصول میں ہے اور کچھ تذکرہ شاہ صاحب کے کلام میں بھی آتا ہے۔

خیال نہ رہا اور اپنے اجتہاد سے مسئلہ اس کے خلاف بنادیا، اور ایسا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں بہت اکابر کو اس^(۱) طرح پیش آیا ہے۔ حدیث تو درکنار آیات قرآنی سے ذہول ہو گیا۔ بسا اوقات انسان کے علم میں ایک بات ہوتی ہے، لیکن اس طرح خیال بھی نہیں جاتا۔ ایک مدت کے بعد خود ہی یا کسی کے ٹوکنے سے اس کا خیال ہوتا ہے۔

پس باوجود ان تمام احتمالات کے ایک امام کی ذاتی رائے کو پکڑے رہنا اور حدیث رسول (ﷺ) کو اس گمان پر کہ اگر قابل عمل ہوتی تو وہ ضرور اس کو اختیار کرتے رد کر دینا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ ان تمام باتوں کے سوا امام صاحب (رحمہ اللہ) کے زمانہ تک اصول وضوابط مرتب نہ ہوئے تھے اس واسطے نصوص پر عمل اور ان کے ترک کا مسدود بیشتر ان کے ذاتی سلیقوں اور دلی شہادتوں پر تھا۔ لہذا بعض احادیث کا اخذ و ترک اس طرز پر وقوع میں آیا تھا، جو زمانہ مابعد کی تحقیقات نے اس کے خلاف ثابت کیا۔ اسی طرح بعض ان کے معمولات احادیث کے قبول و رد کی بابت جو کہ بطور قواعد کے ان میں جاری تھے۔ اس میں کے بھی بعض پچھلے اماموں کے تجربوں نے نامعتمد ثابت کئے، جن کی بنا پر اس وقت جو احادیث مقبول یا غیر مقبول ٹھہرائی گئیں تھیں، وہ بعد کو اس طرح قائم نہ رہ سکیں۔

(۱) یہ ایک ایسی معمولی بات ہے، جس کو تجربہ ہے وہ بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ تاہم دیکھو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے آیت ”وَأَنذَرْتُمُ الْخِلَافَةَ قَنِطَارًا“ سے ذہول ہو گیا کہ زیادت مہر سے ممانعت فرماتے تھے، جب ایک عورت نے ان کو یہ آیت یاد دلائی، تب منع کرنے سے توقف فرمایا اور اس کو تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت عمر اور بعض دیگر صحابہ کو آیت ”أَفَأَن صَاحِبُ الْأُفْقَلِ“ اور آیت ”إِنَّكَ خَيْبٌ“ الایہ سے ذہول ہو گیا تھا اور حضرت کو میت کہنے پر لڑنے کو تیار تھے۔ حتیٰ کہ حضرت ابو بکر نے یہ آیت یاد دلائی، تب باز رہے۔ اور جب کے تیمم والی حدیث کو تو ہوا بالکل ہی بھول گئے تھے، یہاں تک کہ عمار نے ان کو یاد بھی دلایا۔ اور اپنے اور ان کے موجود ہونے کا قصہ بھی ذکر کیا، تب بھی ان کو یاد آیا۔

امام شافعی کا تجدیدی کارنامہ:

اس موقع پر ہم شاہ صاحب کے اس کلام کو نقل کرتے ہیں، جو انہوں نے امام شافعی کے مذہب کی بنیاد اور ان کے امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) اور امام مالک (رحمہ اللہ) کی مخالفت کرنے کی وجہ میں لکھا ہے کہ اس سے تم کو ہماری ان باتوں کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں^(۱):

” (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ) دونوں (کے) مذہبوں کے ظہور اور ان کے اصول و فروع کی ترتیب کے اوائل میں امام شافعی پیدا ہوئے تو انہوں نے پہلوں کے (طرز) عمل کو دیکھا تو ان میں ایسے امور پائے جن پر چلنے میں ان کو توقف ہوا۔ چنانچہ انہوں نے ان کو اپنی کتاب الائم کے اول میں ذکر کیا ہے۔“

مرسل سے استدلال اور اس میں خلل:

منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ وہ لوگ (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ) وغیرہ مرسل و منقطع (حدیث) سے حجت چکڑتے ہیں اور (حالانکہ) ان دونوں میں خلل ہے۔ کیونکہ طرق حدیث جمع کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سی مرسل ہیں کہ جن کی کوئی اصل نہیں (مسلٹی) اور کتنی مرسل ہیں کہ وہ مسند (حدیث) کے مخالف ہیں، تو امام شافعی نے قرار دیا کہ مرسل کو بلا ان شروط کے جو کہ کتب اصول میں مذکور ہیں قبول نہ کریں گے۔ اور منجملہ ان کے ایک یہ کہ مختلف نصوص میں جمع کرنے کے قاعدے ان لوگوں کے پاس ضبط نہ تھے، اس وجہ سے ان کے مسائل اجتہاد یہ میں خلل پہنچتا تھا۔ پس امام شافعی نے اس کے قاعدے بنائے اور ایک کتاب میں ان کو جمع کیا اور یہ اصول فقہ کی سب سے پہلی تدوین ہے۔

(۱) دیکھو، مجتہد انہ الباقیہ جس: ۱۵۱ و ۱۵۲ عبارات طول کی وجہ سے نقل نہیں کی۔

امام شافعی اور تدوین اصول فقہ:

اس کی مثال جو ہم کو پہنچی ہے یہ ہے کہ امام شافعی ^(۱) (ایک مرتبہ) امام محمد بن الحسن (امام صاحب کے مشہور شاگرد) کے پاس آئے اور وہ مدینہ والوں پر (مسئلہ) قضاء یا شہادہ الواحد بالیمن کی بابت طعن کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یہ کتاب اللہ پر زیادتی ہے تو شافعی صاحب نے ان سے کہا کہ آپ کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ (خبر واحد) سے زیادتی کتاب اللہ پر نہیں جائز۔ انہوں نے کہا ہاں۔ شافعی صاحب بولے تو پھر آپ حدیث لا وصیۃ لوارث کی وجہ سے (جو خبر واحد ہے) وارث کے لئے عدم جواز وصیت کے کیوں قائل ہوئے۔ حالانکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا أَحْضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ} الآية۔ (جس میں عموماً وصیت کا حکم ہے)۔ امام شافعی (رحمہ اللہ) نے امام محمد (رحمہ اللہ) پر اسی قسم کے اور کتنے اعتراض کئے۔ آخر محمد بن الحسن (رحمہ اللہ) بند ہو گئے۔ (اس سے ثابت ہوا کہ جمع نصوص کے ٹھیک قاعدے ان کے پاس مقرر نہ تھے جن کی ہر جگہ پابندی کرتے ہوں۔)

منجملہ ان کے ایک یہ کہ علماء تابعین میں سے جن پر فتویٰ کا اعتماد تھا، ان کو بعض احادیث صحیحہ نہ پہنچیں تھیں۔ پس انہوں نے (ان کے متعلق مسائل میں) اپنی رائے سے اجتہاد کیا تھا اور عموماً مات کے تابع ہو گئے تھے اور صحابہ میں سے جو پہلے ہو چکے تھے، ان (کے اقوال) کی اقتداء کر لی تھی۔ اور اسی کے موافق فتوے دیئے تھے۔ پھر وہ احادیث صحیحہ اس کے بعد طبقہ ثالثہ میں ظاہر ہوئیں۔

(۱) نعمانی صاحب نے فرط حمیت کی وجہ سے بلا کسی سند کے اس قصہ سے انکار کر دیا حالانکہ وہ اسناد کے ساتھ مروی ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر نے توالی التامیس میں لکھا اور مستند لوگوں نے اسے تسلیم کیا نعمانی کے اس انکار کا رد حسن البیان میں بھی کیا گیا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا بعض احادیث کو خلاف اجماع سمجھ کر ان پر عمل نہ کرنا: مگر (اس طبقہ کے) لوگوں نے جن میں کہ امام ابو حنیفہ و مالک ہیں عمل نہ کیا، اس خیال سے وہ احادیث ان کے تمام ملک کے عمل و طریقہ کے، جس کی بابت ان میں کچھ بھی اختلاف نہیں، خلاف ہیں (گویا اجماع کے مخالف ہیں۔ پس ضرور ان میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ہے، جس کی وجہ سے وہ قابل عمل نہیں) اور یہ بات (یعنی خلاف سب کے عمل کے ہونا) حدیث (کے ثبوت) میں قاذح ہے۔ اور اس کے سقوط کا باعث یا وہ احادیث طبقہ ثالثہ میں (بھی) ظاہر نہ ہوئیں اور بعد میں جا کر ظاہر ہوئیں۔ جب کہ اہل حدیث نے طرق حدیث کے جمع کرنے میں کوششیں کیں اور زمین کے کناروں تک (طلب حدیث میں) سفر کئے اور علم والوں کی (تلاش و) تفتیش کی۔ تو بہت سی احادیث ایسی ملیں جن کو صحابہ میں سے صرف ایک دو شخص روایت کرتے تھے اور پھر ان سے بھی ایک ہی یا دو شخص روایت کرتے تھے اور اسی طرح پر (کئی رواۃ کے ساتھ) سلسلہ چلا گیا تو (ایسی احادیث) فقہ والوں پر پوشیدہ رہیں اور حفاظ (حدیث) کے زمانہ میں جنہوں نے طرق حدیث کو جمع کیا، کثرت سے ظاہر ہوئیں۔ جو کہ مثلاً ان کو صرف بصرہ والے روایت کرتے تھے اور تمام ملکوں کے لوگ ان سے بے خبر تھے۔

عدم استدلال موجب قدح نہیں:

تو شافعی صاحب نے بیان کیا کہ علماء صحابہ و تابعین کا ہمیشہ دستور رہا کہ وہ مسئلہ کے لئے حدیث تلاش کرتے تھے۔ جب نہیں ملتی تھیں تو کسی دوسرے طبقہ سے استدلال کرتے تھے۔ پھر جب ان کو حدیث ظاہر ہو جاتی تھی تو اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع کر لیتے تھے۔ اور جب یہ بات ہے تو ان کا کسی حدیث سے نہ تمسک کرنا اس حدیث میں قدح (کی دلیل) نہیں (بلکہ یہ تمسک نہ کرنا حدیث نہ ملنے کی وجہ سے تھا)۔ ہاں اگر (صاف طور پر) علت قاذحہ کو بیان کر دیں (تو بے شک

ثابت ہوگا کہ ان کے نزدیک وہ حدیث مقدوح ہے، لہذا ویسے طبعیہ ثانیہ یا ثالثہ کا ان احادیث پر باوجود ملنے کے عمل نہ کرنا صحیح نہیں۔

اس کی مثال قلتین کی حدیث ہے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور بہت سی سندوں سے مروی ہے، جن میں اکثر ابوالولید بن کثیر کی طرف جو محمد بن جعفر سے اور وہ عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) سے (جو کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے بیٹے ہیں یا محمد بن عباد بن جعفر کی طرف سے جو عبید اللہ بن عبد اللہ (بن عمر رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں رجوع کرتی ہیں اور وہ (عبد اللہ و عبید اللہ) دونوں حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے اس کو روایت کرتے ہیں اور پھر بعد کو اس کے بہت سے سلسلے پھیل گئے اور وہ دونوں اگرچہ ثقات میں سے ہیں۔ لیکن ان لوگوں میں سے نہ تھے جن پر فتویٰ کا تکیہ تھا اور لوگ عموماً ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس وجہ سے یہ حدیث نہ سعید بن المسیب کے زمانہ میں ظاہر ہوئی اور نہ زہری کے زمانے میں اور مالکیہ اور حنفیہ اہل فتویٰ کے عمل کے خلاف دیکھ کر اس پر نہ چلے اور اس کے موافق عمل نہ کیا اور امام شافعی نے اس پر عمل کر لیا اور یہی ہونا بھی چاہئے تھا۔

اسی طرح حدیث خیاز مجلس کی ہے۔ کیونکہ وہ صحیح حدیث ہے (اور) بہت طرق سے مروی ہے اور صحابہ میں سے ابن عمر (رضی اللہ عنہما) اور ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کا اس پر بھی عمل ہے۔ لیکن وہ فقہاء تبعہ اور ان کے معاصرین پر ظاہر نہ ہوئی۔ لہذا وہ اس کے قائل نہ تھے تو (امام) مالک (رحمہ اللہ) اور (امام) ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) نے اس بات کو اس حدیث کے لئے علت (قادرہ یعنی اس کا موجب ضعف) خیال کیا اور امام شافعی نے اس پر عمل کر لیا۔

اور منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ (امام) شافعی کے وقت میں اقوال صحابہ جمع کئے گئے تو وہ بکثرت فراہم ہوئے اور (انہوں نے دیکھا) تو وہ آپس میں مختلف اور متفرق تھے اور بہتوں کو حدیث صحیح کے مخالف پایا۔ کیونکہ ان صحابہ کو وہ حدیث نہ پہنچی تھی اور سلف کو دیکھا کہ وہ برابر ایسے موقعوں میں

حدیث ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ لہذا انہوں نے اقوال صحابہ سے حجت پکڑنے کو، جب تک کہ وہ متفق نہ ہوں، چھوڑ دیا۔ اور کہنے لگے ہم رجال و نحن رجال۔

استحسان کا حال:

اور منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ انہوں نے ایک گروہ فقہاء کو دیکھا کہ وہ اس رائے کو جس کی شرع نے اجازت دی، قیاس (شرعی) کے ساتھ، جس کو شرع نے ثابت کیا ہے، غلط (کر کے) اس سے حجت پکڑتے اور اس پر عمل کرتے ہیں اور ایک کو دوسرے سے تمیز نہیں کرتے۔ اور کبھی اس رائے کا نام استحسان رکھ لیتے ہیں اور رائے سے میرا مطلب یہ ہے کہ جرح یا مصلحت کے خیال کو کسی حکم کی علت (قرار دے کر اس پر حکم کا مدار) ٹھہرانا (یعنی جرح یا مصلحت کے خیال کی بناء پر اپنی طرف سے جدید حکم دینا) اور قیاس (شرعی) یہ ہے کہ حکم منصوص سے علت نکال کر اس پر حکم کا مدار رکھا جائے (اور غیر منصوص میں اس کو جاری کیا جائے) تو امام شافعی نے اس قسم کی رائے کا پورے طور پر ابطال کیا، اور کہا، جو استحسان کا طریقہ برتنا ہے، وہ شارع بننا چاہتا ہے۔ انتہی۔

شاہ صاحب کے اس بیان سے ثابت ہوا کہ حدیث نہ پہنچنے ہی پر موقوف نہیں۔ امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) اور امام مالک (رحمہ اللہ) کو بعض اسباب ایسے پیش آئے کہ جن کی وجہ سے انہوں نے باوجود حدیث پہنچنے کے بھی اس پر عمل نہ کیا اور ان کے اجتہاد و رائے نے ان کو یہی ثابت کیا (نہ یہ کہ عمداً انہوں نے حدیث رسول (ﷺ) کو حدیث سمجھ کر چھوڑ دیا)۔ لیکن مابعد کی تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ ان احادیث پر عمل نہ کیے جانے کی کوئی وجہ نہیں۔

واضح مفہوم تک پہنچنے کے لئے احتضار کی ضرورت:

یہ تو نفس حدیث کے رد و قبول کے لحاظ سے تھا۔ ابھی ایک بحث معنی کی باقی ہے۔ بعض

نصوص کے صحیح معنی تک پہنچنا اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ دوسری نصوص سے ملا کر اس کو دیکھا جائے۔ لہذا جب تک دیگر نصوص کو جن میں اس کی تفسیر ہے نہ دیکھا جائے صحیح مراد نہیں معلوم ہوتی۔ اور ایک ہی حدیث جو مختلف طریقوں سے مروی ہوتی ہے، جب اس کے تمام طریقوں کو جمع کر کے اس کے تمام مختلف الفاظ کو ملایا جائے تو اس کا مفہوم پورے طور پر قائم ہوتا ہے۔ ورنہ بلا اس کے بعض اوقات غلطی ہو جاتی ہے اور صحیح مفہوم نہیں قائم ہوتا۔ زمانہ مابعد والوں کو احادیث کے فراہم ہونے اور طرق احادیث کے جمع ہونے کی وجہ سے یہ بات بخوبی حاصل ہوئی اور ان کو تعداد حدیث کے علاوہ معنی حدیث کی واقفیت کا بھی زیادہ حصہ ملا۔ جیسا کہ شاہ صاحب کے کلام میں پہلے تم پڑھ چکے ہو۔ پس پہلے ائمہ کو باوجود حدیث پہنچنے کے اس کے صحیح مطلب تک نہ پہنچنے اور صحیح مراد پر عمل نہ ہونے میں ایک معذوری یہ بھی تھی۔ اور یہ اس سے علاوہ ہے جو معمولاً ایک بشر سے کسی نص کے معنی سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے۔ الحاصل ائمہ متقدمین میں سے کسی امام کا کوئی مسئلہ اگر حدیث کے خلاف ثابت ہو جائے کوئی وجہ نہیں کہ اس پر تعجب کیا جائے۔ بلکہ اور اس تعجب کرنے پر تعجب ہونا چاہئے۔ پس بڑا افسوس ہے کہ حدیث رسول (ﷺ) جس کا وجود یقینی ہے آدمی چھوڑ دے اور محض احتمال پر ایک ایسے قول کو جس کا حدیث رسول (ﷺ) کے مخالف ہونا صاف دکھ رہا ہے چکڑے رہے۔

حدیث پر عمل سے گریز کے حیلے!

لیکن اس سے زیادہ افسوس اس پر ہے کہ کچھ عرصہ سے بعض لوگ اپنے مذہب کی حمایت کے لئے جب کہ ان سے اور کچھ نہیں ملتی تو یہی کرنا چاہتے ہیں کہ سرے سے حدیث ہی کو بیکار ٹھہرا دیں یا فن حدیث کو ایک بے اعتبار فن ثابت کریں۔ چنانچہ وہ حدیث کی فہم اور اس پر عمل کی مزاحمت (۱) میں اشکالات کا ایک طومار تیار کر کے لا کھڑا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث کی فہم اور

(۱) دیکھو: تقریر مولوی محمد حسن علی براہمچ علی بن وغیرہ۔

اس سے استدلال وغیرہ تو ائمہ اربعہ ہی کا حصہ تھا۔ اور حدیث گو کیسے ہی صحیح ثابت ہو جائے، مگر اس میں بیسیوں رخنے نکلتے ہیں۔ لہذا اس پر عمل کیسے کیا جاسکتا ہے۔ غرضیکہ فن حدیث اب ایک بیکار شے ہے۔ کوئی حدیث کو بے اعتبار کرنے کے لئے اس میں بکثرت اختلاف^(۱) ہونا پیش کرتا ہے۔ کوئی سب میں زیادہ^(۲) جو احادیث کی مقبول و مسلم کتب میں صحیحین میں اس کے راویوں کو مجروح^(۳) دکھانے کے لئے فہرست بنا کر شائع کرتا ہے۔ کوئی صحاح ستہ و صحیح بخاری کے ان راویوں کو جو امام صاحب سے زمانہ بعد میں ہوئے میں صاف صاف کاذب^(۴) و متعصب، اور حقانیت و سچائی سے دور رکھتا ہے اور صحاح ستہ میں اقوال معاندین و منافقین کے داخل بتاتا ہے

(۱) الفتح المبین میں لکھتے ہیں: ”پھر اخذ حدیث میں اس قدر اختلاف ہے کہ ایک شخص اس کو منسوخ جانتا ہے اور دوسرا معمول بہ سمجھتا ہے۔ ایک کے نزدیک بنا اس کی ایک امر ہے اور دوسرے کے نزدیک اور امر پر مبنی ہے، اگر اس قسم کا اختلاف نہ ہوتا تو ہم ائمہ کی طرف ہرگز رجوع نہ کرتے ہم کو اختلاف روایات نے تقلید پر مجبور کر دیا ہے۔“ (ص: ۱۱-۱۲) فتح مبین کا جو الکلام المبین میں دیکھو۔ اور مولوی رشید احمد صاحب سبیل الرشاد میں لکھتے ہیں ”احادیث میں اس قدر تعارض ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔“

(۲) چنانچہ ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ مقلدین نے شائع کی ہے۔

(۳) حالانکہ عند تحقیق صحیحین کا کوئی راوی مجروح نہیں یا اس سے روایت متابع ہے، نہ مستقلاً اور اگر مجروح کسی کا جرح

کرنا کافی ہے تو خود امام صاحب میں جو جرح کی گئی ہے؟

(۴) دیکھو: تقریر فتح مبین منہاجب بعض مدرّسین ہو گئی ان کے نامبارک الفاظ یہ ہیں: فلا شک أن فيها (أي

الصحاح) أقوال المعاندین المتعصبین و المنافقین قد دخلت۔ اور لکھتے ہیں: الرواة للبخاري قد كانوا

متعصبين و متكرين على الإمام الهمام۔ فالحقيقة و الصداقة من الرواة النازلين من الإمام بالتعصب أو بتداول

الزمان قد فقدت فإن الآية السابقون السابقون و الأحاديث خير القرون قرني قد سبقت بل على كذب الرواة

النازلين قد شهدت فأين الاعتماد جميع روايات الصحاح۔ اور لکھتے ہیں: من رواة الصحاح النازلين عنه

في الدرجة البعيدة التي قد شهدت بكذب الأحاديث المذكورة۔ انتہی۔

تاکہ ابن کا اعتبار اٹھا دے۔ کوئی فن رجال^(۱) اور سلسلہ مروجہ اسناد و تحدیث کی جس پر حدیث کا مدار ہے، عیب چینی میں مبالغہ کر کے اس کو ناقابل اطمینان ثابت کرتا ہے۔

انکار حدیث کا چور دروازہ:

لیکن انہوں نے ایسا کر کے اہل حدیث کا رد نہیں کیا۔ بلکہ خود اسلام پر حملہ کیا اور اسلام کے ایک رکن رکین کی جڑ کھودنا چاہی اور اعدائے اسلام کو موقع دیا کہ ان کے اقراروں کے موافق، جو کہ اصل میں خود ہی بے اصل ہیں یا غلط فہمی پر مبنی ہیں، اسلام پر مواخذہ کریں اور اس کے اراکین کی بے ثباتی مسلمانوں کے تسلیم کردہ بیانوں کی رو سے بیان کیا کریں۔ افسوس کہ ان کے اپنے مذہب پر تعصب اور اس کی حمایت نے کس حد تک اس کی ثبوت پہنچا دی۔ لیکن انہیں کے مقتدا پہلے علماء حنفیہ^(۲) ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ انہیں کتابوں کو اور ان کے مؤلفین کی روایات کو مدار کار سمجھتے تھے اور حق و باطل کی تمیز کا ذریعہ انہیں کو قرار دیتے تھے اور ان کا معتبر و صحیح ہونا تسلیم کرتے تھے اور ہے بھی نفس الامر میں یہی بات۔ چنانچہ اہل تحقیق کو کسی زمانہ میں شک نہیں ہوا اور نہ اب ہے۔ اگر حدیث ہی (جس پر احکام اور شرع کے بڑے حصہ کا مدار ہے)، غیر قابل عمل اور نامفہوم المسراو ہو جائے یا وہ عموماً بلا کسی تفصیل کے بے اعتبار یا فن رجال ناقابل اعتماد ٹھہر جائے تو پھر صحیح و غیر صحیح بات، اور رائج و مرجوح مذہب کے دریافت کا کیا ذریعہ رہے گا اور تمام متقدمین اور متاخرین برابر اس سے اپنے اپنے مطالب پر استدلال کیوں کرتے رہے۔ اور پھر جو شکوک اس میں پیدا کئے جاتے ہیں، اتنے ہی یا اس سے زائد روایات فقہ میں موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم اور پر لکھ چکے ہیں۔ لیکن

(۱) چنانچہ نعمانی صاحب نے سیرۃ النعمان میں اخبار آحاد کے ظنی ہونے کا ذکر چھیر کر اور اپنی طرف سے محدثین کو اس کا مخالفت قرار دے کر اس بیان میں اس قدر طول دیا اور مبالغہ کیا کہ جس کا ظاہر نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ حدیث کوئی قابل اعتماد فن نہیں، لیکن اس کا مفصل جواب حسن البیان میں دے دیا گیا ہے۔

(۲) چنانچہ غلامی کا قول پہلے گزر چکا۔

ان مقلدین کو اقوال فقہاء قبول ہیں وہ حدیث رسول اللہ (ﷺ) کرنا نہیں چاہتے۔

ایک زبردست مغالطہ:

اسی طرح بعض لوگوں نے ایک نئی روش یہ اختیار کی ہے کہ وہ کسی مسئلہ کی حدیث کے ساتھ موافقت یا مخالفت کی بحث میں بات بنانے کے لئے کہنے لگتے^(۱) ہیں کہ ہر امام کا ماخذ حدیث و قرآن ہے۔ اگر ایک امام مجتہد نے ایک حدیث سے اخذ کیا ہے تو دوسرے امام و مجتہد کا ماخذ دوسری حدیث ہے۔ غرض کوئی امام مخالفت حدیث و قرآن کے نہیں کہتا۔ حالانکہ ماخذ ہونے میں بحث نہیں ہے۔ ہر عالم نے اپنے ارادے سے تو قرآن و حدیث ہی کا قصد کیا مگر کوئی شبہ نہیں کہ سب کے سب ہر بات میں فی نفس الامر قرآن و حدیث کو نہیں پہنچے بلکہ کسی نہ کسی سے ضرور خطاء اجتہادی ہوئی۔ ورنہ ہر ایک کے قول کو واقع کے اعتبار سے مطابق قرآن و حدیث کہہ سکتے ہیں۔ ورنہ اگر ہر ایک مطابق قرآن و حدیث کہا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن و حدیث میں بکثرت اختلاف ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا} (یعنی یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔) معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف نہیں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض لوگ اس کا خیال نہیں رکھتے بلکہ اس قسم کے مواقع میں ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں، جس سے سمجھا جاتا ہے کہ قرآن و حدیث کسی محبتوں کی بڑیادیوانے کا کلام ہے کہ اس نے ذرا دیر میں کچھ کہا اور ذرا دیر میں کچھ اور اس میں ہر قسم کے متضاد اقوال موجود ہیں۔ اور تمام مختلف

(۱) دیکھو: الفتح المبین ص: ۱۱۲ اور ۱۳ میں لکھتے ہیں: ”حتیہ اس کے مدعی ہیں کہ کوئی بات فقہ کی قرآن و حدیث کے برخلاف نہیں اور ماخذ و فقہ کا قرآن و حدیث ہے۔ علی ہذا القیاس فقہ شافعی اور مالکی اور حنبلی بھی ہرگز مخالفت قرآن و حدیث کے ہیں۔“ انجمنی۔ فتح المبین کے ان اقوال کا اور نیز طعن کی بابت جو لکھا سب کا جواب الکلام المبین میں اجمعی طرح دیا گیا ہے۔

الاقوال اس کے مطابق و موافق ہیں۔ چنانچہ وہ اقوال مختلفہ کو حدیث^(۱) کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے^(۲) ہیں: ”لاریب جو مسئلہ خلاف سب نصوص کے ہے وہ باطل ہے۔“ اور یہ بھی کہتے^(۳) ہیں: ”اگر ایک نص کے مقابل اور دوسری نص کے موافق ہو تو مقابل نص کسی طرح اس کو نہیں کہہ سکتے۔“ تو گویا ان کے نزدیک ایک فعل کا کلام شارع کے ساتھ موافق و مخالف دونوں ہونا یا دو مختلف و متضاد و اقوال کا موافق ہونا جائز ہے۔ حالانکہ کوئی قول ہو جب وہ قرآن و حدیث کی کسوٹی پر رکھا جائے تو وہ یا موافق ہی نکلے گا یا مخالف۔ اسی طرح جب کوئی قول موافق ہو گا تو اس کا ضد موافق نہیں ہو سکتا۔ اور گو کسی کو سرسری نظر سے کام لینے کی وجہ سے نصوص میں تعارض معلوم^(۴) ہو مگر نظر تحقیق سے دیکھنے کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا۔ اور ہر اختلاف کے موقع میں ایک جانب کو ایک صریح ترجیح ظاہر ہو جاتی ہے اور محدود سے چند جو مواقع ایسے ہیں کہ جہاں صریح وجہ ترجیح نہیں ملی، یا جو استنباطی مسائل ہیں اور

(۱) جیسا کہ ابھی الفتح المبین کے قول میں تم پڑھ چکے ہو۔ حالانکہ ترجیح و تحقیق کے موقع میں اس قسم کی باتیں کرنا محض ملمع سازی ہے، چونکہ اپنے ان مسائل سے جن کی بابت بحث ہے مخالفت حدیث کا دھبہ تو کسی طرح دور نہیں کر سکتے۔ تو ضعیف ضعیف اور ساقط روایتوں سے جو غالباً دور زمانہ میں پیدا ہو گئیں یا بعید بعید استنباطات سے استدلال کر کے کہنے لگتے ہیں، کہ ہمارے مسائل جملہ نصوص کے خلاف تھوڑی ہیں، ایک دو حدیث کے خلاف ہیں تو ایک دو کے تو موافق ہیں، یا کسی عموم سے یا دلالت النص یا اشارۃ النص وغیرہ سے تو مستنبط ہیں اور اختلاف نصوص کی وجہ سے مجتہدین نے جس کو چاہا ترجیح دیا یا باسنے دور۔ سب ہی کے مسائل موافق ہیں کسی کے مخالف نہیں۔ مگر پھر اہل حدیث کے مسائل سے مخالفت کیوں کرتے ہو یا ان تمام فقہاء نے ائمہ ثلاثہ باقیہ کے مسائل کا رد اپنی کتابوں میں کیوں کر کرنا چاہا اور ان کے غیر صحیح مروج بنانے میں کیوں اس قدر کوششیں کیں۔ ۱۲۔

(۲) دیکھو، سبیل الرشاد ص: ۳۱، آگے عبارت یہ ہے ”ایسا مسئلہ کہ جملہ نصوص کے مخالف ہو اور کسی نص کی عبارت یا دلالت یا اشارت سے ثابت نہ ہو اور کلیات دین کے خلاف ہو وہ باطل ہوتا ہے، نہ یہ کہ کسی ایک دو حدیث کے مخالف جملہ اہل حدیث کو معلوم ہوتا ہو اور فی الواقع (حنفیہ کی رائے کے موافق) دوسری نص کے موافق اور مستنبط کلیہ دین سے ہو وہ بھی واجب ترک ہو۔“ انتہی۔

(۳) سبیل الرشاد ص: ۱۶۔

(۴) ایسے مواقع جن میں سرسری ہی نظر سے تعارض معلوم ہو کچھ بہت زیادہ نہیں ہے۔

صریح نص ان میں نہیں اور فریقین کے وجود استنباط قریب قریب برابر کے ہیں۔ ان کے خلاف میں اہل حدیث کو اصرار بھی نہیں اور نہ وہ ان میں سے کسی کو مخالفت^(۱) حدیث کہتے ہیں۔ اہل حدیث کو تو اس قسم کے مسائل میں خلاف ہے۔ جن کی مخالفت احادیث کے ساتھ ان وجود سے وقوع میں آئی جن کا ذکر تم اوپر^(۲) دیکھ چکے ہو جن کو ہم مجمل یا مفصل لکھ چکے، البتہ ایک وجہ جو ہم نے زمانہ متقدم کے ائمہ کا انتشار کی وجہ سے احادیث کا ایک حصہ نہ پاسکنا بھی تھی، اس کی بابت ہم کو ابھی اور کچھ لکھنا باقی ہے۔

ایک اور شبہ اور اس کا جواب:

اور وہ ایک شبہ کا دفعیہ ہے، جو ممکن ہے کہ بعض اصحاب کو اس کی نسبت پیش آئے، وہ یہ کہ قولی احادیث اور وہ کہ جن سے خاص خاص اوقات میں کام پڑتا ہے، تو تسلیم ہے کہ امام صاحب یا قریب کے زمانہ کے کسی دوسرے امام کو نہ پہنچی ہوں۔ مگر وہ امور کہ جن سے ہر وقت تعلق رہتا ہے اور وہ کہ روزمرہ برتے جاتے ہیں اور حضرت (ﷺ) کے وقت سے لے کر استمرار کے طور پر برابر مسلمانوں میں جاری رہے۔ مثل بیات نماز اور طریقہ وضو یا الفاظ اذان وغیرہ جن کو صحابہ نے حضرت (ﷺ) کو کرتے دیکھا اور ان سے سیکھا اور صحابہ کو دیکھ کر تابعین نے سیکھا اور ہر طبقہ دوسرے طبقہ کو برابر دیکھتا چلا آیا اور ایسے امور میں سے کسی امر کی بابت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کسی سے بالخصوص ان قریب کے زمانوں والوں سے مخفی رہا ہو۔ پس ان باتوں میں سے کسی بات کی نسبت یہ کہنا کہ فلاں امام کو اس کی بابت حدیث نہ پہنچی ہو، کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ لہذا ہم اس کے متعلق بھی ایک مختصر تحقیق ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

(۱) اور جو ایسا نہ کرے ہم اس کے ساتھ متفق رائے نہیں۔

(۲) یا بعض آگے آ رہی ہیں۔

سب سے پہلے یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ انہیں مستقدم زمانوں، تابعین وغیرہم کے وقت میں ان عملی و استمراری امور کی بابت بھی رواج مختلف تھا۔ کوئی کسی طرح پر عمل کرتا تھا، کوئی کسی طرح پر۔ اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ باستثناء ان امور کے جن میں شارع کی طرف سے تحجیر و توسع ہے۔ یعنی جس طرح پر چاہے کرے، دونوں جائز ہیں۔ صحیح عند اللہ ایک ہی رواج و عمل تھا۔ اور دوسرا غیر صحیح۔ پس بالضرور بعض اعمال غیر صحیح بھی کسی نہ کسی وجہ سے رواج پا گئے تھے۔ تابعین کے اختلاف کی منجملہ اور وجوہ کے سب سے بڑی وجہ صحابہ کا اختلاف تھا۔ اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے اختلاف کی غالب وجہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ پس وہی وجہ اگر بغور پڑھی جائے تو اس شبہ کے بھی بہت حصوں کے رفع کے لئے کافی ہے تاہم خاص طور پر بھی ہم اس کی ایک وجہ اور لکھتے ہیں۔ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں بعض ایسے اعمال جو رسول اللہ (ﷺ) سے ثابت تھے جن کو وہ لوگ واجب و فرض نہ جانتے تھے بلکہ سنت و مستحب خیال کرتے تھے چھوٹ گئے تھے اور عموماً مروج نہ رہے تھے۔ یہ چھوٹ جانا خواہ اس سے ہو کہ ان کو ان سے زائد اہم امور میں اشتغال کی وجہ سے ان کی محافظت کی طرف توجہ نہ رہی تھی۔ یا بمقتضائے بشریت یا کسی خاص وجہ سے ایسا وقوع میں آیا یا انہوں نے قصد اس اظہار کے لئے کہ، ان کو سنت و مستحب کی ہی حد تک رکھا جائے فرض و واجب نہ سمجھ لیا جائے، اس پر استمرار کو ترک کر دیا۔

بہر حال کتنے ایسے اعمال بھی ہیں، جن سے ہر وقت کام پڑتا ہے یا وہ استمراری اعمال کے متعلق ہیں، گو وہ پیغمبر صاحب (ﷺ) سے ثابت ہیں، ان زمانوں میں متروک ہو گئے تھے، اور وہ عام طور پر شائع نہ تھے کہ ہر کسی کا ان سے واقف ہو جانا ضروری ہو۔ چنانچہ دیکھو نماز میں جو اٹھتے بیٹھتے اللہ اکبر کہا جاتا ہے جس کو تکبیر انتقال کہتے ہیں وہ ایک زمانہ میں عام طور پر مستروک ہو گئی

تھیں۔ عکرمہ^(۱) تابعی نے اتفاق سے کہیں ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھی اور انہوں نے یہ تمام تکبیرات ادا کیں، ان کو بہت تعجب ہوا اور ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے آکر کہنے لگے کہ یہ تو کوئی احمق ہے۔ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا، ارے یہ تو رسول اللہ (ﷺ) کی سنت ہے۔ عمران بن حصین^(۲) نے جب بصرہ میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھی، جنہوں نے ان تکبیرات کو ادا کیا تو کہنے لگے کہ ہم کو انہوں نے وہ نماز یاد دلادی جو ہم رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ^(۳) نے بھی خود حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھ کر ایسا ہی کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ ہم لوگ اس کو بھول گئے یا قصد اچھوڑ دیا۔ یہ تمام باتیں صاف کہہ رہی ہیں کہ ان تکبیرات کا رواج عموماً ترک ہو گیا تھا ورنہ یہ سب کچھ کا ہے کو کہا جاتا۔

اسی طرح بعض اور کیفیات میں بھی نماز کی حالت بدل گئی تھی۔ چنانچہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ)^(۴) ایک شخص کے پیچھے نماز پڑھ کر کہتے ہیں۔ میں نے کسی کے پیچھے جو نماز میں حضرت (ﷺ) کے ساتھ مشابہت ہو، نماز نہیں پڑھی۔ معلوم ہوا کہ عموماً اس سے غیر نماز پڑھی جاتی تھی۔ زہری^(۵) کہتے ہیں، میں دمشق میں حضرت انس (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا تو وہ رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا آپ کیوں روتے ہیں۔ تو فرمایا کہ پیغمبر صاحب (ﷺ) کے زمانے کی کوئی^(۶)

(۱) صحیح بخاری۔

(۲) صحیح بخاری۔

(۳) مسند امام احمد وغیرہ

(۴) مسند امام احمد و سنن نسائی۔

(۵) صحیح بخاری۔

(۶) یعنی باتیں بدل گئیں اور عموماً ان پر عمل نہیں کیا جاتا یہ کہ بالکل دین اٹھ گیا کیونکہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا مسلمانوں

نے اپنے دین کی ہمیشہ حفاظت کی ہے اور ایک جماعت ہر وقت میں اس کی محافظ قائم رہی۔

بات میں نہیں پاتا بجز نماز کے اور نماز بھی کھودی گئی۔ ام درداء (رضی اللہ عنہا) کہتی ہیں (۱)۔ ابو الدرداء (رضی اللہ عنہ) (صحابی) غصے میں بھرے ہوئے میرے پاس آئے تو میں نے پوچھا، غصے کیوں ہو تو فرمایا، میں ان لوگوں میں پیغمبر صاحب (ﷺ) کی باتوں میں سے کوئی بات نہیں پاتا۔ مگر صرف ایک یہ بات باقی رہی ہے کہ جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ ان شہادتوں سے ثابت ہے۔ نماز کے نفس افعال میں تغیر پیدا ہو گیا تھا اور نفس افعال کے سوا بعض اقسام نماز سے بھی عموماً ان پر عمل نہ رہنے کی وجہ سے بے خبری ہو گئی تھی۔ مسرشد (۲) بن عبد اللہ (تابعی نے) ابو تمیم (رضی اللہ عنہ) کو مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل پڑھتے دیکھا تو ان کو بڑا ہی تعجب ہوا، اور وہ عقبہ (رضی اللہ عنہ) بن عامر صحابی کے پاس آ کر کہنے لگے، میں تم کو ایک تعجب کی بات سناؤں، ابو تمیم (رضی اللہ عنہ) نماز مغرب سے قبل دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ تو عقبہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ حضرت (ﷺ) کے وقت میں ہم خود پڑھا کرتے تھے۔ میں نے کہا تو اب کون چیسز تم کو پڑھنے سے روکتی ہے۔ کہا شغل۔

اس بحث کے متعلق روایتیں ہمارے علم میں اور بھی ہیں، مگر ایک سمجھ دار کے لئے اسی قدر شہادتیں کافی ہیں۔ یہ شہادتیں اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ بہت سے اعمال پیغمبر صاحب (ﷺ) کے وقت کے زمانہ مابعد میں بوجہ چھوٹ گئے جن سے عموماً لوگ بے خبر (۳) ہو گئے تھے۔

(۱) صحیح بخاری وغیرہ۔

(۲) صحیح بخاری۔

(۳) کاش ہمارے زمانے کے وہ لوگ جو اپنے رواج کے خلاف جب کوئی بات پاتے ہیں تو اس کو بہت ہی بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اپنے تمام رواجوں کو صحیح و درست خیال کرتے ہیں، ذرا اس سے عبرت چکاتے، جب ان غیر و برکت کے زمانوں کے رواج کی یہ حالت ہے تو مابعد زمانوں کی کیا حالت ہوگی جیسا کہ علامہ ابن حجر مذکور دہالہ حدیث ام درداء کی تحت لکھتے ہیں: وکان ذلک صدر من ابی الدرداء فی اواخر خلافة عثمان فیالیث شعری اذا کان ذلک العصر والفاضل بالصفة المذكورة عند ابی الدرداء فکیف بمن جاء بعدهم من الطبقات۔۔۔۔۔

پس کوئی تعجب نہیں کہ اس قسم کے امور میں بسبب اس کے عام رواج نہ رہنے اور عموماً شائع نہ ہونے کے کوئی امر کسی امام سے پوشیدہ رہا ہو اور وہ زمانہ مابعد میں اس کے بہ سلسلہ روایت محفوظ ہو جانے اور کتب حدیث میں مندرج ہو جانے کی وجہ سے ظاہر ہو جائے۔ الحاصل حدیث کی یہ چھ مشہور اور مستند کتابیں، جو صحاح ستہ کہلاتی ہیں، جن پر زیادہ تر احادیث کا مدار ٹھہرا ہے اور جو بیشتر احادیث احکام کو حاوی ہیں، ائمہ اربعہ کے بعد تالیف ہوئیں اور صحاح ستہ کے سوا اور بھی حدیث کی بہت سی کتابیں جن سب نے مل کر احادیث کو جو کہ منتشر تھیں جمع کر کے لوگوں کے لئے آسان کر دیا، ائمہ اربعہ کے بعد ہی مدون ہوئیں۔ لہذا ہر قسم کے احکام کے متعلق اور ہر بات میں حدیث کا تلاش کر لینا اور اس کا پالینا پچھلوں کو بہت آسان ہو گیا۔ اور جو بات پہلوں کے افراد کو بہ مشکل معلوم ہو سکتی تھی یا معلوم نہ ہوئی اس کا علم پچھلوں کو بخوبی میسر آ گیا۔ اب تو ناظرین بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ کسی قسم کا کوئی مسئلہ ہو ان ائمہ میں سے کسی امام سے اس کے پوشیدہ رہنے یا اس کے حدیث رسول (ﷺ) کے خلاف ہو جانے میں تعجب کو ذرا بھی گنجائش نہیں، بلکہ خود ایسا ہونا نہایت قرین قیاس ہے۔

حدیث مدون ہونے کے بعد فقہاء کا طرز عمل:

لیکن اس جگہ اب ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ ان اماموں کی نسبت تو ہم تسلیم کر سکتے ہیں کہ ان کو احادیث کے مدون نہ ہونے کی وجہ سے تھوڑی یا بہت احادیث نہ پہنچی ہوں، لیکن زمانہ مابعد میں جب کہ احادیث مدون ہو گئیں، اس کے بعد جو یہ تمام فقہاء گزرے ہیں جنہوں نے فقہ کی کتابیں تصنیف کی ہیں، ان کی نسبت احادیث کے پانے سے معذوری کا عذر تو کسی طرح نہیں خیال کیا جاسکتا تو مثلاً فقہاء حنفیہ جو ان فقہی مسائل کو لکھتے پڑھتے اور انہیں پر عمل کرتے اور انہیں کے حامی رہے، تو ان مسائل میں سے کوئی مسئلہ اگر حدیث کے خلاف ہے تو کیا سب کے سب وہ ایسے بے

دین تھے کہ ان کو حدیث رسول (ﷺ) بمقتابل قول امام کے چھوڑتے ہوئے ذرا اللہ کا ذکر نہ آیا یا سارے کے سارے ایسے کند فہم اور بے سمجھ تھے کہ ان کو اس مسئلہ کا حدیث کے خلاف ہوتا سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا۔ حالانکہ ان دونوں باتوں میں سے کسی بات کو عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی۔ پھر ہم کیسے تسلیم کر سکتے ہیں کہ فقہ کا کوئی مسئلہ حدیث کے خلاف ہو۔ اس لئے کہ اگر ایسا کوئی مسئلہ ہوتا تو فن حدیث کے مدون ہو جانے کے بعد کے جو فقہاء میں ضرور ان مسائل کو خارج کر دیتے۔ اور کبھی مسلم نہ رکھتے۔ اور جب ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ وہ حدیث کے خلاف نہیں۔

جواب:

ہر چند کہ ایسی حالت میں فقہ کے کسی مسئلہ کو خلاف حدیث کہنا ایک تعجب خیز امر معلوم ہوتا ہے، لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ کچھ مسائل فقہ کے ضرور ایسے ہیں جن میں خطاء اجتہادی^(۱) ہو گئی اور جن کے خلاف حدیث ہونے سے انکار کی گنجائش نہیں۔ پس اس قسم کے مسائل پر فقہاء کے قائم رہنے کی، اگر وہ^(۲) قائم رہے ہیں، چند وجوہ ہیں، جن کو حق پسندی کے ساتھ دیکھنے کے بعد یہ سارے شبہ و تعجب ان شاء اللہ تعالیٰ بخوبی زائل ہو جائیں گے۔

وجہ اول، چند ایسے اسباب پیش آئے جن کی وجہ سے عموماً فقہاء فن حدیث میں دخل نہ پیدا کر سکے اور نہ وہ اس کی طرف متوجہ ہو سکے۔ ایک سبب تو وہی ہے۔ جو تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ اہل الرائے کے طرز عمل نے جس نے مذہب تقلید کی بنا ڈالی حدیث سے استدلال اور اس کی طرف توجہ

(۱) جیسا کہ پہلے بیانات وشہادت علماء کثیر سے ثابت ہوا اور آگے بھی آتا ہے۔

(۲) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ممکن ہے کہ اصحاب مکتب نے جو کتابوں میں یہ فقہی مسائل ذکر کئے ہیں اس میں محض اصحاب مذاہب (امام صاحب وغیرہ) کے نقل مذہب کا ارادہ کیا ہو اور اسی کو ذکر کیا نہ ذاتی تحقیقات اور اپنے مذہب کا پس اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان تمام مسائل سے اتفاق رائے تھا۔ ممکن ہے کہ بعض میں ان کو خلاف ہو چنانچہ بعض بعض فقہاء کے خلاف کا پتہ چلتا بھی ہے۔

کر کے ترک کا عادی بنادیا تھا اور حدیث کا شغل کم کرنے اور اقوال علماء پر کار بند رہنے اور ان سے ہی سند پکڑنے کا طریقہ جاری کر دیا۔ جن لوگوں^(۱) میں اس طرز عمل نے اپنا رنگ جمایا ان کے لئے ایک شدنی امر تھا کہ ان کا شغل حدیث کے ساتھ کچھ زیادہ نہ ہو۔

دوسرا سبب وہ ہے جو شاہ صاحب کے کلام میں تقلید کے جاری ہونے کے سبب میں گزر چکا کہ فقہاء کی باہم نزاع کا خاتمہ نہ ہوتا تھا۔ جب تک کہ وہ معتقدین سے کسی عالم کا قول پیش کریں۔ اسی طرح ان کی قضاء و افتاء عالم مابین کے قول کے حوالے کے بغیر معتبر نہ ہوتی تھی، اور اس بات کی ان لوگوں میں اس حد تک کثرت ہوئی کہ طریقہ تقلید کا پورا رنگ ہی قائم ہو گیا۔ پس ان کو اپنے فتاویٰ و فیصلوں اور استدلال و مناظرات میں جس بات کی ضرورت تھی وہ صرف اقوال علماء میں نہ کہ قرآن و حدیث۔ اگر قرآن و حدیث کے ساتھ استدلال کا رنگ موجود و قائم ہوتا تو تقلید کا رنگ ہی کیوں جنمے پاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں میں تقلید نے رواج پایا حدیث سے استدلال کا طریقہ اور اس کا شغل ان میں جاری نہ رہ سکا۔

تیسرا سبب خود مسلک تقلید ہے۔ تقلید کا جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ایسا ہونا، ایک لازمی اثر تھا۔ اس لئے کہ جس نے جس امام کی تقلید کی اس کا فرض منصبی تھا کہ وہ ہر وقت و ہر موقع میں اسی امام کے عندیہ و قول کو دریافت کرے اور اسی کا طالب ہو اور اسی سے اس کی غرض متعلق رہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور وہ اسی پر عامل ہوا اور اسی کو اپنے لئے کافی و وافی سمجھتا رہا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوتا تھا اور ہوا کہ حدیث کے شغل اور اس سے استنباط احکام کی طرف ان کی توجہ نہ ہو سکی اور نہ وہ اس کو اس کی اصلی غایت و موضوع لہ میں استعمال کر سکے۔

چوتھا سبب انہیں فقہی مسائل کا منظور نظر سلاطین ہونا اور عوام و خواص کا انہیں کی طرف

(۱) جو کہ اہل تقلید میں جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

توجہ کرنا اور انہیں میں تبحر و کمال سے ملکی عہدوں و معزز خدمتوں پر ممتاز ہونا ہے۔ اس وجہ سے انہیں کی زائد ضرورت ہوئی اور انہیں کی بڑی قدر ہوئی۔ اس سبب سے انہیں کے حاصل کرنے میں سرگرمی کی وجہ سے تحصیل حدیث کی طرف عموماً لوگ متوجہ نہ ہو سکے اور اس سے بیشتر بے خبر رہے۔

امام غزالی (رحمہ اللہ) فاتحہ العلم میں تحریر فرماتے ہیں:

”اقسام علوم^(۱) کی طرف مخلوق کی توجہ کی بابت زمانوں کی حالت مختلف رہی ہے، رسول اللہ (ﷺ) کے بعد خلافت کے متولی خلفائے راشدین ہوئے۔ وہ خود بڑے بڑے عالم تھے جو

(۱) عبارت یہ ہے: أعلم أن الأعصار قد اختلف في إقبال الخلق على أنواع العلوم۔ فالخلافة بعد رسول الله (ﷺ) تولاها الخلفاء الراشدون وهم أئمة يستقلون بالفتوى كانوا لا يستعينون بالفقهاء إلا في وقائع نادرة وكان الإسلام في زمانهم على طرادته فلم يكن لهم رغبة في العلم إلا الله تعالى فلا جرم كان اشتغالهم بمهمات الدين ومراقبة القلب وملازمة الفتوى وطلب علم الحديث والقرآن للعمل والهداية لا للرواية فلما انقضى عصرهم تولى الخلافة أقوام لا استقلال لهم بعلم الفتوى والتسعت الولاية فاحتاجوا إلى القضاة والفقهاء المستقلين بالفتوى والأقضية وكان قد بقي من علماء التابعين من هو على الصفة الأولى في ملازمة صفو الدين فكانوا إذا طلبوا أو هربوا فاضطر الخلفاء إلى إكرامهم والإلحاح في طلبهم فرأى أهل تلك الأعصار العلماء وإقبال الخلفاء والولاية عليهم مع أعراضهم عنهم فأكبروا على طلب علم الفتوى ونوصلا إلى أهل العز والجاه وكثرت الرغبة في علم المذاهب واتسع هذا العلم وأكب الناس عليه ثم عرضوا أنفسهم على الولاية وعرفوا إليهم وطلبوا الولايات منهم فمنهم من حرم ومن هم من انجح إلا من وفقه الله تعالى فلم يخل عصر من الأعصار من العلماء بالله معرضين عن السلاطين لكن كان أكثر الإقبال في ذلك العصر على علم الفتوى والأقضية وهو سميته الآن علم المذاهب ثم بلغت باللغة المتكلمين من المعتزلة وغيرهم وظهر من الصدور والخلفاء من مال إلى البحث عن العقائد وإلى التعصب فيه وأقبلوا على من اشتغل بذلك العلم فأكب الناس على علم الكلام فأكثر وفيه التصانيف ورتبوا فيه طرق المجادلات والمناقضات وزعموا أن غرضنا الذب عن الله والنضال عن السنة كما زعم من قبلهم أن غرضنا الاشتغال بالفتوى لتمييز الحلال ---

ہذا علم فتویٰ پر قادر تھے، اور جو سوائے نادر مسائل کے کسی دوسرے عالم سے مسائل میں مدد نہ لیتے تھے اور اسلام ان کے وقت میں اپنی ستازگی پر تھا۔ اس زمانے کے لوگوں کی رغبت علم کی طرف اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے تھی۔ ان کا علم حدیث و قرآن کو طلب کرنا خاص عمل و ہدایت کے لئے تھا نہ صرف روایت کے لئے۔ جب ان کا زمانہ گزر گیا تو خلافت کی ایسی قومیں مالک ہوئیں جو ہذا علم فتویٰ کا نہ رکھتی تھیں اور سلطنت بھی وسیع ہو گئی۔ لہذا ان کو علماء و قضات کی ضرورت پڑی جو علم فتویٰ و قضایا رکھتے ہوں۔ علماء تابعین میں سے کچھ لوگ اس وقت تک باقی تھے، جو پہلے طریقہ کے موافق خالص دین کو پکڑے ہوئے تھے، تو جب ان سے درخواست ملکی خدمات قبول کرنے کی مابقی تھی تو وہ دور دور بھاگتے تھے۔ پس سلاطین ان کا اکرام کرنے اور خوش آمد کے ساتھ قبول کرانے پر مجبور ہوئے۔ اب جب اس زمانے کے لوگوں نے علماء کی یہ قدر دیکھی تو وہ علم و فتویٰ کی تحصیل کی طرف عزم و حیاہ حاصل کرنے کے لئے جھک پڑے۔ اور علم مذہب فقہ کی طرف توجہ بہت زائد ہوئی اور یہ علم خوب

--- من الحرام ثم ظهر بعد ذلك من الصدور من لم يستصوب الخوض في أصول العقائد لما فيه من الفتنه فأعترض عن المتكلمين وأقبل على المعتصبي... للمذاهب في الفروع وأقبل على من بناظر في الفقه وبيان الأولى من مذهب الشافعي وأبي حنيفة خاصة وزعموا أنهم يفعلون ذلك لله تعالى وغير منهم استنباط دقائق الشرع وبيان ما عدا الأحكام وأكثر وافيه التصانيف والاستنباط ورتبوا طرق المجادلات وأعرضوا عن الخلاف عن مالک وأحمد بن حنبل ومفیان مع أنهم إنما يخالفون من جهة الأحاديث والبحث عن معاني الأحاديث وما يصح منها وما لا يصح لهم في ما عدا الأحكام ولكن كانت رغبتهم بحسب ميل الولاية والصدور إذ كان بهم التوسل إلى الأوراد والصلوات والولايات فلم يشتغلوا إلا بما يروج عندهم ولو مالت نفوس أرباب الولايات إلى الخلاف مع أحمد أو مع مالك لا شغلوا بالبحث عن مذاهبهم ومناقضاتهم ولم يسكتوا عن دعواهم إنا إنما نطلب ما أخذ الدين لله وفي الله فهكذا كان ترتيب الأعصار إلى الآن ولا تدري ما قدره الله تعالى فيما بعد من الأعصار. انتهى. (نیز دیکھئے: إحياء العلوم ص: ۴۲، جلد: اول، باب: رابع-ع-ح-).

زمانہ وسیع ہو گیا۔ اور لوگ اس پر جھک پڑے۔ پھر اپنے آپ کو سلاطین کے سامنے پیش کیا، اور شناسائی پیدا کی اور حکومتیں حاصل کرنا چاہیں، سو کوئی مسرد کو پہنچا اور کوئی محروم رہا۔ مگر کوئی زمانہ ایسے حقانی علماء سے خالی نہیں رہا جو سلاطین سے اعراض کرتے رہے ہیں۔ لیکن اس زمانہ میں زیادہ توجہ علم فتویٰ و قضایا مسائل فرعیہ کی طرف رہی جس کا نام میں نے ابھی علم مذہب لیا ہے۔

پھر ایک جماعت متکلمین معتزلہ وغیرہ کی آپہنچی اور امراء و سلاطین میں سے وہ لوگ ظاہر ہوئے، جن کی رغبت ہوئی کہ عقائد میں بحث کی جائے اور اس میں تعصب برتا جائے۔ پس لوگ علم کلام کی طرف جھک پڑے اور اس میں کثرت سے کتابیں تصنیف کیں اور اس میں محبادوں اور مناقضات کے طریقے مرتب کر دیے اور خیال کیا کہ ہم اللہ کے دین کی طرف سے جواب دیتے ہیں اور سنت کی حفاظت کرتے ہیں جیسا کہ پہلے والوں نے خیال کیا کہ ہماری غرض علم فتویٰ میں مشغول ہونے سے یہ ہے کہ حلال و حرام میں تمیز ہو جائے۔ پھر بعض وہ امراء ظاہر ہوئے جنہوں نے عقائد میں بحث کو فتنہ کے خیال سے ٹھیک نہ جانا پس انہوں نے متکلمین سے بے توجہی کی اور اس شخص کی طرف توجہ مبذول کی جو ان فروعی مسائل کے مذاہب میں تعصب برتے اور مسائل فقہ میں اور خاص کر مذہب امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے باہم ترجیح^(۱) میں بحث و مناظرے کرے اور خیال یہ کیا کہ یہ صرف اللہ ہی کے واسطے کرتے ہیں، اور غرض اس سے نکات^(۲) شریعت کا استنباط اور احکام کی اصل کا بیان کرنا ہے۔ آخر انہوں نے اس میں کثرت سے تصانیف کیں اور استنباط کیے اور مجادلے کے طریق (جیسا کہ کتب اصول اور بعض کتب فقہ میں مشل ہدایہ وغیرہ کے

(۱) یعنی حنفی بمقابلہ شافعی کے اپنے مذہب کی ترجیح اور اپنے مذہب کے مسائل کی خوبیاں بیان کرے اور شافعی اپنے مذہب کے لئے بمقابلہ حنفی کے ایرادی کرے۔

(۲) یعنی یہ مباحثے بیشتر عقلی دلائل اور وجوہات پر مبنی تھے، جیسا کہ اگلی عبارت بھی شاہد ہے۔

مذکور ہیں^(۱) مرتب کر ڈالے اور ان لوگوں نے مالک اور احمد بن حنبل اور سفیان کے خلاف سے (اور ان کے مسائل کے ساتھ مقابلہ سے) تعرض نہ کیا۔ حالانکہ وہ لوگ احادیث کی رو سے خلاف کرتے تھے اور ماخذ احکام کی بحث میں احادیث کے معانی کی رو سے بحث کرنا اور یہ کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی نہیں صحیح زیادہ ضروری^(۲) تھا۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ ماخذ احکام کے بیان میں دوسرے طریقے پر چلے۔ اس واسطے کہ ان کی رغبت تو امراء و سرداروں کی توجہ کے موافق تھی تو وہ اسی میں مشغول ہوئے اور جو امراء کے پاس رواج پاسکے۔ اور اگر اباب حکومت احمد یا مالک کے ساتھ خلاف کی بحث کی طرف مائل ہوتے (یا قنوں حدیث کی طرف رغبت کرتے) تو وہ لوگ انہیں کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ (لیکن چونکہ امراء اس طرف مائل نہ ہوئے لہذا وہ بھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ پس یہ ہے زمانوں کی ترتیب ہمارے وقت تک اور ہم نہیں جانتے کہ آئندہ زمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا مقدر کر رکھا ہے۔“

پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

”مناظرہ^(۳) سے غرض ماخذ شرع کا معلوم کرنا ہوتا ہے تاکہ آدمی رتبہ اجتهاد کو پہنچ جائے اور وہ فروض کفایہ سے ہے۔ تو اگر کسی فرض کفایہ کو دیکھے کہ وہ متروک ہو رہا ہے۔ کوئی اس کا قائم کرنے والا نہیں تو اس کو چھوڑ کر ایسے فرض میں مشغول نہ ہو۔ جس کو ایک جماعت قائم کر رہی ہے اور علم حدیث اس زمانے میں فروض کفایہ سے ہے کوئی اس کا قائم کرنے والا نہیں اور وہ معدوم ہو جانے کے قریب ہو گیا ہے۔ حالانکہ وہی اصل دین ہے۔“

(۱) بیہما کہ شاد صاحب کے قول سے گزر چکا، دیکھو: حاشیہ ص: ۱۰۹۔

(۲) اس سے ثابت ہوا کہ فقہاء کی بحث و مناظرے احادیث کی رو سے نہ تھے بلکہ وہ اور ہی طریق پر تھے۔

(۳) عبارت یہ ہے: فإن غرض المناظرۃ طلب ماخذ الشرع لینال رتبة الاجتهاد هذا من فروض الکفایۃ

فإن رأى فرض کفایۃ معطلۃ لا قائم بها فلا یشتغل بما قام جماعۃ وعلم الأحادیث۔۔۔

اس سے معلوم ہوا کہ عموماً لوگوں کی انواع علوم کی طرف رغبتیں، امراء و سلاطین کی توجہ کے تابع رہیں اور امراء و سلاطین کی بیشتر توجہ فقہی مسائل اور بالخصوص خلافت امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) اور امام شافعی ہی کی طرف رہی اور ان خلافت میں بھی وجہ ترجیح کی طرف جو توجہ تھی تو وہ حدیث کی تحقیق کی رو سے تھی بلکہ دوسرے ہی طریقوں سے تھی۔ اسی وجہ سے حدیث کا چرچا ان زمانوں میں بہت کم رہا۔

حتیٰ کہ امام غزالی (رحمہ اللہ) کے زمانے میں فن حدیث معدوم ہو جانے کی قسریب ہو گیا تھا۔ امام غزالی کے زمانہ کی تخصیص نہیں۔ یہی حالت علم حدیث کی قریب قسریب اور زمانوں میں بھی رہی امام غزالی ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔

امام ابو شامہ کا قول جو ۵۹۶ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۶۶۵ھ میں وفات پائی، تم پہلے پڑھ چکے ہو۔ امام ذہبی جو ۶۸۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۷۴۸ھ میں وفات پائی وہ اپنے زمانہ کا حال لکھتے ہیں^(۱)۔

”اصحاب حدیث کم ہو گئے اور کم ہو گئے اور اکثر علماء زمانہ فروعیات میں

--- في هذا العصر من فرائض الكفايات ولا فائمه به وقد أشرف على الانداس وهو أصل الدين۔

انتہی۔

(۱) عبارت یہ ہے: فلقد تقال أصحاب الحديث وتلاشوا وصار علماء العصر في الغالب عاكفين على التقليد في الفروع من غير تحرير لها ومكبين على عقليات من حكمة الأوائل وآراء المتكلمين فعم البلاء واستحكمت الأهواء ولاحت مبادئ رفع العلم وقبضه من الناس فرحم الله امرأ أقبل على شأنه وقصر من لسانه وأقبل على تلاوة قرآنه وبكى على زمانه وأمعن النظر في الصحيحين وعبد الله قبل أن يبعثه إلا جل اللهم وفق والرحم واجعلنا منهم۔ انتہی۔ ملخصاً۔ دیکھو، تذكرة الحفاظ، ج: ۲، ص: ۵۳۰۔

تقليد^(۱) کے مجاور ہو گئے، کچھ بھی مسائل کی تحقیق نہیں کرتے اور عقلیات یعنی علوم حکومت اور آراء متکلمین پر جھک پڑے۔ پس کیسی بلا پھیل گئی اور بدعات قوی ہو گئیں اور علم کے اٹھ جانے کے آثار ظاہر ہو گئے۔ سو اللہ بھلا کرے، اس شخص کا جو اپنے حال پر توجہ کرے اور اپنی زبان کو روکے اور قرآن مجید کی تلاوت کیا کرے اور اپنے زمانے کی حالت پر روئے اور بغور صحیحین (بخاری و مسلم) کو دیکھے اور موت کے آنے سے پہلے اللہ کی ٹھیک ٹھیک طریقہ پر عبادت کر لے۔ اے اللہ! تو توفیق دے اور ہمارے حال پر رحم کر اور ہم کو انہیں لوگوں میں داخل کر دے۔ (جن کے یہ نصیب ہیں)۔“

اور علامہ تاج الدین بکی جو ۷۲۹ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۸۰۷ھ میں وفات پائی اپنے زمانہ کی حالت لکھتے ہیں:

”منتہائے نظر^(۲) ہمارے زمانے کے لوگوں کا علم حدیث میں مشارق^(۳) الأنوار تک^(۴) ہے اور اگر کبھی مصابیح تک نظر پہنچ گئی تو خیال ہو گیا کہ درجہ محدثین تک پہنچ گئے۔ اور یہ

(۱) مسائل کو حدیث سے ملا کر انہیں دیکھتے اور ان کی تحقیق نہیں کرتے کہ بائیں ان میں سے کون سا حدیث کے موافق ہے اور کون سا نہیں ہے بلکہ ہے تقلید پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہے۔

(۲) عبارت یہ ہے: واعلم أن قصارى نظر أئمة زماننا في علم الحديث النظر إلى مشارق الأنوار فإن ترفعت إلى مصابيح البغوي ظلت أنها تصل إلى درجة المحدثين وما ذلك إلا لجهلهم بالحديث وإنما الذي بعده أهل الزمان بالغاً إلى النهاية وينادونه محدث المحدثين وبخاري العصر من اشتغل بجامع الأصول لابن الأثير مع حفظ علوم الحديث لأبن الصلاح وتقريب النواوي۔ انتهى۔

(۳) مشارق الأنوار میں صرف صحیحین کی قولی حدیثیں مذکور ہیں صاحب مشارق الأنوار نے بھی اپنے زمانے کے لوگوں کی حدیث سے بے علم ہونے کی شکایت کی ہے اور لکھا ہے کہ کم علم نا فہم جن کو صحیح وضعیث حدیث کی تمیز نہیں عالم اور پیشوا مشہور ہو گئے۔ انتہی۔ صاحب مشارق الأنوار نے جیسا کہ اپنے زمانے کی یاد دیگر اصحاب نے اپنے اپنے ملکوں اور اپنے اپنے کی علمی علم حدیث کی بابت شکایت کی اس سبب سے بدتر حالت اس بارے میں ہندوستان کی رہی ہے اور افغانستان اور بعض دیگر ممالک میں اب تک یہی حال ہے، چنانچہ کچھ تفصیل آگے آتی ہے۔

(۴) جیسا کہ ہندوستان میں مشکوٰۃ المصابیح۔

صرف ان لوگوں کے حدیث سے جاہل ہونے کی وجہ سے ہے اور جس کو زمانہ کے لوگ اسلی درپر پہنچا ہوا سمجھتے ہیں اور اس کو محدث المحدثین اور بخاری العصر کہہ کر پکارتے ہیں۔ وہ وہ شخص ہے جو جامع الاصول کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہوا اور اس نے ابن الصلاح کی علوم الحدیث اور تقریب نووی کو یاد کر لیا ہو۔“

ان تمام شہادتوں سے ظاہر ہے کہ ان زمانوں میں فن حدیث کس کس کے ساتھ مروج رہا، اسی پر زمانہ مابعد کی حالت کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ گو فن حدیث مدون و مکمل ہو چکا تھا۔ لیکن کچھ شک نہیں کہ بجز خاص خاص افراد کے جن کے ذریعہ سے اللہ جل شانہ کو اس فن کا قائم و باقی رکھنا منظور تھا۔ عموماً علماء و فقہاء ان تمام زمانوں کے جب سے تقلید مذاہب نے اپنا قدم جمایا اس سے بے خبر رہے یا اس میں معتد بہ دخل نہ پیدا کر سکے۔

حدیث میں فقہاء غیر معتبر ہیں:

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے جو کہیں کہیں اپنی تالیفات میں احادیث ذکر کیں اور ان سے تمسک کرنا چاہا تو اس میں قابل افسوس غلطیاں کھائیں اور اسی وجہ سے فقہاء کی احادیث کا جو وہ اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں اعتبار نہیں رہا، ملا علی قاری (رحمہ اللہ) کی موضوعات میں من قضی صلوٰۃ من الفرائض الخ کے تحت میں لکھتے ہیں:

”یہ روایت ^(۱) باطل ہے، یقیناً اور کچھ اعتبار نہیں ^(۲)۔ صاحب نہایہ شرح ہدایہ یاد دوسرے

شارحین ہدایہ کے اس کو ذکر کرنے کا جو کہ انہوں نے اس کو شروع ہدایہ میں ذکر کیا ہے، کیونکہ وہ

(۱) عبارت یہ ہے: باطل قطعاً ثم لا عبرة بنقل صاحب النهاية ولا بقية شرح الهداية فإنهم ليسوا من

المحدثين لا أسندوا الحديث إلى أحد المحدثين۔ انتہی۔

(۲) یعنی موضوع۔

محدثین^(۱) میں سے نہیں ہیں اور نہ انہوں نے کسی محدث کا حوالہ دیا۔

مولوی عبدالحی صاحب مرحوم مقدمہ عمدۃ الرعاہ میں لکھتے ہیں:

”ملا^(۲) علی قاری کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ کتب فقہیہ گوئی نفسہا فروعات مسائل کے

نقل میں معتبر ہیں اور ان کے مصنفین معتبر لوگوں اور فقہاء کاملین میں سے تھے۔ مگر ان کی احادیث پر اعتماد نہ کر لیا جائے اور نہ ان میں واقع ہونے سے ان احادیث کے ثابت ہونے اور وارد ہونے کا

یقین کر لیا جائے۔ کیونکہ بہت سی احادیث فقہ کی معتبر کتابوں میں ذکر کی گئیں حالانکہ وہ موضوع اور بنائی ہوئی ہیں جو پیغمبر صاحب (ﷺ) پر جھوٹ جوڑ دی گئی۔

اور مولانا موصوف اجوبہ فاضلہ^(۳) میں لکھتے ہیں:

”اسی وجہ سے علماء نے صاف لکھ دیا کہ کچھ اعتبار نہیں ان احادیث کا جو فقہ کی بڑی بڑی

(۱) اس سے ثابت ہوا کہ یہ تمام شراح ہدایہ جو بڑے بڑے مقتدر عالموں میں شمار ہیں، محدث نہ تھے، اسی طرح اگلی عبارتیں جو فقہاء کے بارے میں آتی ہیں کہ یہ تمام بڑے بڑے فقہاء اصحاب تائید و تصنیف جن پر مسائل فقہیہ کا مدار ہے اور ان کی ترجیح و فتویٰ پر اعتماد کیا جاتا ہے محدث نہ تھے کہ جن کے علم سے فن حدیث کی بابت کوئی نتیجہ مرتب ہو سکے۔

(۲) عبارت یہ ہے: وهذا الکلام من القاری أفاد فائدة حسنة وهي أن الكتب الفقهية وإن كانت من معتبرة في أنفسها بحسب المسائل الفرعية وكان مصنفوها أيضا من المعبرين۔ والفقهاء الكاملين لا يعتمد على الأحاديث المنقولة فيها اعتمادا كلياً ولا يجوز مورو دها وثبو تها قطعاً بمجرد وقوعها فيها فحكم من أحاديث ذكرت في الكتب المعبره وهي موضوعه مختلفة انتهى

(۳) عبارت یہ ہے: من ههنا نصور اعلیٰ أنه لا عبرة للأحاديث المنقولة في الكتب المبسوطه عالم ينظر سندها أو يعلم اعتماداً رباب الحديث عليها وإن كان مصنفها فقيها جليلاً يعتمد عليه في نقل الأحكام وحكم الحلال والحرام ألا تری إلی صاحب الہدایہ من أجلة الحنفیہ والرافعی شارح الوجیز من أجلة الشافعیہ مع کونهما ممن یشار إلیہما بالانامل ویعتمد علیہ إلا ما جردوا مائل قد ذکر ا فی تصانیفہما ما لم یوجد لہ اثر عند خیر بالحديث کما لا یخفی علی من طالع تخريج أحاديث الہدایہ للزیلعی وتخريج أحاديث شرح الرافعی لابن حجر العسقلانی وإذا کان حال هؤلاء الأجله هذا فما بالك بغيرهم من الفقهاء الذین یتساهلون فی إيراد الأخبار ولا یتعمقون فی سند الآثار۔

کتابوں میں نقل کی جاتی ہیں۔ جب تک کہ ان کی سند ظاہر نہ ہو یا اہل حدیث کا ان احادیث پر اعتماد کرنا معلوم نہ ہو۔ گو ان کتابوں کے مصنفین بڑے پایہ کے فقیہ کیوں نہ ہوں، جن پر نقل احکام و حکم حلال و حرام میں اعتماد کیا جاتا ہو۔ کیا تم صاحب ہدایہ کو نہیں دیکھتے جو جلیل القدر حنفیوں میں سے ہیں اور رافعی شارح و حیز کو جو جلیل القدر شافعیوں میں سے ہیں، باوجودیکہ وہ دونوں ان لوگوں میں سے ہیں جن کی عظمت شان کی طرف اشارہ کئے جاتے ہیں اور ان پر بزرگان قوم اور عالی پایہ لوگ بھروسہ کرتے ہیں۔ پھر بھی ان دونوں نے اپنی کتابوں میں ایسی روایتیں درج کیں، جن کا کوئی نشان حدیث جاسنے والوں کے نزدیک نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ جس نے تخریج ہدایہ زیلیعی اور تخریج شرح رافعی ابن حجر عسقلانی کو دیکھا اس پر پوشیدہ نہیں۔ اور جب حال ان بڑوں کا ایسا ہے تو اور فقہاء کو تم کیا خیال کرتے ہو۔ جو احادیث کے لانے میں بے پروائی برتتے ہیں اور ان کی سندوں میں غور نہیں کرتے۔“

اور نووی شرح مسلم میں لکھتے^(۱) ہیں:

”ائمہ حدیث ضعیف راویوں سے کوئی حدیث روایت کر کے تنہا اس کے ساتھ احکام میں حجت نہ پکڑتے۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ اس کو محدثین میں کا کوئی امام یا ان کے سوا کوئی اور محقق عالم نہیں کرنے کا۔ بہت سے فقہاء یا اکثر فقہاء کا ایسا کرنا اور ضعیف ضعیف روایتوں پر اعتماد کرنا جیسا کہ وہ کرتے ہیں صحیح نہیں ہے بلکہ سخت برا ہے۔“

یہ صرف فقہاء کے فن حدیث سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔

(۱) عبارت یہ ہے: فإن الأئمة لا يروون من الضعفاء شيئاً يجمعون به على أفرادهم في الأحكام هذا شيء

لا يفعله إمام من أئمة المحدثين ولا محقق من غيرهم من العلماء وإما فعل كثير من الفقهاء أو أكثر ذلك واعتمادهم عليه فليس بصواب بل قبيح جداً انتهى۔

عموماً فقہاء نے جو فقہی مسائل لکھے اور فقہ کی کتابیں تصنیف کیں تو اول تو سرے سے دلائل لکھے ہی نہیں اور جو نہیں لکھے اور کسی کسی نے لکھے اور احادیث سے استدلال کیا تو بیشتر کا حال یہ ہے کہ اگر ان کو بہ نظر تحقیق دیکھا جائے اور ان کی تفتیش کی جائے تو مشکل سے ان کا بہت قلیل حصہ ایسا نکلے گا، جو اسی طور پر ثابت ہو جیسا کہ انہوں نے ذکر کیا، ورنہ اکثر ساقط یا ضعیف ہیں یا قول کسی حسابی کا یا اور کسی نیچے والے کا ہے کہ اس کو قول رسول (ﷺ) کہہ دیا۔ یا حدیث کس کی ہے اور کسی اور کی طرف اس کی نسبت کر دی یا ہے کھوٹا اور بیان کر دی کسی طور سے۔ غرضیکہ بہت کم روایتیں ایسی نکل سکیں گی جو خطایا صریح غلطی سے پاک ہوں۔ حالانکہ ایک مقتداء و مقتدر و صاحب تصنیف عالم کے لئے اس قدر صریح غلطیاں کرنا سخت قابل افسوس ہے۔

حدیث سے بے اعتنائی اور اس کے کرشمے:

مگر اصلی بات وہی ہے فن حدیث کی تحصیل کی طرف توجہ نہ کرنا اور کتب حدیث کی جانب رجوع نہ کرنا، غلطی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

”کہ صاحب^(۱) نہایہ اور جوان کے متبع شراح ہدایہ ہیں، روایت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کو معارضہ سے بچی ہوئی جو بتاتے ہیں تو وہ کس طرح یہ کہہ سکتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے سے صحیح ہی نہیں جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اور یہ ساری غلطیاں تقلید کی آفت سے ہیں اور ان لوگوں کی کتب حدیث کی طرف رجوع نہ کرنے سے۔“

(۱) عبارت یہ ہے: و کیف يقول صاحب النهاية ومن تبعه من الشراح أن رواية ابن عباس أسلم من المعارضة والحوال أنه لم يصح كما ذكرنا وهذا كله من آفة التقليد وعدم رجوعهم إلى مدارك الحديث۔
انتہی۔

اور غلطی^(۱) صاحب ہدایہ کے اس قول کے تحت میں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ابودجانہ کو قبر میں رکھا۔ لکھتے ہیں:

”یہ سخت غلطی ہے کیونکہ ابودجانہ بعد رسول اللہ (ﷺ) کے واقعہ یمامہ میں شہید ہوئے اور سب اس غلطی کا تقلید ہے۔ کیونکہ شیخ الاسلام نے مبسوط میں اسی طرح ذکر کیا اور اسی طرح^(۲) صاحب بدائع نے بھی ذکر کیا۔“

اسی طرح صاحب نور الانوار نے الخمر لہم کالخل لنا والخنازیر لہم کالشاة لنا کو حدیث کر کے لکھ دیا۔ حالانکہ وہ صاحب ہدایہ کا قول اور ہدایہ کی ایک عبارت ہے۔ مگر غالباً بات یہ ہوئی کہ وہ اصل فن سے بوجہ توجہ نہ کرنے کے ناواقفیت تھی اور صاحب ہدایہ کا قول زبان زد ہو گیا تھا۔ بے پرواہی سے اس کو حدیث سمجھ کر حدیث کہہ دیا۔ اسی طرح نور الانوار میں اور بھی کتنی بے اصل حدیثیں ہیں جن کو یقینی طور سے حدیث کر کے بیان کر دیا۔ فن اصول میں ضرورتاً حدیث کی بحث آتی ہے وہ ان اصول کی کتابوں میں جس عنوان اور جن مثالوں کے ساتھ ذکر کی ہے فن حدیث سے واقف کار کے نزدیک بالخصوص ان عالی پایہ مصنفین سے ایک شرمناک بحث ہے۔ جس کی وجہ بس یہی ہے کہ ان لوگوں نے فن حدیث میں دخل نہ پیدا کیا۔ وہ جو لوگوں میں ایک مشہور حدیث ہے: ”یکثر لکم الأحادیث من بعدی فاذا روی لکم حدیث فاعر ضوا علی کتاب اللہ۔“ صاحب تلخیص نے اس حدیث کا صحیح بخاری^(۳) میں ہونا ذکر کیا۔ اور یہ بھی اقرار ہے کہ وہ منقطع ہے اور

(۱) عبارت یہ ہے: هذا وهم فاحش فإن أباد جانة قتل يوم اليمامة كما أسنده الطبراني في معجمه عن محمد بن اسحاق وسبب هذا الوهم التقليد، فإن شيخ الإسلام ذكر في المبسوط أيضا هكذا وكذا ذكره صاحب البدائع۔ انتہی

(۲) ان سب ما جموں نے سخت غلطی کھائی اور کتب حدیث کو کھول کر نہ دیکھا۔

(۳) اصول کی کتاب جو کشف ہے اس کے مصنف نے بھی اس حدیث کو صحیح بخاری میں بتایا ہے، اول غلطی۔۔۔

اس کا راوی غیر معروف ہے۔ حالانکہ صحیح بخاری میں اس حدیث کا نہیں پتہ بھی نہیں۔

دوسرے جو لوگ فن حدیث سے تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتے ہیں، ان پر ظاہر ہے کہ یہ

حدیث اس^(۱) اس درجہ سے بہت دور ہے کہ صحیح بخاری میں آسکے۔

تیسرے منقطع یا غیر معروف راوی کی حدیث کو بخاری کی شرط کے خلاف نہ سمجھنا بھی

تعجب ہے۔

اسی کے قریب قریب وہ قصہ^(۲) بھی ہے جو علامہ ابن البغدادی سے وقوع میں آیا پچھٹی

صدی کا ذکر ہے کہ: ”شاہی دربار میں فقہاء لوگ جمع تھے۔ ایک اہل حدیث نے ان کے خلاف کسی

مسئلہ پر صحیحین کی ایک حدیث سے استدلال کیا۔ علامہ ابن البغدادی حنفی اس کے جواب میں بولے۔

یہ حدیث صحیح نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ اس حدیث کو تو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے اور ان

صحیحین کی احادیث کی بابت مسلم ہے کہ کوئی ضعیف نہیں۔ اس کے جواب میں علامہ ابن البغدادی

نے فرمایا: بخاری اور مسلم میں تو امام ابو حنیفہ صاحب نے جرح کی ہے۔ یہ کیسا تعجب خیر قصہ ہے۔

اول تو بلا تحقیق حدیث کو اپنے مخالف دیکھ کر غیر صحیح کہہ دیا۔

دوسرے بخاری و مسلم کو جن کی ثقاہت اور جلالت شان پر اجماع امت ہے، بے تامل

مخرج کہہ دیا۔

تیسرے امام صاحب کا بخاری و مسلم کی جرح کرنا کیسی عجیب بات ہے۔ امام صاحب

--- غالباً انہیں نے کھائی انہیں کی تقلید آنکھ زانی نے بھی لکھ دیا اور خود بخاری کو کھول کر نہ دیکھا اور باتوں پر غور کیا جس

کی وجہ تحقیقات حدیث کی طرف توجہ نہ کرنا ہے۔

(۱) کتنے محدثین نے اس کو موضوع بنایا ہے۔

(۲) التاج المکمل جس: ۱۳۱۔

پہلے وفات پا چکے۔ بخاری و مسلم ان سے مدت بعد پیدا ہوئے۔ پھر امام صاحب نے ان میں پہلے سے کیسی جرح کر رکھی۔

اگر یہ قصہ صحیح ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ فقیہ ابن البغدادی حنفی کو فن حدیث میں دخل نہ تھا، اس وجہ سے ایسا ان سے وقوع میں آیا۔

علامہ (۱) محمد بن علا حنفی بڑے متبحر عالم تھے۔ یہ ہندوستان میں بھی آئے اور ہند میں انہوں نے علم پھیلا یا۔ بہت متورع عالم تھے۔ مگر علامہ مقری زی لکھتے ہیں کہ معرفت سنن و آثار سے دور ہونے کی وجہ سے کچھ خلاف امور کے مرتکب ہوتے تھے۔ اور حدیث اور اہل حدیث سے انحراف رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ نووی کے بھی کلام کو دیکھنے سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ ظاہری تھے۔

علامہ (۲) احمد بن سلیمان حنفی ممالک روم میں ایک بہت مشہور عالم گزرے ہیں، جن کی تصانیف تین سو سے بھی زیادہ ہیں، دار السلطنت میں برابر مفتی رہے۔ ہائیں ہمد فن حدیث میں مہارت نہ رکھتے تھے، حدیث میں بہت (۳) کم مایہ تھے۔

اسی طرح قاضی القضاۃ محمد بن عبداللہ حنفی مقدسی تمام علوم میں ماہر تھے اور تحصیل علوم میں انہوں نے بہت کچھ کوشش کی، لیکن حدیث میں دخل (۴) نہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ خود انہیں کے قول سے ثابت ہے۔

غرض ان تمام بیانیوں سے بخوبی واضح ہے کہ اس وسطی زمانہ میں جو یہ تمام علماء و فقہاء

(۱) التاج المکمل جس: ۳۲۲۔ یہ آٹھویں صدی کے اخیر میں ہوئے ہیں۔

(۲) ۶۴۰ھ میں وفات پائی فقہاء کا ان پر بھی بہت اعتماد ہے۔ دیکھو: در مختار شامی وغیرہ۔

(۳) دیکھو: الفوائد البہیة للعلامة اللکھنوی۔

(۴) دیکھو: الفوائد البہیة۔ انہوں نے ۸۲ھ میں وفات پائی۔

واصحاب تصنیف وتالیف گزرے ہیں ان میں سے کسی کے بڑے بڑے القاب کے ساتھ ملقب ہونے یا معزز عہدوں پر ممتاز ہونے یا عرفی بڑے فقیہ مشہور ہونے یا صاحب تالیف و تصنیف ہونے یا امام و مجتہد فی المذہب یا بڑے عالم کہلانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ علم الحدیث میں بھی ماہر یا اس سے واقف تھا۔ بلکہ کچھ شک نہیں کہ اس دوران اکثر علماء و فقہاء حدیث سے ناواقف رہے اور وہ اسباب مذکور کی وجہ سے علم حدیث میں دخل نہ پیدا کر سکے۔ بالخصوص فقہاء حنفیہ کا حدیث کے ساتھ اشتغال ہمیشہ ہی سے اور بھی کم رہا۔ جیسا کہ شاد ولی اللہ صاحب نے انصاف^(۱) میں تحریر فرمایا۔

فقہاء^(۲) کا شغل احادیث سے علیحدہ رہنا اور احادیث کا تتبع نہ کرنا شاد صاحب کے وصیت^(۳) امہ سے بھی ظاہر ہے۔ پس اس صورت میں کوئی تعجب نہیں اگر فقہاء کسی ایسے مسئلہ کے قائل رہے، جو دراصل حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان سے ایسا ان کے حدیث کی تحصیل کی طرف توجہ نہ کرنے اور اس سے بے خبر رہنے کی وجہ سے وقوع میں آیا۔ لہذا ان بزرگوں پر نہ الزام عمداً ترک حدیث کا ہے اور نہ دھبہ بے فہمی کا۔

معرفت حدیث کے بعد تقلید سے علیحدگی:

اور جن لوگوں نے فن حدیث کی طرف توجہ کی اور اس کو حاصل کیا اور اس میں نظر تحقیق سے کام لیا تو ان کی کسی طرح وہ حالت نہ رہی جیسے دوسرے مقلدین فقہاء کی ہے بلکہ جس نے جس قدر امام کے مذہب کی طرف داری کو علیحدہ رکھ کر انصاف و تحقیق سے کام لیا۔ بحسب اپنے انداز طبع اور انتقال ذہن کے اتنا ہی اس کو اپنے امام کے ان مسائل سے جو بوجہ مذکورہ حدیث کے خلاف ان

(۱) یہ عبارت حاشیہ ص: ۸۷ میں گزری۔

(۲) یعنی فقہاء حنفیہ (ع۔ ح۔ ر۔)

(۳) یہ عبارت منقریب آتی ہے۔

سے وقوع میں آئے، جن میں اہل حدیث کو کلام ہے علیحدہ ہونا پڑا۔ ہم اس بات کو اگر کسی تفصیل کے ساتھ ثابت کرنا چاہیں تو اس کے لئے ایک مستقل ضخیم کتاب چاہئے تاہم اس جگہ دو چار صراحتوں اور چند مسائل کو بطور مثال کے ذکر کئے دیتے ہیں۔

علامہ (۱) منصور بن محمد متوفی ۳۸۹ھ حنفی المذہب تھے۔ اور حنفی مذہب کی تائید میں تیس ۳۰ برس تک فریق مقابل سے مناظرے کرتے رہے۔ اتفاق کی بات ان کو حدیث کا شوق ہوا۔ کتب حدیث کے مطالعے میں مشغول ہوئے، اس سے ان کو حنفی مذہب سے بیداری پیدا ہوئی۔ اسی عرصہ میں سفر حج کی نوبت آئی وہاں غالباً اہل حرمین یا دیگر ممالک کے علماء محدثین سے نوبت استفادہ کی پہنچی اس سے ان کے خیالات و جدید معلومات کی اور تائید ہوئی، آخر انہوں نے ۴۶۸ھ میں اعلان کے ساتھ حنفی مذہب کو ترک کر دیا اور شافعی مذہب کے ساتھ جو نسبت حدیث کے ساتھ زائد موافق ہے اپنے آپ کو نامزد کیا۔ اور گوان کے اس انتقال سے ان کو سخت سخت مصائب کا سامنا ہوا اور ان کے وطن کے عوام و خواص ان کے دشمن ہو گئے۔ اور امیر بلخ سے ان کی بابت تشدید کے احکام پہنچے۔ آخر وہ وہاں سے نکل گئے۔ مگر پھر بھی وہ اپنی تحقیقات سے ہٹے نہیں۔ اور اسی پر قائم رہے، جو ان کو ثابت ہوا تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی متوفی ۱۱۶۱ھ نے جب علوم حدیث میں دخل پیدا کیا اور مذاہب کو دلائل سے پڑتا تو ان کو محدثین ہی کا طریقہ پسند ہوا اور اس طرز عمل پر قائم نہ رہے جو عموماً مقلدین کا ہے۔ چنانچہ وہ خود تحریر (۲) فرماتے ہیں:

”و بعد ملاحظہ کتب مذاہب اربعہ و اصول فقہ ایشاں و احمادینے کہ متمسک ایشاں ست قرار

(۱) الفوائد السببية ترجمہ محمد بن الفضل۔

(۲) شاہ صاحب نے خود ہی اپنے ترجمہ میں ایک مختصر رسالہ لکھا ہے اسی کی یہ عبارت ہے۔ (یعنی الجزء اللطیف۔۔۔

داد خاطر بمدد نور غیبی روش فقہاء محدثین افتاد۔“

اور اپنے وصیت نامے میں تحریر فرماتے ہیں:

”در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و در آنجا تفریعات فقہیہ بر کتاب و سنت عرض نمودن و آنچه موافق باشد در چیز قبول آوردن والا کالائے پذیرش خواندادن امت را هیچ وقت ز عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغناء حاصل نیست و نحن مستشفعہ فقہاء را کہ قول عالمی را دستاویز ساختہ تنبیح سنت را ترک کردہ نشنیدان و بآل الرفات نہ کردن و قرب خدا جستن بدوری ایماں۔“

شاہ ولی اللہ صاحب (رحمہ اللہ) اور برصغیر ہند و پاک میں اشاعت حدیث:

شاہ صاحب کے اہل خاندان مثل شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ اسماعیل صاحب وغیرہم کا بھی یہی رنگ تھا۔ اسی خاندان کے فیض و برکت سے ہندوستان میں بیشتر علم حدیث پھیلا۔ فن حدیث کے مسلسل شیوع اور اس کے اس سپرچے کی اسی بابرکت خاندان سے ابتداء ہے۔ اس سے قبل ہندوستان میں علم حدیث کا رواج نہ تھا اور نہ عموماً ہند کے علماء حدیث میں دخل رکھتے تھے بلکہ ہندوستان میں ہمیشہ سے فقہ حنفی کا چرچا رہا اور اسی کی حکومت رہی اور اس میں تاجر کے اعتبار سے منقولی علم کے علماء نامدار ہوتے رہے۔ مشکل سے متفرق وقتوں میں معدودے (۱) چند افراد ایسے

--- فی ترجمۃ العبد الضعیف (ع۔ ح۔)

(۱) مثل علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۱۲۸۶ھ کی انہوں نے سفر حرمین شریفین میں علم حدیث وہاں کے مشائخ مثل شیخ ابی عبید اللہ زبیدی اور سید عبد اللہ مدنی اور شیخ جبار اللہ مکی اور شیخ ابن حجر مکی اور شیخ علی مدنی وغیرہم سے حاصل کیا تھا۔ اور مثل شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۲۵۰ھ یہ بھی حرمین مجتہدین میں مدتوں رہے اور وہیں علم حدیث کی تکمیل کی۔ دیکھو: مآثر الکرام وغیرہ ان کے فرزند علامہ نور الحق بھی مشہور علماء سے تھے۔

نکلتے ہیں جن^(۱) کے حدیث میں دخل کا پتہ ملتا ہے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ حدیث کا عسام

(۱) یہ افراد بھی غالباً وہی ہیں جو دوسرے ممالک مثل حرمین شریفین وغیرہما کے سفروں میں وہاں کے محدثین سے علم حاصل کر کے ہندوستان میں آئے جیسا کہ تم ابھی پڑھ چکے ہو۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بھی علم حدیث سفر حج میں مشائخ حرمین سے حاصل کیا جیسا کہ خود انہوں نے تحریر فرمایا ہے ان لوگوں کا عرب میں پہنچ کر یہ دولت حاصل کرنا اور علماء ہند سے اس کا نہ پاسکنا اور نیز ان پہلے کے بزرگوں سے پھر آگے کو علم حدیث کا سلسلہ نہ چلتا رہنا صاف دلیل ہے کہ ہندوستان کے اہل علم میں حدیث کا درواج نہ تھا اور نہ عموماً لوگوں کو اس کی طرف توجہ تھی، علامہ محمد طاہر ثینی نے بھی اپنی تالیفات میں اس کی طرف کئی جگہ اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ مجمع البحار میں ایک جگہ لکھتے ہیں: **إن ہم أهل البلاد إلیہ فأتوا یعنی حدیث کی طرف ان بلاد کے لوگوں کے قصد سست میں اور لکھتے ہیں: فیقطنصی أحوالهم أن یکون لکلام مقتصر أعلی حل الغرائب محدوفاً عنہ ما لا یحظی إلا من تبحر فی هذا الفن وتأهل لتلک المزوائد۔** یعنی ان لوگوں کے مال کے مناسب یہ ہے کہ نادانوں کا مطلب کھول دیا جائے وہ زائد باتیں نہ لکھیں جائیں، جو اس فن کے ماہر ہی کو مزاد دیتی ہیں اور ان کو جو ان کے اہل میں (برخلاف ہندوستان کے لوگوں کے) انہی۔ اور لکھتے ہیں: **لفقد من أراجمه من الأئمة الأعلام فی هذه البلدان۔** انتہی۔ یعنی ان بلاد میں (اس فن حدیث کا جاننے والا) کوئی بڑا عالم نہیں ہے جس کو میں یہ کتاب دکھا کر اصلاح لیتا رہا ہوں۔ علامہ موسوف کا وہ زمانہ ہے جب کہ ہندوستان میں اسلامی شوکت نہایت قوی تھی۔ اور شاہ اکبر اہل کمال کی بڑی قدر کرتے تھے۔ شاہ اکبر نے علامہ موسوف کا بھی بہت اعزاز کیا تھا اور اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر عمامہ باندھا تھا۔ دیکھو: مکتب تاریخ۔ اور علامہ موسوف موسوف مفتی میں لکھتے ہیں: **بل لا تجد عز ماتهم عن طلب نفس الحدیث الا بریاء واللہ المستعان علی هذه المصیبة القطعیہ۔** یعنی اس ملک کے لوگوں کے ارادے نفس حدیث کی طلب سے خالی ہیں (پھر اور زائد تحقیقات کا تو کیا ذکر) اس سخت بری مصیبت کے لئے اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے۔ انتہی۔ ان بیانات سے ہندوستان والوں کی حدیث کی طرف سے بے توجہی اور ان کا حدیث سے غیر ماہر رہنا ظاہر ہے۔ ملا جیون صاحب مؤلف نور الانوار کے جو کہ شاہ عالمگیر کے استاد بھی تھے حدیث میں دخل کا اندازہ تم پہلے کر چکے ہو۔ یہ باوجودیکہ عرب کو بھی گئے اور وہاں رہے جب بھی اس کی تحصیل کی طرف توجہ نہ کی جو بزرگ سلاطین کی استادی کے لئے منتخب تھے ان کی حدیث میں مہارت کا یہ حال تھا تو اور دل کا مال اسی پر اندازہ ہو سکتا ہے عرض کوئی مبصر پہلے کے زمانے کے دور کو آنکھ کھول کر دیکھنے کے بعد اس میں شک نہیں کر سکتا کہ ہندوستان کے اندر گزشتہ زمانے میں ہمارے زمانہ کی طرح علم حدیث کے درس و تدریس کا درواج نہ تھا اور نہ یہ فن اس طرح عام و شائع تھا اسی وجہ سے پہلے زمانے کے لوگ ان مسائل سے جواب فن حدیث کے شائع ہونے سے ظاہر ہوئے۔ عموماً ناواقف رہے پس ان لوگوں کے ان مسائل پر کار بند ہونے یا ان کے ان مسائل کے قائل نہ ہونے یا ان کے خلاف قائل ہونے پر کوئی تعجب نہیں لیکن جو لوگ واقعات پر غور نہیں کرتے ان کو تعجب ہے کہ ہندوستان میں اتنی مدت سے سلطنت اسلامی رہی اور ہندوستان میں بڑے بڑے عالم گزرے، یہ نئی باتیں پہلے کبھی سننے میں۔۔۔

رواج نہ تھا اور نہ مسلسل اس کا سلسلہ قائم تھا۔ جیسا کہ فن تاریخ پر نظر سر رکھنے والے جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک قوی شہادت یہ بھی موجود ہے کہ اگر ہندوستان میں لگا تار حدیث کا رواج رہا ہوتا تو آج ہم تحصیل و تکمیل علم حدیث کی بکثرت ایسی مندیں پاتے جو علماء ہندوستان کے سلسلہ سے ہم تک پہنچتیں۔ برخلاف اس کے ہم تو دیکھتے ہیں کہ دو ایک ناموں کے بدون عموماً سندوں میں عرب کو رجوع کر جاتا ہے اور آگے علماء ہندوستان کا نام نہیں آتا۔ حالانکہ اسلام اور اسلامی سلطنت کو ہندوستان میں آئے صد ہا برس گزر گئے اور مدت سے ہندوستان علوم کا گھر اور علماء کا مرکز بنا رہا۔ لیکن ہم اور علوم کی طرف ہندوستان کے آثار باقیہ میں سے علم حدیث کا اثر و نشان نہیں پاتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہندوستان میں علم حدیث کا رواج ہی نہ تھا اور نہ عام طور پر لوگ اس میں دخل پیدا کرتے تھے اور یہ تو ابھی تھوڑے دنوں کی باتیں ہیں کہ بیشتر فن حدیث کے درس و تدریس کا مدار جہاں تک ہم جانتے ہیں مشکوٰۃ شریف (۱) پر تھا۔ اور وہ بھی بطور تبرک کے اس کے پڑھنے پڑھانے والا حدیث کہلاتا تھا۔ علم حدیث کے درس و تدریس کا اس کثرت سے رواج تھوڑے ہی عرصہ سے ہوا ہے۔

معمر لوگوں کا مذہب اہل حدیث پر تعجب کرنے کی وجہ:

اور چونکہ یہ رواج قریب زمانے سے ہے اس وجہ سے ہندوستان کے لوگ مسائل حدیثیہ اور مذہب اہل حدیث سے بالکل اجنبی ہیں، لہذا وہ مسائل حدیث سن کر بہت تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ بالخصوص معمر لوگ کہ وہ بالکل ہی نظر انکار رکھتے ہیں، اور کسی طرح ان کو ماننا نہیں

--- نہیں آئیں اگر یہ لوگ ان تمام واقعات و تحقیقات کو جو ہم نے لکھیں نظر غور و انصاف سے پڑھیں تو ان کے یہ سارے شبہ و تعجب ان شاء اللہ رفع ہو جائیں۔

(۱) شاہ صاحب نے جہاں اپنے تحصیل علوم کا حال لکھا ہے اور لکھا ہے کہ فتون متعارف سے بحسب رسم ان دیار کے فراغت حاصل کی تو صرف مشکوٰۃ شریف اور بخاری تا کتاب الطہارت پڑھنا بتایا ہے اور اس سے بہت مدت کے بعد حرمین کے سفر کی نوبت آئی۔

چاہتے۔ ان کو بڑا تعجب یہ ہے کہ ہم نے بڑے بڑے عالم دیکھے ان سے کبھی ہم نے یہ باتیں نہیں
 سنیں۔ حالانکہ وہ عالم ایسی حالت میں گزر گئے کہ ان کو اس علم میں جس کی بدولت ان تحقیقات پر
 دسترس ہوئی ہے۔ اس وقت تک اس کے شیوع نہ ہونے کی وجہ سے دخل نہ ہوا تھا۔ یا انہوں نے
 اس کو ایسی ہذت کے زمانہ میں دیکھا کہ تعجب واجنبیت نے ان کو آگے قدم نہ رکھنے دیا۔ یا ان وجہ
 میں سے کوئی وجہ پیش آئی جو ہم آگے لکھنے والے ہیں۔

ہندوستان میں شیوع حدیث کے بعد ایک عظیم انقلاب:

بہر حال علم حدیث نے جب سے ہندوستان میں رواج پایا اور اس کا درس و تدریس
 جاری ہوا اکثر اہل علم کے مسلک و تحقیق میں ایک عظیم انقلاب واقع ہو گیا اور ان کی وہ حسالت نہ
 رہی جو پہلے کے فقہاء مقلدین کی تھی۔ اور جوں جوں وہ حدیث کے اثر سے متاثر ہوتے جاتے ہیں
 محدثین کے مسلک کو اختیار کرتے جاتے ہیں اور اپنے امام کے ان مسائل کو جن میں محدثین ان
 سے جدا ہیں چھوڑتے جاتے ہیں۔ پس یہ تمام افراد اسی کی مثال ہیں جس کی مثالیں ہم یہاں ذکر
 کرنا چاہتے^(۱) ہیں۔

(۱) کیونکہ ہندوستان کے جس قدر علماء اہل حدیث ہوئے یا ہیں، وہ سب پہلے حنفی ہی تھے یا حنفی گھرانے کے۔ علم حدیث
 کے درس و تدریس اور اس کے اثر نے ان کو ایسا بنادیا۔ ہمارے شہر کے افضل مشائخ صوفیہ (فیما حسب) حضرت شاہ
 مولوی عبدالواحد خان صاحب نفس بندی مجددی (آدام اللہ قوسیم) جو ہمارے یہاں کے مسلمانوں میں اعلیٰ طبقہ کے رئیس بھی
 میں کیا خوب فرمایا کرتے ہیں جو حدیث پڑھے پڑھاتے گا وہ کہاں تک وہابی نہ ہوگا۔ حقیقت میں حدیث کا یہی اثر ہے اور
 بعض طبائع میں باوجودیکہ وہ حدیث پڑھتے پڑھاتے ہیں جو یہ اثر نہیں پیدا ہوتا تو ظاہر ہے کہ مجرد فاعل کے وجود کے اثر کا
 تحقیق ضرر نہیں جب تک کہ قابل میں قابلیت اور وجود شرائط و موانع نہ ہو۔ بیت "باران کہ در لطافت طبعش خلافت نیست۔
 در باغ لاله ردید و در شور و بوم خس۔ ان شرائط و موانع کی شرح مستغرق طور پر ہماری اس تحریر میں بھی بغور پڑھنے سے مل سکتی
 ہے باریں ہمہ گویہ وہ اہل حدیث کی مخالفت کرتے ہیں تاہم اہل حدیث کے ساتھ اس سختی کا برتاؤ نہیں برت سکتے جیسا کہ بالکل
 ناواقف برہتے ہیں۔ ہم بعض علماء دیوبند وغیرہم کو جانتے ہیں کہ گو وہ ایک حد تک اہل حدیث سے علیحدہ۔۔۔۔۔

اور اسی بحث کی ایک مثال مولانا عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی ہیں۔ جب انہوں نے علم حدیث میں مہارت حاصل کی تو ان کو مسلک محدثین کے ساتھ موافقت اور اپنے امام سے بہت سے مسائل میں مخالفت کرنا پڑی۔ جیسا کہ ان کی مصنفات شاہد ہیں۔ بعض نظریات ہم بھی آگے ذکر کریں گے اور وہ خود صاف طور سے لکھ رہے ہیں^(۱)۔

”جو شخص نظر انصاف سے کام لے گا اور فقہ و اصول فقہ کے دریاؤں میں طرف داری سے علیحدہ ہو کر غوطے لگائے گا وہ یقیناً جان لے گا کہ اکثر مسائل فرعیہ فقہیہ اور اصلیہ جن میں علماء نے اختلاف کیا ہے، تو محدثین ہی کا مذہب ان مسائل میں ان کے غصیر سے قوی تر ہے اور میں جب اختلاف کی گھاٹیوں میں سیر کرتا ہوں تو محدثین کا قول اختلافی بات میں انصاف سے قسریں پاتا ہوں۔ پس اللہ ہی کے لئے ہے خوبی ان کی اور اسی کے ذمہ ہے قدردانی ان کی۔ کیوں نہ ہو۔ حالانکہ وہی لوگ حقیقت میں نبی (ﷺ) کے وارث ہیں اور اس کی شریعت کے سچے خواب ہیں۔ اللہ میرا حشر ان کے ہی زمرہ میں کرے اور مجھ کو ان کی محبت اور ان کے طریقے پر دنیا سے اٹھائے۔“

۔۔۔۔۔ میں مگر وہ اہل حدیث کے ساتھ اس طرح نہیں پیش آتے جیسے اور لوگ پیش آتے ہیں۔ بلکہ وہ اہل حدیث کے پیچھے نماز پڑھنے سے بھی انکار نہیں رکھتے یہ ان کے علم و انصاف کا اثر ہے۔ کاش مسلمانوں کی خوش قسمتی سے عموماً مسلمانوں میں مسائل فرعیہ کے اختلاف کے موقعوں میں ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ وہ اس قسم کے اختلافوں کو دیرانی سمجھیں جیسا کہ سنت کے بزرگوں میں تھا کہ باوجود باہم بکثرت اختلاف آراء الفت و محبت آپس میں ویسی ہی رکھتے تھے جیسے مسلمانوں کو باہم رکھنا چاہئے اگر ایسا ہو جائے تو کاہے کو یہ روز کے قصے جھگڑے ہوں۔

(۱) دیکھو، امام الکلام کی عبارت یہ ہے: من نظر بنظر الإنصاف و خاص فی مجاز الفقہ و الأصول متجنباً عن الاعتساف يعلم علماً یقیناً أن اکثر المسائل الفرعیة و الأصلية التي اختلف العلماء فیها فمذهب المحدثین فیها اقرب من مذاهب غیرهم و انی کلماً أسیر فی شعب الاختلاف أجد قول المحدثین فیہ قریباً من الإنصاف فلله درهم و علیہ شکرهم کیف لا و هم ورثة النبی (ﷺ) حقاً و نواب شرعہ صدقاً حشرنا الله فی زمرتهم و أماننا علی حبهم و سیرتهم۔ انتہی۔

چونکہ مولانا مرحوم صاحب نے حدیث سے واقفیت پیدا کی اور نظر اعتدال سے کام لیا۔ ان کو اقرار کرنا پڑا کہ اہل حدیث ہی کا مذہب ان کے فریق مقابل کے مقابلہ میں صحیح تر ہے۔ اسی طرح اور محققین کا یہی حال ہے۔ غرض کہ ان مسائل میں جن میں اہل حدیث کو خلاف ہے واقفیت حاصل کرنے والوں کو بحسب موافقت اسباب ضرور اپنے امام کے قول سے علیحدہ ہونا پڑا^(۱)۔ نظیر کے طور انہیں مسائل کو جن میں آج کل بہت کچھ جھگڑا کیا جاتا ہے، اور ان پر عمل کرنے والوں کو سخت بری بری نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے دیکھو:

رفع الیدین وغیرہ اختلافی مسائل میں مذہب کا اعتراف:

۱۔ رفع الیدین:

حنفی مذہب ہے کہ سوائے تکبیر تحریمہ کے رفع الیدین نہ کیا جائے۔ لیکن عصام^(۲) بن یوسف بلخی جو طبقات حنفیہ میں شمار ہیں، رفع الیدین کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ حدیث سے واقف تھے۔ ان کو اس کا ثبوت ہو گیا تھا۔ اور شیخ عبدالحق^(۳) محدث دہلوی لکھتے ہیں: ”مارا از میں چارہ نیست کہ اقرار سنیت ہر دو فعل کنیم“۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں^(۴): ”حق میرے نزدیک اس قسم کے مواقع میں یہ ہے کہ سب طریقے سنت ہیں۔ اس کی مثال وتر ہے ایک رکعت کے ساتھ اور تین رکعت کے ساتھ، سب طرح درست ہے۔ اور جو شخص رفع الیدین کرتا ہے وہ مجھ کو زیادہ محبوب ہے

(۱) امام طحاوی کا مذہب حنفی کی بکثرت مخالفت کرنا تم پہلے پڑھ چکے ہو۔

(۲) دیکھو الفوائد السببۃ از طبقات قادری عبارت یہ ہے: ”وکان صاحب حدیث یرفع یدیه عند الركوع وعند

رفع الرأس منه۔ انتھی۔ یعنی رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔

(۳) دیکھو: شرح سفر السعادت۔

(۴) حجة الله میں عبارت یہ ہے: ”والمحقق عندي في مثل ذلك أن الكل سنة ونظيره الترتيب ركعة واحدة

وبثلاث والذي یرفع أحب الی من لا یرفع فإن أحادیث الرفع أكثر وأثبت۔ انتھی۔ (ص: ۲۰۷)

اس شخص سے جو نہیں کرتا۔ کیونکہ رفع الیدین کے ثبوت کی حدیثیں شمار میں اور قوت میں، دونوں باتوں میں بڑھ کر ہیں۔ اور جناب مولوی عبدالحی صاحب مرحوم لکھتے ہیں^(۱) :

”جس قدر اس بارے میں تحقیق سے ثابت ہوا وہ یہ ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) سے رفع الیدین کا ثبوت اور ترک دونوں ثابت ہیں مگر رفع الیدین کے ثبوت کے روایت کرنے والے صحابہ ایک جماعت کثیر ہیں اور ترک کے روایت کرنے والے جماعت قلیل۔ اور باوجود اس قلت کے بجز ابن مسعود (رضی اللہ عنہما) کی روایت کے اور کئی روایتوں کی سندیں بھی صحیح نہیں اور خود ابن مسعود (رضی اللہ عنہما) اور ان کے شاگردوں سے بھی ترک معتبر سندوں سے ثابت نہیں۔ پس ہم یہ اختیار کرتے ہیں کہ رفع الیدین سنت تو ہے لیکن سنت مؤکدہ نہیں کہ جس کے ترک کرنے والے کو ملامت کی جائے۔ مگر پیغمبر صاحب (ﷺ) سے رفع الیدین کا ثبوت زیادہ تر^(۲) اور راجح تر ہے۔“

۲- آئین بالجہر :

حنفی مذہب ہے کہ زور سے آئین نہ کہی جائے بلکہ چپکے کہی جائے۔ لیکن ابن الہمام حنفی فتح

(۱) دیکھو: التعليق المسجل عبارت یہ ہے: والقدر المتحقق في هذا الباب هو ثبوت الرفع وتركه كليهما عن رسول الله (ﷺ) إلا أن روافد الرفع من الصحابة جم غفيرة ورواة الترك جماعة قليلة مع عدم صحة الطرق في عنهما إلا عن ابن مسعود وكذلك ثبت الترك عن ابن مسعود وأصحابه فإذا امتحنا أن الرفع ليس بسنة مؤكدة بلام تارة كذا إلا أن ثبوته عن النبي (ﷺ) أكثر وأرجح۔ ۱۲ انصہی۔

(۲) علامہ محمد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس سفر سعادت میں لکھتے ہیں کہ رفع الیدین کے ثبوت میں ۳۰۰ روایتیں صحیح ثابت ہوئی ہیں۔ انہی۔ اور جلال الدین سیوطی نے رفع الیدین کی حدیث کو متواتر حدیثوں میں داخل کیا۔ رفع الیدین کی روایت تمام عشرہ مبشرہ سے ثابت ہے، ایسی دوسری کوئی روایت بہت کم ہو سکتی ہے اور تحقیق کی روایت میں تصریح موجود ہے کہ رفع الیدین پیغمبر صاحب نے اپنی وفات تک کیا لہذا منسوخ ہونے کا بھی احتمال نہیں رہا اس کے علاوہ مجدد دعویٰ نسخ سے نسخ ثابت نہیں ہو سکتا۔

التقدير^(۱) شرح ہدایہ میں اس کی بحث لکھنے کے بعد جو اپنی تحقیق و رائے بتاتے ہیں وہ آئین بالجہر ہے۔ اور امیر ابن الحاج علیہ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھتے ہیں^(۲): ”ہمارے مشائخ حنفیہ نے جو اپنے مذہب آئین بالخفا کی دلیل کی ترجیح بیان کی وہ غور کرنے والے کے سامنے نقصان سے خالی نہیں۔ اس کے بعد ابن الہمام کی ترجیح آئین بالجہر والے قول کو نقل کیا۔ علامہ زیلعی^(۳) نے بھی آئین بالخفاء کی حدیث کی تضعیف کی اور آئین بالجہر کی حدیث کی تصحیح، اور شاہ عبدالحق دہلوی لمعات میں لکھتے ہیں^(۴)۔ ظاہر یہ ہے کہ دونوں طور پر سمجھا جائے۔ کبھی یہ کہی وہ۔“ اور شعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں۔ ”حدیث در جانب جہر بیشتر صحیح تر آمدہ۔“ اور علامہ لکھنوی مرحوم لکھتے ہیں^(۵): ”انصاف یہ ہے کہ دلیل کی رو سے زور سے آئین کہنا قوی ہے۔“

۳- فاتحہ خلف الامام:

حنفی مذہب ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن پڑھنا منع ہے، خواہ جہری نماز ہو خواہ سری۔ لیکن عینی حنفی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں^(۶): ”ہمارے بعض مشائخ اس کو پیچھے امام کے سورہ فاتحہ پڑھ لینے کو احتیاطاً پسند کرتے ہیں، سب نمازوں میں اور بعض مشائخ صرف سری نماز میں۔ فقہاء حجاز و شام اسی پر ہیں۔“

(۱) دیکھو: جلد اول، ص: ۱۲۱، مطبوعہ نولکشور۔

(۲) عبارت یہ ہے: ورجع مشائخنا ما للماذہب بما لا یغری عن شیء نافع لہ۔ انتہی۔

(۳) دیکھو: تخریج ہدایہ۔

(۴) عبارت یہ ہے: والظاهر الحمل علی کلا العملین تارۃ فتارۃ۔ انتہی۔

(۵) التعلیق المجد۔ عبارت یہ ہے: و الانصاف ان الجہر اقوی من حیث الدلیل۔ انتہی۔

(۶) عبارت یہ ہے: وبعض مشائخنا یستحسنون ذلک علی سبیل الاحتیاط فی جمیع الصلاۃ وبعضہم

فی السریۃ فقط و علیہ فقہاء الحجاز و الشام۔ انتہی۔

اور ملا جیون تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں ^(۱) : ”اگر تم گروہ صوفیہ اور مشائخ حنفیہ کو دیکھو تو پاؤ گے کہ وہ مقتدی کے لئے فاتحہ کا پڑھنا مستحسن رکھتے ہیں، جیسا کہ امام محمد نے اس کو مستحسن رکھا ہے احتیاطاً۔ شاہ ولی اللہ صاحب بھی ^(۲) مقتدی کے لئے جواز قرآن فاتحہ کے قائل ہوئے ہیں۔ خواہ نماز سری ہو یا جہری لیکن جہری میں سکناست امام کے وقت پڑھے۔ یہی ^(۳) مولوی عبدالحی صاحب مرحوم نے بھی اختیار فرمایا۔ حضرت ^(۴) مرزا مظہر جان جاناں صاحب بھی سریہ میں قرآن کو افضل فرماتے تھے۔

۴- سینہ پر ہاتھ باندھنا:

وضع الأیدی علی الصدر۔ حنفی مذہب ہے کہ نماز میں ناف سے نیچے ہاتھ باندھے جاویں، لیکن حضرت مرزا مظہر جان جاناں صاحب سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے۔ چنانچہ معمولات مظہریہ میں ہے: ”ودست برابر سینہ می بستند و می فرمودند کہ اسکی روایت ارجح است از روایات زیر ناف۔“ مولانا عبدالحی صاحب مرحوم ^(۵) نے پیغمبر صاحب (ﷺ) کے ناف کے اوپر سینہ کے پاس ہاتھ باندھنے کے ثبوت کا اقرار کیا ہے ^(۶)۔ یہ چار مسئلے ہم نے صرف بطور مثال کے لکھے۔ ورنہ مسائل اس

(۱) عبارت یہ ہے: فإن رأيت الطائفة الصوفية والمشائخين الحنفية تراهم يستحسنون قراءة الفاتحة

للمؤتم كما استحسنه محمد أيضا احتياطاً۔ انتہی۔

(۲) حجة النفل: ۴۰۷، صدیقی مطبع۔

(۳) دیکھو: التعلیق الممجید وغیرہ۔ ۱۲۔

(۴) دیکھو معمولات مظہریہ۔

(۵) عمدۃ الرعاہ۔

(۶) مولوی رشید احمد صاحب نے جو ان چاروں مسائل میں اپنے مذہب کے خلاف کے صحت و ثبوت کا اقرار کیا ہے جیسا

کہ ہم پہلے ذکر کر چکے اگر وہ اسی طرح ہے جیسا کہ ایک عالم بمقتضائے تحقیق اقرار کرتا ہے (نہ اس وجہ سے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، جس کے ثبوت میں ہمارے پاس کئی دلیلیں موجود ہیں) تو وہ بھی اس موقع پر ذکر کئے جانے کی ایک۔۔۔

قسم کے ہزاروں میں جن میں واقفیت حاصل کرنے والوں نے اپنے امام کے مذہب سے خلافت کی حقانیت کا اقرار کیا اور اس کو اختیار کیا ہے۔

فقہ کے خلاف حدیث مسائل اور فقہاء کا طرز عمل:

لیکن افسوس ہے کہ اس سے اصل مذہب کو فائدہ نہ پہنچا۔ اگر اس قسم کے فقہاء کے اقوال اس مذہب میں شامل کر لئے جاتے اور فقہ کی ان کتابوں میں جن پر مدار عمل ہے داخل ہو جاتے اور وہ مسائل جو خلاف حدیث ثابت ہوئے تھے خارج کر دیئے جاتے تو ان مذاہب کی بہت کچھ اصلاح ہو گئی ہوتی۔ مگر ایسا نہ کیا گیا۔ انہیں مسائل کو دیکھو جن کو ہم نے نظیر کے طور پر پیش کیا ہے باوجودیکہ کیسے کیسے بزرگان قوم اور عالی پایہ فقہاء نے ان کی صحت کا اقرار کیا لیکن عموماً مقلدین کا ان پر عمل کرنے سے جو انکار ہے اور ان پر عمل کرنے والوں سے جو نفرت ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے۔

فقہ حنفی سے مخاطب کی وجہ:

یہ مسئلہ ہم نے بالخصوص حنفی مذہب کے متعلق اس وجہ سے بیان کیا کہ بیشتر ہمارے روئے سخن حنفیہ کی طرف ہے۔ کیونکہ عموماً وہی ہمارے ہم ملک ہیں جن کے ساتھ ہم کو مخاطب ہے اور یہی وجہ دیگر مباحث میں بھی انہیں کے متعلق زیادہ کلام کرنے کی ہے۔ ورنہ مثالیں ہمارے سامنے دوسرے مذاہب کی بھی موجود ہیں۔ جن میں ان کے واقف کار علماء نے دلائل حدیثیہ کی وجہ سے اپنے اپنے مذہب سے علیحدگی کی ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ اس قسم کے علماء بقدر حصہ رسد بہ نسبت مقلد کہے جانے کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو اہل حدیث کہا جائے۔ الحاصل فن حدیث کے مدون ہو جانے کے بعد فقہاء مقلدین کا ان مسائل پر قائم رہنا جو تحقیق سے حدیث کے خلاف ثابت ہوتے

--- حد تک مناسبت رکھتا ہے اور اس صورت میں ہم اپنی مذکورہ بالا وجہ کو ہمارے پاس اس کا ثبوت کی معذرت کے

ساتھ واپس لیں گے۔

میں محل تعجب نہیں، اس لئے کہ عموماً فقہاء^(۱) باوجود چند در چند حدیث میں دخل نہ پیدا کر سکے۔ لہذا ان

(۱) ایک اسلامی برکت:

اسلامی برکتوں میں سے ایک برکت یہ بھی ہے کہ اس میں بغرض حفظ دین و احقاق حق اصلی واقعات کے اظہار میں حرج نہیں سمجھا گیا اسی وجہ سے ہمیشہ سچی بات ہو یا بڑی غلط کسی بڑے کے متعلق ہو یا چھوٹے کے علماء اسلام صاف صاف ظاہر کرتے رہے فن رجال میں جس پر حدیث کا مدار ہے یہی بحث ہے۔ یہی وہ صفائی ہے جس نے باوجود بعد زمانہ اور طرح طرح کے انقلابات کے اصلی دین کو محفوظ رکھا۔ ہم نے جو حضرات امام صاحب یا فقہاء کی بابت حدیث کے متعلق بحث لکھی۔ وہ بھی اسی عرض سے اور اسی طور پر ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ہماری فقہاء (رحمہم اللہ) سے ذکوئی عداوت ہے اور ذکوئی اور ایسا تعلق ہے جس سے ہم ان کی عیب گیری کے درپے ہوں بلکہ علاوہ اس کے کہ وہ بزرگان کرام ہمارے پیشوا اور معزز گروہ اہل علم میں سے ہمارے پیش رو ہیں۔ ہم ان کے احسانات سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ ہم ان کے علم اور ان کی تصانیف سے فائدے اٹھاتے ہیں۔ اور حقیقت میں کبھی متاخر طبقہ مستقدم طبقہ کے احسانات کو فراموش نہیں کر سکتا کیونکہ انہیں کے توسط سے اس نے دین پایا ہے اور انہیں کا طفیلی ہے۔ پھر جس منہ سے ان کی توہین کر سکتا ہے اور بڑا نصیب ہے جو علماء ملت کے ساتھ بے ادبی کرے۔ لہذا ہر مومن کو لازم ہے کہ تمام علماء کا ادب ملحوظ رکھے۔ اور کوئی شک نہیں کہ بے ادب ہونے۔ اور علماء سابقین کی تعظیم ملحوظ نہ رکھنے والے اور ان کی بدگوئی کرنے والے کا نور ایمان جاتا رہتا ہے اور فرخا اگر ان میں سے کسی میں کوئی ایسی بات ہو بھی جو نہ ہونا چاہئے تھی تو ہم کو اس میں ہڑنے کی کیا ضرورت۔ ان کا معاملہ ان کے اپنے رب کے ساتھ ہے: {فَانْهَيْهُمْ فَذَا فَضُّوا إِلَیْیَیْ خَافُوا} اس کے علاوہ اگر غور کیا جائے تو ان سے صداور بدزائد ہم محل عیب ہیں، بہر حال حرام اور قطعاً ناجائز ہے کہ کوئی شخص کسی عالم کی نسبت بلا اس خاص ضرورت و نیت کے جو ہم پہلے ذکر کر چکے کوئی بات منہ سے نکالے گو وہ بات واقعی ہو۔ اور اس خاص ضرورت میں بھی لائق نہیں کہ عیب گیری کے عنوان میں بیان کرے۔ الا ہمارا اس پر بھی اس بحث کے لکھنے سے دل متغیر تھا اور اللہ تعالیٰ شاہد ہے، ہم نے بعض اس کے متعلق بیانات جان کر چھوڑ دیئے۔ پھر بھی ہم ڈرتے ہیں کہ کوئی ناحق پسند اس محققانہ بحث کو پڑھ کر نہیں جوش تعصب میں ہمارا بدلہ پورا کرنے کے لئے محدثین کی عیب چینی کر کے اپنے آپ کو عنہگار نہ بنائے مگر یاد رہے اگر وہ کسی محدث کی عیب چینی ان کی درایت میں کرے تو ہم کب محدثین کو درایت میں محسوم قرار دیتے ہیں۔ اور اگر روایت کی رو سے ان کی عیب چینی کر کے ان کو روایت بے اختیار ثابت کرنا چاہے تو وہ ہم کو نہیں بتائے گا بلکہ وہ اسلام کو ڈھانے کا قصد کرتا ہے اور اگر کسی کو ہمارا ہی دل دکھانا منظور ہے تو ہم خود اس کو گر بتائے دیتے ہیں۔ محدثین ہوں یا فقہاء جس کسی کی نسبت خواہ مدح کی جو یا ذم کی وہ بات کہی جائے جو واقعی ہے اس سے کبھی ہمارا دل نہیں دکھنے کا اور ان میں سے کسی صاحب کی بابت وہ بات کہی جائے جو واقعی نہیں اس سے ضرور ہمارا دل دکھنے گا۔ لہذا اگر ان کو ہمارا دل دکھانا منظور ہے۔ پس خلاف واقع باتیں لکھیں۔ اور ہم قسم دیتے ہیں کہ ہمارا ان بیانات سے ہرگز یہ مقصود نہیں کہ ہم ناحق کسی کا دل دکھائیں۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو خود گنہگار ہیں۔

کے حق میں اس کا مدون ہونا نہ ہونا یکساں ہے اور جنہوں نے محدثین کی طرح حدیث میں دخل پیدا کیا تو وہ لوگ ان مسائل پر دیگر مقلدین کی طرح قائم نہ رہے۔

فقہ پر اصرار کے مختلف وجوہ:

ایک بات اور ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ افراد انسانی طبائع کی وضع انداز میں مختلف واقع ہوئے ہیں۔ بعض طبیعتیں تو سادہ، سلامت روی، انصاف پسندی کا حصہ وافر رکھتی ہیں اور بعض اس وصف و شان کی نہیں ہوتیں۔ اسی طرح بعض مسزاجوں میں ایک قسم کی سختی۔ جس مذہب میں پیدا ہوئے ہیں یا جس کی طرف منسوب ہیں اس کا پاس اور اس کی طرف داری مرکوز ہوتی ہے اور وہ اس کے درست ثابت کرنے میں ایک حد تک ساعی رہتے ہیں اور بعض ایسے نہیں ہوتے بلکہ وہ تحقیق کے سامنے ذرا بھی ان باتوں کا لحاظ نہیں کرتے۔ اس وجہ سے بہت ایسا ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ کے جس قدر دلائل ہوتے ہیں وہ سب فراہم و موجود ہوتے ہیں، لیکن نتیجہ ان سے مختلف اخذ کیا جاتا ہے اور مختلف الطبائع اہل علم اس میں باہم مختلف رہتے ہیں۔ حالانکہ فریقین اس کے تمام دلائل و جوہات کو دیکھ رہے ہیں۔ زمانہ مابعد میں آپس میں خلافت قائم رہنے کی ایک یہ بھی وجہ ہے۔ ہم نہیں کہتے کہ ان فریقین میں سے کوئی فریق جان بوجھ کر حق سے انکار کرتا ہے یا عمداً صحیح بات کا رد کرتا ہے۔ بلکہ ان کی طبیعت کا انداز ہے کہ ان کو وہی صحیح بتاتا ہے جس پر وہ قائم ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ نفس الامس میں حق پر ہی ہوتا ہے۔ اور بعض دوسرے فریق پر تشدد برتنے یا متعصب ہونے وغیرہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ مثلاً ہم بعض اصحاب کے نام یہاں پر بتاتے ہیں۔ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فوائد بہیہ^(۱) میں لکھتے

(۱) اس موقع پر ہم نے فوائد بہیہ سے نقل کرنا اس وجہ سے زیادہ مناسب سمجھا کہ وہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی مرحوم کی تالیف ہے، جو خود اپنے آپ کو حنفی لکھتے تھے اور اصل میں تھے بھی حنفی۔ انہوں نے حنفی مذہب سے جہاں جہاں ---

میں^(۱) کہ ”کہ ملک عیسیٰ بن سیت الدین حنفی المذہب تھے۔ اپنے مذہب میں متعصب تھے۔ طبقات ملا علی قاری حنفی میں ہے، مذہب ابی حنیفہ کے اندر تعصب میں بڑے غالی تھے۔“ محمد بن شجاع حنفی فوائد حنفی فوائد بہیہ میں لکھتے ہیں^(۲) : ”علم کے دریاؤں میں سے تھے۔ ان کی تصنیف تصحیح الآثار، کتاب النوادر وغیرہ ہے۔ ذکر یا بن محمد ساجی کہتے ہیں محمد بن شجاع بڑے جھوٹے تھے۔ امام ابو حنیفہ کے مذہب کی نصرت کے لئے حدیث رسول (ﷺ) کے ابطال میں حیلے بناتے تھے۔“ شیخ الاسلام احمد بن محمد حنفی فوائد بہیہ میں لکھتے ہیں^(۳) : ”ذہبی نے سمعانی سے نقل کیا کہ آخر میں ان کو مذہبی تعصب بہت ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا نتیجہ پہنچا کہ علماء کو وحشت میں ڈال دیا اور قوموں میں عداوت پھیلا دی حتیٰ کہ منبروں پر بیٹھ کر لعنت کی نوبت پہنچی۔“

امیر کاتب عمید فوائد بہیہ میں لکھتے ہیں^(۴) : ”حنفیوں کے اندر سردار تھے۔ لغت و فقہ

--- تجاوز کیا تو جب ہی کیا ہے کہ ان کی تحقیقات اور ان کا علم اس پر قائم رہنے کی ذرا بھی ان کو گنجائش نہ دیتا تھا۔ اور کچھ شک نہیں کہ حقیقہ کے لئے ان کا وجود قابل فخر ہے۔

(۱) عبارت یہ ہے کہ: ”کان حنفی المذہب متعصباً المذہب فی طبقات القاری کان متغالباً فی التعصب لمذہب أبی حنیفہ۔ انتہی۔“

(۲) عبارت یہ ہے: ”من بحوز العلم لہ کتاب تصحیح الآثار و کتاب النوادر وغیرہ قال ذکر یا بن محمد الساجی، فأما محمد بن شجاع کان کذاباً احتال فی إبطال حدیث رسول اللہ (ﷺ) نصرۃ لأبی حنیفہ۔ انتہی۔ ملخصاً۔“

(۳) عبارت یہ ہے: ”قال الذہبی عن ابن السمعانی تعصب بأخراً فی المذہب حتی أوی إلى إیجاد العلماء وإغراء الطوائف حتی لعنوا علی المناہر۔ انتہی۔“

(۴) ”کان رأساً فی الحنفیۃ بارعاً فی الفقہ واللغة کثیراً لا عجاب بنفسہ شدید التعصب علی من خالفہ یدل علیہ کلماتہ الواقعة فی تصانیفہ کشرح المنتخب الحسامی و شرح الہدایۃ بسیط اللسان علی من خالفہ معادیا للشافعیۃ واجتہاد فی ذلک حکم بطلان الصلوۃ برفع یدیہ فر د علیہ السبکی فرجع۔ انتہی۔“

میں پیش پیش تھے۔ اپنے آپ کو بہت بڑا جانتے تھے۔ مخالفین کے ساتھ سخت تعصب رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کے الفاظ جو ان کی تصانیف مثل شرح منتخب حسامی اور شرح ہدایہ میں واقع ہیں وہ اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اپنے مخالف کے ساتھ زبان درازی کرنے والے تھے۔ شافعیہ کے ساتھ عداوت رکھتے تھے۔ اس میں انہوں نے بڑی کوشش کی، رفع الیدین کرنے سے نماز کے فاسد ہو جانے کا حکم لگا دیا تھا۔ آخر ہکی نے ان کا رد کیا، تب انہوں نے اس مسئلہ سے رجوع کیا۔“ محمود بن احمد عینی حنفی، فوائد بہیہ میں لکھتے ہیں^(۱) : ”اگر دین میں تعصب مذہبی کی بونہ ہوتی تو بہت اچھے آدمی تھے۔“ ملا علی قاری، مقدمہ التعلیق المجد علی مؤطا محمد میں علی قاری کی تعریف کرنے کے بعد لکھتے ہیں^(۲) : ”ان کی بعض تصانیف میں جو مذہبی تعصب کی بو ہے اگر وہ نہ ہوتی تو بہت اچھی ہوتیں۔“ اسی قسم کے الفاظ امام^(۳) طحاوی اور ابن الہمام کی نسبت بھی کہے گئے ہیں۔

اس قسم اور اس وضع و انداز کے لوگوں میں سے اگر کسی نے اپنے مذہب کے خلاف کسی مسئلہ کا اقرار کیا تو وہ تو بہت ہی قابل قدر ہے۔ لیکن جن مسائل میں جن میں فریق مقابل کے پاس قوی دلائل موجود ہیں، انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ ایک منصف مزاج کے نزدیک ان کا ایسا نہ کرتا گو وہ لوگ حدیث میں دخل رکھتے ہوں۔ کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتا اور نہ ان کی باوجود حدیث دانی کے اگر وہ حدیث دان تھے، حدیث کے خلاف کہتے رہنے پر کوئی تعجب ہے۔ کیونکہ یہ ان کی طبیعت کے خاص انداز کا اثر ہے۔ پس نہ ہم ان کو مخالفت حدیث کا الزام دے سکتے ہیں اور نہ قابل تعجب کچ فہمی یا بے فہمی کے عمل میں لانے کا۔

(۱) ولو لم یکن فیدر النحۃ التعصب المذہبی لکان أجود وأجود۔ انتہی۔

(۲) ولو لا ما فی بعضہا من راحة التعصب المذہبی لکان أجود وأجود۔ انتہی۔

(۳) چنانچہ اوپر مذکور ہو چکا۔ دیکھو: حاشیہ ص: ۲۳۱، ۲۳۲۔

اس خاص وضع وانداز کے سوا ایک بات اور بھی ہے۔ بعض اوقات آدمی کسی مسئلہ کی بابت دلائل سنتا اور دیکھتا ہے۔ اور وجہ استدلال بھی اس کو معلوم ہو جاتی ہے۔ لیکن ان دلائل سے اس نتیجہ کی طرف کہ دوسرا اس کو صاف دیکھ رہا ہے۔ اس کا ذہن مستقل نہیں ہوتا، اور نہ وہ مسئلہ اس طور پر اس کے ذہن میں سماتا ہے بلکہ بعض اوقات وہ اپنے فریق مقابل کے دلائل کا کوئی کافی جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ اس کے مقابلہ میں کوئی قوی دلیل لا سکتا ہے۔ لیکن اس کی بات کو اس کی طبیعت قبول نہیں کرتی اور نہ اس کی عقل میں آتی ہے لہذا وہ اس کو نہیں مانتا۔ بلکہ اس کے خلاف پر قائم رہتا ہے۔

صحابہ^(۱) میں بھی ایسا پیش آیا ہے کہ باہم مناظرہ ہوا اور ہر ایک نے اپنے اپنے دلائل و وجوہ بیان کئے۔ پھر بھی ہر ایک اپنی اپنی رائے پر قائم رہا۔ حالانکہ ان کے پاکیزہ نفوس تعصب و سخن پروری و انکار حق وغیرہ ہر قسم کے عیب سے پاک تھے، پھر کیوں نہ انہوں نے باہم فیصلہ کر لیا اور اختلاف کو اٹھا دیا۔

خود امام ابوحنیفہ^(۲) صاحب (رحمہ اللہ) کو دیکھو کہ وہ اور ان کے شاگرد ایک وقت میں موجود تھے اور ہر ایک نے دوسرے کے دلائل جو ان کے پاس تھے دیکھے اور سنے۔ تاہم بکثرت

(۱) دیکھو مسئلہ تیمم و جنب وغیرہ۔

(۲) نعمانی صاحب کے بشرکت اپنے شاگردوں کے تدوین فقہ کی بابت لکھتے ہیں۔ تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص بات کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا۔ اگر اس کے جواب میں سب متفق الرائے ہوتے تو اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا اور نہ نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہوتیں۔ کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی امام صاحب غور و تحمل کے ساتھ سب کی تقریریں سنتے اور بالآخر ایسا چاہتا تھا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رائے پر قائم رہتے۔ اس وقت وہ سب مختلف اقوال قلمبند کر لئے جاتے (انہی ص: ۲۰۰)۔

چونکہ تحقیق کی تصریح سے ثابت ہے کہ صاحبین کا امام صاحب سے دو تہائی مذہب میں خلافت ہے اس سے ظاہر ہے کہ اختلاف والی اور اپنی اپنی رائے پر قائم رہنے والی صورت بکثرت واقع ہوئی ہے۔

ایسے مسائل میں جن میں ہر ایک اپنی اپنی رائے پر قائم رہا اور ایک نے دوسرے کی نہ مانی۔ حالانکہ ان حضرات کی نسبت نہ انکار حق کا عہدہ اور نہ پاس سخن کا، اور نہ تعصب مذہبی کا اور نہ نا فہمی کا۔ اور نہ اس قسم کی اور کسی بات کا گمان کیا جاسکتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں اتفاق رائے نہ ہو گیا۔ اگر کسی اصولی مسئلہ پر بناء خلاف تھی تو اس اصولی مسئلہ کا تصفیہ کیوں نہ کر لیا۔ اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ ہر ایک کے انتقال ذہنی اور طبیعت کی خاص وضع کا اثر ہے جو ہر ایک کو وہی صحیح اور درست دکھاتا تھا جو ان کے ذہن میں تھا۔ اور دوسرے کی بات کو ان کی عقل قبول نہ کرتی تھی۔ گو نفس الامر میں وہی حق ہو اور گو اس کے سارے دلائل بھی سن لئے ہوں، پس کچھ ضرور نہیں کہ فن حدیث مدون ہو جانے اور دلائل حدیثیہ دیکھ لینے کے بعد بھی کسی شخص کا باعتبار نفس الامر کے کسی مسئلہ کے خلاف رہنا ناممکن ہو۔ لہذا فقہاء کے ایسے مسائل پر قائم رہنے میں جن کو اہل حدیث دلائل کے ساتھ مخالفت حدیث ثابت کرتے ہیں، کوئی تعجب^(۱) یا استبعاد نہیں۔

۲۔ عقیدت و حسن ظن میں افراط:

وجہ دوم^(۲)، چونکہ تقلید کی بناء حسن ظن پر ہے۔ مقلدین جس کی تقلید کرتے ہیں۔ اس کے

(۱) ممکن ہے کہ اس بات کو کوئی شخص اہل حدیث کی بابت پیش کر کے ہم پر اعتراض کرے۔ لیکن اس جگہ ہم اس کی تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں پاتے ہم کو تو صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ فن حدیث کے مدون ہو جانے کے بعد فقہاء کا گو ہم تسلیم کر لیں کہ وہ ان دلائل سے جو آج اہل حدیث پیش کرتے ہیں، واقف ہو گئے تھے، ان دلائل کے خلاف اپنے مذہب پر قائم رہنا اور اسی کا ان کے ذہن میں سمجھنا مخالفت بات کا مستبعد نہیں پس حدیث مدون ہو جانے کے بعد فقہاء کے ایک مسئلہ پر قائم رہنے سے اس کے خلاف کے صحیح نہ ہونا سرچ ہے، رہی یہ بات کہ اہل حدیث کا بھی اسی طرح کسی مسئلہ میں باوجود جاننے کے نفس الامر کے اعتبار سے غلطی پر قائم ہونا ممکن ہے، تو ہم کو اس امکان سے کب انکار ہے ہم تو کہتے ہی ہیں جو تم قرآن و حدیث سے ثابت کر دو، ہم تسلیم کرنے کے لئے موجود ہیں ہم کبھی یہ نہیں کہیں گے کہ یہ مسئلہ صحیح نہ ہوتا تو فلاں صاحب کے کیسے اس کے قائل ہوتے باقی اس کی بابت اور بھی ہمیں کچھ نہ کہنے ہے۔ جس کو نگی مقام لکھنے کی اجازت نہیں دیتی۔

(۲) وجہ اول میں جو تحقیقات ہم نے ذکر کی۔ اس کو اگر بغور پڑھا جائے تو وہ ایک جواب نہیں بلکہ کئی جواب ہیں۔

ساتھ کمال عقیدت رکھتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے اس کی تقلید کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے امام بتاتے ہیں، وہ بالکل صحیح و درست اور وہی اللہ و رسول (ﷺ) کا حکم ہے اور گوامکانی طور پر کہا جاتا ہے کہ مجتہد کے اجتہاد میں احتمال خطا ہے۔ مگر وقوعی طور پر اور دل میں امام کے ساتھ کمال حسن عقیدت اور ان کی دقت نظر اور بلاغ علمی اور وسعت معلومات اور عظمت شان پر نظر کر کے، کبھی خیال نہیں جاتا کہ کوئی مسئلہ ان کا خلاف قرآن و حدیث ہو گا۔ بلکہ جو کچھ انہوں نے ارشاد فرمایا ضروری العمل اور واجب التسليم^(۱) ہے۔ اسی واسطے کبھی اس بات کا قصد نہ کیا گیا کہ ان کے ایک ایک مسئلہ کو لے کر حدیث سے مطابقت کریں جو موافق ہو، اس کو قائم رکھیں اور جو مخالفت ہو اس کو چھوڑ دیں^(۲)۔ بلکہ اگر کبھی کوئی حدیث اپنے مذہب کے مخالف نظر سے گزری بھی تو یہ خیال میں نہ جھکا کہ

(۱) نہ یہ کہ ان کے اقوال کو پرکھ کر پہلے دیکھا جائے جو قول موافق ہو وہ لیا جائے اور جو مخالفت یا باطل دلیل ہو اس کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ اگر ایسا کرتے تو مقلدی بیوں بنتے۔

(۲) فقہاء حنفیہ کی بعض مجبوریات:

فقہاء حنفیہ نے جن کا حنفی مذہب میں دخل و اعتبار ہے، جو کتنے مسائل میں امام صاحب کا قول چھوڑ کر صاحبین وغیرہ کے اقوال پر فتویٰ دیتے ہیں تو عموماً اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان لوگوں نے ان مسائل کو حدیث سے پرکھ کر ان کو خلاف حدیث پا کر چھوڑ دیا بلکہ بیشتر اس کی وجہ یہیں اور یہی ہیں مثلاً دفع حرج و دفع ضرورت منقود کے مسئلہ میں اور مسجد و الطہر کے مسئلہ میں امام مالک کے قول پر فتویٰ اسی واسطے دیا گیا۔ دیکھو: رد المختار وغیرہ دفع حرج اور دفع ضرورت کے لئے مرجوح اور ضعیف قول پر فتویٰ دینا بھی جائز رکھا گیا۔ دیکھو: رد المختار دریافت میں سہولت ہونا و درود کے مسئلہ پر فتویٰ اسی واسطے دیا گیا۔ دیکھو عمدۃ الرایہ و رد المختار وغیرہ حالانکہ وہ امام اعظم صاحب کا قول نہیں ہے، مفتی و مستفتی کے لئے آسان ہونا، مسائل حیض میں امام ابو یوسف کے قول پر نیز مشائخ بخارا کے نزدیک مسائل ذوی الارحام میں امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ اسی واسطے دیا گیا۔ دیکھو: شرح وقایہ و شریفیہ وغیرہ اس قسم کے مسائل اور بہت ہیں۔ کسی کا صاحب تجربہ ہو یا مسائل قضاء و شہادت میں قاضی ابو یوسف کے قول پر اسی واسطے فتویٰ دیا گیا کہ وہ صاحب تجربہ تھے اور خود قاضی رہے تھے۔ دیکھو: رد المختار وغیرہ۔ غرض حنفیہ نے جہاں امام صاحب کے قول کو چھوڑا ہے تو بیشتر اسی قسم کے وجود سے چھوڑا نہ یہ کہ یہ افدو ترک دلائل حدیثیہ کے تابع تھا اور جہاں نہیں کسی نے ایسا کیا ہے تو پھر اس کی بات نہ ہم کو اعتراض ہے اور نہ وہ شبہ اس کی بابت وارد ہوتا ہے جس کے جواب میں ہم مشغول ہیں۔

فی الواقع یہ حدیث ہمارے مذہب کے خلاف ہے اور ہمارے مذہب کا یہ مسئلہ صحیح نہیں۔ بلکہ یہی خیال ہوا کہ دراصل اس حدیث کے کوئی ایسے معنی ہیں جس سے ہمارے مذہب کا یہ مسئلہ غلط نہیں ہو سکتا اور گو سر دست (۱) ہماری سمجھ میں اس کا کوئی جواب یا وہ معنی نہ آئیں مگر کوئی ضرور ایسی بات ہے جس سے ہمارے مذہب کو کوئی گزند نہیں آتا، بلکہ بالآخر طبقہ کے لوگ معتقدین کے لئے کوئی نہ کوئی معنی یا جواب ایسا بتا دیتے تھے جس سے ان کو تسکین ہو جاتی اور پھر ان کو کوئی شبہ باقی نہ رہتا۔

ہم نہیں کہتے کہ ان کا ایسا کرنا ازراہ نقصانیت بغرض رد حدیث تھا۔ بلکہ غالباً وہ اسی طرح پر حق الامر اور واقعی بات خیال کرتے تھے۔ جس کی اصل وجہ وہی کمال عقیدت اور اپنے امام کی بے انتہاء عظمت کا دل میں سمایا ہونا ہے، جس کے باعث سے مخالفت پہلو خیال میں جگہ ہی نہیں تھا، اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ یہ بھی خیال تھا کہ ہم کو نہ ان کی اسی (۲) وقت نظر نصیب ہے اور نہ اس قدر علم ہے اور نہ ویسی فہم اور نہ ان سے خلاف کرنے کا منصب ہے، بلکہ بعض کا تو یہاں تک خیال ہوا کہ قرآن و حدیث سمجھنا اور اس سے احکام کا استنباط کرنا انہیں محدود سے چند افراد پر ختم ہو گیا۔ (۳) اور ہم لوگ موافق و مخالف کو سمجھ ہی نہیں سکتے بجز اس کے کہ انہیں کے قولوں پر چلے جائیں اور اسی واسطے ان کی تقلید اختیار کی۔ پس جب یہ خیالات تھے تو کیسے ہو سکتا تھا کہ امام کے مسائل لے کر احادیث کے ساتھ پرکھے جاتے اور ایک ایک کو بطور خود تحقیق کیا جاتا کہ ان کا موافق و مخالف ہونا معلوم ہوتا۔ پس فقہاء مقلدین کے ان مسائل پر قائم رہنے پر جو تحقیق سے مخالف حدیث ثابت ہوتے ہیں۔ گو فن حدیث مدون ہو چکا تھا، کوئی تعجب نہیں، اس لئے کہ انہوں نے وہ طرز عمل ہی نہیں برتا جس سے

(۱) ہم کو خود بعض مقلد علماء سے بعض مسائل میں گنگو کی نوبت پہنچی جب وہ گنگو میں مغلوب ہوئے تو کہنے لگے ہم کو جواب نہیں آتا تو کیا ہمارے ہم مذہب دوسرے عالم کوئی جواب رکھتے ہوں گے۔

(۲) جیسا کہ ان کے عمل و عقیدے سے ظاہر ہے اور طریقات فقہاء کا بیان جو پہلے تم پڑھ چکے وہ بھی اس کا شاہد ہے۔

(۳) دیکھو بعض تقریریں فتح مبین اور انتصار حق وغیرہ۔

مخالف ہونا معلوم ہوتا۔ بلکہ اگر کوئی مخالف نظر پڑا بھی تو اس کی بابت حدیث کی کوئی نہ کوئی ایسی تاویل
(۱) وغیرہ کر دی جس سے یہ غرض رفع ہو گیا۔ اس پر بھی کتنے فقہاء نے بہت سے مسائل میں اضطراباً
اپنے خلاف کا اقرار (۲) کیا ہے، جیسا کہ تم پہلے پڑھ چکے ہو۔

فقہاء نے جو نہیں کہیں مسائل کے دلائل سے بحث کی ہے اور ان کی وجوہات و دلیلیں
بیان کی ہیں اور مناہرات کئے تو اول تو یہ بحث بیشتر دلائل حدیثیہ کے ساتھ تھی نہیں (۳)۔ بلکہ دلائل
عقلیہ کے ساتھ تھی۔ دوسرے وہ بحث غالباً شافعیہ و حنفیہ کے باہم نزاع کے متعلق ہے۔ جس سے بڑی

(۱) فقہاء کو ان کے اپنے امام کے ساتھ حسن عقیدت اور ان کے قول کی تصحیح اور ان کے مذہب کی پاسداری نے بعض
اوقات ایسے ایسے جوابوں اور تاویلوں پر مجبور کیا، جو صاحب تحقیق کے نزدیک نہایت ہی کمزور اور ضعیف ہیں، مثلاً طاہوی اور
ابن الہمام اور عینی وغیرہم نے رفع الیدین کی نفی کے لئے ہے، اس کو منسوخ ٹھہرایا اور صرف اسی بنا پر کہ بعض صحابہ (رضی
اللہ عنہم) سے رفع الیدین نہ کرنا مروی ہوا ہے مولانا عبدالحی صاحب کیا خوب لکھتے ہیں: وأما دعوى نسخة كما صدر عن
الطحاوي مغتروا بحسن الظن بالصحابة التاركين وابن الهمام وابن الهمام والعيني وغيرهم من أصحابنا
فليس بمبرهن عليها بما يشفي لعليل ويروى الغليل۔ انتہی۔ اور طاہوی کا حنفی مذہب کے لئے بلا لحاظ ضعف و قوت
حدیث کے رائے کے ساتھ استدلال کرنا پہلے مذکور ہو چکا۔ اور شیخ ابراہیم حلبی نے کبیری شرح منیۃ المصلیٰ میں آئین کے مسئلہ کی
بابت ابراہیم نخعی کے قول اور ایک ایسی روایت کو جس کی بناء وہ ہم پر ہے۔ صحیح حدیث رسول کے معارض و مقابل قرار دے کر
آئین بالحقاً بکوترتجیح دی۔

(۲) جن فقہاء نے جو بعض مسائل میں اپنے مذہب کے خلاف کی سحت کا اور اپنے ان مسائل کے ضعف کا اقرار کیا تو
اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے اپنے مذہب کے تمام مسائل کو لے کر ایک ایک کو پرکھا اور پڑتالا تھا اور ضعیف ان
میں سے اسی قدر پائے جن میں ضعف کا اقرار کیا اور باقی کو قوی اور دلیل کے موافق دیکھا اور صحیح پایا اور نفس الامر میں باقی
حدیث کے موافق صحیح ہیں۔ اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض مسائل میں بعض اتفاقات سے توجہ و تحریک کے اسباب پیدا
ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے ان پر متنبہ ہو جاتا ہے۔ پس سب میں ایسا ہونا ضروری نہیں۔ دوسرے اگر بعض میں ضعف کے
اقرار کرنے سے باقی کا موافق دلیل صحیح ہو نا لازم ہو تو ایک فقہیہ بعض مسائل کے ضعف کا اقرار کرتا ہے۔ دوسرا فقہیہ ان کے سوا
بعض دیگر مسائل کے ضعف کا اقرار کرتا ہے تو اگر اس فقہیہ کے اقرار کردہ مسائل کے سوا صحیح تھے تو دوسرے فقہیہ نے ان
کے سوا کے ضعف کا کیسے اقرار کیا، وہی بذالقیاس اور زیادہ تحقیق ہمارے بیانات میں خود موجود ہے۔

(۳) چنانچہ شاہ صاحب کے کلام میں دیکھو: (حاشیہ ص: ۱۰) پہلے اور ابھی امام غزالی کے کلام میں گزر چکا۔۔۔

غرض اپنے مذہب کے مسائل کی ارجحیہ اور قوت اور دوسرے کے مسائل کی مرجوحیت اور ضعف کا ثابت کرنا تھا۔ ہر فریق اپنے امام کے ساتھ کمال حسن عقیدت رکھتا تھا اور اپنے مذہب کے مسائل صحیح تر اور ارجح سمجھتا تھا اور اسی کے اثبات میں بمقابلہ دوسرے کے مشغول^(۱) تھا۔ ایک سمجھدار آدمی غور کر سکتا ہے کہ ایسی بحث سے مسائل کو حدیث کے ساتھ مطابقت کی بابت کس قدر نفع یا نقصان پہنچ سکتا ہے اور آئندہ نسلوں کے لئے اس سے کیا نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں بجائے اس کے کہ مسائل کو حدیث کے تابع کیا جائے اور اس کی محسوس پر رکھ کر کھسکا کھوٹا علیحدہ کیا جائے، ان احادیث کو جو اپنے خلاف ہوں گی، کھینچ کھینچ کر اپنے مسائل کے تابع کرنا ہو گا۔ اور کسی نہ کسی طرح سے ان کے مسائل کے غیر مخالف یا موافق بنایا جائے گا۔ چنانچہ عموماً ایسا ہی ہوا اور آئندہ نسلوں کو اپنے معتقدین معتقد فیہم وہ معنی دیکھ کر اور بھی استحکام ہوا، بلکہ انہوں نے نے اپنی طرف سے اور تاویلات اضافہ کیں، اور اس مضمون کو مزید برآں ترقی دی اور ان کا فرض منصبی تھا کہ وہ ایسا ہی کرتے۔ والی اللہ المشتکی۔

۳۔ قوی تحریک کا فقدان:

وجہ سوم، قانون قدرت ہے کہ کسی نئے خیال کا حدوث اور پچھلی حالت کا تغیر اور جاری شدہ بات کا پلٹنا قوی تحریک کے بغیر نہیں ہوتا۔ جب فقہاء میں خاص خاص اماموں کی تقلید اور تخصیص کے ساتھ ان کے مسائل اور اقوال پر عمل اور انہیں کے ساتھ استناد عام طور پر جاری ہو گیا۔ اور یہی کافی

--- اور شاہ عبداللہ صاحب شرح سفر السعاده ص: ۲۳ میں لکھتے ہیں: کتاب ہدایہ کہ در دیار ما مشہور و معتبر ترین

کتابہاست نیز دریں وہم انداختہ چہ مصنف وی روح در اکثر بتائے کار برد لیل معقول نہادہ و اگر مدعی آوردہ نزد محمد شین خانی از شعبی نہ غالباً اشتغال آں اساتذہ در علم حدیث کمتر بودہ است۔ راغبی۔ اور علامہ منصور بن محمد تیس برس تک تائید مذہب حنفی میں علم حدیث کی طرف توجہ سے پہلے مناظرے کرتے رہے ظاہر ہے کہ وہ مناظرے دلائل حدیثیہ کے ساتھ نہ تھے۔

(۱) چنانچہ اوپر مثلاً ص: ۱۰۵ مکی جگہ گزر چکا۔

اور وافی سمجھا گیا اور عقیدت کے ساتھ نسلاً بعد نسل جاری رہا۔ پس ان مسائل سے ہٹنے یا ان میں سے کسی کا غلط ہونا خیال میں آنے کے لئے بڑی قوی تحریک کی ضرورت تھی۔ ورنہ ویسے بہت ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک آیت یا حدیث کو بار بار پڑھتا اور دیکھتا ہے مگر اس سے وہ نتیجہ جو کسی تحریک جو کسی تحریک پر بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے، اپنے آپ سے خیال میں نہیں آتا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی طسوف نفس کی توجہ اور اس کی کوئی تحریک نہیں ہوتی۔ اور اگر کوئی مخالف حدیث کو نظر سے گزرے تو اس کی تاویل و جواب پر جس کو باعث حسن عقیدت کے خود پیدا کیا یا پہلے سے پیدا کیا گیا تھا۔ اطمینان کر لیا گیا۔ عام طور پر فریق^(۱) مقابل کوئی ایسا موجود نہ تھا۔ جو بر ملا ان کی ذہن نشین تاویلوں و معنوں کی غلطیاں محدثین کے طریقہ پر ان پر ظاہر کر کے ان کو اس طرف متوجہ کرتا۔ ان کے اپنے ذہن نشین خیالات کے خلاف کی بھنک بھی ان کے کان تک نہ پہنچتی تھی۔ پھر ان کو اپنے متواتر بات کے خلاف کی طرف توجہ اور اس کی تحقیق کا خیال ہوتا تو کیسے۔

(۱) حدیثوں کی تقسیم:

ہمارے (متحدہ) ہندوستان میں تو سوائے حنفیہ کے کوئی اور فریق ظاہراً تھا ہی نہیں عموماً سب یک خیال کے تھے (إلا ما شاء الله) البتہ دوسرے ممالک میں شافعیہ وغیرہم تھے اور ان کے ساتھ رد و قدح بھی ہوتا تھا۔ مگر اول تو اس رد و قدح کا طرز ہی دوسرا تھا جیسا کہ پہلے ظاہر ہو چکا۔ دوسرے شافعیہ بھی آزادانہ بحث نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ وہ خود بعض مسائل میں الزامی جوابوں کے مورد تھے۔ جن مسائل میں وہ خود حدیث کے خلاف تھے۔ اس کے علاوہ جب ہر فریق کو اپنے اپنے مذہب کے مجموعہ مسائل کا التزام تھا تو فرد افراد مسائل میں مناظرہ کا اور اس میں جو رائج ہو جائے اسی کا ہر شخص کو اختیار کر لینے کا کوئی موقع نہ تھا اس سب پر مستزاد وہ بات ہے جو کہ ان لوگوں سے سننے میں آئی (ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ خیال ان لوگوں میں کس زمانہ سے پیدا ہوا) جب وہ احادیث کو پڑھتے پڑھتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ فلاں حدیث شافعی مذہب کی ہے اور فلاں حدیث ہمارے مذہب کی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ صحاح ستہ تو شافعیوں کی کتابیں ہیں۔ انہوں نے اپنے مذہب کی حدیثیں لکھ دیں ہمارے مذہب کی نہیں ہیں نہ جب انہوں نے احادیث کو تقسیم کر کے اس طرح فیصلہ کر لیا تھا تو پھر کس طرح جو سکتا ہے کہ اپنے مخالف حدیث سے جس کو وہ شافعی مذہب کی ٹھہرا چکے تھے متاثر ہوتے۔ کیونکہ اس سے اب ان کو عرض رہی تھی، وہ تو طے شدہ ہے کہ دوسرے مذہب کی ہے۔

تحقیق پسند فقہاء کا مسلک حدیث کی طرف رجوع:

چنانچہ جس کو یہ تحریک ہوئی اور اس نے اس طرف توجہ کی، اس کے خیالات میں انقلاب پیدا ہو گیا اور اس کو اپنی روش سے ہٹنا پڑا۔ امیر کاتب عمید کی بابت تم پڑھ چکے ہو کہ جب بکلی نے ان کا رد کیا تو انہوں نے متنبہ ہو کر اپنے قول سے رجوع کیا۔ علامہ منصور (رحمہ اللہ)، ابن محمد (رحمہ اللہ) کا حال بھی تم دیکھ چکے۔ باوجودیکہ وہ حنفی مذہب کے ایسے دل دادہ تھے کہ تیس برس اس کی تائید میں مناظرے کرتے رہے۔ جب ان کو دوسری جانب تحریک و توجہ ہوئی تو حنفی مذہب سے دست بردار ہو گئے۔ علامہ^(۱) صالح مقسلی صنعانی محدث ہجرت کر کے جب مکہ معظمہ میں آ کر رہنے لگے۔ وہاں کے بعض علماء نے ان کے اپنے اسلاف کے مخالف اور طریقہ اہل حدیث پر ہونے کی وجہ سے مخالفت کی اور زعم یقینہ کی تہمت لگا کر ان کی شکایت سلطان روم تک پہنچائی۔ سلطان معظم نے اپنے ہاں کے بعض علماء کو ان کی تحقیقات کے لئے بھیجا۔ جب انہوں نے آ کر ان کو پڑتالا اور دیکھا تو خود بھی انہیں کے ہم مسلک ہو گئے۔ چونکہ مقسلی کی ملاقات ان کے لئے محرک واقع ہوئی اور انہوں نے اعتدالی نگاہ سے کام لیا جو کہ ایک تحقیقات کرنے والے کا فرض منصبی ہے، تو وہ بھی اہل حدیث ہو گئے۔ ممالک یمن میں تو بکثرت اس قسم کے لوگ ہوتے رہے ہیں جیسا کہ بدر الطالع سے ظاہر ہے۔ سچ ہے الا یمان یمان^(۲) ہمارے ہندوستان میں بھی جب سے اس قسم کے بحث مباحثے ہوئے اور لوگوں کو اس طرف توجہ و تحریک ہوئی۔ ہزار ہا عالم اس طرف ہو گئے اور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

(۱) دیکھو: بدر الطالع علامہ موصوف ۷۵۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۸۱۸ھ میں وفات پائی۔

(۲) یعنی ایمان یمن والوں کا ہے، اس حدیث کو صحیحین میں روایت کیا ہے۔

سلاطین کی روش:

سابقہ زمانوں میں صرف یہی نہ تھا کہ اس تحریک کا سبب معدوم تھا، بلکہ اس کے لئے قوی موانع بھی موجود تھے۔ یہ تو تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ سلاطین اسلام عموماً مقلد ہی ہوتے رہے اور حکومت کی باگ مذہب تقلید کی ہاتھ میں رہی۔ امن و عافیت عروج و باطل اسی رنگ میں حاصل تھا۔ قضا، و افتاء سب انہیں اہل مذاہب کے لئے مخصوص تھے۔ سلاطین جب کسی کو قاضی مقرر کرتے تو ان سے شرط کر لیتے کہ اسی مذہب کے موافق جس کے وہ مقلد کہلاتے تھے، پابندی کر کے فیصلے کریں، اور یہ کہ جو اس کے پیش رو قاضی ہو چکے ہیں، جن کی جگہ یہ مقرر ہوا کرتے تھے، ان کے قانون اور مسئلوں کی اتباع کرتے رہیں۔ پس کوئی قاضی مذہب کے خلاف کیسے دم مار سکتا تھا۔ چنانچہ فقہاء مذہب نے قراری (۱) دے لیا کہ مقلد قاضی کوئی فیصلہ اپنے مذہب کے خلاف کرے تو وہ نافذ نہیں اور گو اِذَا ضَخَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي کا ایک حیلہ تھا۔ مگر کوئی کہاں تک کر سکتا تھا اور تمام فقہاء مذہب کو کیسے سمجھاتا اور ان کے شور و شغب کا کیوں کر مقابلہ کرتا۔

اہل حدیث سے بغض:

عموماً لوگوں کے اہل حدیث کے ساتھ عناد اور برتاؤ کا حال ذیل کے قصے سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ ابو حفص (۲) کے زمانے میں ایک شخص نے حنفی مذہب سے علیحدہ ہو کر دفع الیدین کی اور پیچھے امام کے فاتحہ پڑھنے لگا۔ شیخ ابو حفص کو اس کی خبر ہو گئی تو وہ سخت غضبناک ہوئے اور اس کے

(۱) در مختار میں ہے: وَأَمَّا الْمُقْلِدُ فَلَا يَنْفَذُ قَضَاءَهُ بِخِلَافِ مَذْهَبِهِ أَصْلًا كَمَا فِي الْقَنِيَةِ قُلْتُ وَلَا سِيَّمَا فِي زَمَانِنَا، فَإِنَّ السُّلْطَانَ يَنْصُ فِي مَنْشُورَةٍ عَلَى نَهْيِهِ عَنِ الْقَضَاءِ بِالْأَقْوَالِ الضَّعِيفَةِ، فَكَيْفَ بِخِلَافِ مَذْهَبِهِ۔ انتہی۔ شامی لکھتے ہیں: قَدْ ذَكَرَ الْحَمَوِيُّ أَنَّ عَادَةَ سُلْطَانِ زَمَانِنَا إِذَا تَوَلَّى أَحَدَهُمْ عَرْضَ عَلَيْهِ قَانُونٍ مِنْ قَبْلِهِ وَأَمَرَ بِاتِّبَاعِهِ۔ انتہی۔

(۲) ابو حفص کبیر علماء حنفیہ میں بڑے مشہور و مستند شخص ہیں۔ متوفی ۲۶۴ھ۔

بارے میں سخت سست کہنے لگے۔ اور بادشاہ سے جا کر کہہ دیا۔ بادشاہ نے جلاؤ کو حکم دیا کہ برسر بازار اس کو درے لگائے۔ آخر کار کچھ لوگ رحم کھا کر شیخ موصوف کے پاس آئے اور اس کے بارے میں سعی سفارش کی۔ اس کو لا کر ان کے حضور میں حاضر کیا اور اس نے توبہ کی تو اس سے عہد و پیمان لے کر گویا از سر نو مسلمان کر کے چھوڑا^(۱)۔ تب اس کی جان بچی۔ بیچارے حدیث پر عمل کرنے والوں کی یہ قدریں کی جاتی تھیں۔ اور کتنے قصے^(۲) تم پہلے بھی پڑھ چکے ہو جن میں کیسے کیسے معزز اہل علم کے ساتھ اسی گناہ میں کیا کیا برتاؤ برتے گئے اور ان کے ایسا کرنے سے ان کو بدعتی ٹھہرایا جانا اور چھوڑ دیا جانا بھی معلوم کر چکے۔ پھر ایک منصف مزاج خیال کر سکتا ہے کہ ایسی حالت میں کتنے آدمی ایسے نکل سکتے ہیں جو جان و آبرو پر کھیل کر سلطنت و دنیا کا مقابلہ کر کے مذہب کی پابندی کے خلاف حدیث کے مسئلہ پر اعلان کے ساتھ کار بند ہوتے۔

مطل تلسیاں:

اس کے علاوہ ایسے موقعوں میں آدمی کچھ نہ کچھ حیلہ شرعی خیال کر کے اپنے آپ کو معذور بھی خیال کر لیتا ہے، اور اس قسم کے اظہار سے باز رہتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ اللہ میں جہاں رفع الیدین کو ترجیح دی تو اس کے ساتھ ہی لکھتے ہیں: ”لیکن ایسی صورتوں میں آدمی کو یہ لائق نہیں کہ اپنے اوپر شہر کے عوام کا فتنہ برپا کرے۔“ اور دلیل میں حدیث: ”لولا حدثان قومک، الحدیث پیش کی۔ کبھی خیال کر لیتا ہے۔ یہ اختلافی مسائل ہیں، اتفاق نہیں جن کا خلاف سخت

(۱) عبارت یہ ہے: (ان رجلا فی عہد الشیخ أبیحفص الکبیر ترک مذہبہ وکان یقرأ خلف الإمام ویرفع یدہ عند الرکوع ونحو ذلک فأخبر الشیخ بذلك فغضب الشیخ وعنف وأمر السلطان حتی أمر الحداد بأن يضربه بالسياط عند الصیادة حتی دخل ناس علی الشیخ فشفعوا وقاتبوا وادخلوا علیہ فخرج ما یجب عنہ من باب الدین ثم خلی سبیلاً۔ انہی۔ دیکھو: فتاویٰ حمادیہ و تاتارغانیہ وغیرہ۔

(۲) دیکھو: ج ۱: ۱۳۱، ۱۳۲۔

مذموم ہو۔ کبھی یہ خیال کر کے کہ اس طرف بھی بڑے بڑے آدمی ہیں، ان کی بھی کچھ نہ کچھ دلیل ضرور ہوگی۔ یا یہ کہ جو ان کا حال ہے وہی میرا حال ہے۔ اپنے جی کو سمجھا لیتا ہے، کبھی یہ سوچ کر کہ اتفاقی مسائل و حسنات کیا کم ہیں، جن کی پابندی نیل ثواب کے لئے بس کرتی ہے، جو اختلافی امور میں پڑ کر بے اطمینانی پیدا کی جائے، جس سے وہ اتفاقی بھی چھوٹ جائیں۔ غرض اسی قسم کی وجہیں سوچ کر اپنے دل کو سمجھا لیتا ہے۔ اور عوام اور اکثر کا خلاف کر کے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال دینے سے روک لیتا ہے۔ جس سے ظاہر میں لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ان ہی^(۱) سب کا ہم خیال ہے۔ حالانکہ دل میں وہ ان کا مخالف ہے اور کچھ اسباب اس قسم کے ہم پہلے بھی لکھ چکے^(۲) ہیں۔ بہر حال مشکل سے کوئی عالم ایسے نکل سکیں جن کی بابت تعجب اور استبعاد کی گنجائش ہو۔

اس لئے کہ اس سے قبل چند مراحل ہیں کہ جن کا طے کرنا سب سے خود مشکل ہے۔ اول کسی

(۱) تقلید کی مجبوریات:

بعض صاحبوں سے تو یہاں تک ثابت ہوا کہ وہ برابر اپنے مذہب کے مسائل کی تائید میں مجموعوں اور مجلسوں میں گفتگو کرتے تھے اور دل میں خود ان کے معتقد نہ تھے۔ لیکن اپنے منسوب الیہ مذہب کی پاس داری کے لئے ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ شوکانی صدیق بن علی زبیدی حنفی کے حال میں لکھتے ہیں۔ مجھے ان سے مجمع کے اندر بعض مسائل میں گفتگو کی نوبت آئی۔ میں نے مسائل فقہ حنفیہ پر اعتراض کئے اور اپنے دلائل بیان کئے اور وہ برابر اپنے مذہب کی تائید میں ان کی تاویلیں کرتے رہے۔ پھر میں ان سے خلوت میں ملا اور میں نے ان سے کہا سچ بتائیے، کیا جو گفتگو کے وقت آپ کہہ رہے تھے، دل سے اس کے معتقد ہیں؟ تو فرمایا جو جو مسئلے دلیل کے خلاف ہیں چاہے کوئی ان کا قائل ہو میں قائل نہیں۔ اور جو قول ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا حدیث کے خلاف پڑتا ہے میں اس کو اختیار نہیں کرتا لیکن (گفتگو جو کرتا تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) آدمی اپنے مذہب کی طرف سے جواب دیا ہی کرتا ہے۔ انہی۔ دیکھو: بدرطالع۔ ہم بھی اپنے زمانے کے بعض علماء کو جانتے ہیں جو خلوت میں بعض مسائل میں اہل حدیث کی موافقت کرتے ہیں، لیکن لوگوں کے سامنے پکے حنفی بنے رہتے ہیں۔ اصحاب تصنیف فقہاء نے جو اپنے مذہب کے مسائل اور دلائل لکھے ممکن ہے کہ ان کا ایسا کرنا علامہ زبیدی کی طرح ہو اور گوان کو تمام مسائل کے ساتھ اتفاق رائے نہ ہو مگر بیان مذہب کے لئے ان کو ذکر کیا اور پھر ان کے وجود و دلائل بھی لکھ دیئے تاکہ کوئی ناواقف یہ نہ جانے کہ بالکل بے اصل ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۲) دیکھو ص: ۱۳۴۔

ایسے قوی محرک کا پیش آنا جس سے متواتر بات کی غلطی اور اس کی تحقیق کی طرف توجہ ہو سکے، دوسرے در صورت مروج و متواتر کے خلاف حق ثابت ہو جانے کے اظہار سے کوئی مانع و مزاحم کا پیش نہ آنا یا اگر آیا تو اس کی پرواہ نہ کرنا۔ تیسرے پھر کسی شرعی مصلحت یا کسی اور عذر کا خیال جو اظہار کو روکے، نہ قائم ہونا۔ چوتھے اظہار کرنا نہ کسی ایسے طریقے سے جو ہم تک نہ پہنچ سکے۔ پس ان باتوں کے بعد یہ کہنا کہ یہ مسائل اگر صحیح و حق نہ ہوتے تو اس قدر علماء جو بعد تدوین حدیث کے گزرے وہ ان کے موافق کیوں ہوتے، ایک ایسی بات ہے جس کو کوئی دقیق النظر واقعات روزگار سے خبر واحد پرند نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جن علماء کی بابت یہ استبعاد ہے نہیں معلوم وہ کس مرحلے میں رہے۔ بوجہ عدم محرک کے تنبیہ نہ ہوایا ہجوم مصائب نے روک دیا۔ یا کوئی شرعی مصلحت یا عذر ان کو اپنے مناسب حال خیال میں جما جس نے اظہار سے باز رکھا۔ یا اظہار کیا لیکن نہ اظہار عام۔ یا اظہار عام تھا لیکن ہم تک خبر نہ پہنچی۔ پس باوجود ان تمام احتمالات کے کسی ایسے مسئلہ کی بابت جو تحقیق سے خلاف حدیث ثابت ہوتا ہے۔ یہ عذر پیش کرنا کسی طرح قابل پذیرائی نہیں۔

۴۔ فن اصول فقہ اور اس کا مخصوص نہج و اسلوب:

وجد چہارم بذریعہ جن قواعد کے دلائل سے مسائل نکالے جاتے ہیں ان کا نام ہے اصول پہلے فن اصول جیسا کہ تم سابق معلوم کر چکے ہو، مرتب و مدون نہ تھا۔ اس کی تحریر و ترتیب کی ابتداء تو امام شافعی سے ہے۔ پھر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، اس میں ایجادیں اور مستحسین ہوتی گئیں، اور روز بروز اس کے اندر ترقی اور اضافے ہوتے رہے۔ آخر کار وہ ایک وسیع^(۱) اور مہتمم بالشان فن^(۲)

(۱) نعمانی صاحب سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں: ”اگر زمانہ مابعد میں اصول فقہ ایک نہایت وسیع فن بن گیا۔۔۔ اور

سیکڑوں مسائل ایسے ایجاد ہو گئے، جن کا امام ابو حنیفہ کے زمانے میں اثر بھی نہ تھا۔“ (انتہی جس: ۲۱۷)۔

(۲) فن اصول نہایت مہتمم بالشان اور دقیق فن ہے اور استنباط مسائل کرنے والے کے لئے گویا ہاتھ کا عصا ہے۔۔۔

ہو گیا۔ جس وقت فن اصول نے یہ اپنی خاص صورت نہیں پیدا کی تھی، اس وقت تک علماء استنباط مسائل اور تطبیق نصوص اپنے ذاتی سلیقوں اور طبعی شہادتوں کی رہنمائی سے کرتے تھے یا کچھ قاعدے بھی ذہن میں ہوں، مگر ان کا ضبط و جمع نہ ہوا تھا اور نہ ان کی کوئی تعبیر مقرر ہوئی تھی اور نہ ان کی یہ اجتماعی ہمت تھی اور نہ وہ بحث اور مناظروں میں استدلال کے وقت لائے جاتے تھے۔ یہ ساری باتیں زمانہ مابعد کی ترقیوں اور مویشگیوں سے پیدا ہوئیں۔

علماء مقلدین نے جو اس فن کو ترتیب دیا تو اس کے ایک حصہ میں یہ مصیبت پیش آئی کہ انہوں نے قواعد کو اپنے امام کے فرمودہ مسائل کی تابع قرار دے کر مرتب کیا اور ان کا فرض منصبی تھا کہ وہ ایسا کرتے۔ کیونکہ جب فن اصول کی غایت ہے دلائل سے مسائل کا استنباط۔ اور ان کے مسائل وہ تھے، جو ان سے پہلے ہی ان کے امام ان کو تعلیم دے چکے۔ پس ضرور تھا کہ ایسے قواعد مرتب کئے جائیں، جن کی رو سے ان دلائل سے جو ان کے علم میں تھے، اور جن کو وہ جانتے تھے وہی مسائل مستنبط ہو سکیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بلا اس کے اصول سے ان کو کیا حاصل تھا۔ لہذا انہوں نے قواعد کا وہ طرز رکھا کہ ان کے ذریعہ سے جو ان کے مسائل تھے، وہ قرآن و حدیث کے موافق ہو جائیں اور دلائل سے ٹھیک مستنبط ہو سکیں۔ اور ہر مذہب کے مقلد نے اس طور پر اپنے مذہب کی خدمت کی اور اس کو گویا قواعد سے ثابت کر دیا^(۱)۔ اور پھر جو قواعد کہے بعض مسائل کے لحاظ سے ترتیب دیئے گئے اور

--- اس کے قواعد مثل دیگر علوم الہیہ کے ہیں۔ علم نحو و معانی و منطق و مناظرہ وغیرہ سے ملتے جلتے ہیں۔ لیکن ضرورت ہے کہ آزادی کے ساتھ لغت و محاورات عرب و عرف کے تابع قرار دے کر قواعد مرتب کئے جائیں۔ متاخرین میں سے علامہ محمد بن علی شوکانی یمنی کی کتاب ارشاد الخول اس فن میں نہایت عمدہ انتخاب ہے۔ انہوں نے مذہب اربعہ و دیگر ائمہ کے اقوال و قواعد اس میں ذکر کر کے ہر ایک کے دلائل و جواہرات بھی لکھے ہیں اور پھر عرب کے محاورات و عرف وغیرہ کی رو سے محاکمہ کیا ہے۔

(۱) بالخصوص جب کہ حنفیوں اور شافعیوں کا اور ہر ایک کے اپنے مذہب کو ترجیح دینے کا بہت شور و زور تھا۔---

بعض دیگر مسائل ان کے منقض ہوئے تو اس کی جواب دہی میں متکلفات سے کام لیا۔

اس کے علاوہ ان کے ایسا کرنے کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ فسروع میں تو اپنے

اپنے امام کے فرمودہ مسائل میں تابع تھے ہی، جب انہوں نے اپنے اپنے اماموں کے اصولی

قواعد معلوم کرنا چاہے تو جن قواعد کی امام سے تصریح نہ تھی، ان کے معلوم کرنے کی بجز اس کے اور کوئی

صورت نہ تھی کہ ان کے طرز استدلال^(۱) سے اور ان کے مسائل مستنبط کے لحاظ سے اصول قائم کئے

جائیں۔ لہذا ان کے مسائل کے نشانہ قدم پر اصول قائم ہوئے۔ اور جب اصول مسرتب ہو گئے تو وہ

اصول مسلمہ اور لازمی قواعد قرار پائے۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ میں لکھتے^(۲):

”مخملہ ان باتوں کے جن میں سمجھیں بھٹک گئیں اور قدم پھسل گئے، یہ ہے کہ بعض لوگ

سمجھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے درمیان میں بناء خلاف ان اصول پر ہے جو بزودی^(۳)

وغیرہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ ان میں کے اکثر قواعد وہ ہیں، جو خود ہی ان

اماموں کے اقوال پر تخریج کر کے نکالے گئے ہیں۔“

پھر اس کے بعد شاہ صاحب اصول کے چند قاعدوں کا بطور مثال جن کی بنا پر بہت سی

--- پس ایسے قواعد کی ضرورت تھی جن کے توسط سے اپنے مذہب کے مسائل بالکل مطابق ثابت ہوں اور دوسرے

کے مخالف دکھائی دیں۔ چنانچہ نور الانوار و توضیح وغیرہ کے مباحث و بیانات کو دیکھو۔

(۱) نعمانی صاحب جامع کبیر کے تذکرہ میں لکھتے ہیں، متاخرین حنفیہ نے اصول فقہ کے جو مسائل قائم کئے ہیں، زیادہ تر

اسی کتاب کے طرز استدلال و طریق استنباط سے کئے ہیں۔ انتہی۔

(۲) عبارت یہ ہے: منها الرأي التي ضلت في بواقيها الاتقيما و ذلت الاقدام اني وجدت بعضهم يزعم ان

بناء الخلاف بين أبي حنيفة و الشافعي على هذه الأصول المذكورة في كتاب البزدي و نحوه، وإنما الحق أن

أكثرها أصول مخرجة على أقوالهم۔ انتہی۔

(۳) حنفیہ کے یہاں اصول کی اکثر متعارف کتابوں کا مافہ و پیشتر ہی بزودی کی کتاب ہے۔

احادیث غیر معمول بہ ٹھہرا دی جاتی ہیں ذکر کر کے لکھتے ہیں^(۱)۔

”یہ قاعدے کلام ائمہ سے بطور تخریج کے جو خود محتمل خطا ہے، نکالے گئے ہیں اور ان کا امام صاحب اور ان کے دونوں شاگردوں سے مروی ہونا صحیح نہیں۔ اور یہ کہ ان قاعدوں کی پابندی کرنا اور پھر متقدمین کے دوسرے طرز عمل و استنباطات سے جو ان پر اعتراضات وارد ہوتے ہیں، ان کے جواب میں تکلف کرنا جیسا کہ بزدوی وغیرہ کرتے ہیں، اس کے خلاف کی پابندی پر کوئی ترجیح^(۲) نہیں رکھتا۔“

اس کے بعد شاہ صاحب نظیر کے طور پر ان قواعد کا جو منشاء تخریج ہے یعنی جن مسائل کے طرز استدلال کو دیکھ کر وہ قواعد تخریج کیے گئے ہیں، اور پھر جو دوسرے مسائل ان قواعد کے مناقض ہیں۔ اور پھر فقہاء کا ان کے جواب میں تکلفات کرنا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

”اس قسم کے قواعد اور بہت ہیں، جو تحقیق کرنے والے پر پوشیدہ نہیں ہیں۔“

پھر اس قسم کے متاخرین کے نکالے ہوئے ہونے پر نہ یہ کہ وہ متقدمین سے منقول ہیں۔ شاہ صاحب نے دو دلیلیں بھی بیان کیں۔ اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں^(۳): ”اور بعض نے اصول

(۱) عبارت: ”وعندي أن المسئلة القائلة بالبح وأمثال ذلك أصول مخرجة على كلام الأئمة أنها لا تصح بها رواية عن أبي حنيفة وصاحبه أنه ليست المحافظة عليها والتكلف في جواب ما يورد عليها من صنائع المتقدمين في استنباطاتهم كما يفعل البزدوي وغيره أحق من المحافظة على خلافها والجواب عما يورد عليها انتهى۔“

(۲) یعنی ممکن ہے کہ جن مسائل کی مخالفت سے ان کے اصول مسمد و اعتراض پڑتے ہیں، ہم ان مسائل کے موافق ان اصول کے خلاف دوسرے اصول قائم کریں اور پھر جن مسائل کے موافق انہوں نے اصول قائم کئے۔ ان مسائل کا ویسے ہی جواب دیں جیسے یہ دیتے ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ انہیں اصول کو جن کو انہوں نے اپنے اجتہاد کے موافق بتوسط بعض مسائل کے قائم کیا ہے، پابندی کی جائے، اور انہیں کو واجب الاعتقاد سمجھا جائے۔

(۳) عبارت یہ ہے: ”و منهم من كثر القيل والقال في أصول الفقه واستبط كل لأصحابه قواعد جدلية۔“

فقہ میں قیل وقال کی کثرت کی، اور ہر ایک نے اپنے اصحاب مذہب کے لئے جو جس کا مقلد ہے، قواعد جدیدیہ مستنبط کئے۔ اور عقد الجہید میں فرماتے ہیں^(۱)؛

”خلاصہ یہ کہ اوائل میں اصول منضبط نہ تھے بلکہ ان کے کچھ طرز عمل تھے، جن کی طرف وہ اپنے پیدائشی سلیقہ کی مدد سے رجوع کرتے تھے۔ پھر ایک قوم نے ارادہ کیا کہ ان کے طرز عمل کو مسلسل بیان کریں، خواہ انہوں نے اس کو مفصل بیان کیا ہو یا اس کی طرف اشارہ کیا ہو یا ان کے مسائل سے استخراج کر کے نکالا گیا ہو۔ گو خود انہوں نے اس کو ذکر نہ کیا ہو۔ اور پچھلوں کی عقلوں نے اکثر ان کے طرز عمل کو قبول کر لیا۔ پھر وہ ان میں امور مسلمہ ٹھہر گئے۔“ ملخصاً۔

الحاصل بہت سے اصول فقہ کے قواعد اپنے اپنے مذہب کے مسائل کے بالتمتع مرتب کئے گئے اور پھر وہ لازمی اصول اور امور مسلمہ قرار پا گئے اور چونکہ یہی قواعد دلائل سے مسائل کے استخراج کا ذریعہ ہوتے ہیں اور انہیں کے مطابق نصوص میں تطبیق و تفسیق عمل میں آتی ہے اور انہیں کی رو سے نصوص کا معمول بہ اور غیر معمول بہ ہونا معلوم ہوتا ہے، اور ان قواعد کی رو سے اپنے مسائل تو موافق معلوم ہوتے ہی تھے، اس لئے کہ انہیں کے تابع تو وہ قواعد تھے۔ لہذا اپنے مسائل (پر بنا ایسے قواعد کے جن میں تبدل و تغیر کا وہم نہ تھا) ہمیشہ قرآن و حدیث کے موافق اور اپنے سے خلاف مسائل مخالف معلوم ہوتے رہے۔ اور انہیں قواعد کی بنا پر بہت سی احادیث متروک اور^(۲)

(۱) عبارت یہ ہے: وبالجملة فكانت صنائع اندفعوا إليها بسليقتهم المخلوقة فيهم فأراد قوم أن يسردوا صنائعهم التي ذكروها مفصلة في كتبهم أو أشاروا إليها في ضمن كلامهم أو خرجت من صنائعهم وإن لم يذكروها وتلفت عقول الخلف أكثر صنائعهم بالقبول لما جيلوا عليه من السليقة في مثل ذلك ثم صارت أمور مسلمة فيما بينهم انتهى۔

(۲) جیسا کہ حدیث مصراۃ اس اسقاط سہم ذوی القربی میں کیا گیا۔ چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں: ”یہ لائق نہیں کہ کسی حدیث کو یا کسی اثر کو جس پر قوم نے اتفاق کیا ہو کسی ایسے قاعدے کے سبب سے جس کو خود اس نے یا اس کے اصحاب نے استخراج کیا ہے رد کر دے۔ مثل حدیث مصراۃ کے رد کرنے اور سہم ذوی القربی کے ماقلا کر دینے کے۔ کیونکہ ---“

غیر معمول بہ ٹھہرتی رہیں۔

پس اس قسم کے قواعد بھی فقہاء کے اپنے مسائل کی غلطی پر متنبہ ہونے کے سدا راہ رہے، لہذا فقہاء نے جان کر اپنی مخالفت حدیثوں کو ترک نہیں کیا بلکہ یہ اصول جن کی صحت ان کے دلوں میں عقیدہٴ ثابت تھی اس کے باعث پڑے۔

صرف یہی نہیں، فن اصول کے متعلق بھی باتیں اور بھی ہیں، جو اس کا باعث ہو گئیں۔ اول یہ کہ بعض وہ قواعد جو بعض ائمہ نے ابتداء زمانے میں قرار دیے تھے اور پھر زمانہ مابعد کی دوسرے ائمہ کی تحقیقات سے وہ ناقابل اعتماد ثابت ہوئے۔ مثلاً مرسل و منقطع حدیث سے احتجاج، جیسا کہ تم پہلے معلوم کر^(۱) چکے ہو۔ ان سابق الذکر ائمہ کے مقلدین نے ان قواعد کو ترک نہ کیا بلکہ وہ انہیں پر قائم رہے۔ اس وجہ سے احادیث کا اخذ و ترک ان میں اس طور پر وقوع میں آیا کہ ویرانہ ہونا چاہئے تھے۔

اجماع کے دعووں کی حقیقت:

دوسرے اجماع کی توسیع اور اس کو اس کی حد^(۲) پر قائم نہ رکھنے نے غلطی میں ڈال دیا۔ فقہاء نے بس اوقات جہاں ان کے علم میں کسی مسئلہ کی بابت کسی کا خلاف نہ معلوم^(۳) ہوا یا کوئی

--- اپنے نکالے ہوئے قاعدے سے حدیث کی رعایت واجب تر ہے۔ انتہی۔ (ص: ۱۶۴، حجة اللہ)۔

(۱) دیکھو ص: ۲۵۵۔

(۲) یہ بات اصل میں نفس الاصول کی بابت نہیں ہے بلکہ اصول کی خلاف ورزی میں داخل ہے لیکن کسی قدر مناسبت کی وجہ سے یہاں پر لکھ دی۔

(۳) جیسا کہ صاحب ہدایہ نے منع قرأت ممتدئی پر اجماع صحابہ کا دعویٰ کر دیا۔ حالانکہ کتنے صحابہ مثل حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) وغیرہ سے منع تو درکنار حکم قرأت فاتحہ کا منقول ہے اور رہا منع تو منع کی صحیح روایت بمثل دو چار صحابہ سے مل سکتی ہے پھر اجماع کیسا؟

بات^(۱) بحضور ایک جماعت صحابہ کے وقوع میں آئی اور ان میں کسی سے انکار منقول معلوم نہ ہوا۔ اجماع کا دعویٰ کر دیا اور جب ان کے خیال میں اجماع قائم ہو گیا تو اس کے مخالف نصوص کو کسی نہ کسی طریق سے ناقابل عمل ٹھہرا دیا۔ حالانکہ اجماع کا معلوم ہونا ایک نہایت دشوار^(۲) گزار امر ہے۔ امام احمد صاحب نے کیا خوب فرمایا جو شخص اجماع کا دعویٰ کرے وہ کاذب ہے۔ لیکن فقہاء نے اس کو آسان خیال کر لیا اور کثرت سے اس کے وقوع کا دعویٰ کیا۔ جہاں جہاں اس قسم کے مسائل میں انہوں نے اجماع کا دعویٰ کیا، ان میں یا خود خلاف ثابت ہے یا وہ دعویٰ محض کسی ضعیف بنا پر ہے، مگر انہوں نے اس پر اعتماد کر لیا۔ جس کے سبب سے آزاد تحقیق میں روک پیدا ہو گئی اور وہ بطریق راست مخالف دلائل کو نہ دیکھ سکے۔ امور اس قسم کے اور بھی ہیں لیکن ہم بغرض اختصار اتنے ہی پر بس کرتے ہیں۔ غرض کتنے اسباب و وجوہ ایسے پیش آئے جن کے باعث سے فقہاء ان مخالف مسائل میں جن اہل حدیث کو خلاف صحیح طور پر حدیث کے ساتھ کار بند ہونے سے معذور رہے۔

(۱) اس قسم کا اجماع استدلال کے مواقع پر فقہاء کے کلام میں بہت دیکھا گیا مثلاً: صاحب ہدایہ خیاریہ میں لکھتے ہیں: کان ذلک بمحضر من الصحابة محشی صاحب لکھ رہے ہیں: ولم ينكر أحد فکان إجماعاً۔ اور مثلاً زنجی کا قصہ طحاوی پیش کر کے لکھتے ہیں: کان ذلک بمحضر من الصحابة ولم ينكر منهم أحد۔ صاحب لمعات نے اس سے اجماع کا دعویٰ کر کے حدیث قلعین کو رد کر دیا۔ اور مثلاً حدیث فاطمہ بنت قیس کے غیر مقبول ٹھہرانے کو صاحب نور الانوار لکھتے ہیں: قد قال ذلک عمر بمحضر من الصحابة فلم ينكر أحد فکان إجماعاً علی أن الحدیث مستنکر حالانکہ ایسی باتوں سے کہیں اجماع ثابت ہوتا ہے۔ علامہ مقرئ اپنے قواعد میں کیا خوب لکھتے ہیں: حذر الباصحون من أحادیث الفقهاء وإجماعات المقلدین۔ یعنی ”صحیحیت کرنے والوں نے فقہاء کی احادیث اور مقلدین کے اجماع کے اعتبار کرنے سے منع کیا ہے۔“

(۲) اس لئے کہ اجماع نام ہے تمام مجتہدین امت محمدیہ (علیہم السلام) کا ایک وقت میں کسی امر دینی پر اتفاق کر لینے کا۔ اگر ایک بھی خلافت ہوگا تو اجماع منعقد نہ ہوگا۔ دیکھو نور الانوار و توضیح تلویح۔ اور امت محمدیہ اقطار و جوانب ہفت اقلیم میں منتشر ہے، اس کے سارے مجتہدوں کا اور پھر ان کے کسی بات پر متفق ہونے کا علم ہونا محال عادی ہے۔ امام احمد صاحب کا یہ قول مکتب اصول میں مذکور ہے۔

عذر یار د کا جواب:

پس کسی مسئلہ کی بابت جب کہ وہ ٹھیک طور پر دلائل سے ثابت ہو جائے یہ عذر پیش کرنا کہ اگر یہ مسئلہ اس طرح ہوتا تو یہ تمام فقہاء ضرور اس کے قائل ہوتے کوئی وجہ وجہ نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ ایک مناظرہ اس شبہ کا جواب یوں بھی دے سکتا ہے کہ حنفیہ جو کہ بمقابلہ شافعیہ کے اپنے مسائل کو اصح اور ارجح و موافق دلائل شرعیہ ثابت کرتے اور ان کے مسائل کو مخالف و نادرست بتاتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہو تو اس کی کیا وجہ ہے کہ شافعیہ میں اس قدر بڑے بڑے علماء اور متبحر فقہاء و محدثین گزرے ان کو ان مسائل کا مخالف ہونا معلوم نہ ہوا۔ کیا وہ سب کے سب بے دین یا بالکل کج فہم یا جاہل تھے جو انہوں نے ان مخالف و نادرست مسائل کو چھوڑ نہ دیا۔ فہما ھو جو انکم فہم ھو ابنا اسی طرح مثلاً حنفی مذہب کے اکابر فقہاء جو ایک دوسرے کا بعض مسائل^(۱) میں سخت خلاف کرتے اور دوسرے^(۲) فریق کی بڑے زور کے ساتھ تغلیط کرتے ہیں تو فریق دوم کا کوئی شخص جب کہ اس کے سامنے فریق اول

(۱) مثل مسئلہ وجوب عشاء یا غدا یا کھوکھیری وغیرہ۔ بڑے بڑے نامور فقہاء کا اس میں باہم اختلاف ہے اور مثل مسئلہ طہر حنیہ خروج بصلعہ علامہ بروعی اور امام ابو منصور ماتریدی اور امام نسفی صاحب کنز اور شیخ الاسلام ترمذی صاحب تہذیب اور صاحب شرح وقایہ اور علامہ شرنبلالی اور صاحب ہدایہ اور بہت سے دیگر اکابر حنفیہ اس کی فرضیت کے قائل نہیں اور مثل علامہ کرخی اور زملعی اور صاحب درمختار اور صاحب ہدایہ اور بہت سے دیگر اکابر حنفیہ اس کی فرضیت کے قائل نہیں اور مثل مسئلہ نقصی وضو بعض فقرہ صاحب ہدایہ اور صاحب شرح وقایہ وغیرہم اس سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں اور صاحب نہایہ و صاحب غایۃ البیان اور صاحب فتح القدیر اور صاحب بزاز یہ وضو ٹوٹ جانے کے قائل ہیں۔ اور مثل مسئلہ جواز وضو بمقتا طراز درخت۔ صاحب ہدایہ اور صاحب شرح وقایہ اور صاحب محبتی وغیرہم جواز کے قائل ہیں اور صاحب بحر اور صاحب مہر اور صاحب فنیۃ اور صاحب علیہ وغیرہم عدم جواز کے۔ اس قسم کے مسائل فقہ میں صد ہائیں۔ نظیر کے طور پر یہ چند مسئلے ہم نے ذکر کر دیئے۔

(۲) اسی طرح علماء دیوبند جو کتنے امور کو شرک و بدعت بتاتے ہیں، جن کے دیگر فریق کے بے شمار اور بڑے بڑے نامور علماء جن میں بہت سے علماء حرمین بھی داخل ہیں، عامل اور مجوز ہیں تو یہ تمام علماء بحیا بالکل جاہل اور محند فہم ہیں، جو ان کو ان امور کا شرک و بدعت ہونا معلوم نہیں ہوتا بالکل بے دین ہیں کہ باوجود منع سمجھنے گئے بھی نہیں چھوڑتے فہما ھو۔۔۔

اپنے دلائل و وجوہ اور دوسرے فریق کی غلطی کا اظہار کرے۔ اگر کہے کہ ہمارے اصحاب بھی بڑے پایہ کے ذی علم اور بہت ہی دقیق النظر محقق تھے وہ ان دلائل و وجوہ کو خوب سمجھتے تھے۔ اگر یہ صحیح ہوتے تو کبھی وہ ان کا خلاف نہ کرتے تو اس کا کیا جواب ہو گا وہی جواب ان فقہاء کی بابت بھی دیا جاسکتا ہے۔ الحاصل جن مسائل کو اہل حدیث مخالف حدیث بتاتے ہیں۔ ان پر فقہاء کے قائم رہنے سے ان مسائل کا مخالف حدیث نہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا اور نہ یہ بات دراصل کچھ تعجب خیز ہے۔ پس کسی امام کا کوئی مسئلہ جب حدیث رسول (ﷺ) کے خلاف ثابت ہو جائے تو اس مسئلہ پر قائم رہنے اور حدیث رسول (ﷺ) کے قبول نہ کرنے کی صحت کی کوئی ذرا سی بھی وجہ نہیں۔ بلکہ ایسا کرنا سخت غلطی ہے یہ اول بات ہے جس میں اہل حدیث کو مقلدین سے خلاف ہے اور بڑا اصرار ان کو اسی میں ہے۔

اختلافی مسائل میں تحقیق کی ضرورت:

دوسری بات یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں کہ آدمی اختلافی مسائل میں آنکھ میچکر صرف اپنے امام کی رائے پر جس کی وہ تقلید کرتا ہے، قانع ہو کر بیٹھ رہے اور دوسرے ائمہ کے اختلاف رائے اور ان کے اقوال کی بالکل پروا نہ کرے، بلکہ چاہیے کہ اپنی وسعت بھر تحقیق کرے اور کتاب و سنت پر پیش کر کے دیکھے جس کا قول قرین قیاس ہو اسی کو اختیار کرے۔ تو ضیح اس کی یہ ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ مقصود بالذات تابعہ داری اللہ و رسول (ﷺ) کی ہے اور کسی عالم کے قول کی پیروی

--- جو ابکم فہو جو ابنا۔ اسی طرح ہم فریق مقابل سے کہیں گے کہ یہ تمام بڑے بڑے علماء دیوبند جو کتنے امور کو شرک و بدعت ٹھہراتے ہیں اور تم ان کا شرک و بدعت ہونا تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کو محب و سنت کہتے ہو اگر یہ صحیح ہے تو کیا سب کے سب جائز ہیں یا ایسے بدوین ہیں کہ دینی امور کو شرک و بدعت کو ٹھہراتے ہیں اور ذرا بھی ان کے جی میں اللہ کا ڈر نہیں۔ فہما ہو جو ابکم فہو جو ابنا۔

م شروع ہونے کی کوئی وجہ ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (ﷺ) کا حکم ہم کو بتاتے ہیں تو جب اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کا حکم بتانے والوں میں بعض مسائل کی بابت اختلاف ہوا۔ ایک کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یوں ہے، دوسرا کہتا ہے یوں نہیں بلکہ یوں ہے۔ اور مسلم ہے کہ اختلاف کی صورت (۱) میں حق عند اللہ ایک ہی ہوتا ہے۔ پس نفس الامر میں صحیح بات ایک ہی کی ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ ایک عالم اور بے علم کا مقابلہ ہو کہ بے تامل ایک جانب حق کی تعیین کر لی جائے بلکہ وہ سب ہی کے سب بڑے بڑے مجتہد اور ہمارے پیشوا ہیں۔

الترام تقلید شخصی کا نتیجہ لازمی:

لیکن کوئی اجتہادی خطا کے احتمال سے معصوم نہیں ہے بلکہ ہر ایک کے قول میں خطا کا احتمال لگا ہوا ہے اور مانا گھیا ہے کہ حق ان میں دائر ہے نہ یہ کہ کسی ایک کی بابت فیصلہ کر دیا گیا ہو کہ اس کے تمام اقوال بالکل صحیح اور درست ہیں۔ پس ہم کو کسی طرح لائق نہیں کہ ہم آنکھ بند کر کے کسی ایک کے پیچھے ہو لیں۔ اور جہاں جہاں اور مجتہدوں نے جو اسی کے ہم پلہ یا اس سے بڑھ کر ہیں

(۱) رد المحتار حاشیہ در مختار میں در مختار اس قول کے تحت میں کہ ”مذہب ہمارا صواب محتمل خطا ہے۔“ لکھتے ہیں: ”اس لئے کہ اگر قطعاً اپنے مذہب کو صحیح کہہ دیا جائے تو یہ (مسلم) مقول کہ ”مجتہد سے خطا بھی ہو جاتی ہے اور صواب بھی“ صحیح نہ رہے گا۔ پس ہم یقین نہیں کر سکتے کہ ہمارا مذہب (بمقابلہ مذہب امام شافعی وغیرہ کے) صواب ہی ہے اور نہ یہ کہ ہمارے مخالف کا مذہب خطائی ہے، بنا بر اس مختار کے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر مسئلہ میں ایک ہی معین ہوتا ہے (نہ ہر دو) جس کی تلاش واجب ہے تو جو اس کو پہنچ گیا وہ مصیب ہے اور جو نہ پہنچا وہ مخفی ہے اور (یہ بات خود) ائمہ اربعہ سے بھی منقول ہے۔ انتہی۔ آگے جا کر لکھتے ہیں: ”پس ممکن نہیں ہے کہ یقین یا ظن کر لیا جائے کہ وہ صواب ہی پر ہے بلکہ مقلد کو لازم ہے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ جس طرح اس کے امام نے کہا ہے احتمال ہے کہ وہ حق ہو (نہ یہ کہ وہی حق ہے) انتہی (ص: ۳۶، مقدمہ) در مختار اور اس کی شرح رد المحتار حقیقہ کے ہاں بڑی مستند بحثاں ہیں، دیکھو جو ہم نے لکھا اکابر حقیقہ اور ائمہ متبوعین کیسی صاف صاف اس کی تصریح کرتے ہیں۔ پس باوجود ان سب باتوں کے تحقیق سے کنارہ کش ہو جانا اور صرف اپنے مالک کے اقوال پر ہٹ کر ناکہی بیجا بات ہے۔“

خلاف کیا ہے۔ ان اختلافی مسائل میں ارجح کی تلاش اور اللہ اور رسول کے کلام کے ساتھ مطابقت قول کی تحقیق کا قصد نہ کریں۔ اگر ہم یہ تحقیق نہ کرنے کا طرز عمل اختیار کریں تو گویا ہم نے ان کو معصوم (۱) سمجھ لیا۔ اور مجتہد نہیں بلکہ نبی قرار دے لیا۔ یا اپنے مقصود اصلی اللہ و رسول کے حکم کی اتباع کو چھوڑ دیا۔ اور اس عالم کے اتباع کو مقصود بالذات ٹھہرا لیا (۲)۔ حالانکہ ایسا کرنا شرک میں داخل ہے۔ **إِن الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ** پس ضرور ہے کہ اپنی کوشش بھراختلافی مسائل میں ارجح اقوال کی تلاش کرے اور تحقیق کو کام میں لائے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ ناکامیاب رہا اور ایسے قول پر قائم رہا جو نفس الامر میں راجح نہیں تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ مقصود اصلی کی تلاش میں لگا رہا۔ اور اپنے فرض منصبی کو ادا کر چکا لہذا وہ ملزم نہیں بلکہ معذور ہے۔ **لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا**۔

تحقیق راجح کے لئے زیادہ علم ضروری نہیں:

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دو مختلف قولوں میں راجح معلوم کرنے کے لئے اس قدر علم درکار نہیں (۳) جس قدر اس شخص کے لئے ضروری ہے جو اپنے اجتہاد خاص سے ایک مسئلہ پیدا کرے

(۱) معصوم نہیں سمجھا تو صرف انہیں کی رائے پر اطمینان کر کے کیوں بیٹھ رہے۔

(۲) کیونکہ اگر اللہ و رسول (ﷺ) ہی کے حکم کی تابعداری مقصود اصلی تھی تو اس کے حکم اور بتانے والوں سے کیوں اعراض کیا گیا اور صرف ایک ایسے شخص کے جملہ اقوال پر جس کی رہنمائی میں احتمال خطا بھی ہے کیوں حصر و قناعت کر لی گئی۔

(۳) چنانچہ فقہاء متاخرین برابر امام صاحب اور ان کے شاگردوں کے اقوال میں سے بعض قولوں کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں اور کسی کو صحیح اور کسی کو غیر صحیح اور کسی کو مضبوطی پر اور کسی کو غیر مضبوطی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کو مسلم ہے کہ ہم ان کے برابر علم نہیں رکھتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرجح کے لئے اس قدر علم کی ضرورت نہیں جس قدر صاحب مذہب کے لئے اور یہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ ایک معمولی فن شاعری میں واقفیت رکھنے والا دو بڑے ائمہ فن کے کلام میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دیتا ہے

گو خود وہ ایسا کلام موزوں نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ایک معمولی فن کتابت سے واقف دو بڑے خوش نویسوں کے خط میں ایک کو دوسرے سے بہتر اور خوش تر جانا سکتا ہے۔ گو وہ خود دیرانہ لکھ سکے۔ اسی طرح ایک شخص جس کو فن طب میں ایک حد تک دہل

ہے وہ اعلیٰ درجے کے طبیبوں کے قول میں سے جب کہ وہ کسی مریض کے مرض کی تشخیص میں اختلاف

بلکہ ایک فی الجملہ لیاقت و استعداد کا آدمی بھی جانین کے دلائل و وجوہات دیکھنے اور سننے اور تتبع اور تحقیق کرنے کے بعد ایک جانب کی ترجیح پر غلبہ ظن حاصل کر لیتا ہے^(۱)۔

شاہ صاحب عقد الجدید میں اس قول کے رد میں کہ جو شخص آلات اجتہاد کا جامع نہ ہو اس کو اپنے مذہب کے خلاف حدیث پر عمل جائز نہیں کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ وہ حدیث منسوخ یا مآول ہے یا محکم ہے، جو اپنے ظاہر پر محمول ہے لکھتے ہیں^(۲) :

--- کریں دونوں کے وجوہ سننے کے بعد ایک کو صحیح تر اور قرین قیاس کہتا ہے، حالانکہ وہ ان کا علم نہیں رکھتا۔ الحاصل اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ دو مختلف قولوں میں سے ایک قول کو صحیح تر معلوم کرنے کے لئے کچھ بڑے درجے کا عالم ہونا کہ درجہ اجتہاد ہی کو پہنچا ہوا ہو ضرور نہیں۔ گو اس میں شبہ نہیں کہ اگر مرجع فریقین سے علم ہو تو وہ ترجیح بہت ہی با وقعت و وزنی ہے، مگر نفس ترجیح بغیر اس کے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱) اس سے اس شبہ کا جواب بھی سمجھ میں آ سکتا ہے جو کہا گیا ہے کہ ”ترجیح و تنقیہ مجتہد ہی کا کام ہے کیونکہ ترجیح بلا حائلہ دلائل کے نہیں ہو سکتی اور حائلہ دلائل کا اور علم ناسخ و منسوخ وغیرہ کا مجتہد ہی کو ہوتا ہے۔“ کیوں کہ جب ایک متوسط درجہ کا عالم نے فریقین کے بیان کردہ دلائل کو جو کہ تسلیم ان کے دلائل کو محیط تھے دیکھ لیا تو اس مسئلہ میں جملہ دلائل کا اس کو علم ہو گیا اور مخالفت اور موافق کے دلائل کو جو فریقین نے اپنی اپنی معلومات کے زور سے اور تمام کوشش سرف کر کے پیش کئے اس نے جان لیا اس کے علاوہ وسیع العلم محدثین نے اپنی تصانیف میں اصول اولہ حدیث کو جمع کر دیا اور ایک ایک مسئلہ کو لے کر اس کے متعلق جو موافق اور مخالفت حدیثیں مل سکیں ذکر کر دیں پس جس نے ان مجموعوں کو دیکھ لیا وہ گویا ان دلائل کے احاطے میں انہیں وسیع العلم ائمہ کی برابر واقفیت رکھنے والا ہو گیا۔ رہے بار یک بار یک استنباط اور لطیف استدلال اول تو وہ بھی جو پہلے علماء کو سونپے متون اور شروع میں مذکور ہیں۔ دوسرے وہ ہمیشہ افکار علماء بار یک بین کے نتیجہ سے پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان کا احاطہ کسی طرح مشروط نہیں ہو سکتا علاوہ بریں احاطہ تو ان ائمہ کرام کو بھی نہ تھا جن کے اجتہاد سے کسی کو بھی انکار نہیں جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا۔ اور کچھ تحقیقات اس کے متعلق آگے بھی آتی ہیں۔

(۲) عبارت یہ ہے: وفي المسئلة قول آخر وهو أنه إذا لم يجمع آلات الاجتهاد ولا يجوز له العمل على الحديث بخلاف مذهبه لأنه لا يدري أنه منسوخ أو مأول أو محكم محمول على ظاهره ورد بأنه أن عدم اليقين ينفي هذه الاحتمالات فالمجتهد أيضا لا يحصل له اليقين بذلك وإنما ينبغي أكثر أمره على غالب الظن وإن أراد أنه لا يدري ذلك بغالب الرأي منعاه في صورة النزاع لأن المبحر في المذهب المتبع لكلام القوم الحافظ من الحديث والفقه بجملة محمولة صالحة كثيرا ما يحصل له غالب الظن ---

”یہ قول رد کر دیا گیا ہے اس وجہ سے کہ اگر یہ مطلب ہے کہ اس کو ان احتمالات کے رفع کا یقین حاصل نہیں ہوگا تو یقین مجتہد کو بھی نہیں حاصل ہوتا بلکہ اس کا اکثر مدار کا بھی صرف ظن غالب پر ہوتا ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ وہ اس بات کو غالب رائے کے ساتھ بھی نہیں معلوم کر سکتا۔ تو ہم اس کو معجوت عنہ صورت میں تسلیم نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ جو مذہب میں ماہر ہے اور کتابوں کی تتبع کرتا رہتا ہے اور ایک معتد بہ مقدار حدیث و فقہ کو یاد رکھنے والا ہے، بہت مرتبہ اس کو ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے کہ فلاں حدیث نہ منسوخ ہے اور نہ کسی ضروری تاویل کے ساتھ مافول ہے۔ اور بحث تو اسی صورت میں ہے کہ جب یہ ظن حاصل ہو جائے۔“

علم حدیث معراج کمال تک:

یہ تو تم پہلے ہی سن چکے ہو کہ فن حدیث^(۱) اپنے کمال کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر نہایت واضح روشن ہو گیا۔ اور علماء محدثین نے اس کی تکمیل و تنقیح میں یہ یہ کوششیں کیں کہ اس کی ہر شاخ اور ہر فن میں علیحدہ علیحدہ اور مستقل کتابیں لکھیں اور اس کے تمام متعلقات کو کھول کر ظاہر و صاف کر دیا۔ محدثین

--- بأن الحديث غير منسوخ ولا ماؤل بتاويل بحسب القول به وإنما البحث فيما حصل له ذلك۔

انتهی۔ ص: ۶۰۔

(۱) چنانچہ در مختار اور رد المختار کا قول پہلے ہم نقل کر چکے (دیکھو، ص: ۶۸) یہاں پر ہم عبارت بھی نقل کئے دیتے ہیں۔
(در مختار) العلوم ثلاثة علم نضج وما احترق وعلم لا نضج ولا احترق وعلم نضج واحترق وهو علم الحديث۔ انہی ملخصاً (رد المختار) المراد بنضج العلم ثفرر قواعده وتفریع فروعه وتوضیح مسائله والمراد باحتراقه بلوغه النہایة فی ذلك۔ قوله علم الحديث لأنه قد تم المراد منه وذلك لأن المحدثین حراهم الله تعالیٰ غیر او ضیعوا کتباً فی أسماء الرجال ونسبهم والفرق بین اسمائهم وبنو اسماء الحفظ منهم وفاسد الروایة من صحیحها ومنهم من حفظ المایة ألف والثلاث مائة وحصرها من روی عن النبی (ﷺ) من الصحابة وبنو الأحکام والمراد منها فانکشف حقيقة طحطاوی۔ انتهى۔

نے جب احادیث کی تدوین کی تو صرف یہی نہیں کیا کہ ان کو با احتیاط تمام لکھ دیا بلکہ ہر حدیث کو مع اس کے سلسلہ اسناد کے کہ جس سلسلہ سے ان کو پہنچی تھی بشرح و تفصیل اس کے تمام راویوں کے لکھا اور راویوں کے شناخت کرانے کے لئے ان کا نام اور ان کی کنیت اور ان کے باپ اور ان کا وطن اور قبیلہ سب کچھ بتایا۔

پھر اسماء الرجال ایک فن علیحدہ مرتب کر کے اس میں ہر ایک راوی کا پورا پورا حال لکھا اور اس کے استادوں اور اس کے شاگردوں کی تفصیل اور اس کا سن ولادت و وفات وغیرہا اور اس کی صدق و امانت و دیانت وغیرہ کی اصلی کیفیت جہاں تک ان کو تحقیق ملی، درج کی۔ تاکہ ہر ایک راوی اور اس کی روایت کردہ حدیث کا درجہ اعتبار ہر ایک کو اندازہ ہو سکے۔ اگرچہ ان تحقیقات اور نیز ان امور کی تفصیل کے بعد جن پر احادیث کی تصحیح و تضعیف کی بنا ہے، احادیث معتبرہ و غیر معتبرہ کا جان لینا، بہت آسان تھا لیکن انہوں نے اس پر بس نہ کیا بلکہ اکابر محدثین نے عوام کے نفع اور ان پر آسان کرنے کے لئے خود ہی احادیث کو ممتاز بھی کر دینے کی کوششیں کیں۔

پس کسی نے اس التزام سے کتاب تالیف کی کہ اس میں وہی حدیثیں درج کریں گے جو معتبر اور صحیح ہوں^(۱)۔ تاکہ ہر کوئی بے دھڑک ان پر عمل کر سکے اور پھر اس تصحیح میں صرف اپنی ذاتی تحقیقات پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ دیگر مبصرین سے بھی اتفاق رائے حاصل^(۲) کیا اور زمانہ مابعد کے مبصرین بھی برابر ان کی تنقید کر کے ان کے ساتھ متفق رائے ہوتے رہے۔

اور کسی نے جب احادیث ذکر کیں تو وہیں پر ان کی صحت و ضعف کا حال بھی لکھ دیا۔^(۳)

(۱) مثل صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ صحیح ابن خزيمة۔ صحیح ابن حبان۔ مختارہ للمحققین۔ صحیح ابن أبي عاصم۔ صحیح ابن

السکون۔ مستقی لابن الجارود وغیرہ۔

(۲) امام بخاری کا قصہ ہم اوپر لکھ چکے۔ دیکھو ص: ۶۶۔

(۳) مثل جامع ترمذی۔ سنن دارقطنی۔ مجمع الزوائد للمحققین۔ بلوغ المرام لابن حجر العسقلانی وغیرہ اور۔۔۔

اور کسی نے وہ احادیث جو دو روز مانے میں پیدا ہو گئی تھیں علیحدہ جمع کر دیں^(۱)، تاکہ ان کے اختلاط سے عوام کو اشتباہ نہ ہو، بلکہ وہ ہر قسم کی احادیث کو آسانی کے ساتھ ممتاز پائیں۔

کسی نے عوام کے واسطے عمل میں آسانی پیدا کرنے کی غرض سے احکام کا علیحدہ انتخاب کر دیا^(۲)۔ اور اپنی بحث کو انہیں احادیث پر مقصور رکھا جو کہ احکام سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ہر ہر^(۳) حدیث کو لے کر اس کی صحت و ضعف کی خصوصیت کے ساتھ تحقیقاتیں کیں اور حدیث کے ساتھ اس کے مؤید یا اس کے معنی حل کرنے والی جو دوسری احادیث تھیں ان کو بھی ذکر کر دیا اور پھر اگر کوئی اس کے معارض تھی، تو اس کا بھی ذکر کر کے اور وجہ توفیق یا ترجیح بیان کر کے بات کو صاف^(۴) کر دیا۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے فقہ حدیث سے خاص طور پر بحث کی۔ حدیثوں کے لئے ترجمہ باب مقرر کئے اور ان سے مسائل مستفاد کر کے لوگوں کو ان کے ساتھ متنبہ کیا اور بعض ائمہ نے تو اس عالی بحث میں بہت بڑا حصہ لیا اور فقہ حدیث میں^(۵) نہایت وسیع وسیع بحثیں لکھیں اور

--- بعض کے اسامی آئندہ حواشی میں آتے ہیں۔

(۱) مثل المقاصد الحسنة للسكاوي۔ المآلی المصنوعة لسيوطي۔ موضوعات ملا علی قاری۔ فوائد مسموعة للشوكاني وغیرہ۔

(۲) مثل سنن ابی داؤد۔ سنن نسائی۔ سنن ابن ماجہ۔ منتخب شیخ ال اسلام عبد السلام الحرانی۔ کتاب الأحكام للشیخ احمد بن

عبد اللہ الطبری جامع الأحكام لابن الحرانی اور جو حاشیہ آئندہ میں آتے ہیں۔

(۳) مثل کتاب التحقيق لابن الجوزي۔ تحقیق التحقيق للامام عبد الحمادی۔ کتاب الأحكام للمحقق عبد الحق ال شیبلی۔ تخریج ہدایۃ

للمحقق الزیلعی تلخیص الحییر لابن حجر العسقلانی۔ بلوغ المرام۔ دلائل الأحكام لابن شداد الحلبي وغیرہ۔

اور بعض کا نام پہلے مذکور ہو چکا اور بعض کا اگلے حاشیہ میں آتا ہے۔

(۴) مثل کتاب ال امام۔ کتاب ال امام کلاہما للامام ابن دقیق العید۔ اتذکار شرح مؤطا۔ تمہید شرح مؤطا۔ کلاہما

للمحقق ابن عبد البر۔ کتاب الأذکار۔ شرح مصابیح للعلاء۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ نووی شرح صحیح مسلم۔ بل

السلام۔ نیل الأوطار وغیرہ۔

(۵) جن احادیث میں بظاہر تعارض تھا، محدثین نے عوام کے رفع اشتباہ کے لئے ان کی تعلیق میں مستقل۔۔۔

ایک ایک حدیث لے کر بیسیوں اور سینکڑوں مسئلے استنباط اور ثابت کر دیئے اور لوگوں کے لئے ایک بے بہا نعمت تیار کر کے چھوڑ گئے اگرچہ اکثر ان کتابوں میں بھی حدیث منسوخ پر تنبیہ موجود تھی۔ لیکن ایک گروہ^(۱) نے مزید تسکین اور اطمینان کے لئے منسوخ حدیث سے علیحدہ بحث کی اور ان کے تمیز کرادینے کے لئے اس میں مستقل کتابیں لکھیں۔ پھر فہم معانی میں آسانی کر دینے کے واسطے نادر الفاظ کی تحقیق اور مشکل جملوں کی شرح میں علیحدہ کتابیں^(۲) مرتب کیں۔ غرض کہ محدثین نے فن حدیث کو روز روشن کی طرح صاف و ظاہر کر دیا۔ اور پیغمبر صاحب (ﷺ) کے اس ارشاد کو پورے طور پر دکھا دیا۔ ”لَقَدْ تَوَكَّلْتُكُمْ عَلَىٰ مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلَهَا كَنَهَارُهَا لَا يَزِيغُ عَنْهَا إِلَّا هَالِكٌ“^(۳) (یعنی بے شک میں نے تم کو چٹیل میدان کی طرح روشن اور صاف دین پر ڈال کر چھوڑا ہے جس کی

--- کتابیں لکھیں ہیں۔ مثل اختلاف الحدیث للامام الشافعی، ویاوئل مختلف الحدیث لابن قتیبہ وغیرہ۔

(۱) مثل إمام محمد قرظی، علامہ ابو بکر عقیلی، احمد بن اسحاق انباری، ابو جعفر الخاس، ابو بکر ابن العربی، ابو داؤد سجستانی، ابو بکر محمد بن موسیٰ عازی، ابو القاسم بن حربہ اللہ، ابو حفص بن شایبہ بغدادی، امام قشیری محمد بن محمد اصفہانی، امام ابن الجوزی وغیرہم۔ ان صاحبوں نے ناسخ منسوخ حدیث میں مستقل کتابیں لکھیں۔ عازی کی کتاب الاعتبار جو ابھی طبع ہو کر شائع ہوئی ہے، بہت خوب کتاب ہے۔

(۲) مثل غریب الحدیث للامام ابی عبیدہ متوفی ۲۲۴ھ۔ غریب الحدیث و مشکل الحدیث لابن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ۔ غریب الحدیث للعلامة ابی بکر الانباری متوفی ۳۲۷ھ۔ غریب الحدیث لابن عبیدہ الخروزی متوفی ۴۰۱ھ۔ تحذیب غریب الحدیث للخطیب البغدادی متوفی ۵۰۲ھ۔ الفائق للمختصری متوفی ۵۳۸ھ۔ مجمع الغرائب لعبد الغافر متوفی ۵۴۷ھ۔ مجمع الغرائب لابن اسماعیل القاری متوفی ۵۴۹ھ۔ مشارق الانوار للقاسمی عیاض متوفی ۵۴۴ھ۔ نہایت لابن الاثیر الجزیری متوفی ۶۰۶ھ۔ جمل الغرائب للقاسمی بیان الحق العیسیٰ بوری، تہذیبات، مجمع البحار وغیرہ۔ چونکہ تحقیق لغت و شرح محاورات مجرد سماع پر مبنی ہے۔ اور اس کے لئے بالخصوص حدیث و قرآن کے بیان معنی میں قدیم زمانے کی زبان معتبر ہے۔ اس وجہ سے ہم نے ان امر کی تاریخ بتادی تا کہ معلوم ہو جائے کہ ان الفاظ کی شرح بیان کرنے والے پر اسے زمانے کے لوگ ہیں یا وہ جنہوں نے انہیں کتابوں سے اخذ کیا۔ پر اسے زمانے کے لوگوں نے جو محاورات وغیرہ بیان کئے مزید احتیاط اس کے ساتھ انہوں نے اس کی سندیں بھی لکھی ہیں۔

(۳) أخرجه ابن أبي عاصم في كتاب السنة وإسناده حسن۔

رات بھی دن ہی کی طرح روشن ہے اب سے وہی پہلے گا، جو تباہ کار ہوگا۔) محدثین نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ انہوں نے ہر قسم کے آدمی پر آسان کر دینے کے لئے مطول کتابوں کو مختصر کیا۔ اور مبسوط بیانات کی تلخیص کی تاکہ جس کو خلاصہ بات معلوم کرنا ہو۔ وہ مختصرات کو دیکھ لے اور جس کو مع وجود و شرح دیکھنا ہو وہ مبسوط کتابوں کی طرف رجوع کرے۔ الحاصل انہوں نے کوئی عذر و حیلہ کسی کے لئے حدیث میں اشتباہ پیدا کرنے اور اس کے قبول نہ کرنے کا باقی نہ چھوڑا۔ پس کسی طرح خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اوسط درجے کا علم والا جب وہ قرآن و حدیث کی رو سے کسی مسئلہ کی تحقیق کرنا چاہے اس کو اس میں ظن غالب حاصل نہ ہو سکے۔

ایک عذر لنگ:

لیکن افسوس ہے کہ مقلدین کو اس پر بھی انکار ہے اور وہ اب بھی کہتے ہیں کہ ہم حدیث کو سمجھ نہیں سکتے حالانکہ وہ حدیث پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اور حدیث کو اپنے امام کے موافق بنانے کے وقت اور ان کے مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے بڑے سمجھ دار ہو جاتے ہیں اور بڑی گرم جوشی کے ساتھ طرح طرح سے اس حدیث کے معنی جو مخالف ہے اپنے امام کے غیر مخالف بناتے ہیں۔ لیکن اگر حدیث پر عمل کے لئے کہا جائے تو یہ عذر ہے کہ ہم سمجھ نہیں سکتے۔ علامہ محمد حیات مدنی کیا خوب فرماتے ہیں: (۱)

”بہت سے ان میں کے جب کہ ان سے کہا جاتا ہے تم حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتے تو وہ حدیث کے نہ سمجھنے کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں حالانکہ وہ اپنی فضیلت کے مدعی ہیں اور حدیث پڑھتے پڑھاتے ہیں اور جس کی تقلید کرتے ہیں اس کے لئے استدلال کرتے ہیں اور یہ بڑے

(۱) عبارت یہ ہے: و کثیر منهم من يدعي عدم فهم الحديث إن قيل له لم لا تعمل بالحديث مع ادعائه الفضيلة

و تعليمه و تعلمه استدلاله لئمان قلده و هذا من أغراب الغرائب۔ انتہی۔ مافی تحفة الأنام۔

تعجب کی بات ہے۔“

لیکن اگر وہ اپنے دل میں انصاف کریں اور ہم اللہ تعالیٰ کو اس بارے میں حکم گردانتے ہیں تو کبھی اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ جب وہ دو مختلف قولوں کے دلائل و وجوہات سنتے اور دیکھتے ہیں تو ان کے ذہن میں ضرور ایک جانب کی ترجیح کی بابت ظن غالب قائم ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ اس مذہب کی تخصیص سے جس کے نام لینے والوں میں وہ پیدا ہوئے ہیں قطع نظر کر کے نظر تحقیق سے احادیث کو دیکھیں تو ضرور وہ بہت سے مسائل میں اپنے مذہب کے خلاف رائے قائم کر سکتے ہیں۔ وہ خود اللہ علیہم و آلہم و سلم کو حاضر و ناظر سمجھ کر اپنے جی میں اس کا فیصلہ کریں کہ آیا وہ اس کی سمجھ رکھتے ہیں یا نہیں، اور فریقین کے دلائل دیکھنے اور تحقیق کرنے کے بعد ان کے ذہن میں ایک بات کی ترجیح سمجھ میں آتی ہے یا نہیں۔ {بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝ وَلَوْ أَلْفَىٰ مَعَادِيرَهُ} (بلکہ انسان اپنے نفس پر خود شاہد ہے گوا اپنے عذر کیا کرے۔) (۱)

اجتہاد اور اس کی آسانی:

بہر حال اس میں شک نہیں کہ دو مختلف قولوں میں سے وجوہ و دلائل سننے کے بعد ایک کو ترجیح دینے کے لئے کسی متعسر الحصول اور بہت وسیع مقدار علم یا درجہ اجتہاد کے حاصل ہونے کی ضرورت نہیں۔ پس یہ خیال ہرگز صحیح نہیں کہ حدیث کا سمجھنا اور اس سے دلیل پکڑنا یا اس کے ذریعہ سے امام کے مسئلہ کو رائج یا غیر رائج معلوم کرنا یا کسی مسئلہ میں امام کا خلاف کرنا، مجتہد کا کام ہے۔ بغیر درجہ اجتہاد تک پہنچے ہوئے کسی کو یہ منصب حاصل نہیں۔ اس کے علاوہ اجتہاد بھی کوئی ایسا منصب نہیں ہے جو نبوت کی طرح ختم ہو گیا ہو جیسا کہ عوام الناس کے خیالات میں سمایا ہوا ہے کہ اب وہ کسی کو حاصل ہی نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی شبہ نہیں کہ وہ پہلے زمانے کی بہ نسبت زمانہ مابعد میں بہت سہل ہو گیا

(۱) سورۃ القیامۃ: ۱۳-۱۵۔

اور اس کا حاصل ہونا نہایت آسان ہو گیا۔

اجتہاد کے لئے جن علوم^(۱) کی ضرورت ہے، ان کا ذکر تم پہلے سن چکے ہو۔^(۲) وہ علوم سارے کے سارے بعد کے زمانوں میں نہایت میسر الحصول ہو گئے اور محقق اور مدون ہو کر اپنے وضاحت و تنقیح کے درجہ اعلیٰ پر پہنچ گئے۔ قرآن مجید کی دس پانچ نہیں بلکہ صد ہا تفسیریں مرتب ہو گئیں۔ حل معانی۔ بیان المشکل۔ استنباط مسائل تو ضیح۔ شان نزول۔ تحقیق ناسخ و منسوخ ہر قسم کے ضروری مسائل پر بلکہ ضرورت سے زائد بڑی بڑی مبسوط بحثیں اور تنقیحیں کی گئیں اور کرنے والے یہ سارے عملی خزانے اپنی اپنی تصنیفات میں ودیعت رکھ کر چمکھلوں کے لئے چھوڑ گئے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے مزید تفسیر کے لئے آیات احکام کو علیحدہ کر کے جن سے مجتہد و مسائل کو تعلق ہے ان کی مستقل تفسیریں^(۳) لکھ دیں۔

(۱) اجتہاد کے لئے جو علوم اور جوان کی مقدار ہم پہلے عقد الجہید سے نقل کر چکے ہیں۔ وہی اصول کی کتابوں میں بھی مذکور ہیں۔ دیکھو تلویح و توضیح وغیرہ۔ اور ہدایہ میں ہے: وفي حد الاجتهاد كلام عرف في أصول الفقه حاصله أن يكون صاحب حديث له معرفة بالفقه ليعرف معاني الآثار أو صاحب فقه له معرفة بالحديث لتلايه يستغل بالقياس في المنصوص عليه۔ انتہی۔ یعنی ”اصول فقہ میں اجتہاد کی تعریف جو مذکور ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مجتہد وہ ہے جو صاحب حدیث ہو اور فقہ سے آگاہی رکھتا ہو تا کہ روایات کے معنی جان سکے۔ یا صاحب فقہ ہو اور حدیث سے آگاہی رکھتا ہو تا کہ منصوص میں قیاس نہ کر بیٹھے۔“ اس سے ثابت ہوا کہ اجتہاد کے لئے فقہ میں مہارت اور حدیث میں فی الجملہ دخل یا حدیث میں مہارت اور فقہ میں فی الجملہ دخل کافی ہے۔ اس سے تم کو ہمارے اس بیان کے سمجھنے میں بھی مدد مل سکتی ہے جو پہلے لکھ چکے۔ (دیکھو: حاشیہ) کہ اجتہاد کئی طریق کا ہوتا ہے اور عموماً انہی کے مجتہد ہونے سے اس کا کثیر الحدیث ہونا یا فن حدیث میں ماہر ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۲) دیکھو ص: ۱۳۔

(۳) جن اصحاب نے آیات احکام کی تفسیریں علیحدہ لکھیں یا احکام قرآن کو تالیف کیا، ان میں سے بعض اصحاب کے نام نامی یہ ہیں: امام شافعی۔ شیخ ابوالحسن۔ علی بن حجر سعیدی۔ قاضی ابواسماعیل بصری۔ شیخ ابوالحسن قمی۔ امام طہادی۔ شیخ ابو محمد قرطبی۔ شیخ ابو بکر جصاص رازی۔ کبائر اسی بغدادی۔ قاضی ابو بکر ابن العربی۔ شیخ عبدالمنعم نرطالی۔ شیخ ابو محمد مکی۔ —

اسی طرح احادیث کے ساتھ بھی کیا گیا۔ ایک^(۱) ایک کتاب اس فن میں ایسی ایسی مفید

--- شیخ ابو بکر بن ہاشم۔ ملا جیون صاحب انیسٹھویں رنواب صدیق حسن خان صاحب قنوجی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

(۱) محمد شین کے عظیم الشان کارنامے:

اس موقع پر ہم شاہ صاحب کے اس کلام کے ترجمہ کو جو انہوں نے اہل حدیث اور ان کے علمی کارناموں میں ذکر کیا ہے لکھتے ہیں، اس سے تم کو اس بات کی اور نیز جو پہلے مذکور ہوا اور بعض مضامین جو آگے آتے ہیں ان کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں: ”پھر (محمد شین نے) کے طبقہ اولیٰ کے بعد (اللہ تعالیٰ نے) ایک اور جماعت کو پیدا کیا تو انہوں نے اپنے اصحاب (طبقہ اولیٰ) کو دیکھا کہ وہ جمع احادیث اور اہل حدیث کے طریقہ پر تمہید فقہ کے بوجھ کے لئے کافی ہو گئے (یعنی وہ اس کو انجام دے سکے) تو اب یہ لوگ دوسرے فنون کے لئے فارغ ہو گئے۔ مثلاً ان احادیث صحیحہ کا تمیز کرنا جن پر اکابر محمد شین مثل زید بن ہارون اور سبکی بن سعید قکان اور احمد اور انحق وغیرہم کا اجماع ہو۔ اور مثلاً ان احادیث احکام کا جمع کرنا جن پر مختلف شہروں کے فقہاء (مجتہدین) اور علماء بلاد نے اپنے مذاہب کی بنیاد رکھی ہے اور ہر حدیث پر (صحیح و ضعیف وغیرہ کا) جس کی وہ مستحق تھی، حکم لگانا اور نادر اور اکاذب احادیث کا جن کو اوائل نے روایت نہ کیا تھا، جمع کرنا یا ان کی ان مندوں کا جن مندوں سے اوائل نے روایت نہ کیا تھا، فراہم کرنا جن میں کچھ مطالب علمیہ ہیں۔ اس گروہ کے لوگ بخاری اور مسلم اور ابوداؤد اور عبد بن حمید اور دارقمی اور ابن ماجہ اور ابویعلیٰ اور ترمذی اور نسائی اور دارقمی اور حاکم اور بیہقی اور خطیب اور دہلوی اور ابن عبد البر وغیرہم ہیں اور میرے نزدیک ان سب میں وسیع تر علم کی رو سے اور نافع تر تصنیف میں اور مشہور تر نام میں چار شخص ہیں۔ زمانے میں (بھی) قریب اور سب میں اول ابو عبد اللہ بخاری ہیں، ان کی غرض تھی احادیث صحیحہ متسلک کا جو بہت بہت سی مندوں سے مروی ہیں، چن لینا اور پھر احکام اور غیر صاحب (علیہ السلام) کے حالات اور تفسیر (قرآن) کا ان سے استنباط کرنا۔ پس انہوں نے اپنی جامع صحیح (بخاری) کو تصنیف کیا اور جو شرط کی تھی اس کو پورا کر دیا اور ہم کو خبر پہنچی ہے کہ صاحبین میں سے ایک شخص نے رسول (ﷺ) کو خواب میں دیکھا کہ آپ (ﷺ) فرماتے ہیں۔ تجھ کو کیا ہو گیا کہ تو محمد بن ادریس (شافعی) کی فقہ میں مشغول ہے اور میری کتاب چھوڑ دی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی کون کون کتاب ہے۔ فرمایا صحیح بخاری (امام شافعی کے مذہب کی بابت صحیح بخاری کے مقابلے میں کہ جو صحیح بخاری کی احادیث کے ساتھ بہ نسبت حنفی مذہب کے بہت زائد موافق ہے حتیٰ کہ بخاری کو شافعی مذہب اور صحیح بخاری کو شافعی مذہب کی کتاب کہہ دیا گیا یہ ارشاد ہوا تو حنفی مذہب کی بابت اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے اور میں قسمیہ کہتا ہوں کہ صحیح بخاری شہرت اور قبول کے اس درجہ پر پہنچی کہ اس سے زائد ارادہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرے مسلم نیشاپوری ہیں، انہوں نے قصد کیا ان احادیث صحیحہ کی تجرید کر دینے کا جن کی صحت پر محمد شین کا اتفاق ہو اور مرفوع متصل ہوں جن سے مسائل شرعیہ استنباط کئے جاتے ہوں اور انہوں نے احادیث کا (سمجھنے میں بھی) ذہنوں سے قریب کر دینا اور استنباط مسائل کا ان سے سہل کر دینا چاہا۔ پس انہوں نے اس کو بہت خوبی سے ترتیب دیا اور ہر ---

اور جامع لکھی گئی کہ اس کی بابت کہا گیا کہ بس وہ مجتہد کے لئے کافی ہے۔ پھر محدثین نے ایک ایک

--- حدیث کی تمام روایات کو ایک جگہ جمع کر دیا تاکہ متون احادیث (میں اگر الفاظ) کا (کوئی) اختلاف (ہے تو وہ) اور اسنادوں کا شاخ و رشاخ ہونا واضح تر طریقہ سے ظاہر ہو جائے اور مختلفات کو جمع کیا۔ پس عربی زبان جاننے والے کے لئے کوئی عذر حدیث سے کسی دوسری چیز کی طرف (مثل رائے و تقلید کے) رجوع کرنے کا نہ چھوڑا۔

تیسرے ابو داؤد سجستانی ہیں، ان کا ارادہ ہوا، ان احادیث کے جمع کرنے کا جن سے فقہاء نے استدلال کیا اور وہ ان میں متہ اول ہوئیں اور علماء بلاد نے ان پر بناء احکام رکھی۔ پس انہوں نے اپنی سنن (سنن ابی داؤد) تصنیف کی اور اس میں حدیث صحیح اور حسن لیں (ذرا ضعیف) اور قابل واسطے عمل کے جمع کیں۔ ابو داؤد نے فرمایا، میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں کی جس کے ترک پر اجماع ہو اور جو ضعیف تھیں، ان کے ضعف کو ظاہر کر دیا، اور جس میں کچھ علت تھی اس کی علت کو ایسے طریقے سے بیان کر دیا کہ اس فن میں گھسنے والا پہچان جائے۔ اور ہر حدیث کے لئے وہ ترجمہ مقرر کیا جو کسی عالم نے اس کو اس حدیث سے استنباط کیا اور کسی مذہب والے نے اس کو اختیار کیا تھا اور اسی واسطے عربی نے صاف کہہ دیا کہ ابو داؤد کی کتاب مجتہد کے لئے کافی ہے۔

چوتھے ابو عیسیٰ ترمذی ہیں اور گویا انہوں نے طریقہ شیعین کو (بھی) پسند کیا کہ انہوں نے ظاہر کر دیا اور مبہم نہیں چھوڑا۔ اور طریقہ ابو داؤد کو (بھی) کہ ہر حدیث کو جس کی طرف کوئی گھیا ہے جمع کر دیا تو ترمذی نے دونوں طریقوں کو ملا دیا اور بیان مذاہب صحابہ اور تابعین اور مجتہدین بلاد کو اس پر اور مزید کیا۔ پس ایک جامع کتاب جمع کر دی اور لطافت کے ساتھ طرق حدیث کا اختصار کیا تو ایک طریق کو ذکر کر کے اور طرق کی طرف اشارہ کر دیا اور ہر حدیث کا حال بیان کر دیا کہ وہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف ہے یا منکر ہے اور وہ ضعف کو بھی بیان کر دیا کہ غالب اپنے کام میں بصیرت کے ساتھ رہے۔ پس تمیز کر لے اس کو جو اعتبار کے لائق ہے، اور جو اس سے کم ہے۔ اور یہ بھی بیان کر دیا کہ یہ کثیر الاستاد ہے یا غریب ہے۔ اور جس کے نام بتانے کی ضرورت تھی اس کا نام بتا دیا اور جس کی کیفیت کی ضرورت تھی اس کی کیفیت بتائی اور جو افراد علم میں سے ہے اس کے لئے کوئی پوشیدگی نہیں چھوڑی۔ اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ وہ مجتہد کے لئے کافی ہے۔ اور مقلد کو (تقلید سے) بے پروا کرتی ہے۔ انتہی۔ (حجۃ اللہ ج: ۱، ص: ۱۵۶)

حنفی مذہب کی بنیاد حدیث پر بہت کم ہے :

شاہ صاحب کے اس قول سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

اول: یہ کہ تمام مشہور ائمہ اور ان کے مذہب کے دلائل جن پر ان کی بنا ہے، جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں، انہیں کتب حدیث میں مذکور ہیں۔ اور چونکہ کتب حدیث میں وہ احادیث جن پر حنفی مذہب کے اختلافی مسائل کی بنا ہے بہت کم ہیں۔ یا غیر معتبر ذریعہ سے ثابت ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ حنفی مذہب کا بھتی بہ نسبت دوسرے مذاہب کے حدیث پر کم ہے۔ جس کی بڑی وجہ بانی مذہب کا بہت سی احادیث پالنے سے بوجہ مذکور معذور رہنا ہے۔ -----

(۱) حدیث کو لے کر اس کے ہر ہر پہلو کے متعلق بڑی بڑی بسیط شرحیں اور تحقیق لکھیں۔ اس سے جس قدر مسائل و احکام خود ان سے یا ان سے پہلوں سے مستفاد ہو سکے ان کو تفصیل و اریحہ بیان کر دیا۔ اگر اس میں کوئی اشکال یا اشتباہ تھا اس کو بھی کھول دیا اور پھر جابح مذاہب صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین کے بھی بیان کر دیئے اور ہر ایک کے دلائل اور وجوہ استنباط بھی بتا دیئے جو بچائے خود حصول درجہ اجتہاد کے لئے کافی ہے۔ غرض وہ ایک بے پایاں انمول دولت کما کر آئندہ نسلوں کے بلا مشقت حاصل کر لینے کے لئے چھوڑ گئے (۲)۔

اسی طرح فن اصول جو مجتہد کے لئے دشوار گزار و تاریک منازل طے کرنے کے واسطے بمنزلہ مشعل کے ہے، وہ پچھلے زمانوں میں چھن کر کیسا منفتح اور مکمل ہو گیا اور اس میں قیاس و استنباطات کے تمام طریقے کھول کر واضح کر دیئے۔

--- دوسرے: ان کے جو کچھ دلائل ہیں، وہ یہی ہیں جو ان کتابوں میں مذکور ہیں۔ پس کسی محال مسئلہ کے پیش ہونے پر یہ خیال کرنا کہ شاید کوئی اور حدیث ان کی دلیل ہوگی، بجز ایک خیال غامض ہے اور کچھ نہیں۔
تیسرے: ان کتابوں میں کی ایک ایک کتاب ایسی ہے جو مجتہد کے لئے کافی ہے، نہ کہ جب بھی مل جائیں۔ پس اب اجتہاد میں بہت آسانی ہے۔

چوتھے: محدثین کی ان کتابوں نے تقلید سے مستغنی کر دیا ہے۔

(۱) دیکھو مکتب شروع حدیث اور بعض کا نام ہم پہلے بھی بیان کر چکے اور بعض کا آگے آتا ہے۔
(۲) اس قسم کی کتابوں کے نام ایک جگہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ (دیکھو جاشیہ ص: ۱۰۲) ابھی شاہ صاحب کے کلام اور اس سے پہلے بھی مذکور ہوئے۔ ان کے علاوہ الأوسد کتاب الأشراف۔ کلاماً للعلامة أبي بكر بن المنذر النيسابوري۔ ال ایصال لابن حزم۔ اس میں تمام مشہور مذاہب اور ہر ایک کے دلائل لکھے ہیں۔ اور نفس مذاہب کے بیان میں رحمۃ الامۃ فی اختلاف الامۃ بھی مشہور کتاب ہے۔ امام شعرانی نے ایک کتاب کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ بتالیف کی جس میں دعویٰ کیا کہ کوئی مذہب نہیں جس کی دلیل اس کتاب میں ذکر نہ کر دی ہو۔ گویا انہوں نے تمام مذاہب کا احاطہ کر دیا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس میں محققین کے طریقہ پر صحت اور ضعف سے تعرض نہ کیا بلکہ ہر قسم کی دلیل کو ایک رنگ میں بیان کر دیا جس کے عنوان سے تحقیق پسند راضی نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح فنون عربیت کی تہذیب و تصحیح میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔

متاخر علماء کی فراوانی معلومات:

غرض کہ اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ یہ تمام علوم جن پر مدار اجتہاد ہے وہ سابق کے زمانوں کی نسبت بعد کے زمانوں میں بے حد سہل الوصول اور آسان^(۱) ہو گئے اور پہلے زمانوں کے علماء جو بات بدقت تمام اور اپنی ذاتی کوشش سے اور طویل زمانہ صرف کرنے کے بعد حاصل کر سکتے تھے۔ اب پچھلے زمانے کے اہل علم وہ بات تیار شدہ بہت آسانی کے ساتھ بلا ضرورت صرف مدت زمانہ کے پار ہے ہیں۔ اور پھر ایک عالم کی کمائی نہیں بلکہ ہزار با علماء کی عمر بھر کی نہایت مشقت و محنت کے ساتھ حاصل کی ہوئی کمائی مفت لے رہے ہیں اور اپنی ذاتی تحقیقات علیحدہ۔ بلکہ ایک بعد والے کی ذاتی تحقیقات بھی ایک پہلے عالم کی ذاتی تحقیقات سے مقدار میں زیادہ ہونا چاہئے اور ہوگی ہی اس لئے کہ ظاہر ہے کہ جس قدر اسباب و آلات کی فراہمی اور آسانی ہوگی اسی قدر ثمرے اور نتیجے کی کثرت اور زیادتی ہوگی اور اسباب و آلات کی فراہمی اور آسانی ابھی ثابت ہو چکی۔ لہذا پچھلے زمانے^(۲) میں اوسط درجہ کی سعی کرنے والے عالم کی معلومات کا پہلے زمانے کی حد درجہ^(۳) کی سعی کرنے والے عالم کی معلومات بڑی مشکل سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ گو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ فضل و شرف میں پہلے ہی پیش پیش ہیں۔

(۱) بالخصوص جب سے مطالع ہوئے اور بھی آسانی ہو گئی۔ جو کتابیں پہلے زمانے میں خاص خاص کتب خانوں میں ہوتی تھیں اور ہر مشکل کسی کو دیکھنے کو ملتی تھیں اب عام ہو رہی ہیں۔ چنانچہ جو کتابیں ہنوز طبع نہیں ہوئیں۔ مثلاً صحیح ابن خویمرہ وغیرہ ان کی کمیابی ظاہر ہے اور ان تک پہنچنا اور ان کا دیکھنا کیسا مشکل ہے۔

(۲) جب کہ دونوں کوشش و فہم میں برابر ہوں۔

(۳) چنانچہ پہلے زمانے کے ائمہ کا ہر مشکل قلیل حصہ حدیث کے پانے کا ذکر پہلے پڑھ چکے ہو۔

کیا از مسنہ متاخرہ میں مجتہد نہیں ہوتے؟

مگر مقدار علم و فراہمی معلومات میں پچھلے بڑھ گئے اور یہ بھی کوئی ثابت نہیں کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرار دے لیا کہ پہلے لوگوں کو جس قدر فہم و ذہن عنایت فرمایا تھا۔ پچھلوں کو اس قدر عنایت نہ فرمائے گا۔ جس سے سمجھا جائے کہ پچھلوں سے اجتہاد کی اہلیت منسوخ ہو گئی۔ اور نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ اجتہاد میں جدت کی بھی کوئی شرط نہیں پس کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ پچھلے زمانے کے یہ تمام بڑے بڑے علماء جو فنون حدیث وغیرہ میں بخوبی ذلل و نظر تحقیق رکھتے تھے مجتہد نہ تھے یا پچھلے زمانے میں کوئی درجہ اجتہاد کو نہیں^(۱) پہنچ سکتا۔

(۱) متاخر علماء و مجتہد کیوں مشہور نہ ہوئے؟

جب مذاہب اربعہ کی تقلید شخصی مروج ہو گئی تو اس کا پاس لوگوں پر ایسا غالب ہوا کہ انہوں نے ہر شخص کو گودہ اپنی تحقیق و علم کے لحاظ سے کیسے ہی مالی مرتبہ پر پہنچا ہوا۔ انہیں سلسلوں میں سے کسی سلسلہ میں محصور کرنا چاہا۔ اور انہیں تو مجتہد منتسب ہی قرار دے دیا۔ چنانچہ اس انتساب کی کاروائی کو پہلے کے بعض ایسوں کی بابت بھی جاری کر دیا جن کی طرف سے ذرا بھی اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا لیکن پچھلے زمانے کے تذکرے و طریقات لکھنے والے اپنے خیالات کے موافق ایسا کرتے رہے۔ حالانکہ نفس الامر میں کوئی ضرورت نہیں ہے جو ان کو انہیں میں سے کسی ایک کی طرف انتساب پر مجبور کرتی ہو۔ ایک متاخر زمانے کا بقیہ عالم جس نے ان علوم میں مجتہد مطلق مستقل کے لئے ضروری ہیں۔ ذاتی اطمینان حاصل کیا ہے اور گودہ اکثر مسائل میں زمانہ متقدم کے کسی مجتہد کے موافق ہے لیکن اس کا ذاتی تجربہ و تحقیقات اس درجہ کا ہے کہ وہ ان مسائل کا اس متقدم مجتہد کے بھروسہ پر قائل نہیں ہے۔ بلکہ اگر وہ متقدم نہ ہوتا تاہم وہ ان اصولی و فروعی مسائل تک پہنچ جاتا کوئی وجہ نہیں ہے کہ باعتبار اس کے نفس علم کے اس کو مجتہد مطلق مستقل نہ کہا جائے (بالخصوص جب کہ وہ استقلال و عدم تقلید کا دعویٰ بھی کرے جیسا کہ کتنے علماء سے ثابت ہوایا بعض مسائل اصول و فروع میں رد و بدل بھی کرے)۔ اس قسم کے علماء متاخرین میں بہت ہوئے ہیں۔ لیکن چونکہ اصول و فروع کا معظم حصہ قرون اولیٰ میں مسمد ہو چکا اور چند ائمہ عظام ان کے بانی ہونے کی اور تقدم اور پیش روی کی پوری شہرت حاصل کر چکے۔ لہذا بعد کے آنے والے اکابر علماء گودہ اپنے کمالات علمی اور لیاقت ذاتی میں اسی درجہ کو پہنچے جو ایک مجتہد مستقل کو ہونا چاہئے۔ مگر وہ عام طور پر مجتہد مستقل نہ تسلیم کئے گئے بلکہ اگر بہت کچھ قدر کی گئی تو مجتہد منتسب مانے گئے، جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہی شرع بھی اور وہی دلائل اور وہی مسائل پہلے ہی مرتب ہو چکے۔ پس پچھلے لوگ اگر اپنی ذاتی ہی لیاقت سے اصول و فروع کے مسائل مرتب کریں تو اکثر وہی ہوں گے جو پہلے ہو چکے۔

شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید میں فرماتے ہیں^(۱):

”اجتہاد کی حقیقت جو علماء کے کلام سے معلوم ہوتی ہے، یہ ہے کہ شرعی احکام کو جو کہ فسرعی اعمال کے متعلق ہیں، ان کو ان کے دلائل سے جو کہ قرآن و حدیث و اجماع و قیاس ہیں، جاننے میں کوشش صرف کرنا۔ اجتہاد کی اس تعریف سے معلوم ہوا کہ وہ عالم ہے خواہ یہ کوشش اس حکم کے معلوم کرنے میں ہو جس میں پہلے علماء گفتگو کر چکے ہیں اور اس کو اس کی دلیل سے استخراج کر چکے ہیں یا ایسا نہ ہو بلکہ کوئی نیا مسئلہ ہو اور خواہ یہ شخص پہلوں کی اگر وہ اس میں گفتگو کر چکے ہیں، موافقت کرے یا مخالفت اور خواہ یہ اجتہاد دوسرے کی اعانت سے ہو۔ صورت مسئلہ یا ماخذ و دلیل پر تنبیہ کی بابت یا بلا دوسرے کی اعانت کے ہو پس ایسے شخص کے بارے میں جو اپنے استاد کے اکثر مسائل میں موافق ہے، لیکن وہ ہر حکم کی دلیل جاننا ہے اور اس کا دل اس دلیل کے ساتھ مطمئن ہے اور وہ بصیرت رکھتا ہے، یہ خیال کہ وہ مجتہد نہیں خیال قاسد ہے اور اسی طرح جو یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ان زمانوں میں مجتہد نہیں پائے جاتے۔ اسی خیال کی بنا پر تو یہ قاسد کی بنا قاسد پر ہے اور بالکل ہی غلط ہے۔“

--- لہذا وہ بھی نمایاں ہمت اور کارگزاری نہیں دکھاسکے بلکہ بیشتر پہلوں ہی کے ساتھ موافقت رکھتے تھے اس لئے مجتہد مستقل نہ مشہور ہو سکے بلکہ منتسب شمار ہوئے۔ ہم کو اصطلاح میں بحث نہیں ہے، کچھ بھی مقرر کر لی جائے لیکن باعتبار نفس علم اور اس کے ثمرہ کے زمانہ مابعد میں بکثرت ایسے علماء ہوئے، جو مجتہد مطلق کہے جاسکتے ہیں۔

(۱) عبارت یہ ہے: حقیقة الاجتهاد علی ما يفهم من كلام العلماء استفراغ الجهد في إدراك الأحكام الشرعية الفرعية عن أدلتها التفصيلية الرجعة کلیاتہا إلى أربعة أقسام الكتاب والسنة والجماع والقياس وفهم من هذا أنه أعم من أن يكون استفراغاً في إدراك ما سبق التكلم فيه من العلماء السابقين أولاً وافتقارهم في ذلك أو خالف ومن أن يكون ذلك بإعانة البعض في التنبيه على صور المسائل والتنبيه على ما أخذ الأحكام من الأدلة التفصيلية أو بغير إعانة منه فما يظن في من كان موافقاً لمشيخه في أكثر المسائل لكنه يعترف لكل حكم دليلًا ويطمنن قلبه بذلك الدليل وهو على بصيرة من أمره أنه ليس بمجتهد ظن قاسد وكذلك ما يظن من أن المجتهد لا يوجد في هذه الأزمنة اعتماداً على الظن الأول بناء قاسد على قاسد انتہی۔

غرض کہ یہ خیال غلط اور بالکل غلط ہے کہ پچھلے زمانے میں کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا یا نہیں ہوا۔ بلکہ یہ بھی ایک غلط فہمی ہے منجملہ اور غلط فہمیوں کے جو عوام میں پھیل گئیں اور اہل تحقیق برابر اس کا رد کرتے رہے اور بعض نے اس بارے میں مستقل تالیفیں کیں^(۱) اور کتنے لوگ ہمارے^(۲) پیش نظر ہیں، جنہوں نے دعویٰ اجتہاد کیا اور وہ اہل تھے، اس دعوے کے یاد دہانوں نے ان کو مجتہد مطلق تسلیم کیا۔

زمانہ مابعد میں اجتہاد آسان ہے:

لیکن عوام کو سخت تعجب و انکار ہے کہ ان چند بزرگوں کے بعد جن کو وہ مجتہد کہتے ہیں کسی اور کو مجتہد کہا جائے یا کسی اور کو درجہ اجتہاد پر پہنچا ہوا سمجھا جائے^(۳)۔ یا کوئی عالم مجتہدوں کا سا طرز عمل برتے۔ حالانکہ اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو زمانہ مابعد میں اجتہاد بہت ہی آسان اور سہل ہو گیا۔ اور مشکل تھا تو زمانہ سابق میں تھا تو اس کے تمام موقوف علیہ فنون منتشر اور غیر مدون تھے اور ان کی تھوڑی مقدار پر بھی دسترس ہونا بہت دشوار تھا بخلاف زمانہ مابعد کے کہ ہر طرح سے آسانی

(۱) مثل إرشاد النقاد إلى تيسير الاجتهاد وغيره۔

(۲) مثل امام ابو ثور، علامہ ابن جریر، داؤد ظاہری، علامہ ابن المنذر، قتی بن محمد قرطبی، تاج الدین سبکی، تقی الدین سبکی۔

ابن دین العید، ابو شامہ جلال الدین سیوطی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہم۔

(۳) زمانہ کا عجب دستور:

زمانہ کا عجب دستور ہے کہ عموماً اپنے زمانہ کے صاحب کمال کو قدر و وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اور اس کی بات کو نظر اعتبار سے بالخصوص گزشتہ زمانے والوں کے مقابلے میں گو وہ علمی حیثیت سے بہ نسبت اس کے کم ہوں سنا جاتا ہے۔ اور پھر آدمی گزر کر جوں جوں پرانا ہوتا جاتا ہے اس کا اعتبار بڑھتا جاتا ہے اور جو شخص بہت زمانوں سے مشہور ہو چکا ہے وہ بہت زائد باعتبار اور واجب الاتباع ہے حالانکہ اصابت حق اور بلاغ علم میں نئے پرانے کو کچھ دخل نہیں۔ یہ بات بھی اس غلطی کی جس میں ہمارے فریق مقابل پڑے ہوئے ہیں، ایک بڑی وجہ ہے۔ صاحب درمختار کیا خوب لکھتے: قل لمن لم

ير المعاصر شيئا ويرى لالأوائل تقدما أن ذاك القديم كان حديثا وسبق في هذا الحديث قديما۔

ہوگئی بلکہ ضرورت سے زائد ^{متحقق} محسوس اور شریعی کر دی گئیں۔ اب صرف تھوڑی توجہ ہی کی ضرورت باقی رہی۔ امام ابو شامہ فرماتے ہیں ^(۱):

”پہلے زمانے کے علماء اس حدیث کے چھوڑنے میں جس پر وہ واقف نہ ہوئے معذور تھے۔ کیونکہ احادیث اس زمانہ میں مدون نہ تھیں، بلکہ علماء کی زبان سے حاصل کی جاتی تھیں اور علماء شہروں میں منتشر تھے اور اب اللہ کا شکر ہے کہ یہ عذر احادیث کے جمع ہو جانے کی وجہ سے جو کہ وہ کتابوں میں جمع ہو گئیں جاتا رہا کہ محدثین نے (نہ صرف ان کو جمع کر دیا بلکہ) ان کے علیحدہ علیحدہ باب مقرر کئے اور ان کی الگ الگ قسمیں کیں اور ان تک پہنچنے کے راستہ کو آسان کر دیا۔ اور فقط یہی نہیں بلکہ بہت سی احادیث کا شرح و ارجحیت وضع بھی بیان کر دیا۔ اور ان کے راویوں کی عدالت میں اور جو مجروح تھے ان کی جرح میں اور احادیث معلولہ کی علت میں گفتگو کی۔ غرض کہ انہوں نے کسی طالب کے لئے کوئی عذر باقی نہ چھوڑا۔ اور قرآن کی تفسیر کی۔ اور قرآن و حدیث کے مشکل لفظوں اور ان کی فقہ مسائل مستخرجہ میں اور جو امور ان سے متعلق تھے سب کے بارے میں بڑی بڑی اور متعدد تصنیفوں میں بحثیں کیں۔ پس سمجھدار ذہین سچی طلب والے کے لئے سامان

(۱) عبارت یہ ہے: قد كانت العلماء في الصدر الأول معذورين في ترك ما لم يقفوا عليه من الحديث لكون الأحاديث لم تكن حينئذ فيما بينهم مدونة إنما كانت تتلقى من أفواه العلماء وهم يتفلقون في البلدان وقد زال ذلك العذر والله الحمد بجمع الأحاديث المجمع بها في كتب يربوها وقسموها وسهلوا الطريق إليها وبينوا ضعف كثير منها وصحته وتكلموا في عدالة الرجال وجرح المجروح منهم وفي علل الأحاديث ولم يدعوا للمستعمل ما يتعلل به وفسروا القرآن وتكلموا في غريبها وفتيحها كل ما يتعلق بهما في مصنفات عديدة جليلة والآلات متهيات لذي طلب صادق وذكاء وفطنة وكذلك اللغة والصناعة العربية كل ذلك فقد حرمه أهلها وحققوه فالتوصل إلى الاجتهاد وبعد الجمع والنظر في الكتب للمعتمدة إذا رزق الإنسان الحفظ والفهم ومعرفة اللسان أسهل منه قبل ذلك۔ انتهى۔ (دیکھو: مجموعہ الرسائل المنبرية ص: ۳۰، ۳۱ ج: ۳، ۳۲ ج: ۳)۔

سبب تیار ہے۔ اسی طرح لغت اور فن عربیت کو ان کے جاننے والوں نے تحریر و تحقیق کر دیا۔ پس کتب معتمدہ کے جمع کرنے اور ان کے دیکھنے کے بعد جب کہ آدمی کو فہم و حافظہ اور معرفت زبان عربی کی حاصل ہو درجہ اجتہاد تک پہنچنا پہلے زمانے کی بہ نسبت سہل تر ہے۔“

غرض کہ علم اجتہادی کسی ایسے علم کا نام نہیں ہے، جو ان درسی کتابوں سے باہر ہو، جو آج کل پڑھی پڑھائی جاتی ہیں، یا ان کا ایک اوسط درجے کے سمجھ دار کے لئے جس نے اپنی طرح علوم آریہ صرف و نحو وغیرہ فنون ادبیہ و علم اصول اور تفسیر و حدیث و فقہ کو حاصل کیا ہے، اور انہیں کتابوں کو سمجھ کر پڑھا پڑھایا ہے جو عموماً درس میں ہیں اور ان کے لواحق کا مطالعہ کیا ہے، حاصل ہونا کچھ مستبعد ہو بشرطیکہ وہ قصد کرے اور دلائل کے ساتھ مسائل کی تطبیق میں ذاتی اطمینان حاصل کرے۔

تجامل عارفانہ یا حرماں نصیبی؟

پس فریق مقابل کے ان علماء سے سخت تعجب ہے جن میں کوئی حالت منظمہ و بجز قصد و توجہ کے باقی نہیں ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو کیسے خواہ مخواہ بے علم بتا کر مستحق تقلید ٹھہراتے ہیں^(۱)۔ باوجودیکہ وہ ذہانت و طباعی و استقلال رائے کا یہ حصہ رکھتے ہیں کہ اگر معقولات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو فیثا غور و بقرط و سقراط و ارسطو و افلاطون و ابوعلی بن سینا کے کلام میں بھی اصلاحیں دیتے ہیں

(۱) چنانچہ انتصار الحق میں بھی جو کہ سرمایہ ناز مقلدین ہے لکھتے ہیں: ”جس کو دلیل حکم کی لاریب واضح ہو جائے اور وہ نہیں ہے مگر مجتہد غایۃ الامر یہ ہے کہ بر تقدیر تخری اجتہاد کے مجتہد فی بعض الاحکام ہو گا لیکن مقلد من حیث المقلد کو دلیل باریب نہیں کہنتی ورنہ مقلد نہ رہے گا (ص: ۱۰۳)۔“ اور لکھتے ہیں: ”راقم الحروف کہتا ہے جو شخص کہ اس کو تتبع احادیث اور اقوال مخالفہ اور موافقہ مجتہدین کا اس قدر ہو کہ حدیث منسوخ و معارض وغیرہ اور غیر منسوخ وغیرہ میں تمیز تمام کر لے اور معانی نصوص مع شرائط معتبرہ معرفت بخوبی پہچانے تو وہ شخص بھی زمرہ مجتہدین میں داخل ہے۔ اگرچہ مجتہد مطلق نہ ہو اس لئے کہ مجتہد فی بعض المسائل کو جاننا متعلقات اس مسئلہ کا جس میں یہ مجتہد قرار پائے واسطے تحقیق اجتہاد کے کافی ہے۔ اور جامع ہونا جمیع شرائط اجتہاد کا ضروری نہیں۔ انتہی (ص: ۱۳۵)۔“

اور منقولات کی طرف رخ کرتے ہیں تو اپنے مسلک اور اپنے مذہب کے اثبات اور اس کے لئے استدلال میں عجب عجب باریک بینیاں اور موثکافیاں دکھاتے ہیں اور ہر مسئلے کی دلیل^(۱) دینے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے مخالف فریق میں بڑے بڑے ائمہ مثل امام شافعی اور امام بخاری وغیرہم کے استدالات و استنباطات میں طرح طرح سے غلطیاں نکالتے ہیں اور ایک ایک مسئلہ میں

— علماء مقلدین کی تحقیقات پر موروئی اثرات:

جو لوگ اپنے ائمہ کے مسائل کے لئے استدلال کرتے اور نسخ و منسوخ و معانی و نصوص سے بحث کرتے ہیں اگر وہ اس ادراک کو نہیں پہنچتے تو پھر وہ کیوں ایسا کرتے ہیں اور اگر پہنچ گئے تو پھر اپنے لئے مدعی تقلید کیوں ہوتے ہیں اور پھر اس صورت میں ان کو تقلید کی کیا ضرورت اور تنقید اقوال و ترجیح مذاہب سے کیا عذر ہے۔ اگر وہ یہ دعوے کریں کہ ہم نے تنقید دلائل اور ترجیح کے بعد اختیار کیا اور اسی کو رائج پایا تو اول عموماً یہ بات خلاف واقع ہے۔ وہ خود جی میں انصاف کریں کہ آیا انہوں نے ایسا کیا ہے یا نہیں کھنی باللہ شہید ابنی و بینکم۔ بلکہ ابتداء ہی سے بحث و استدلال کا دروازہ کھولا تو اپنے مذہب کی جس پر پیدا ہوئے نصرت اور تائید اور دوسرے کی تعلیط سے بسم اللہ کی۔ اور جنہوں نے ایسا نہیں کیا ان سے ہم کو بحث بھی نہیں۔ دوسرے اگر ہر ایک نے تحقیق و تنقید کے بعد اختیار کیا تو یہ بات کسی طرح یقین کرنے کے قابل نہیں ہے کہ جو لوگ حنفی گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں، ان کی تحقیق میں باوجود یکہ و آذائے تحقیق کرتے ہیں وہی مسائل حق و صحیح نظر آتے ہیں جو حنفی مذہب کے ہیں اور جو شافعی گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں ان کو شافعی مذہب کے اور جو مالکی گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں ان کو مالکی مذہب کے جو بعض مواقع پر انداز طبع و انتقال ذہن کا اثر بھی ہوتا ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے۔ لیکن اس بات کے باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ہر شخص وہی انداز طبع لے کر پیدا ہوتا ہے گو وہ کیسا ہی محتقانہ طریقہ پر تے جس سے اس کی تمام تحقیق کا نتیجہ وہی پیدا ہوتا ہے جو اس امام کا مذہب ہے جس کے نام لینے والوں میں یہ پیدا ہوا اور اس کو اسی امام کے ساتھ توارف ہوتا ہے جس کے مذہب کا نام اس کے باپ دادا لیتے رہے اور کبھی و کبھی ایسے خاندان میں پیدا ہوا ہوتا جو شافعی المذہب ہیں تو اس کی تمام تحقیقات کا وہ نتیجہ ہوتا جو شافعی مذہب ہے اور اصل میں یہ کچھ نہیں بلکہ عموماً جو جس مذہب والوں میں پیدا ہوئے ہیں وہ اسی کے دلداد میں اور اسی کی تائید و تصحیح میں اپنی لیاقتوں اور علمی طاقتوں کو خرچ کرتے ہیں نہ یہ کہ تمام ائمہ کرام کو علی السو یہ اپنا رہنما اور مبلغ احکام شرعیہ سمجھتے اور سب کے اقوال کو کالان لگا کر سنتے اور جب وہ ائمہ کسی مسئلہ میں آپس میں مختلف ہوتے تو رائج اور اولیٰ کی تلاش عادلانہ نظر سے کرتے اور اگر کوئی ایسا کرتے ہیں تو ان سے ہم کو خلاف بھی نہیں و قلیل ماہم۔

(۱) گو اندرونی حالت ان دلائل اور استدلال کی کیسی ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایک ضعیف یا غلط بات کے ثابت کرنے کے لئے زیادہ ذہانت اور صرف علم کی ضرورت ہے۔ جب وہ یہ کر سکتے ہیں تو براہ راست استدلال اور صحیح طور پر مسئلہ کو بہت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، اگر اپنے مذہب کی پاسداری سے خالی الذہن ہو کر حق کو دیکھنا چاہیں۔

رسالے کے رسالے لکھ ڈالتے ہیں اور قرآن و حدیث و قیاس و استنباط سے ہر طور پر استدلال کرتے ہیں اور فریق مقابل کے ساتھ بحث و مناظرہ کو تیار ہوتے ہیں^(۱) حالانکہ یہ کام خود علم اجتہادی کے ہیں۔ پس کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں کہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ بیچارے بے علم و معذور اور تقلید محض کے اہل ہیں اور تحقیق حق اور تنقید دلائل کی لیاقت نہیں رکھتے۔

اس کے سوا اہل اصول وغیرہم صاف لکھ رہے ہیں کہ ہر قسم کا استدلال یا دلیل سے مسئلہ کا سمجھ لینا مجتہد پر موقوف نہیں جو بات مجتہد کے ساتھ مختص ہے وہ صرف قیاس ہے اور بعض بہت خفی قسم کی دلائل نہ ہر قسم کی دلالت۔ چنانچہ ابن الہمام تحریر الاصول میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”دلالت النص^(۲) اس بات میں قیاس سے غیر ہے کہ قیاس مجتہد کے ساتھ مخصوص ہے اور دلالت النص کو عوام بھی سمجھتے ہیں۔“ اسی کے قریب قریب توضیح اور بعض دیگر کتب اصول میں بھی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دلالت النص کا سمجھنا مجتہد کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عوام بھی اس کو سمجھتے ہیں۔ جب دلالت النص کا یہ حال ہے تو اشارۃ النص اور عبارت النص کو جو اس سے بھی ظاہر ترین بدرجہ اولیٰ عوام سمجھ سکتے ہیں۔ پس نص کا سمجھنا اور اس سے دلیل پکڑنا مجتہد کے ساتھ مخصوص نہ رہا۔ علامہ^(۳) بہاء الدین مرجانی ایک مقلد کے رد میں کیا خوب لکھتے ہیں: ”اور وہ بات جو ہمارا مخاطب بناوٹ کرتا اور

(۱) للہی مناظرہ کی علامات:

امام غزالی للہی مناظرے کی علامات میں لکھتے ہیں: الثالثة أن يكون المناظر مجتهداً يقتضي برأيه لا بمذهب أبي حنيفة والشافعي۔ انتہی۔ (فاتحۃ العلم) اس سے معلوم ہوا مناظرہ کرنا مجتہد کا کام ہے۔

(۲) عبارت: أن دلالة النص يخالف القياس في أن القياس يختص بالمجتهد ودلالة النص يفهمها العوام۔ انتہی۔

(۳) عبارت یہ ہے: والذي بنقوله المخاطب ويفتري به الكذب على الله أنه يزعم أن التمسك بالأدلة إنما هو وظيفة المجتهد والاجتهاد ملكة راسخة وبصيرة شريفة ورتبة عظيمة صعبة المرقى وأهله قد انقرض وزمانه قد مضى۔

اللہ تعالیٰ پر تجھوٹ جوڑتا ہے یہ ہے کہ وہ گمان کرتا ہے کہ دلیلوں کے ساتھ تمسک کرنا صرف مجتہد ہی کا کام ہے اور اجتہاد ایک ایسا دشوار گزار رتبہ ہے جس کے اہل گزر گئے اور اس کا زمانہ نکل گیا۔
عمل بالحدیث اجتہاد پر موقوف نہیں:

غرض کہ نہ اجتہاد ختم ہو گیا اور نہ دلائل کا سمجھنا اور استدلال کرنا مجتہد کے ساتھ مخصوص ہے۔ نہ عموماً عمل بالحدیث اجتہاد پر موقوف ہے۔ دراسات اللیب میں لکھتے ہیں:

”علامہ ولی الدین عراقی نے فرمایا (۱)۔ دلیل تو عامی کے لئے بھی عمل بالحدیث کے جواز کا حکم دیتی ہے۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ صحابہ کل کے کل اصطلاح علماء کے مطابق فقیہ مجتہد نہ تھے

(۱) عبارت یہ ہے: قال العلامة ولي الدين العراقي الدليل يعطى الجواز يعني العمل بالأمر لما تقرر أن الصحابة (رضي الله عنهم) ما كان كلهم فقهاء على اصطلاح العلماء فإن فيهم القروي والبدوي ومن مع منه (ﷺ) حديثاً واحداً وصحبه مرة ولا شك أن من سمع منهم حديثاً عن رسول الله (ﷺ) أو أخذ من الصحابة (رضي الله عنهم) كان يعمل به حسب فهمه فقيهاً كان أولاً ولم يعرف أنه غير الفقيه منهم كلف بالرجوع إلى الفقيه فيما سمعه من الحديث لا في زمانه (ﷺ) ولا بعده في زمان الصحابة (رضي الله تعالى عنهم) وهذا تقرير منه (ﷺ) لجواز العمل بالحديث لغير الفقيه وإجماع من الصحابة عليه ولو لا ذلك لأمر الخلفاء الراشدون (رضي الله تعالى عنهم) غير الفقهاء من الصحابة سيما أهل البوادي أن لا يعملوا بما أخذوا عن النبي (ﷺ) مشافهة أو بواسطة حتى يعرضوا على الفقهاء منهم ولم يروا من هذا حين ولا أثر هذا هو ظاهر قوله تعالى: ﴿ما أتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا﴾ ونحوه من الآيات حيث لم تقيد بأن ذلك على فهم الفقهاء ومن ههنا عرفت أنه لا يتوقف العمل بعد وصول الحديث الصحيح على معرفة عدم النسخ أو عدم الإجماع على خلافه أو عدم المعارض بل ينبغي العمل به إلى أن يظهر شيء من الموانع فينظر في ذلك ويكفي في العمل كون الأصل عدم هذه العوارض المانعة عن العمل وقد بنى الفقهاء على اعتبار أصل الشيء أحكاماً كثيرة في الماء ونحوه لا يخفى على المتبحر لكتبهم ومعلوم أن من أهل البوادي والقرى البعيدة من كان يجني عنده (ﷺ) مرة أو مرتين ويسمع شيئاً ثم يرجع إلى بلاده ويعمل به والوقت كان وقت نسخ وتبدل ولم يعرف أنه (ﷺ) أمر أحداً من هؤلاء بالمراجعة ليعرف النسخ من المنسوخ بل أنه (ﷺ) قرر من ---

بلکہ گاؤں کے اور جنگل کے رہنے والے ہر قسم کے لوگ تھے اور وہ کہ جنہوں نے آنحضرت (ﷺ) سے گل ایک ہی حدیث سنی یا آنحضرت (ﷺ) کی صحبت ایک ہی مرتبہ اٹھائی۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ صحابہ میں سے جو آنحضرت (ﷺ) سے کوئی حدیث سنتا تھا یا دوسرے صحابہ سے لیتا تھا وہ اپنی فہم کے موافق اس پر عمل کرتا تھا۔ خواہ وہ فقیہ ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو، اور یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ غیر فقیہ کو جو وہ حدیث سنے اس کی بابت کسی فقیہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہو کہ اس سے دریافت کرنے کے بعد اس پر عمل کرے، نہ پیغمبر صاحب (ﷺ) کے زمانے میں اور پیغمبر صاحب (ﷺ) کے بعد زمانہ صحابہ میں۔ اور یہ بات غیر فقیہ کے لئے عمل بالحدیث پر آنحضرت (ﷺ) کی طرف سے تقریر ہے اور صحابہ کا اجماع یعنی عامی کے لئے حدیث پر عمل کرنا بلا مجتہد کی طرف رجوع کئے ہوئے حدیث تقریری اور اجماع صحابہ سے ثابت ہو گیا۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو ضرور خلفاء راشدین صحابہ میں سے غیر فقہاء کو حکم دیتے خصوصاً دیہات والوں کو کہ وہ ان احادیث پر جو انہوں نے بلا واسطہ پیغمبر صاحب (ﷺ) یا بواسطہ سنی میں عمل نہ کریں جب تک کہ ان کو فقہاء صحابہ پر پیش کر کے تحقیق نہ کر لیں۔ حالانکہ اس کا کوئی ذکر یا نشان مروی نہیں ہوا۔ اور یہی بات اللہ تعالیٰ

--- قال لا أزيد على هذا ولا أنقص على ما قال ولم يذكر عليه بأنه يحتمل النسخ بل قال دخل الجنة إن صدق أو كما قال وكذلك ما أمر الصحابة أهل البوادي وغيرهم بالعرض على فقيه لتمييز له النسخ والحجة بلوغه لا وجوه ويدل على أن المعتبر البلوغ لا الوجوه وأن المكلف مأمور بالعمل على وفق المنسوخ ما لم يظهر عنده النسخ فإذا ظهر لا يعيد ما عمل على وفق المنسوخ كحديث نسخ القبلة إلى الكعبة المشرفة فإن خبره وصل إلى أطراف المدينة المنورة كأهل قباء وغيرهم بعد ما صلوا على وفق القبلة المنسوخة فمنهم من وصله الخبر في أثناء الصلوة ومنهم من وصله بعد أن صلى صلوات والنبی (ﷺ) قررهم على ذلك ولم يأمر أحدا منهم بالإعادة فلا عبرة لما قيل لا يجوز العمل قبل البحث عن المعارض والمخصص وإن ادعى عليه الإجماع فإنه لو سلم فإجماع الصحابة وتقدير النبي (ﷺ) مقدم على إجماع من بعدهم۔ (دراسات، ص: ۱۶۵، طبع کراچی، ج۔ ۲۔)

کے کلام: {وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا} (یعنی جو رسول تمہیں (تعلیم) دیں، اسے لے لو (اور اس پر عمل کرو) اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔) (۱)۔ اور اس کی مثل جو آیتیں ہیں ان سے بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ اس میں یہ قید نہیں بتائی گئی کہ حدیث رسول (ﷺ) پر عمل مجتہدین کی فہم پر موقوف ہے۔

اور اسی سے تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حدیث صحیح پہنچنے کے بعد (کسی کے لئے) اس پر عمل اس بات پر موقوف نہیں ہے کہ اس کا منسوخ نہ ہونا یا اس کے مخالف اجماع نہ ہونا یا کسی اور نص کا اس کے معارض نہ ہونا بھی معلوم کر لیا جائے۔ بلکہ جب تک کوئی مانع (ومزاحم اس شخص پر) ظاہر نہ ہو۔ اس حدیث پر اس کو عمل کرنا چاہئے۔ جب ظاہر ہو اس وقت اس میں غور کیا جاوے۔ اور عمل کے لئے یہی کافی ہے کہ اصل ان عوارض کا جو مانع عمل میں نہ ہونا ہے۔ اور فقہاء نے اصل کے اعتبار پر پانی وغیرہ کے بہت سے احکام کی بنا رکھی ہے جو کہ تلاش کرنے والے کے لئے مخفی نہیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ جنگل اور دور کے دیہاتیوں میں ایسے ایسے لوگ تھے کہ جو حضرت (ﷺ) کی خدمت میں ایک ہی بار یا دو ہی بار آتے اور کچھ سن لیتے پھر اپنے بلاد کی طرف واپس جاتے اور اس پر جو سن جاتے عمل کرتے رہتے۔ حالانکہ وہ زمانہ نسخ و تبدل کا زمانہ تھا اور یہ نہیں ثابت ہوا کہ پیغمبر صاحب (ﷺ) نے ان لوگوں میں سے کسی کو لوٹ کر آنے کا حکم دیا ہوتا کہ نسخ و منسوخ میں آ کر تمیز کر لے بلکہ آنحضرت (ﷺ) نے تو اس شخص کو بھی جس نے کچھ احکام سن کر کہا کہ اس پر نہ زیادہ کروں گا نہ کم، ثابت رکھا اور اس کی بات کا انکار نہ کیا کہ احتمال نسخ بھی تو ہے بلکہ اور کچھ دیا کہ اگر یہ سچ کہتا ہے تو جنت میں داخل ہو گا۔ اسی طرح صحابہ نے بھی دیہات والوں وغیرہم کو حکم نہیں دیا کہ وہ حدیث کو کسی فقیہ پر پیش کیا کریں تاکہ وہ ان کے واسطے نسخ و منسوخ کی تمیز کر دے، نسخ کے باب

میں نسخ کا پہنچنا حجت ہے نہ اس کافی الواقع موجود ہونا۔ اور اس بات پر کہ اعتبار نسخ کے پہنچنے اور معلوم ہونے کا ہے۔ نہ نفس الامر میں اس کے موجود ہونے کا یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ مکلف کو حکم دیا گیا کہ جب تک اس کو نسخ ظاہر نہ ہو وہ منسوخ پر عمل کرتا رہے اور جب نسخ ظاہر ہو جائے تو جو اس نے منسوخ پر عمل کیا تھا، اس کا اعادہ نہ کرے۔ مثلاً دیکھو: حدیث منسوخ ہونے قبلہ بیت المقدس کی طرف بیت اللہ شریف کے، کیونکہ اس کی خبر اطراف مدینہ منورہ کو مثل اہل قباء وغیرہم کے اس وقت پہنچی جب کہ انہوں نے قبلہ منسوخ کی طرف نماز پڑھ لی تھی تو کسی کو تو حالت نماز میں خبر پہنچی اور کسی کو بعد کئی نمازیں پڑھنے کے پہنچی اور پیغمبر صاحب (ﷺ) نے ان کو اسی پر قائم رکھا اور کسی کو نماز لوٹانے کا حکم نہ دیا۔ پس جو کہا گیا ہے کہ جب (۱) تک معارض و مخصوص سے بحث نہ کر لی جائے حدیث پر عمل جائز نہیں۔ یہ کچھ بھی قابل اعتبار بات نہیں ہے۔ اور گو اس پر اجماع کا دعویٰ بھی کیا جائے۔

(۱) علامہ بہاؤ الدین مرعانی کیا خوب لکھتے ہیں: "لیکن (حدیث کے اندر) احتمال نسخ کا اور تاویل اور تفسیر کا (جو پیدا کیا جاتا ہے) تو اگر نسخ یا مخصوص یا مقید یا موجب تاویل ظاہر ہو جائے تو ان میں جو بھی ہو اس کے حکم کے ثبوت میں کلام نہیں۔ والا (بلا ثبوت کے احتمال پیدا کرنے کی کوئی وجہ نہیں) جو نص کہ احتمال نسخ اور تاویل اور تفسیر کا کھتی ہی نہیں وہ تو محکم کے نام کے ساتھ مخصوص ہے اور جو احتمال نسخ کا کھتی ہے وہ مفسر کہلاتی ہے اور جو ان سب کا احتمال رکھتی ہے وہ ظاہر کہلاتی ہے اور ہر ایک ان میں کے حکم (مسئلہ شرعی) کو یقیناً ثابت کرتی ہے (جیسا کہ یہ تمام باتیں فن اصول میں ثابت ہوتی ہیں) اور ان میں فرق تو آپس میں مقابلہ کے وقت ظاہر ہوتا ہے (نہ یہ کہ مسئلہ شرعی مستنبط ہونے میں کوئی عمل احتمال ہے) اور عمل ان میں سے کسی ہر ترک کر دینا محض احتمال سے جائز نہیں۔ انتہی۔ پھر علامہ موصوف لکھتے ہیں: "علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جب تک نسخ نہ معلوم ہو منسوخ پر عمل جائز ہے اور نسخ کا حکم اس کے معلوم ہونے کے بعد ثابت ہوتا ہے اور ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے تاویل قبلہ کے مسئلہ سے۔ اور شافعی صاحب نے فرمایا: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص کو حدیث رسول (ﷺ) ظاہر ہو جاوے اس کو ہرگز نہیں ہے کہ وہ کسی کے قول سے اس کو چھوڑ دے۔ اور ابن عبد البر نے کہا: ہر اس شخص پر جس کو حدیث میں سے کچھ بھی پہنچ جائے واجب ہے کہ وہ اس کو اس کے عموم پر جاری رکھے جب تک کہ اس کو اس کا مخصوص یا نسخ ثابت نہ ہو۔ انتہی۔ عبارت یہ ہے: "وأما احتمال النسخ والتأويل والتخصيص فإن ظهور النسخ وموجب التخصيص والتفصيل والتأويل فلا كلام في ثبوت مقتضاه من التفصيل وإلا فيما لا يحتمل النسخ والتأويل والتفصيل هو القسم المختص باسم المحكم من أقسام النظم

کیونکہ اگر یہ اجماع تسلیم بھی کر لیا جائے تو اجماع صحابہ کا اور نبی (ﷺ) کی اس پر حدیث تفسیری اوروں کے اجماع پر مقدم ہے۔“

غرض کہ حدیث رسول (ﷺ) میں بلا وجہ نسخ و تاویل و تخصیص کے شبہ پیدا کر کے اور اس وسوسہ میں پڑ کر اس پر عمل کرنے سے محروم رہنا یا اس پر عمل کو اجتہاد پر موقوف سمجھنا سخت غلطی ہے۔

عامی کے لئے عمل بالحدیث کا امام صاحب سے ثبوت:

خود حضرت امام اعظم صاحب (رحمہ اللہ) ^(۱) اور ان کے بعض شاگردوں سے ایسے عامی

--- والذي يحتمل النسخ هو المفسر والذي يحتملها هو الظاهر وكل ذلك يوجب الحكم قطعاً وإنما يظهر التفاوت عند المعارضة ولا يجوز ترك العمل بمجرد الإحتمال والتفقروا على أن العمل بالمنسوخ جائز إلى أن يظهر ناسخه وإن النسخ لا يلزم حكمه إلا بعد العلم به واستدلوا بتحويل القبلة وقال الشافعي أجمع المسلمون على أن من استأنت له سنة رسول الله (ﷺ) لم يحل له أن يدعيها القول أحد وقال ابن عبد البر يجب على كل من بلغه شيء من الحديث أن يستعمله على عمومته حتى يثبت عند ما يخصه أو ينسخه انتهى۔

(۱) چنانچہ حجتہ اللہ ص: ۱۵۸ میں البحر الرائق سے نقل کرتے ہیں: ولكن بلغه العامية بخبره وقوله (ﷺ) أفطر الحاجم والمحجوم وقوله (عليه السلام) الغيبة تنظر العام ولم يعرف النسخ ولا ما أولاه كفارة عليه عند جما التحسينية ومحمدان ظاهر الحدیث واجب العمل به بخلاف الأئمة من لا أدب ليس للعامي العمل بالحدیث لعدم علمه بالنسخ والمنسوخ۔ انتہی۔ یہ اس عامی کی بابت کلام ہے، جو بالکل بے علم ہو۔ چنانچہ عقد الجدید ص: ۹۹ میں فقہ کی کتاب غزالیہ روایات سے نقل کرتے ہیں: محمول علی العامی الصرف الجاهل الذي لا يعرف معنى الأحاديث وتأويلاتها لأنه أشار إليه بقوله لعدم الاهتداء أي في حقه إلى معرفة الأحاديث وكذا قوله وأن عرف تأويله ويشير إلى أن المراد من العامي غير العالم۔ انتہی۔ لیکن ایسے بالکل بے علم عامی کے لئے بھی حضرت امام اعظم صاحب عمل بالحدیث کا حکم دیتے ہیں۔ اسی سے اس بات کی غلطی بھی ظاہر ہوتی ہے جو بعض لوگ (مثلاً مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی و مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی وغیرہ) کہتے ہیں کہ امام صاحب نے جو ائمہ کبار کو اقولی بخبر الرسول (ﷺ) فرمایا تو اپنے خاص شاگردوں کو اور ان کو جو درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہوں فرمایا۔ اس لئے کہ ثابت ہو گیا کہ عمل بالحدیث اور حدیث کا سمجھنا اور اس سے استدلال کرنا اجتہاد۔۔۔

--- پر موقوف نہیں و نیز امام صاحب کسی طرح یہ خیال نہ کر سکتے تھے کہ میرے اقوال صریح احادیث کے خلاف نہیں ہو سکتے بلکہ احادیث کے منتشر اور غیر فراہم ہونے کی وجہ سے اس کا قوی احتمال تھا اور اسی واسطے یہ فرمایا جس وہ اپنے اس قول میں مجتہد کی تخصیص کیسے کر سکتے تھے۔ کیونکہ صریح احادیث میں اجتہاد کو کیا تعلق۔ اس کے علاوہ جو اس درجہ کے لوگ ہیں ان کو اس کے کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ تو تقلید ہی کے محل نہیں اور وہ پہلے ہی سے ان کے قول کو چھوڑے ہوئے ہیں کیونکہ وہ کسی کے مقلد نہیں۔ پھر انکی ہایت اس بات کے کہنے کا کیا موقع۔

کیا ترک تقلید شخصی عوام کو جائز نہیں؟

اس تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بعض لوگ جو گویا بڑے حق پرست بن کر یہ کہتے ہیں کہ "جو بڑے عالم ہیں مثل مولوی نذیر حسین صاحب وغیرہ کے ان پر ہم کو اعتراض نہیں لیکن ہمارا شمار تقلید شخصی چھوڑ دینا امام کے خلاف کرنا ہرگز نہیں چاہئے۔" وہ کوئی وجہ صحت کی نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ حدیث رسول (ﷺ) پر عمل کرنے کے لئے بڑے عالم کا ہونا ضرور نہیں جیسا کہ ثابت ہو چکا۔ دوسرے ہم کہتے ہیں کہ کوئی عامی مولوی نذیر حسین صاحب سے شرعی مسئلہ دریافت کرنے آئے تو ان کو وہ بتانا چاہئے جو ان کو حق ثابت ہو اور جس کو حدیث رسول (ﷺ) بتاتی ہے یا اس کے خلاف بتانا چاہئے۔ شیخ خانی صریح باطل ہے۔ بر تقدیر اول جب وہ مسئلہ مثلاً حنفی مذہب کے خلاف ہے تو ایک عامی کا خلاف مذہب عمل کرنا مستحق ہو گیا۔ اگر کہا جائے کہ ان کو فتویٰ دینا ہی نہیں چاہئے۔ یا کسی کو ان سے فتویٰ لینا نہیں چاہئے تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے اس کی کوئی دلیل نہیں۔ دوسرے امام صاحب کو حماد کے اور ابراہیم نخعی کے بعد بعض مسائل میں ان کے خلاف اور امام شافعی کو امام صاحب کے بعد اور امام احمد صاحب کو ان سب کے بعد کیسے جائز ہوا۔ اور جو کتنے فقہاء حنفیہ نے امام صاحب کے بعد ان کے خلاف فتوے دیئے اور لوگوں نے ان سے لئے یہ کیسے جائز ہوئے۔

کیا عوام تحقیق حق سے معذور ہیں؟

اس کے علاوہ عموماً عوام کو تحقیق حق و تلاش حواب سے معذور ٹھہرانا بھی صحیح نہیں۔ والا عوام شیعہ و خارجی و معتزلہ وغیرہ اور دیگر عوام مشرک و بدعتیوں پر الزام اور ان کے بد کہے جانے کی کیا وجہ ہے۔ دوسرے جب وہ کسی مسئلہ میں اختلاف سنتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اختلاف میں عند اللہ حق ایک ہی ہوتا اور یہ بھی ضرور نہیں کہ جس کے ساتھ سب سے زیادہ ہم کو عقیدت ہے وہی ہمیشہ اپنے مخالف کے مقابلہ میں حواب پر ہو۔ اس لئے کہ اول تو یہی ضرور نہیں کہ جس کو ہم افضل واعلم سمجھتے ہیں نفس الامر میں وہی افضل اور سارے مسائل میں دوسروں سے اعلم ہو۔ دوسرے یہ بھی ضرور نہیں کہ جو افضل واعلم ہے ہر موقع پر مصیب بھی وہی ہو بلکہ بہت ایسا ہوتا ہے کہ کسی بات میں بڑے کی سمجھ نہیں پہنچتی اور چھوٹے کے خیال میں وہ آجاتی ہے۔ دیکھو فقہاء نے باوجود افضل کے تقلید مشغول (اس سے چھوٹے) کی جائز رکھی ہے۔ نہ کہ جب چاروں امام حق اور ایک مرتبہ کے ماننے گئے ہیں اور تسلیم کیا گیا ہے کہ حق ان میں دائر ہے۔ یعنی اختلاف میں ان میں سے کسی ایک کی بات حق اور دوسرے کی خطا و اجتہادی ہے۔ پس ایک اللہ اور رسول (ﷺ) کے حکم کی تلاش کرنے والا اور ان کے اتباع کا قصد رکھنے والا۔---

کی بابت بھی جو محض بے علم ہے منقول ہے ^(۱) کہ کوئی حدیث جو وہ کسی سے سن پاسے، اس پر وہ حدیث واجب العمل ہے۔ گو وہ حدیث اصل میں منسوخ یا مآؤل تھی لیکن اس کو اس کا منسوخ ہونا یا کوئی دوسرے معنی رکھنا معلوم نہ ہوا تو اس کے لئے وہی ظاہر حدیث واجب العمل ہے۔

حدیث سننے کے بعد اس پر عمل ضروری ہے:

الحاصل صریح احادیث پر عمل کرنے میں خواص و عوام سب برابر ہیں۔ ہر مسلمان کو لازم ہے کہ جب کبھی وہ کوئی حدیث رسول (ﷺ) سے فوراً اس پر عامل ہو جاوے اور گو وہ حدیث نفس الامر میں منسوخ یا مآؤل ہو، لیکن جب تک اس کو اس کا منسوخ و مآؤل ہونا ظاہر نہ ہو اس وقت تک اس پر کوئی ملامت نہیں۔ البتہ اگر کسی طور سے اس کو اس کے منسوخ یا مآؤل وغیرہ ہونے کا شبہ پیدا ہو اس وقت چاہئے کہ وہ اس کی تحقیق میں مصروف ہو۔ اگر ذاتی لیاقت رکھتا ہے تو بطور خود اس کی تحقیق کرنے والا دوسرے اہل علم یا ان کتابوں کی طرف رجوع کرے ورنہ بغیر اس کے کسی صریح حدیث رسول (ﷺ) کے بعد اس کی بابت کسی فقیہ و مجتہد کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں۔

--- بھی اس سے بری نہیں ہو سکتا کہ وہ اختلافی مسائل میں اپنی قدرت بھر تحقیق نہ کرے۔ کیا تم یہ خیال نہیں کرتے کہ بالکل بگھوڑا اور عوام الناس بھی جب اپنے کسی دنیاوی معاملہ میں دو اہل الرائے کی رائے مثلاً کسی قانونی بات میں دو وکیلوں کی یا کسی مرض میں دو طبیعوں کی مختلف پاتے ہیں، تو اور لوگوں سے پوچھنا چھ کر اپنا اطمینان حاصل کرتے اور پھر اس پر عمل کرتے ہیں۔ افسوس کہ مال و جان کی حفاظت میں تو یہ سرگرمی مگر ایمان کی حفاظت میں یہ سستی کہ ہم بے علم و معذور ہیں۔ چس چاہئے کہ مختلف علماء سے دریافت کر کے وہ اطمینان حاصل کریں اور جو رائج ثابت ہو۔ اس پر قائم ہو جائیں اور یا پھر تمام علماء کے اقوال کو یکساں سمجھیں نہ یہ کہ ایک معین کا اپنی طرف سے التزام کر کے اسی کے اقوال کی جملہ امور میں پابندی اپنے اوپر لازم کر لیں اور دوسرے کے قول پر چھٹنا خروج عن المذہب خیال کریں۔

(۱) افسوس ہے کہ امام توحید کی یہ قدر کریں اور ان کے مقلد ایسی بے قدری۔

غیر منصوص مسائل میں مجتہد کی ضرورت:

پس عموماً^(۱) عمل بالحدیث کے لئے نہ خود اجتہاد کی ضرورت ہے نہ کسی مجتہد کی طرف رجوع کی۔ عوام کو جو مجتہد کی ضرورت ہے تو صرف اجتہادی امور میں ہے نہ ان مسائل میں جو صریح احادیث سے ثابت ہیں جن میں اجتہاد کو کچھ دخل نہیں۔ پیغمبر (ﷺ) جو مبعوث ہوئے تھے تو اسی لئے مبعوث ہوئے تھے کہ تمام بندوں کے امور معاش و معاد کی اصلاح کریں۔ اور ان کے افعال و اعمال اور معاملات اور جملہ واقعات کی بابت وہ حکم جو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا باعث ہو بیان فرمادیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اور تمام ان حوادث اور افعال مکلفین کے قیامت تک ہو سکتے ہیں احکام بتائے۔ مگر چونکہ تمام ان احکام کا تفصیلاً بتا دینا اور ہر جزئیہ کا علیحدہ علیحدہ سمجھا دینا ممکن نہ تھا۔ اور اگر آپ بتاتے بھی تو اس سب کا ضبط و حفظ امکان بشری سے خارج تھا۔ لہذا جہاں تک ہو سکا اپنے احکام کی تفصیل کی اور ان کو قولاً اور فعلاً اور تقریراً کسی نہ کسی طور سے واضح کیا تا کہ عوام اور خواص سب ان احکام پر عمل کر سکیں اور باقی احکام کو اجمالی حالت پر چھوڑا جن کی تفصیل اور قوت سے فعل میں لانے کے لئے مجتہدین کی ضرورت ہوئی۔ مجتہدین نے ان کو اپنی اپنی فہم کے مطابق ظاہر کیا۔ پس مجتہدین کو جن مسائل سے اصلی تعلق ہے، وہ وہی ہیں جن کی تصریح شارع سے ثابت نہیں ہوئی یا ان نصوص کے معانی کا بیان جن کے اشکال کا رفع اجتہادی علم ہی پر موقوف ہے لہذا ایک غیر مجتہد

(۱) جو مجتہد نہیں کیا وہ ضرور مقلد ہی ہو؟

اسی سے یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ یہ خیال کہ اجتہاد و تقلید میں کوئی واسطہ نہیں جو مجتہد نہیں وہ مقلد ہی ہوگا صحیح نہیں۔ اس لئے کہ ایک عامل بالحدیث غیر مجتہد جن احادیث پر عمل کرتا ہے، وہ کسی کا مقلد نہیں۔ جن روایا جس عالم سے اس کو حدیث پہنچی ان کا تو اس واسطے مقلد نہیں کہ وہ عالم یا راوی محض ناقل ہیں، وہ ان کا ذاتی قول نہیں، جیسا کہ صاحب ہدایہ وغیرہ امام کے قول کے ناقل ہیں، اس پر عمل کرنے والا صاحب ہدایہ کا مقلد نہیں کہلاتا اور مروی عندہ چونکہ خود شارع ہیں لہذا محلی عندہ کے اعتبار سے، بھی اطلاق تقلید کا نہیں ہو سکتا۔

کو کسی مجتہد کی طرف رجوع کی ضرورت ہے تو ایسے ہی موقعوں پر ہے نہ ان مسائل میں جن کو شارع نے صراحۃً ذکر کر دیا۔ چنانچہ بہت بڑا حصہ احکام شرعی کا بالخصوص وہ جن سے بیشتر اور روزِ مسرہ عبادات و معاملات میں کام پڑتا ہے اسی قسم کا ہے۔

پیش آمدہ حوادث میں مسائل کا حل:

پس ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جب کبھی اس کو کوئی مسئلہ پیش آئے تو اول وہ نصِ شارع کو تلاش کرے۔ اگر صریح کلامِ شارع سے پتہ نہ چلے تب کسی مجتہد کے اجتہاد کی طرف رجوع کرے نہ یہ کہ اول ہی سے جب اسے کوئی مسئلہ پیش آئے کسی ایک خاص مجتہد کے مذہب اور اسی کے عندیے کی تلاش کیا کرے اور احادیثِ رسول (ﷺ) کو بالائے طاق رکھ دے، جیسا کہ مقلدین کا عموماً طرزِ عمل ہے۔ افسوس کہ شرع کا کس طرح قلب موضوع کیا گیا۔

اس لطیف تحقیق سے جیسا کہ یہ ثابت ہوا کہ عموماً عمل بالحدیث میں نہ اجتہاد کی ضرورت ہے نہ کسی کی تقلید کی۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ اجتہاد فی الشرع کسی وقت میں ختم نہیں ہو سکتا اور کسی زمانے میں مجتہدوں سے استغناء نہیں، اس لئے کہ ظاہر ہو چکا ہے کہ غیر مصرح واقعات کے لئے مجتہد کی ضرورت ہے اور واقعات ایسے غیر محدود ہیں کہ کسی وقت میں ختم ہونے والے نہیں اور ہر زمانہ کا مجتہد آئندہ زمانے کے واقعات کی بابت تفصیلی جزئیات قائم نہیں کر سکتا۔ پس ہر زمانے کے نئے واقعات کے لئے مجتہد کی ضرورت ہے اور اگر کوئی پہلے مجتہد کے اجتہادیات پر تخریج کر کے کاروائی کرنا چاہے تو پہلے ثابت ہو چکا کہ ایسے تخریجی مسائل بہ نسبت صواب کے خطا کے زیادہ محتمل ہیں۔ پس معتبر وہی اجتہاد ہو سکتا ہے کہ براہِ راست غیر مصرح مسائل کو قرآن و حدیث سے استنباط کیا جاوے۔ یہی احادیثِ صریح جو تاویل و اشکال سے پاک ہیں ان میں مجتہد کی وساطت درکار نہیں۔ پیغمبر صاحب (ﷺ) جس قدر احکام فرماتے تھے، آخر وہ بھی تو شرعی فتوے تھے، جو وقتاً فوقتاً

”آپ عوام الناس کو تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

افسوسناک روش!

پس کوئی وجہ نہیں کہ اوروں کے فتوے تو قابل اعتماد ہوں اور پیغمبر (ﷺ) کے فتوے قابل اعتماد نہ ہوں۔ حالانکہ جس قدر احتمالات و شکوک پیغمبر صاحب (ﷺ) کے فتووں میں پیدا کئے جاتے ہیں اتنے ہی یا ان سے زائد اوروں کے فتووں میں موجود ہیں جیسا کہ تم پہلے سن چکے ہو۔ لیکن ان مسلمانوں کی حالت رو دینے کے قابل ہے کہ وہ رسول اللہ (ﷺ) کے فتوے کا اعتبار کرنا نہیں چاہتے۔ جب تک کہ ان کے امام کی مہر اس پر نہ ہو۔ اور اگر کوئی حدیث رسول (ﷺ) سنتے ہیں تو ان کو اس پر عمل میں یہ تامل ہوتا ہے کہ ہمارے امام کے خلاف تو نہیں ہے اور اپنے امام کا قول سنتے ہیں تو یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ قول ان کا نہیں حدیث رسول (ﷺ) کے خلاف نہ ہو۔ حالانکہ کتنے اقوال ان کے ایسے بھی ہیں جو صریح احادیث رسول (ﷺ) کے خلاف ہیں۔ کیونکہ ان کو چند اسباب ایسے درپیش تھے جن کی وجہ سے ان سے ایسا ہونا ذرا بھی مستبعد نہیں جیسا کہ تم پہلے معلوم کر چکے ہو۔ پس اس صورت میں ان کے اقوال کسی طرح اس قابل نہیں کہ ان کی تحقیق نہ کی جاوے اور آنکھ میچ کر ان کے پیچھے ہو لیا جاوے بالخصوص جب کہ دوسرے ان کے ہم پایہ ائمہ یا ان سے بھی عالی پایہ ائمہ ان کے خلاف ہوں۔ پس ایسی حالت میں تحقیق و تفتیش نہ کرنا تو کسی طرح نہیں پہنچتا۔ لیکن افسوس ہے کہ مقلدین^(۱) اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ جو کچھ کہ مذکور ہوا وہ دوسری بات ہے جس میں اہل حدیث کو مقلدین سے خلاف ہے۔

(۱) بعض عجیب مغالطے:

بعض کو دکھا گیا ہے کہ جب ان کے سامنے ان کے مخالف کسی بات کے دلائل بیان کئے جاتے ہیں اور اس کی وجہ ترجیح ظاہر کی جائے تو وہ ناسننے کے واسطے یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہر کوئی ایسے ہی اپنے اپنے دلائل بیان کرتا ہے حالانکہ کسی۔۔۔

--- مختلف فیہ بات کی ترجیح کے موقعہ میں یہ بات کہہ دینا یا اس پر اطمینان کر لینا کسی طرح صحیح نہیں۔ ورنہ کسی باطل مذہب والے کو سمجھانے اور اس کو ہدایت کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے اس لئے کہ جب اس کے سامنے حق مذہب کے دلائل اور اس کے مذہب کے نقائص بیان کئے جائیں تو وہ بھی یہی کہہ کر چپ کر سکتا ہے کہ ہر کوئی ایسے ہی اپنے اپنے مذہب کے دلائل بیان کرتا ہے تو پھر اس کا کیا جواب ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ جو علماء مذاہب برابر اپنے اپنے مختار مذاہب کی وجوہ و دلائل بیان کرتے رہے اگر ایک دلیل لانے والے کے سامنے یہی کہہ دینا کافی ہے تو ان کی یہ ساری محنتیں بیکار ہیں۔

بعض ۲ چونکہ اپنے مذہب کی دلیل بھر ضعیف حدیث کے اور نہیں پاتے ہیں تو یوں بات بناتے ہیں کہ ان احادیث میں ضعف نیچے جا کر طاری ہوا اور امام کو بسند صحیح پہنچی تھیں ان تک ان کے راوی سب معتبر تھے، ان سے نیچے کے راوی ضعیف ہیں، امام صاحب تک واسطے کم ہوتے تھے۔ ان کی احادیث ہرگز ضعیف نہیں۔ مقلدین میں کے بعض مولوی بڑے فخر کے ساتھ اس بات کو بیان کرتے اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔ (دیکھو: سبیل الرشاد مؤلفہ مولوی رشید احمد صاحب) حالانکہ یہ بات محض ایک ملمع کاری ہے کیونکہ یہ اسی وقت تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ پہلے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ حدیث امام صاحب کو صحیح سند سے پہنچی تھی۔ مثلاً یہ کہ ان کی کوئی کتاب ہوئی اور اس میں وہ حدیث بسند صحیح مذکور ہوئی یا کسی مسند نے امام صاحب سے بسند معتبر و متصل ان کا اس کو بسند صحیح روایت کرنا بیان کیا ہوتا اور پھر اس میں نیچے کے طبقہ کے کسی راوی ضعیف کا روایت میں داخل ہونا پایا جاتا ہے تو کہا جاسکتا تھا کہ ضعف نیچے طاری ہو گیا اور امام کو بسند صحیح پہنچی تھی۔ پس حدیث قابل حجت ہے ورنہ بلا اس کے ان خانہ ساز باتوں سے کچھ کام نہیں چل سکتا اور اس کا بھی تو کوئی ثبوت نہیں کہ امام صاحب نے اسی حدیث سے استدلال کیا تھا بلکہ متاخرین اپنی دوز کے مطابق اس کو حجت میں لاتے ہیں۔ اگر یہی ثابت ہوتا کہ امام صاحب نے اسی حدیث سے استدلال کیا اور پھر یہ بھی ثابت ہوتا کہ امام صاحب ضعیف حدیث سے استدلال نہیں کرتے تھے اور یہ بھی متحقق ہوتا کہ ان کے صحت و ضعف کے حکم لگانے کا جو معیار تھا وہ بھی قابل اعتماد ہے تاہم کچھ کام چل سکتا۔ حالانکہ ان میں سے ایک کا بھی ثبوت ملنا مشکل ہے یا ہے ہی نہیں۔ بلکہ اور خلاف کا ثبوت موجود ہے۔ بھلا کہ اوپر مذکور ہو چکا۔ اور کم واسطہ ہونے سے ضعف کے احتمال کی نفی کرنا بڑی غلطی ہے۔ مجروح راوی طبقہ تابعین میں کیا نہ تھے۔ دوسرے ارسال و انقطاع وغیرہ بھی اسباب ضعف کے موجود تھے۔ اس کے علاوہ خود مشاہدہ موجود ہے کہ امام صاحب کی بہتری روایتیں ضعیف موجود ہیں جو ان کے شاگرد ان سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ اوپر مذکور ہوا۔ پھر امام صاحب کی روایتوں کے ضعیف نہ ہونے کے کیا معنی۔

بعض ۳ کہتے ہیں اپنی ساری حدیثوں کو تو یہ لوگ صحیح کہتے ہیں اور جو حدیث ہماری دلیل ہوتی ہے اس کو ضعیف بنا دیتے ہیں حالانکہ جن مسائل حدیثیہ میں اہل حدیث کو ان سے خلاف ہے ان میں ایسا ہی ہونا قرین قیاس ہے اس لئے کہ اگر اس جانب حدیث صحیح اور ان کی دلیل ضعیف نہ ہوتی تو اہل حدیث خلاف ہی کیوں کرتے اور حقیقت میں اختلافی موقعوں پر اہل حدیث کے مسلک کو قوت ہونا ہی چاہئے۔ اس لئے کہ ان کا مذہب تابع دلیل ہے۔ جس بات کی دلیل قوی ---

ہے وہی ان کا مذہب ہے۔ بخلاف مقلدین کے کہ ان کا مذہب ان کے امام کا قول ہے اور چونکہ وہ قبل فراہمی دلائل گزر گئے۔ اس وجہ سے ان کے اقوال ہر قسم کے میں صحیح بھی ہیں، جو دلائل حدیثیہ کے موافق ہیں اور ضعیف بھی ہیں جو حدیث نہ پانے وغیرہ کی وجہ سے وہ ان کے قائل ہوئے تھے۔ پس ان کے اقوال کی مثال گڈے کے مال کی سی ہے، کھرا کھونا ہر قسم کا ملا ہوا ہے۔ اور اہل حدیث کے مسائل کی مثال ایسی ہے کہ کوئی خوب دیکھ بھال اور پرکھ کر جن لے کہ وہ کھرا ہی کھرا ہے۔ اگر مقلدین بھی اپنے مسائل کو تابع حدیث کے کر دیں تو ان کی بھی یہی حالت ہو جائے۔ لیکن ہم زمانے کا جو معمول مارنگ دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہاں تو حدیثوں کو پڑھتے پڑھتے پڑھتے وقت پھیر پھار کر اپنے موافق سمیٹا جاتا ہے۔ اور جو شخص اپنی طاقت لسانی سے تاویل میں کرنے پر خوب قادر ہو وہ بڑا استاد ہے اور کتنی مشہور درس گاہوں میں دیکھا گیا کہ حدیث کی کتابیں خصوصاً صحیحین بڑے فرائے سے طے کرادی جاتی ہیں اور ان کو کرنا بھی ایسا ہی چاہئے۔ اس لئے کہ ان کو اس پر عمل کرنا تو ہے ہی نہیں کہ وہ ہر حدیث کو بغور دیکھیں اور اس کے مطالب اور اشارات پر غور کریں اور اس کو یاد رکھیں جیسا کہ اہل حدیث کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایسا نہ کریں تو کام کیسے طے۔ ان کو تو اس پر عمل کرنا ہے اور اسی وجہ سے عموماً اہل حدیث بہ نسبت اہل تقلید کے حدیث سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ ایک اہل حدیث اقسام حدیث اور صحیح و ضعیف کی تفصیل سے جیسا واقف ہوتا ہے مقلد نہیں ہوتا۔ ہم نے کتنے مقلد مولویوں کو جن کو اہل حدیث سے بحث کرنے کا اور اپنے علم کا دعویٰ بھی ہے، ایسی مشہور احادیث سے جو معمولی درسی کتابوں میں ہیں صاف لا علمی ظاہر کرتے پایا، جس سے سخت تعجب ہوا اور عموماً ساقط اور غیر معتبر روایت کا تقریر اور تحریر اجت میں لانا اور تمیز نہ کر سکا تو معمولی باتیں ہیں اور اصلی بات وہی ہے کہ ان کو اس سے چنداں غرض ہی نہیں۔ ایک تو ان کا خیال تھا ان کے بزرگوں نے یہ کہہ کر فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں۔ (دیکھو در مختار) اس سے بھی بے غم کر دیا۔ ان وجود سے فقہاء عموماً ان حدیث سے بے خبر رہے۔ پس متاخرین نے بھی مسائل کو درست نہ کیا اور زیادہ تفصیل اوپر گزر چکی۔ لہذا وہ جو پڑھتے پڑھتے ہیں تو ایک رسم ہے جس کو وہ پورا کرتے ہیں۔

بعض ۳ کہتے ہیں ان لوگوں کو امام ابوحنیفہ اور حنفی مذہب سے عداوت ہے۔ کیونکہ یہ حنفی مذہب کا ہی خلاف کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اہل حدیث کو عداوت کسی سے بھی نہیں اور نہ عداوت کی کوئی وجہ ہے۔ اور بعض تحریروں میں جو بعض الفاظ پر نظر پڑتے ہیں تو چونکہ مقلدین اہل حدیث کے ساتھ بہت سخت کلامی کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ بہت سی ان کی تالیفوں میں موجود ہے اور ابتداء انہیں کی طرف سے ہوئی ہے۔ اگر اہل حدیث مقلدین کی بابت کوئی لفظ لکھیں (گو ہم بہتر یہی سمجھتے ہیں کہ ایسا بھی نہ کریں) تو وہ حکم والذین إذا اصابهم البغي هم ينتصرون کے معذور ہیں۔ اور جو امام صاحب کی بابت حدیث کا خلاف کرنا کہا گیا ہے اس سے یہ لوگ بہت ناخوش ہوتے ہیں تو اصل میں ایک معمولی بات ہے اور سلف کے کلام میں بھی اس قسم کا اطلاق پایا گیا۔ مگر چونکہ یہ لفظ ان کے منشاء کے بالکل خلاف ہے اس وجہ سے ان کو بہت ناگوار ہوتا ہے اور کہنے لگتے ہیں کہ دیکھو امام صاحب کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ کلام بنظر احتیاق حق ہے۔ البتہ جو بنظر تشیع کہے وہ بے شبہ ماخوذ ہے۔ اور مسائل میں خلاف کرنا حنفی مذہب کے ساتھ محتسب نہیں۔ کتنے مسائل ہمارے پیش نظر۔۔۔

اسلام اور تقلید شخصی:

تیسری بات جس میں اہل حدیث کو مقلدین سے خلاف ہے یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ شرع میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ جملہ مسائل میں کسی عالم یا مجتہد کی تقلید شخصی کا التزام کیا جائے یا کسی امام کے نام کے مذہب کی پابندی اپنے ذمے لازم ٹھہرائی جائے۔ پس ایسا کرنا اپنی طسروں سے نئی شرع قائم کرنا ہے۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم اور اس کے اندر جو کچھ ہم سے ذمہ داری لی گئی ہے۔ اس کو جہاں تک اول سے لے کر تا آخر دیکھا گیا۔ کہیں اس بات کا کوئی پتہ و نشان نہیں ملتا کہ ہم کو کسی خاص مجتہد کے مذہب کی تقلید بھی کرنا چاہئے۔ اسلام کے ابتدائی عہد نامہ ^(۱) کو دیکھو کہ جو اسلامی تعلیم کا گویا لب لباب ہے تو اس میں صرف اللہ وحدہ لا شریک کی توحید اور اس کے رسول (ﷺ) کی رسالت کا اقرار ہے اور ان کی ہی تابعداری کا اس کے ساتھ کسی مجتہد و امام کی امامت کا اقرار نہیں لگایا گیا۔ اسی طرح آخری دن کی باز پرس کو دیکھو، جب کہ منکر و نکیر سوال کریں گے اس میں رب اور رسول (ﷺ) اور دین کی بابت سوال کا ذکر ہے۔ لیکن کہیں اس سوال کا ذکر نہیں ہے کہ تم کس امام کے مذہب پر تھے اور کہیں غیر مقلد تو نہیں تھے۔ غرض کہ جہاں تک اسلامی تعلیموں کو دیکھو اسلام نے ہم کو بجز اس بات کے اور کسی بات کا ملک نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (ﷺ) کے حکم کی تابعداری کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (ﷺ) کے حکم کا علم اپنے آپ کو حاصل ہو۔ تو اپنے علم کے موافق چلے۔ اپنے آپ کو علم نہ ہو تو کسی عالم سے دریافت کر لے۔ اس میں کوئی اور قید و تخصیص

--- میں جن میں اہل حدیث شافعی کے خلاف اور امام صاحب کے ساتھ موافق ہیں۔ ان کو کسی خاص امام کی موافقت و مخالفت سے غرض نہیں بلکہ اتباع دلیل مد نظر ہے جس کے بھی موافق ہو۔

(۱) یعنی لا إله إلا الله محمد رسول الله۔

نہیں بتائی گئی کہ ایک عالم یا امام کو مقرر کر کے اسی کی یا اس کے مذہب کی جملہ مسائل میں پیروی کرے یا جس نے جس امام یا مجتہد کے قول پر عمل کیا، اس کو پھر اسی مذہب پر چلنا چاہئے یا مسلمانوں کو خاص خاص مجتہد مقرر کر کے ان کی تقلید کرنا چاہئے۔ اور جس امام کا مقلد ہے، اس کو اس کے مذہب کے سوا کسی اور امام کے اقوال پر عمل نہ کرنا چاہئے۔

تقلید شخصی دین میں احداث ہے:

پس اپنی طرف^(۱) سے کسی عالم یا مجتہد کے مذہب کا التزام کرنا اور اپنے ذمہ اسی کے اتباع کو ضروری ٹھہرانا اور یہ جی میں قرار دے لینا کہ ہمارے امام فلاں مجتہد ہیں چنانچہ جو ان کا مذہب معلوم ہو اس پر عمل کرنا، اور اس وجہ سے اپنے آپ کو انہیں کی طرف منسوب کرنا اور ان کے اقوال کو اپنا مذہب قرار دینا، اور مجتہدوں کے اقوال وغیرہ کو مذہب ٹھہرانا اور اپنے ذمہ کو انہیں کی تقلید میں مشغول سمجھنا۔ اور جب کسی مسئلہ میں کوئی ضرورت پیش آئے تو انہیں کے عندیے اور مذہب کی تلاش کرنا اور ان کے مذہب سے بلا کسی خاص ضرورت کے علیحدہ نہ ہونا اور کسی دوسرے امام و مجتہد کے قول پر عمل سے انکار رکھنا یا تنگ دل ہونا اور جو اس پر پابندی کو ملحوظ نہ رکھے اُسے برا سمجھنا اپنی طرف سے نئی شرع قائم کرنا ہے جو کہ اللہ جل شانہ کے کلام پاک: {شَرَّ عُوَالِہُمْ فَمِنَ الدِّینِ

(۱) جیسا کہ عموماً مقلدین کا طرز عمل ہے۔ چنانچہ مشاہدہ موجود ہے (اور جو ایسے نہیں ان پر ہم کو یہ اعتراض بھی نہیں) اور بعض اقوال بھی ہم پہلے نقل کر چکے۔ (دیکھو ص: ۱۱۱ تا ۱۱۳) مفقود کے مسئلہ میں جو بعض اصحاب نے اس کے خلاف جو امام صاحب سے مفقود کے بارے میں منقول ہے بعض دیگر دلیلوں اور ایک حدیث سے استدلال کر کے اختیار کیا تو صاحب رد المحتار اس موقع پر بحر الرائق کا قول نقل کرتے ہیں: والعجب کیف یختارون خلاف ظاہر المذاهب مع أنه واجب الإلتباع علی مقلدہ انہی۔ یعنی مقلدین اپنی حنفیت پر تو ان کے مذہب کی ظاہر روایت واجب الاتباع ہے۔ پس تعجب ہے کہ یہ لوگ اس کے خلاف کیسے اختیار کرتے ہیں (گو وہ کوئی حجت ان کے خلاف کیوں نہ رکھتے ہوں)۔ (انتہی)۔

مَا لَمْ يَأْخُذْ بِهِ اللَّهُ} ^(۱) (یعنی راہ ڈالی ان کے واسطے دین کی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔) اور حدیث رسول اللہ (ﷺ) (مَنْ أَخَذَ فِي أَمْرِ نَاهَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ) ^(۲) (یعنی ایسا کام کرے جس کی بابت ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے۔) کا مصداق ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی بصر العلوم شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں ^(۳):

”کوئی چیز واجب نہیں بجز اس کے جس کو اللہ نے واجب کیا، اور اسی کا حکم ہے اور اللہ نے کسی پر واجب نہیں کیا کہ اماموں میں سے کسی ایک امام کے مذہب کو اپنا مذہب ٹھہرائے۔ پس اس کا واجب کرنا اپنی طرف سے شرع قائم کرنا ہے۔“
اور شرح تحریر میں فرماتے ہیں:

”یہ تو تم جان چکے ہو کہ شارع کی طرف سے تکلیف بس اسی قدر ہے کہ علی التخییر کسی مجتہد کے فتوے پر عمل کر لیا جائے اور تخصیص کسی ایک مجتہد کی ایک بے دلیل بات ہے جو قابل التفات نہیں بلکہ وہ بغیر کسی حجت کے شارع کا حکم بدل دینا ہے اور اللہ کی رحمت و اسعہ کا بند کر دینا۔“

(۱) شوری: ۴۱۔ یعنی تقید شخصی کا یہ طریقہ اسی دین کا مصداق ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔

(۲) أخرجه البخاری ومسلم وفي لفظ لمسلم من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو ردد۔ اور پہلے لفظ کے معنی یہ ہیں جو ہمارے دین میں ایسی بات پیدا کرے جو اس میں نہیں (بتائی گئی) ہے تو وہ مردود ہے۔

(۳) عبارت یہ ہے: إِذَا لَا وَاجِبَ إِلَّا مَا أَوْجَبَهُ اللَّهُ تَعَالَى وَالْحُكْمُ لَهُ وَلَمْ يَوْجِبْ عَلَى أَحَدٍ أَنْ يَتَّبِعْ مَذْهَبَ رَجُلٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ فَلَا يَجَاهِدُ تَشْرِيعَ جَدِيدٍ۔ انتہی۔ (ص: ۲۳۸) دوسری عبارت یہ ہے: إِنْ عَلِمَ أَنَّكَ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ التَّكْلِيفَ مِنَ الشَّارِعِ لَيْسَ إِلَّا الْعَمَلُ بِفَتْوَى مُجْتَهِدٍ عَلَى التَّخْيِيرِ وَتَخْصِصِ الْعَمَلِ بِفَتْوَى مُجْتَهِدٍ وَنَحْوِ هَذَا لَا يُلْغَى إِلَيْهِ بَلْ هُوَ تَغْيِيرُ لِحُكْمِ الشَّارِعِ مِنْ دُونِ بَرْهَانٍ وَحُجْرٍ وَحُجْمَةِ اللَّهِ وَالْوَاسِعَةِ۔ انتہی۔

مصلحت کی بنا پر جواز تقلید کے لوازم:

اس سے معلوم ہوا کہ تقلید شخصی کا التزام اور کسی امام کے مذہب کی اپنے لئے تعیین کر لینا نہ صرف نئی شرع قائم کرنا بلکہ شرع الہی کو بدل دینا ہے۔ اور گو اس تعیین و تخصیص میں کچھ خوبیاں یا مصلحتیں بتائی جائیں یا اس تقلید کو کسی عموم شرعی میں داخل ٹھہرایا جائے اور ایسا کر کے اس کو مستحسن شرعی یا مامور دینی قرار دیا جائے۔ لیکن یاد رہے کہ ایسا ہی اور ساری بدعتوں میں کہا جاسکتا ہے۔ دین میں کوئی بدعت نہیں ہے جس میں بادی النظر میں کوئی شرعی خوبی مصلحت نہ نکل سکے یا بظاہر وہ کسی عام میں داخل نہ ٹھہرائی جاسکے۔ کیونکہ بدعت^(۱) کہتے ہی اس کو ہیں جو دین میں مخالفت کے طور پر نہیں بلکہ اشتباہ کے طور پر نکالی گئی ہو، اور اس میں دینی کام ہو جانے کا دھوکہ ہو۔ پس وہ کام کہ صریح خلاف^(۲) شرع نظر آتا ہو، اور اس میں دینی امر جو نئے کا اشتباہ ہی نہ ہو تو اس کو بدعت کہا ہی نہیں جاسکتا۔ بدعت وہی ہے جو بظاہر دینی امر اور نیک کام معلوم ہو لیکن دراصل وہ تعلیم شارع سے باہر اور اپنی خاص وضع اور ہیئت اور نئی صورت نوعیہ کی وجہ سے صحیح طور پر کسی شرعی حکم کے مصداق ہونے کی لیاقت نہ رکھتا ہو۔

(۱) در مختار میں بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں: ہی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بتويع شبهة انتہی۔ اور در المختار میں شمنی سے نقل کرتے ہیں: ما أحدث خلاف الحق المتلقى عن رسول الله (ﷺ) من علم أو عمل أو حال بتويع شبهة واستحسان وجعل دينا قويا۔ انتہی۔

(۲) مثل عام گناہوں وغیرہ کے جن کی شرع میں صریح ممانعت آئی ہے بدعت کے بارے میں جو نصوص وارد ہیں اس میں بدعت کی بابت ایسے ہی الفاظ وارد ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے بدعت وہ ہے جس کا حکم نہیں دیا گیا۔ چنانچہ ابھی جو آیت وحدیث مذکور ہوئی اس میں تم نے دیکھ ہی لیا۔ یہ نہیں کیا گیا کہ ایسی بات کرنا جس سے منع کیا گیا۔ پس کسی ایسے امر کی بابت جس کو بدعت کہا جائے یہ کہنا کہ اس میں بھیا حرج ہے شرع نے نہیں اس کو منع کیا یا یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ایک نادانی کی بات ہے۔

دوسری بدعات اور تقلید میں کوئی فرق ہے؟

چنانچہ تم ان مراسم کو دیکھو جن کو بحیثیت دینی برتنا جاتا ہے اور فریق مقابل کے گل یا اکثر افراد ان کا بدعت و ممنوع ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً محفل میلاد، تیجہ، دسواں وغیرہ عرس، فاتحہ مسرودہ، مصافحہ بعد العصر، سلوۃ الرغائب^(۱) وغیرہ کہ ان میں کوئی فعل ایسا نہیں ہے، جس میں کوئی نہ کوئی خوبی نظر نہ آتی ہو یا وہ کسی عموم شرعی مثل تجدید ایمان و ذکر اللہ و صدقہ وغیرہ میں داخل نہ معلوم ہوتے ہوں لیکن ان کی خاص صورت نوعیہ اور ہیئت کذائیہ کا بحیثیت دینی یا اس طور پر کہ ایک مسردی پر التزام کیا جاتا ہے، التزام کر لیا گیا۔ جس کی وجہ سے وہ تعلیم شارح پر مستزاد ٹھہرے اور بدعت قرار پائے۔ اسی طرح یہ تقلید شخصی اور خاص خاص مذہبوں کا التزام اور ان کی قید و تخصیص بھی ہے: جس کا مقلدین نے التزام کر لیا اور وہ اس پابندی کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ حالانکہ اس کا شارح نے حکم نہیں دیا اور جیسا کہ بدعات مذکورہ کے مرتکبین ان کے صحیح بنانے کے لئے کوئی نہ کوئی بات بناتے ہیں۔ اسی طرح تقلید شخصی کے پابند اس کے وجوب اور اس کے مشروع ہونے کو ثابت کرنے کے لئے طرح طرح سے باتیں بناتے ہیں، لیکن ان میں سی کوئی بات ایسی نہیں ہے جو دراصل قابل قبول ہو اور اس کو بدعت ہونے سے نکال دے۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید ایضاً الحق الصریح میں تحریر فرماتے ہیں:

”اتحانات اکثر متاخرین از فقہاء و صوفیہ کہ محض بنا بر ظن حصول بعض منافع دینیہ و مصالح شرعیہ بدون تمسک بدلیلی از دلائل شرعیہ اصلے از اصول عبادات یا معاملات اختراع نمائند تجدید

(۱) رجب کے مہینے میں جو اول جمعہ ہوتا ہے، اس کی شب میں انھیں پڑھنا پانچویں صدی میں مروج ہو گیا تھا اور بکثرت مختلف شہروں میں جاری ہو گیا۔ چونکہ بالخصوص اس میں کوئی شرعی نفع وارد نہیں، لہذا علماء نے اس سے منع کیا اور بدعت ٹھہرایا۔ دیکھو شامی وغیرہ۔

اصلی از اصول دینیہ بحمد و خاصہ احداث می کنند یا ترویج امرے کہ فاعل در قرون سابقہ بود بر روی
کاری آرند یا اجمال امرے کہ در اں از منہ مروج بود بعمل می آرند مثل نماز معکوس و وجوب تقلید شخصی
معین از ائمہ مجتہدین و مثل تحدید ذکر کلمہ تہلیل با وضاع مخصوصہ از اعداد و ضربات و جلسات و تحدید ماء کثیر
بعشر فی العشر و ترویج مسائل قیاسیہ و کشفیہ استغراق بجمع ہمت خود در اں و اجمال ظاہر کتاب و سنت
مگر بطریق تبرک و تہنن ہمہ از قبیلہ بدعات حقیقیہ است و آنچه در مقام عذر آن میگویند ہر چند کہ این امر
محدث است اما مشتمل بر مصلحتی از مصالح دینیہ است یا اصل آن در شرع ثابت است اگرچہ خصوصیت
مذکورہ محدث باشد پس مجر د این عذر امور مذکورہ از حد بدعات خارج نمی گرداند۔ ”مملخصاً۔
اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

”اما تخریجات متأخرین فقہاء مثل تحدید ماء کثیر بعشر فی العشر بنا بر قیاس بر زمین متعلقہ چاہ
و مثل حکم بوجوب تقلید مجتہدے معین از مجتہدین سابقین و حکم بالتزام بیعت شخصے معین از شیوخ
طریقت بنا بر قیاس بر اطاعت امام وقت و التزام بیعت او و امثال آن از تخریجات غر محصورہ کہ منقول
از متأخرین فقہاء و صوفیہ است و کتب فتنہ و سلوک بآن مملود مشحون است و اکثر اتباع ایشان ہمیں
تخریجات محدثہ را احکام شریعت و اسرار طریقت می انگارند ہمہ از قبیل بدعات است و دلائل ایشان
ہمہ از قبیل لطائف شعریہ و نکات مخمیلہ است کہ ہر گز احکام مذکورہ از بدعت خارج نمی گرداند۔
و در دائرہ شریعت ایمانیہ و طریقہ احسانیہ داخل نمی کنند۔“ انتہی۔ بقدر الحاجت۔

ان بیانات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ مذاہب مجتہدین میں سے کسی مجتہد کے مذہب کے
التزام اور اس کی تقلید شخصی کی شریعت میں کوئی اصلیت نہیں بلکہ وہ ایک بدعت ہے جو شریعت میں
پیدا ہو گئی اور اس میں دراصل کوئی ایسی وجہ نہیں ہے جو اس کو بدعت ہونے سے نکال کر مقبول
شریعت قرار دے۔ بلکہ وہ وہیں بالکل کچی اور خانہ ساز باتیں ہیں جو قابل قبول نہیں۔ اور اس
میں خوبیاں اور مصلحتیں بتائی جاتی ہیں وہ درحقیقت نکات بعد الوقوع کے قبیل سے ہیں نہ یہ کہ دراصل

تقليد شخصی ان وجوہ سے اختیار کی گئی بلکہ وہ اتفاقات روزگار اور دور زمانہ سے نکل کر جاری ہو گئی تو جن لوگوں میں وہ جاری ہوئی ان کو اس کے رواج کے پردے نے اس کے صحیح بنانے کے لئے ان باتوں پر مجبور کیا۔

تقليد شخصی اور آیت ”فاسئلوا اہل الذکر“ الایۃ۔ ایک مغالطہ:

اور اسی قبیل سے اس کو کسی عموم شرعی میں داخل کر کے مشروع ٹھہرانا بھی ہے چنانچہ بعض^(۱) لوگ بڑی کوشش کر کے اس کو اس شرعی عموم میں جس میں بے علم کو عالم سے دریافت کرنے کے حکم دیا گیا ہے داخل قرار دیتے ہیں اور یوں بات بنا کر اس کو مامور شرعی و واجب کہتے ہیں۔ حالانکہ تقلید شخصی کو جو کہ معمول بہ اور زیر بحث ہے اس عموم میں داخل بنا کر مشروع یا مامور قرار دینا سخت غلطی ہے۔ شارع کا بے علم کے لئے جہاں تک ارشاد ہے وہ صرف یہ ہے کہ جب بھی جو بات معلوم نہ ہو کسی علم والے سے دریافت کر لے جس پر عمل کی بس یہی صورت ہے کہ اسی عموم و اطلاق کے ساتھ جس کو جس کے ساتھ موقع ملے دریافت کر لے۔ گو بحسب اتفاق کوئی شخص مدت العمر ایک ہی عالم سے دریافت کرتا رہے اب اپنی طرف سے کسی امام و مجتہد کی تخصیص کرنا اور تمام مسائل میں اسی کے مذہب کی پیروی کا قصد رکھنا، اور جب ضرورت پڑے خصوصیت کے ساتھ اسی کے عندیے کی تلاش کرنا اور اسی کی تقلید کا التزام کرنا اور اپنے ذمہ کو اسی کی تقلید میں مشغول سمجھنا اور اس التزام کو^(۲) ضروری و واجب ٹھہر لینا جیسا کہ عموماً مقلدین کا طرز عمل ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ طرہ اس پر یہ ہے کہ باوجود علم کے اور صریح احادیث رسول دیکھنے کے ان کی طرف التفات نہ کرنا، بلکہ خاص خاص اماموں کے اقوال کے ساتھ جو جس کا نام لیا ہے پابند رہنا ارشاد شارع پر اپنی طرف

(۱) مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہ۔ (مشکوٰۃ: دیکھئے سبیل الرشاد، ص: ۲۶، ج۔ ۱)

(۲) ضمیر فتح مبین میں لکھتے ہیں: ”اسی واسطے تقلید امام واحد کی واجب ہوئی۔“ انتہی۔ اور لکھتے ہیں: ”تقلید مذہب واحد

کی واجب ہے اور یہی مدعا ہے۔“ انتہی۔ اور بعض عبارتیں اس قسم کی پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔

سے اضافہ کرنا اور اس پر قیدیں بڑھانا نہیں بلکہ اس کا بدل دینا اور اس کا مقابلہ کرنا ہے اور عموم و اطلاق شارع کو باطل کرنا۔ پس یہ تقلید شخصی اس عموم میں کیونکر داخل ٹھہرائی جاسکتی ہے اور اس پر کاربند ہونے والا ارشاد شارع کس طرح عامل قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور اگر یہ تقلید شخصی عموم حکم مذکور میں داخل اور اس وجہ سے وہ مشروع ہے تو پھر ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ تمام امور جن کو بدعت کہا جاتا ہے وہ بدعت کیسے ٹھہر سکتے ہیں۔ کیونکہ اسی طرح وہ بھی عمومات شرعیہ میں شامل ہیں۔ اور ان پر عمل کرنے والا بھی انہیں عمومات کے ایک فرد پر عمل کرتا ہے۔ پھر وہ بدعت کیسے ٹھہرائے گئے۔ ان کے بدعت ہونے کی یہی وجہ بتائی جاتی ہے کہ ان میں خاص خاص قیدیں اور اپنی طرف سے تخصیصیں بڑھائی گئیں اور لازم ٹھہرائی گئیں، اس وجہ سے وہ مشروع نہ رہے اور نہ امر شرعی میں داخل ٹھہرے۔ بس یہی وجہ اس تقلید شخصی^(۱) میں بھی موجود ہے۔

بالآخر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ تقلید شخصی کی یہ صورت جو معمول ہے عموم حکم مذکور میں داخل اور اس کا ایک فرد مشروع بھی ہے تاہم تقلید شخصی کا التزام اور اسی پر ہمارا حرج نہیں۔ اس لئے کہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ مامور مجیر میں سے تخصیص کے ساتھ ایک ہی شق کو اختیار کر لینا^(۲) اور امر شرعی کو اس کی حد پر نہ قائم رکھنا ممنوع اور نادرست ہے۔ پس جب کہ ارشاد شارع شخصی وغیر

(۱) خلاصہ یہ ہے کہ جو صورت کہ عموم حکم شرعی میں داخل ہے یعنی بحسب اتفاق جملہ مسائل میں کسی ایک کی طرف بالاحاطہ تخصیص و بقا قید التزام کے رجوع کرنا وہ معمول پر وزیر بحث نہیں اور جو معمول پر وزیر بحث ہے وہ داخل و فرد مشروع نہیں۔ یہ جو تحقیقات ذکر کی گئی اس سے مولوی رشید احمد صاحب کی اس تقریر کا بھی جو انہوں نے اثبات تقلید شخصی کے لئے مہمل الرشاد میں اور ایک ڈیڑھ ورق مضمون میں جو ہدایت المعتدی کے اخیر میں طبع ہوا ہے لکھی ہے جواب ظاہر ہو گیا۔ اس ڈیڑھ ورق مضمون کا ایک جواب مولانا محمد سعید صاحب بناری نے نور الابصار کے اخیر میں طبع فرمادیا ہے۔

(۲) چنانچہ نماز کے بعد داہنے و بائیں دونوں طرف پھر ناجائز اور دونوں فعل رسول (ﷺ) سے ثابت ہیں۔ لیکن عبد اللہ بن مسعود اپنی طرف کی تخصیص کر لینے کو حصہ شیطان کا کہتے ہیں۔ دیکھو صحیح بخاری۔ علامہ طہی لکھتے ہیں۔ ایک مستحب فعل پر اصرار کرنے اور اس کو ضروری کر لینے کی یہ برائی ہے تو ایک ناجائز اور بدعت پر اصرار کا کیا حال ہو گا۔ انتہی۔

شخصی دونوں کو شامل ہے اور دونوں کی تعلیم دیتا ہے تو پھر شخصی ہی کو اختیار کر لینا اور اسی کو واجب کہنا اور غیر شخصی سے انکار رکھنا اور اس پر عمل کرنے والے کو برا سمجھنا جیسا کہ عموماً مقلدین کا حال کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ غرض کہ اس تقلید شخصی کے بدعت و نادرت ہونے میں تردد کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اگر کسی وجہ سے تردد ہو بھی تب بھی اس کے ساتھ کار بند نہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ مسلمہ ہے کہ جس چیز کے بدعت و سنت ہونے میں تردد ہو اس کو ترک ہی کرنا چاہئے۔^(۱) اس لئے کہ ایک سنت پر عمل سے ترک بدعت زیادہ اہم ہے۔

بدعت چھوڑنے اور خالص سنی اور محمدی بننے کی ترغیب:

اور واقع میں بدعت ایسی بری بلا ہے کہ جس بات میں ہونے کا شبہ بھی ہو اس سے کوسوں

--- نفلی روزہ ہفتے کے سارے دنوں میں جائز اور باعث اجر ہے۔ اسی طرح قیام میل ہر رات میں مشروع اور مسنون ہے لیکن تخصیص جمعہ کو کہ جس کی تخصیص کر لیے جانے کا اس کی فضیلت کی وجہ سے احتمال تھا۔ فقہر صاحب (مولانا) نے پہلے ہی سے صاف صاف منع فرمایا۔ دیکھو صحیح مسلم۔

نماز میں الحمد کے بعد جو سورہ پڑھے سب جائز مشروع ہے۔ لیکن فقہاء کسی سورت کی تخصیص کو منع کرتے ہیں دیکھو: درمختار و المختار۔ اسی طرح جب مسلم ہے کہ تقلید دونوں طرح جائز و مشروع ہے تو ایک قسم کی تخصیص کر لینا کیسے جائز ہوگا۔

(۱) ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں: ما تروہ بین السنة والبدعة فتروکہ لازم لأن ترک البدعة لازم و أداء السنة غیر لازم۔ انتہی۔ تقلید شخصی کے مشروع و بدعت ہونے میں تردد ہے۔ اور دوسری صورت بلا تردد مامور و مشروع ہے تو پھر ایسی صورت کو جس میں بدعت ہونے کا احتمال ہو ضرور ترک کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ اگر اس کے ساتھ پابند رہے اور کبھی عند ان وہ بدعت ہی لگی تو سارے عمل بیکار گئے۔ بخلاف اس صورت کے کہ اس کے ساتھ پابند نہ ہوں اور دوسرے طریقے پڑ جو بلا خلاف (مولوی رشید احمد صاحب نے تقلید غیر شخصی کو مشروع و مامور اور ہم پد شخصی کا سبیل الرشاد اور ڈیجیٹل مضمون دونوں میں تسلیم کیا ہے۔) مشروع ہے عمل کرتے رہیں تو اگر وہ عند ان بدعت نہ لگی تاہم ہمارا کچھ حرج نہ ہوا۔ اس لئے کہ اتباع حق اس میں محصور نہ تھا اور ہم ایک دوسرے مشروع طریقے پر قائم تھے۔ اور اگر وہ بدعت لگی تاہم ہمارا کچھ نہ بگڑا۔ اس لئے کہ ہم اس سے محفوظ اور کنارہ کش تھے۔ پس اگر اس کے بدعت ہونے کا یقین نہیں تب بھی اس سے علیحدہ ہی ہونا چاہئے۔ دع ما یوریک ابی مالا یریک۔

بھاگنا چاہئے۔ شرک کے بعد بدعت سے بدترین کوئی گناہ نہیں۔ بدعت سے اللہ تعالیٰ کو ایسی نفرت ہے کہ مبتدع^(۱) کا نہ فرض قبول ہے نہ نفل۔ بدعت کی شومی سے مبتدع کی کوئی عبادت مقبول نہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کیا چیز بری ہو سکتی ہے۔ لوگو! اللہ پاک وبے نیاز سے جس نے تم کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ تم اس کی صحیح صحیح طور پر عبادت کرو اور اس کے سچے دین پر چلو، ڈرو، اور اس تقلید شخصی کو جو کہ بدعت حقیقیہ یا حکمیہ ہے یا اس میں مشابہت مبتدعین کی ہے یا تردد بدعت ہونے کا ہے چھوڑ کر خالص سنی و محمدی ہو جاؤ اور اسلام کے رنگ اصلی کو جو کہ سلف صالح کا طریق تھا اختیار کرو۔

شاہ اسماعیل صاحب ایضاح الحق میں تحریر فرماتے ہیں:

”بالجملة غرض ازیں کلام آنکہ اشتغال بہ تفتیش ظاہر کتاب و سنت و تعلیم آن خواہ بخواندن باشد خواہ باستماع مضامین آن و سعی در اشاعت آن از جنس اکل و شرب و لباس است کہ مدار زندگی بر آنست و اشتغال با احکام فقیہ معتبرہ و اشتغال صوفیہ نافعہ از قبیل مداوایہ و معالجب است کہ عند الضرورت بقدر حاجت بعمل آرند و بعد ازاں بکار اصلی خود مشغول باشد و عنوان و شعار خود محمدیہ خالصہ و تسنن قدیم باید داشت نہ تمذیب بمذہب خاص و انسلاک در طریقہ مخصوصہ بلکہ مذاہب و طرق را مثل و کاین عطارین باید شمرد و خود را از منسلکان جند محمدی۔ محمدیہ خالصہ را شعار خود باید کرد و اقامت ظاہر سنت را کار و بار خود باید داشت و احکام فقیہیہ را و اشتغال صوفیہ معتبرہ را کہ خالی از ثوب فراد و بدعت باشد بقدر

(۱) انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب بدعت کی توبہ کو (قبول کرنے سے) روک رکھا ہے جب تک کہ وہ اپنی بدعت نہ چھوڑے۔ اس کو طبرانی نے بمعنی روایت کیا۔ اور ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ صاحب بدعت کا عمل قبول کرے جب تک کہ وہ اپنی بدعت نہ چھوڑے اس کو ابن ماجہ اور ابن ابی عاصم نے روایت کیا۔ اور حذیفہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ صاحب بدعت کا اللہ تعالیٰ ہر روز قبول کرتا ہے نہ نماز، نہ حج، نہ عمرہ، نہ جہاد، نہ فرض، نہ نفل۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا۔

حاجت استعمال باید کرد و از انداز حاجت به آن توکل بناید کرد۔

خلاصہ یہ ہے کہ آدمی ہر واقعہ اور ہر محل میں قرآن و حدیث کے حکم کی تلاش رکھے، اپنے آپ کو علم ہو، اپنے طور پر معلوم کرے، ورنہ کسی ذی علم^(۱) سے معلوم کر لے۔ اگر صریح قرآن و حدیث سے مسئلہ نہ ملے اور اپنے آپ کو اس درجہ کا علم نہ ہو کہ بطور قیاس و استنباط کے مسئلہ نکال سکے، کسی مجتہد مسلم الاجتہاد کے بتائے ہوئے مسئلے کو لے لے مجتہدین سابقین مسلم الاجتہاد جس قدر گزرے ہیں سب اہل حق اور پیشوائیں اور ایک عامی محض کے لئے سب نسبت مساوی رکھتے ہیں اس کو جس مجتہد سے اتفاق پڑے یا جس کا فتویٰ مل جائے اس پر عمل کر لینا چاہئے اس کے کسی امام کے مذہب

(۱) آدمی کے خیالات پر رسم و رواج کا اثر:

عوام کو بطور خود نہ امام کا فرمودہ مسئلہ معلوم ہے نہ حدیث رسول (ﷺ) جب تک کہ وہ کسی عالم سے نہ دریافت کریں تو جس طرح وہ کسی مقلد عالم سے دریافت کر کے امام کا فرمودہ مسئلہ معلوم کرتے ہیں۔ اسی طرح کسی عالم اہل حدیث سے حدیث رسول (ﷺ) معلوم کر سکتے ہیں۔ جب کسی مسئلہ میں حدیث رسول (ﷺ) کا کوئی پتہ نہ چلے یا کوئی اور اشکال پیش ہو تو کسی صحابی کے قول و فعل یا کسی اور مستند عالم کے قول پر عمل کرے جیسا کہ سلف کا دستور تھا۔ نہ یہ کہ جب مسئلہ کی ضرورت ہو تو اسی امام کا مذہب دریافت کریں جس کی تقلید اپنے اوپر لازم کر لی اور اسی سے دریافت کریں جو انہیں کا مقلد ہو۔ ایسا نہ کرنے میں جو استبعاد نظر آتے ہیں کہ اگر تعین مذہب واحد کی نہ کی جائے تو انتظام نہیں بن سکتا۔ یا ہر کوئی اپنی ہی کہتا ہے کس کی بات سنانی جائے یا مذہب میں بکثرت اختلاف ہے، کس کے قول پر چلا جائے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے استبعاد اور اشکال صرف اس وجہ سے معلوم ہوتے ہیں کہ یہ طرز عمل ان کے رواج کے خلاف ہے۔ اس وجہ سے ان کو وہ خلاف عقل معلوم ہوتا ہے اور ان کے ذہن اس میں طرح طرح کے شکوک پیدا کرتے ہیں۔ اگر ان کے رواج کے موافق ہوتا تو پھر کوئی اشکال اس میں ان کو نہ معلوم ہوتا۔ رواج کو بھی غیب دخل ہے۔ اپنے رواج کے خلاف ایک معقول بات بھی خلاف عقل معلوم ہوتی ہے اور مروج بات غیر معقول بھی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس سے کوئی ہوش منداکار نہیں کر سکتا۔ آخر پہلے تین چار سو برس تک تقلید شخصی نے عام رواج نہیں پایا تھا انتظام کیوں کر بنتا تھا، جن میں آج کل کی طرح ہر قسم کے لوگ ہوتے تھے اور ایک ایک مذہب میں جو علما و مذہب کا بکثرت مسائل میں اختلاف ہے کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔ چنانچہ فقہ سے جو واقف ہے اس پر ظاہر ہے۔ ان میں عوام کیسے فیصلے کر لیتے ہیں۔ غرض اشکال کچھ بھی نہیں ہے مگر ان کے رواج اور ان کی طبیعت کے خلاف ہونا یہ سب کچھ کہتا ہے۔

مقرر کرنے یا کسی مجتہد کے مذہب کے التزام کرنے کے کوئی معنی نہیں۔

عامی کا کوئی مذہب نہیں:

ردالمحتار در مختار میں ہے عامی کا کوئی مذہب نہیں، اس کا مذہب وہی ہے، جو بروقت مفتی اس کو فتویٰ دے^(۱) انتہی۔ آگے چل کر بحر سے یہ بھی نقل کیا کہ ایک عامی شخص جو اپنے آپ کو حنفی یا شافعی کہے تو اس سے وہ حنفی شافعی کہے تو اس سے وہ حنفی شافعی نہیں ہوتا^(۲) انتہی۔ ابن الہمام^(۳) شرح بدایہ میں لکھتے ہیں:

عامی کو اس بات کا لینا جو اس کے دل میں صواب تر معلوم ہو بہتر ہے، پس اگر وہ کسی مسئلہ میں دو مجتہد سے فتویٰ طلب کرے اور وہ اختلاف کریں تو بہتر یہ ہے کہ وہ اس کو لے جس طرف اس کا دل مائل ہو یعنی جس بات کے زیادہ صحیح ہونے پر اس کا دل گواہی دے اور میری رائے میں اگر وہ اس کے قول کو لے گا جس کی طرف اس کا دل مائل نہیں تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ اس کا مائل ہونا اور نہ ہونا برابر ہے اس پر واجب تو کسی مجتہد کی تقلید ہے اور وہ اس نے ان میں سے کسی کا بھی قول ہو لے کر کر لے۔

فقہاء حنفیہ اور تقلید معین کا التزام:

ابن الہمام کے اس قول کو شامی نے بھی ذکر کیا۔ شامی نے تحریر اور اس کی شرح سے یہ بھی

(۱) عبارت یہ ہے: العامي لا مذهب له بل مذهبه مذهب مفتيه انتهي۔

(۲) عبارت یہ ہے: إما غيره ممن قال أنا حنفي أو شافعي لم يصب كذلك بمجرد القول كقولنا أنا فقيه

أو نحوي انتهي۔

(۳) عبارت یہ ہے: أن أخذ العامي بما يقع في قلبه أنه أصوب أولى وعلى هذا إذا استفتى مجتهدين

فاختلفا عليه الأولى أن يأخذ بما يميل إليه قلبه منهما وعندي أنه لو أخذ بقول الذي لا يميل إليه جاز لأنه ميله

وعلمه سواء والواجب عليه تقليد مجتهد وقد فعل انتهي۔

نقل کیا ہے کہ اگر کوئی کسی ^(۱) مذہب معین مثل مذہب ابی حنیفہ (رحمہ اللہ) یا شافعی (رحمہ اللہ) کا التزام کرے تو اس پر یہ ہے کہ ایسا کرنے سے اس پر وہ لازم ہوتا۔ انتہی۔ اور ایک دوسرے مقام پر اسی کے متعلق لکھتے ہیں ^(۲) :

”محقق ابن امیر حاج شارح نے تحریر فرمایا بلکہ دلیل شرعی {فَسْأَلُوا أَهْلَ الدِّينِ كَوْنُكُمْ لَا تَعْلَمُونَ} نے اس مسئلہ میں کہ مجتہد کی طرف ضرورت ہو بلا قید تعین کے مجتہد کے قول پر عمل اور اس کی تقلید کو چاہا ہے اور سوال جس کا آیت میں حکم ہے اسی وقت پایا جائے گا جب کہ کسی حادثہ معینہ کا حکم معلوم کرنا، مغلوب ہو تو اس وقت اس کو جس مجتہد کا قول معلوم ہو جائے اس پر عمل واجب ہے۔ رہا التزام تو اس کا اعتبار دلیل سے ثابت نہیں ہوا۔“

یعنی آیت سے تو صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ جو مسئلہ معلوم نہ ہو جس وقت ضرورت پڑے کسی مجتہد سے دریافت کر لے۔ اور کسی مجتہد کی تعین اور جب ضرورت پڑے اسی سے یا اسی کے مذہب کے دریافت کرنے کا التزام تو یہ کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں اور جب دلیل شرعی نے لازم نہیں کیا تو کسی کے اپنے اوپر لازم کیسے ہو سکتا ہے۔ غرضیکہ کسی خاص مجتہد کے مذہب کے التزام اور تقلید شخصی اختیار کرنے کی نہ عالم ^(۳) کے لئے کوئی وجہ ہے

(۱) عبارت یہ ہے : ثم ذكر أنه لو التزم مذهبا معينا كأبي حنيفة والشافعي فقل يلزمه وقيل لا وهو

الأصح۔ انتہی۔

(۲) عبارت یہ ہے : قال الشارح المحقق ابن امير الحاج بل الدليل الشرعي يقتضي العمل بقول

المجتهد وتقليده فيه فيما احتاج إليه وهو فاسئلوا اهل الذکر والسؤال إنما يتحقق عند طلب حكم الحادثة المعينة فإذا ثبت عنده قول المجتهد وجب عمله وإما التزمه فلم يثبت من السمع اعتبار ملزم انتہی۔

(۳) جناب مولوی اسماعیل صاحب شہید (رحمہ اللہ) تحریر العینین میں کیا خوب فرماتے ہیں : ولست شعري كيف

يجوز التزام شخص معين مع تمكن الرجوع إلى الروايات المنقولة عن النبي (ﷺ) الصريحة بالدلالة على خلاف قول الإمام المقلد فإن لم يترك قول إمامه ففيه شائبة من الشرك ---

اور نہ عامی^(۱) کے لئے۔

--- کما بدل علیہ حدیث الترمذی عن عدی۔ انہی۔ یعنی "میں نہیں جانتا ایک شخص معین (کے مذہب) کا التزام کر لینا کیسے جائز ہو سکتا ہے باوجود احادیث رسول (ﷺ) کی طرف رجوع کی قدرت کے کہ جو امام کے قول کے خلاف ہو جس کی تقلید کی جاتی ہے صریح دلالت کرتی ہیں۔ پس اگر کوئی امام کے قول کو نہ چھوڑے تو اس میں شرک کا شائبہ ہے جیسے حدیث ترمذی جو عدی سے مروی ہے۔ اس پر دلالت کرتی ہے۔ "انہی۔ اس سے قبل یہ بھی لکھا کہ نہ لوگوں نے تقلید میں زیادتی کی اور شخص معین کی تقلید کے التزام میں سختی برتی۔ حتیٰ کہ اجتہاد کو اور بعض مسائل میں دوسرے امام کی تقلید کو منع کرنے لگے اور یہ وہ سخت بیماری ہے جس نے شیعوں کو ہلاک کیا اور یہ لوگ بھی بلاکت کے کنارے پہنچے ہوئے تھے۔ مگر شیعوں نے مبالغہ کیا جس نصوص سے درگزر ہی کر لیا اور ان لوگوں نے ان کو لے کر اپنے امام کے قول کی طرف پھیرا حالانکہ لازم تھا قول امام کو نصوص کی طرف پھیرنا یا چھوڑ دینا۔" (نہایسا کرنا)

(۱) اور یہ کہنا کہ ہم مثلاً امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تخصیص اس واسطے کرتے ہیں کہ ہم کو انہیں کے ساتھ عقیدت ہے۔ محض ایک بے اصل حیلہ ہے اس لئے کہ ایک عامی کو امام صاحب سے عقیدت اور دیگر ائمہ مثل امام شافعی یا امام احمد یا امام بخاری سے بدعقیدتی یا کم عقیدتی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ وہ بیچارہ منازل اہل علم کو کیا پہچانے۔ بجز اس کہ چونکہ ان کے باپ دادا وغیرہ انہیں کے مقلد رہے ہیں اور یہ ان کے منہ سے واقعی یا مبالغہ آمیز فضائل سنتے رہے ہیں اور ہمیشہ انہیں کا نام نامی گوش زد ہوتا رہا ہے۔ لہذا ان کے دل ان کی عظمت سے بدبو رہے ہیں۔ لیکن اس قسم کی عقیدت ترجیح کی وجہ نہیں ٹھہر سکتی۔ اس قسم کی ترجیح تو ہر مشرب و ملت کے لوگوں کو اپنے علماء کے ساتھ حاصل ہے۔ شیعہ، معتزلہ وغیرہم کے عوام بھی اپنے مقتدا علماء کی پیروی کرنے اور انہیں کی بات ماننے کی یہ وجہ بنا سکتے ہیں اور اس کے متعلق ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ بہر حال التزام مذہب کی یہ وجہ قرار دینا کہ ہم کو انہیں کے ساتھ عقیدت ہے کوئی موجب وجہ نہیں اور حقیقت میں یہ بھی ایک زبانی حیلہ ہے اور اصل بات یہ ہے چونکہ بحسب اتفاق ان کی تقلید شائع ہو گئی اور یہ ان کے مقلدین میں پیدا ہوئے تو اب اس التزام کی اور کوئی وجہ نہیں بنتی تو عقیدت کا بہانہ کر دیا۔ جو جس امام کے مقلدین کے گھر میں پیدا ہوتا ہے پس وہ انہیں کا معتقد بن جاتا ہے۔ بجز اس کے اس خصوصیت عقیدت کی اور کوئی وجہ نہیں۔ اگر وہ عقیدت کی کچھ مناقب پیش کریں تو دیگر ائمہ کے بھی مناقب دیکھیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ چنانچہ پہلے گزر چکا۔

اس کے علاوہ فقہاء نے اپنے مذہب کے ساتھ بمقابلہ دوسرے مذاہب کے اس قسم کی عقیدت رکھنے کو خودی رد کر دیا ہے۔ اور عامی کے میلان قلب کو بھی غیر معتبر بتایا ہے۔ چنانچہ مذکور ہو چکا علاوہ ہر میں تقلید منقول کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ (دیکھو شامی وغیرہ) اور اگر اسی قسم کی عقیدت سے کام لیتا ہے تو جو مشہور و مستند امام متاخر ہے وہ زیادہ قابل عقیدت ہے۔ اس لئے کہ وہ پہلوں کی معلومات و دلائل سے بھی واقف ہے اور اس کا اپنا تجربہ علیحدہ۔

ایک قابل اصلاح غلط فہمی:

پس مثلاً یہ خیال کرنا کہ ہم حنفی ہیں ہم کو اسی مسئلہ پر چلنا چاہئے جو امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور جب کسی مسئلہ کی ضرورت ہو انہیں کا مذہب تلاش کرنا اور ان کے ہی مذہب کو دریافت کرتے پھرنا۔ پھر ان کے مذہب کا مسئلہ معلوم ہو تو بے تامل اس پر کاربند ہو جانا اور اگر کسی دوسرے امام کا بتایا ہوا معلوم ہو تو اس سے کوئی غرض نہ رکھنا گویا ان کے حق میں شرع محمدی بس وہی ہے جو حنفی مذہب ہے۔ اور جب کوئی حدیث رسول (ﷺ) معلوم ہو تو اگر حنفی مذہب کے موافق ہو اس کو تولے لینا اور جو معلوم ہو جائے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ نہیں ہے تو اس سے رک جانا یا اس میں کوئی تاویل کر دینا، اور اپنے ذمہ کو ان کی ہی پیروی و تقلید میں مشغول سمجھنا اور اس وجہ سے اپنے کو ان کے ساتھ نامزد اور منسوب کرنا جیسا کہ عموماً مقلدین کا حال ہے، ایک غلطی ہے جو دور زمانہ اور اتفاقات روزگار سے پیدا ہو کر مروج ہو گئی۔ جس کا اللہ نے حکم دیا، اور نہ اس کے رسول (ﷺ) نے، لیکن اس کے رواج نے بہتوں کو غلط فہمی میں ڈال دیا۔

کچھ تو سوچئے!

سو اے لوگو! حق کے طالبو ادل سے اپنے رب کی مرضی چاہنے والو! اس کے پسندیدہ تر راستے کی تلاش کرنے والو! ذرا تم سوچو اور تھوڑی دیر کو تو خالی الذہن ہو کر دیکھو اور کچھ تو منصفانہ نظر سے علیحدہ بیٹھ کر غور کرو۔ کیا اہل حدیث کے مذہب میں کوئی ایسی بات ہے جو اسلام سے ان کو خارج کرتی ہو یا وہ ان اکابر کے کلام سے جن کو تم تسلیم کرتے ہو ثابت نہ ہو۔ جتنی باتیں جن میں اہل حدیث کو نزاع ہے تم نے نہیں ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس سے کسی دیدہ و رکوا قرار سے

چارہ ہو۔

پس اگر تم کو بھی اقرار ہے تو چشم مارو شن دل ماشاد۔ پھر کیا نزاع ہے، اور اس صورت میں جب کہ تم تحقیق کے تابع ہو نہ تقلید کے۔ اگر بعض مسائل جزئیہ میں اختلاف بھی رہے تاہم وہ اس بات کو نہیں چاہتا کہ ان بے چارے غرباء اسلام کے ساتھ اس شقاق و خلاف کا برتاؤ برتا جائے جیسا کہ عموماً ان کے ساتھ برتا جاتا ہے اس لئے کہ مسائل کا اختلاف ^(۱) سلف میں بھی تھا۔ اور خود حنفیہ میں آپس میں بکثرت ^(۲) مسائل میں اختلاف ہے۔ پھر جب اصل مذہب تسلیم ہے تو مسائل جزئیہ کے اختلاف پر اس قدر عناد کیوں ہے۔ اور اگر تسلیم نہیں تو ہم نہیں جانتے کہ ایسے صریح حق سے جو عسین

(۱) ایسے اختلاف برداشت کرنے چاہئیں:

شاد صاحب حجۃ اللہ میں لکھتے ہیں: ”صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد والوں میں بعض وہ تھے جو (نماز میں) بسم اللہ پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے اور کوئی اس کو ہر سے پڑھتا تھا اور کوئی بلا ہر اور بعض نماز فجر میں قنوت پڑھتے تھے اور بعض نہیں اور کوئی پچھنے لگانے اور نکیر اور قے سے وضو کرتا تھا اور کوئی نہیں اور کوئی مس ذکر اور عورت کو بٹھوت چھونے سے وضو کرتا تھا اور کوئی نہیں۔ اور بعض آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرتے تھے اور بعض نہیں۔ اور بعض اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرتے تھے اور بعض نہیں (یعنی ان چیزوں کو بعض ناقض وضو سمجھتے تھے اور بعض نہیں سمجھتے تھے) اور باوجود اس کے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ چنانچہ (امام) ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد اور (امام) شافعی وغیرہم مدینے کے اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے کہ جو امام مالک کے مذہب کے موافق بسم اللہ پڑھتے ہی نہ تھے (حالانکہ یہ سب صاحب بسم اللہ پڑھنے کے قائل تھے۔ اور (بارون) رشید کو امام مالک نے پچھنے لگانے سے وضو نہ ٹوٹنے کا فتویٰ دیا تھا تو بارون رشید نے پچھنے لگا کر نماز پڑھائی اور (امام) ابو یوسف نے ان کے پیچھے نماز پڑھی) (حالانکہ ابو یوسف وضو نہ ٹوٹنے کے قائل تھے) اور امام احمد بن حنبل نکیر اور پچھنوں سے وضو نہ ٹوٹنے کے قائل تھے۔ ان سے کسی نے کہا کہ اگر نماز میں کوئی شخص ایسا امام ہو جس کے خون نکلا ہو اور پھر اس نے وضو نہ کیا ہو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے تو فرمایا کہ امام مالک یا سعید بن المسیب کے پیچھے (جو وضو نہ ٹوٹنے کا قائل تھے) میں کیوں کر نماز نہ پڑھوں اور منقول ہے کہ ابو یوسف اور محمد (رحمہما اللہ) سعید بن میں ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کی (روایت کے موافق بارہ) تکبیر میں کہتے تھے کیونکہ بارون رشید اس کو پسند کرتے تھے۔ (حالانکہ ان دونوں کا یہ مذہب نہ تھا۔ اور بزاز یہ میں ہے کہ ابو یوسف نے حرام میں نہا کر جمعہ کی نماز پڑھائی۔ بعد کو خبر ملی کہ حرام کے کوئی نہیں مرا ہوا چہا نکلا تو کہنے لگے اس وقت ہم اپنے بھائیوں اہل مدینہ کے قول کو کہ قلین پانی ہو تو ناپاک نہیں ہوتا لیتے ہیں۔ اسی ملخصاً۔ (ص: ۶۳ اوص: ۶۵)۔

(۲) چنانچہ کتب فقہ کو جس نے دیکھا ہے وہ خوب جانتا ہے اور بعض مثالیں ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں۔

تعالیم اسلام ہے اختلاف کی کیا وجہ ہے۔ اگر تم انصاف کرو تو ضرور پاؤ گے کہ مذہب اہل حدیث عین منشاء اسلام ہے۔ جس سے کسی مسلمان کو اختلاف کرنے کی گنجائش نہیں۔ لیکن ذرا غور و تامل کی ضرورت ہے اور سمجھ کی بات۔

بھائیو! انصاف سے کام لو اور اللہ وعدہ لا شریک لہ سے کہ جس کے پاس تم کو حساب دینے کو جانا ہے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ سچی بات اختیار کرنے سے تم کو لوگوں سے شرم یا کسی کے برا کہنے کا خیال یا کسی کا ڈر یا اپنے آباؤ اجداد کے رسم و رواج کی پابندی یا کسی دنیاوی نفع یا نقصان کا خیال روکے۔ اسی قسم کی باتیں اکثر ان لوگوں کو جن کو تم بھی ناحق جانتے ہو حق قبول کرنے سے روکتی ہیں۔ اگر ہم بھی ایسا ہی کریں تو پھر ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے۔

مذہب اہل حدیث کی قدامت:

مذہب اہل حدیث کی سچائی کے لئے کم سے کم یہی بات کافی ہے کہ جو اہل حدیث کا مذہب ہے وہی مذہب اس وقت تھا جب کہ اسلام اپنی تروتازگی پر تھا اور ظاہر ہے کہ اس وقت کے مسلک و مذہب کی بابت متغیر اور ناحق ہونے کا ذرا بھی گمان نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہی مسلک و مذہب ^(۱) ان لوگوں میں رائج تھا جن کی بہتری اور خوبی کی شہادت خود پیغمبر صاحب (ﷺ) نے دی۔ برخلاف مذہب تقلید کے کہ ان خیر و خوبی کے زمانوں کے بعد نکلا اور جاری ہوا، اور ایسے زمانوں میں پھیلا جس کی پیغمبر صاحب (ﷺ) نے مذمت کی جو کہ زمانہ ظہور بدعات ^(۲) و شرور کا ہے۔

(۱) یعنی اصحاب خیر القرون جو کہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین ہیں۔

(۲) اس کے متعلق کچھ بیان پہلے ہو چکا۔ دیکھو: حاشیہ ص: ۸۵۔

جماعت اہل حدیث کی بابت غلط خیالی کی وجہ:

اور پھر جس قدر زمانہ خیر و صلاح کا دور ہوتا گیا اور متناثر زمانہ آتا گیا اسی قدر وہ پھیلتا اور شائع ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ وہ ایسا عام و شائع ہو گیا کہ لوگ اس پہلے مسلک کو بھول گئے اور اس سے نا آشنا ہو گئے اور جس پر وہ تھے اسی کو اصلی مسلک سمجھنے لگے اور جو اصلی ہے اس کو ناحق خیال کرنے لگے۔ اور ذرا دیر کو خالی الذہن ہو کر تامل صادق سے کام نہ لیا۔ بس یہی بڑی وجہ ہوئی۔ عموماً لوگوں کے اس سخت غلطی میں پڑ جانے کی۔ **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ**۔ اے اللہ! تو ہی ہدایت کر اور سچی بات کے سمجھنے کی توفیق دے۔ **وَمَا ذَلِكْ عَلَيْكَ بَغِيرٍ**۔

اہل حدیث کی حقانیت کی ایک اور دلیل۔ اہل حدیث کا حضرت (ﷺ) کے زمانے سے لے کر بعد کے تمام زمانوں میں موجود رہنا۔

لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان مابعد کے زمانوں میں اس پہلے مسلک پر کوئی نہ رہا اور سب کے سب تقلیدی ہو گئے۔ اس لئے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ منجر صادق نے خود پیش گوئی فرمائی ہے کہ میری امت ^(۱) کا ایک گروہ حقانی ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس کا مصداق وہی گروہ ہو سکتا ہے جو اس وقت موجود تھا۔ نہ وہ کہ ایک مدت دراز کے بعد پیدا ہوا اور اس وقت اس کا وجود نہ تھا۔ پس بحسب آپ کی پیشین گوئی کے وہی ہمیشہ باقی رہے گا۔ چنانچہ وہ برابر ہر زمانے میں موجود رہا۔ یہ ایک مستقل دلیل ہے اہل حدیث کے گروہ حقانی ہونے کی ابتداء اسلام سے چوتھی صدی تک

(۱) الفاظ حدیث یہ ہیں: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مِنْ خَذَلْتَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ۔ الحديث۔ أخرجه مسلم وغيره۔ علی بن المدینی استاذ امام بخاری فرماتے ہیں: هم أصحاب الحديث۔ امام احمد صاحب نے فرمایا: إن لم يَكُونُوا أَهْلَ الْحَدِيثِ فَمَنْ هُمْ۔ انتہی۔ یعنی اس کے مصداق اہل حدیث نہیں تو اور کون ہیں۔

اہل حدیث کے ہونے سے تو کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا۔ اور پہلے ہم ابوطالب مکی اور شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی وغیرہم کے اقوال ذکر بھی کر چکے ہیں اور علامہ ذہبی کے کلام کا سلسلہ ابتداء سے ظہور تقلید کے زمانے سے تم پڑھ چکے ہو۔ اب ہم اسی سلسلہ کو زمانہ مابعد کے متعلق بھی لکھتے ہیں۔ اس سے تم کو زمانہ مابعد میں اہل حدیث کا رہنا اور بطور نمونہ کے بعض کے نام بھی معلوم ہو جائیں گے۔

چند قدیم علماء اہل حدیث اور تارکین تقلید کے تراجم:

ذہبی (رحمہ اللہ) نے طبقہ تاسعہ کے بعد طبقہ عاشرہ کو لکھا۔ اس طبقہ میں ائمہ حدیث نبوی میں سے ثنائیہ امام ذکر کئے جن میں سے یحییٰ بن مخلد قرطبی کو ذکر کر کے لکھتے ہیں۔ امام مشہور پیشوا مجتہد تھے۔ کسی کی تقلید نہ کرتے (۱) تھے۔ سنت کے زندہ کرنے والے تھے۔ ان کے مذہب اہل حدیث کو ظاہر کرنے کی وجہ سے لوگوں نے ان سے تعصب کیا۔ لیکن امیر اندلس نے لوگوں کے ہاتھ سے ان کو بچالیا۔ ۲۷۶ھ میں انہوں نے انتقال فرمایا۔ اور حافظ کبیر احمد بن عاصم کو ذکر کر کے لکھتے ہیں۔ ان کا مذہب ظاہر قرآن و حدیث تھا۔ قیاس نہیں کرتے تھے۔ حافظ ابو نعیم نے کہا ظاہری المذہب تھے ۲۸۶ھ میں انتقال کیا۔ اور قاسم بن محمد اندلسی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں، کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ کتاب الایضاح جو مقلدین کے رد میں ہے اس کے مصنف یہی ہیں۔ ان کا مذہب استدلال اور حجت کا تھا، دلیل کے ساتھ بصیرت رکھنے کی بابت اندلس میں کوئی ان کا نظیر نہ تھا۔ ۳۰۶ھ میں انتقال کیا اور حافظ ابن خزیمہ صاحب صحیح کو ذکر کر کے ان کا قول لکھتے ہیں۔ رسول اللہ (ﷺ) کی جب صحیح حدیث مل جائے تو اس کے سامنے پھر کسی کا قول نہیں۔ ۳۱۳ھ میں انتقال کیا۔ اور علامہ ابن المنذر کے کہ جن کی بے نظیر تصانیف مشہور ہیں ترجمہ میں لکھتے ہیں، کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ اختلاف اور دلائل کا علم انتہاء درجے کا رکھتے تھے۔ ۳۱۸ھ میں انتقال کیا۔ اور حافظ حسین بن محمد

(۱) لفظ یہ ہے: لا یقلد أحداً انتہی۔

سنجی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ خراسان میں ان سے بڑھ کر کوئی حدیث دان نہ تھا۔ اہل الراے کو حدیث نہیں پڑھاتے تھے، مگر بڑی مشکل سے۔ اور حافظ امام ابو یعلیٰ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: ”علماء ظاہریہ میں سے تھے حدیث کی بحث و تلاش بہت کرتے تھے۔ اہل قیاس کا رد کیا کرتے تھے۔ عابد اور متبع سنت تھے۔ ۳۴۶ھ میں انتقال کیا۔ حافظ مستغفری کہتے ہیں۔ ہم ان کے جنازہ میں شریک تھے تو ان کے ساتھ ایسا شور دیکھا کہ گوفوج شاہی آ رہی ہے۔ جب نماز کو کھڑے ہوئے تو وہ شور تھم گیا۔ پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی آدمی ابو یعلیٰ کے سر ہانے کھڑا کھڑ رہا ہے، اے لوگو! جس کو سیدھا راستہ اختیار کرنا ہو وہ ابو یعلیٰ کے طریقہ کو اختیار کرے۔ اور حافظ حسن بن سعید قرطبی کے تذکرے میں لکھتے ہیں۔ مجتہد تھے کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ اور محدث العراق ابن شاکین کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ ان کے سامنے جب کسی کے مذہب کا ذکر آتا تھا تو کہتے تھے۔ میں محمدی المذہب ہوں۔ ۳۵۵ھ میں انتقال کیا۔ طبقہ ”عاشرہ“ کے بعد طبقہ ”حادی عشرہ“ یعنی گیارہویں طبقہ کو اور اس میں کچھ اوپر سترائے کو اور بارہویں طبقہ کو اور اس میں تیس اماموں کو اور ان کے حدیث میں توغل وغیرہ کو بیان کیا۔ اس میں حافظ محمد بن علی ساطی متوفی ۴۴۱ھ کو اور ان کے حصر حدیث اور اس کی خدمت کو ذکر کر کے ان کے چند اشعار بھی ذکر کئے، جو انہوں نے حدیث سے خلاف کرنے والوں کی مذمت میں لکھے ہیں، اس میں امام حمیدی صاحب الجمع بین الصحیحین متوفی ۴۸۸ھ کو جو کہ ظاہر کتاب و سنت پر چلتے تھے ذکر کیا اور اسی میں حافظ محمد بن طاہر مقدسی اور امام عبد ری متوفی ۵۴۴ھ کو اور ان دونوں کے حدیث کو لازم پکڑے ہوئے ہونے اور ظاہر کتاب و سنت پر چلنے کو بھی ذکر کیا۔ پھر تیرہویں طبقہ کو اور اس میں حافظ امام کو تاہ اصفہانی کو ذکر کر کے ان کا یہ قول بھی ذکر کیا کہ میں اس شخص کے طریق سے بڑھ کر کوئی طریق جنت کو پہنچانے والا نہیں جانتا کہ جو حدیث پر چلے۔ انہوں نے ۵۵۳ھ میں انتقال فرمایا۔ پھر چودہویں طبقہ کو، اور اس میں چوتیس حفاظ حدیث کو بیان

کیا جو اثری المذہب عامل بالحدیث تھے۔ پھر پندرہویں طبقہ کو، اور اس میں کتنے عاملین بالحدیث کو جو کسی کے مقلد نہ تھے بیان کیا۔ اسی میں حافظ ابن الرومیہ اندلسی متوفی ۶۳۷ھ کو بھی ذکر کیا۔ جو پہلے مالکی تھے۔ پھر عامل بالحدیث ہو گئے تھے۔ پھر سولہویں طبقہ کو، اور اسی طرح اکیسویں طبقہ تک برابر سب طبقات کو بیان کیا۔ اور ہر طبقہ میں ایک جماعت علماء عاملین بالحدیث کی جو کسی کے مقلد نہ تھے بیان کی۔ جن میں سے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) کو ذکر کر کے ان کی بہت کچھ تعریف کی۔ ابن تیمیہ نے ۷۳۸ھ میں انتقال کیا۔ اور امام ذہبی نے بھی ۷۴۸ھ میں انتقال فرمایا۔ امام ذہبی بھی عامل بالحدیث تھے اور کسی کے مقلد نہ تھے۔ چنانچہ خود ان کے اقوال جو ہم نے ذکر کئے اس پر دلالت^(۱) کر رہے ہیں۔ یہاں تک کے بیان سے ابتداء سے لے کر آٹھویں صدی کے وسط تک سلسلہ وراثت حدیث کا ہونا ثابت ہو گیا۔

شاہ ولی اللہ عقد الجید میں فرماتے ہیں^(۲) کہ ”شیخ عبدالوہاب شعرانی (رحمہ اللہ) نے اصحاب مذاہب کے زمانہ سے لے کر اپنے وقت تک کی ایک جماعت عظیم علماء مذاہب سے نقل کیا کہ وہ بلا التزام مذہب معین کے فتوے دیتے اور عمل کرتے تھے۔“

شیخ عبدالوہاب شعرانی دسویں صدی میں^(۳) تھے۔ اس سے دسویں صدی تک ایسے لوگوں کا ہونا جو تقلید شخصی کے پابند نہ تھے ثابت ہو گیا۔ علامہ شوکانی نے بدرطالع میں اپنے زمانے کے قریب زمانوں میں ممالک یمن میں برخلاف دیگر ممالک کے بکثرت علماء اہل حدیث کے ہونے

(۱) علامہ ذہبی فرماتے ہیں: شعر۔ العلم قال اللہ قال رسولہ: إن صح والإجماع فاجتہد فیہ

واحذر من نصب الخلاف جہالۃ، بین الرسول و بین رأی فقیہ

(۲) عبارت یہ ہے: ثم نقل عن جماعة عظيمة من علماء المذاهب أنهم كانوا يعملون ويفتون بالمذاهب

من غیر التزام مذہب معین من زمان أصحاب المذاهب إلى زمانہ۔ انہی۔ (ع: ۹۸۔)

(۳) شیخ موصوف نے ۷۳۸ھ میں وفات پائی۔

پر جو قرآن و حدیث پر عامل تھے اور کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ فخر کیا۔ علامہ موصوف ۲؎ کے اچھے میں پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ علامہ شوکانی سے کچھ زمانوں سے پہلے سے مالک یمن میں علماء اہل حدیث کا پتہ کتب تراجم میں ملتا ہے۔ خود بدرطالع میں بھی بہتوں کا ذکر موجود ہے۔ اور یہ مقولہ جو ہم نے ذکر کیا یہ علامہ محمد بن ابراہیم بن الوزیر کے ترجمہ میں جو بڑے پکے اہل حدیث سے تھے شوکانی نے ذکر کیا۔ اور علامہ موصوف ۵؎ کے چھ میں پیدا ہوئے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ مالک یمن میں شوکانی سے پہلے دسویں و گیارہویں صدیوں وغیرہ میں اہل حدیث ہوتے رہے۔ اور قاضی شوکانی کے وقت میں اور ان کے بعد سے اس وقت تک تو خود ہندوستان میں بکثرت اہل حدیث کا ہونا ظاہر ہے۔ پس ان تمام بیانات سے پیغمبر صاحب (ﷺ) کے وقت سے لے کر اس وقت تک برابر ایسے لوگوں کا ہونا جو عامل بالحدیث تھے اور تقلید شخصی کے پابند نہ تھے ثابت ہو گیا۔ اب ہم کو زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن مزید اطمینان کے لئے مختلف زمانوں کے کچھ لوگوں کو بہ تفصیل نام بطور مثال کے اور ذکر کئے دیتے ہیں۔ علامہ علی بن حزم ظاہری (۱) پہلے شافعی المذہب تھے۔ ترک تقلید کر کے ظاہر قرآن و حدیث پر عامل ہو گئے۔ کچھ تہذیب و ضمنا ان کا پہلے بھی ہو چکا۔ (۲) ۳۴۵ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۴۵۶ھ میں انتقال کیا۔ شیخ ابن عربی فتوحات مکہ میں لکھتے ہیں۔ میں نے نبی (ﷺ) کو خواب

(۱) محدثین میں کئے بعض لوگوں نے انکار قیاس اور اتباع ظاہر میں ایک حد تک تشدد کیا وہ ظاہری کہلاتے ہیں لیکن یہ جو کہا جاتا ہے کہ ظاہر قرآن و حدیث پر چلتے تھے۔ اس کے ہر جگہ یہی معنی نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مقلدین کی طرح اپنے امام کے موافق بنانے کے لئے نصوص شرعیہ میں تاویل نہیں کرتے تھے بلکہ جو صریح متشخصی نصوص شرعی کا ہونا تھا اس کے پابند تھے۔

(۲) بعض لوگوں نے ان کی زبان ورازی اور علماء پر اعتراض کی شکایت کی ہے۔ لیکن ان کے دیگر حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ سچ ہے تو ان کا ایسا کرنا جو بد جوش دینی و بغرض حمایت حق تھا بغرض غیب گیری و العلم عند اللہ و قد افطی الی ما قدم۔ اور اگر فی الواقع یہی کسی میں کوئی بات نامناسب ہو تو ہم کو اس سے کیا مطلب۔ ہمارا تو مذہب خدا ما صفا و دغ ما کدر ہے۔

میں دیکھا کہ حضور (ﷺ) نے ابن حزم سے معافہ کیا۔ اور ایک دوسرے میں غائب ہو گئے^(۱) اور صرف رسول (ﷺ) ہی نظر آتے تھے۔ یہ غایت درجہ کا وصل و اتحاد ہے۔ انتہی۔ یہ ان کے اتباع حدیث کا طفیل تھا۔

شیخ الاسلام ابو اسماعیل ہر وی انصاری۔ یہ حفظ حدیث میں مشہور تھے۔ ان کی تصنیف سے کئی کتابیں ہیں۔ صاحب مجاہدات تھے۔ ان کے ہاتھ پر کتنی بار کراستیں بھی واقع ہوئیں۔ اشاعت سنت میں انہوں نے بڑی بڑی تکالیف اٹھائیں۔ اظہار حق میں بڑے پکے تھے۔ خود ان کا بیان ہے کہ پانچ مرتبہ میرے اوپر تلوار صرف اسی بات پر لائی گئی کہ مجھ سے کہا جاتا تھا کہ سکوت اختیار کرو، کسی سے کچھ مت کہو۔ میں نے کہا، کہنا نہیں چھوڑوں گا۔ ایک مرتبہ علماء شافعیہ و حنفیہ نے بحضور سلطان وقت کے ان سے مناظرہ چاہا۔ انہوں نے کہا کہ میں مستعد ہوں، لیکن جو میرے پاس موجود ہے اس کے ساتھ مناظرہ کروں گا۔ ان لوگوں نے کہا: تمہارے پاس کیا ہے؟ کہا: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (ﷺ)۔ چنانچہ قرآن شریف اور صحیحین ان کے پاس موجود تھیں۔ سلطان نے ان لوگوں کی

(۱) جناب مولانا فرحین صاحب محدث دہلوی کی بابت ایک خواب:

اسی کے قریب وہ خواب ہے جو میرے والد ماجد (حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب مدظلہ العالی) کو جو ہمیشہ سے ایک عجیب زاہد اور دین دار آدمی میں حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی (مدظلہ العالی) کی نسبت نظر آیا۔ جب والد ماجد تمام فنون درسیہ سے فارغ ہو گئے اور حدیث کی تحصیل کا عزم کیا تو چونکہ جناب میاں صاحب اس فن میں نہ صرف کمال کے ساتھ بلکہ اپنے زمانے میں تقریباً تفرّد کے ساتھ مشہور ہیں، لہذا انہیں کی خدمت میں حاضری کا قصد کیا اور دہلی پہنچے۔ دہلی پہنچنے کے بعد بعض ان کے پرانے احباب اس بات پر مصر ہوئے کہ میاں صاحب سے نہ پڑھیں، اس لئے کہ کہیں جگہ نہ جائیں۔ اور بعض دیگر مولویوں کے پاس جانے کی تحریض کی کہ سنے سے ان کے ارادے میں بھی تزلزل ہو اور وہ خود بھی میاں صاحب کے پہلے سے ہم مسلک نہ تھے۔ خواب میں دیکھتے ہیں کہ ایک مقام پر جناب رسول (ﷺ) تشریف رکھتے ہیں۔ پھر حضور پر نور کے بجائے میاں صاحب نظر آنے لگے۔ اور اب اسی جگہ پر میاں صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس خواب کے بعد انہوں نے انہیں سے استفادہ پر کمر بستہ کی، اور وہیں تحصیل حدیث سے فراغت حاصل کی۔ یہ ان کو میاں صاحب کا کمال اتباع اور پکی جانشینی دکھائی گئی۔ اللہم وفقنا لذلك، آمین۔

طرف اشارہ کیا کہ کہتے ہو۔ پھر کسی نے مناظرہ کا ارادہ نہ کیا۔ عقائد میں جیسا کہ عموماً اہل حدیث کا حال ہے امام احمد (رحمہ اللہ) کا سامذہب رکھتے تھے۔ اور اس پر بہت متشدد تھے۔ علم کلام کی مذمت میں بھی ایک کتاب لکھی ہے۔ علامہ ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) اجوبہ مصریہ میں لکھتے ہیں۔ حدیث اور تفسیر اور تصوف میں امام تھے، اور فقہ میں اہل حدیث کے مذہب پر تھے۔ ان پر اتباع حدیث غالب تھا۔ انتہی۔ لوگوں نے ان کو ان کے وطن سے نکال بھی دیا تھا۔ نکالے جانے کے بعد جب مسرو میں پہنچے تو علامہ بغوی ان سے ملے اور کہا: آپ میں اللہ نے سارے فضائل جمع کر دیئے تھے، ایک سنت رسول (ﷺ) وطن سے نکالا جانا باقی تھی، اس کو بھی پورا کر دیا۔ ۳۹۶ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۴۱۱ھ میں انتقال کیا۔

شیخ المشائخ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (رحمہ اللہ) گوہلی مشہور ہیں لیکن دراصل وہ کسی (۱) کے مقلد نہ تھے۔ چنانچہ امام شعرانی کے قول میں گزر چکا۔ اور بھتہ الاسرار (۲) میں ہے کہ امام شافعی اور امام احمد کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ انتہی۔ معلوم ہوا بلا پابندی کسی ایک مذہب کے جس بات کو قوی پاتے تھے اسی پر فتویٰ دیتے تھے۔ اور فتوح الغیب میں فرماتے ہیں، قرآن و حدیث کو اپنے پیش نظر رکھو اور ان کو غور و تامل کے ساتھ دیکھو۔ اور کسی کے قول سے دھوکا نہ کھانا۔ انتہی۔ اور غزیۃ الطالبین میں تحریر فرماتے ہیں۔ اہل بدعت کی کتنی علامتیں ہیں جس سے وہ پہچان لیے جاتے ہیں۔ ایک علامت ان کی اہل حدیث کی بدگوئی کرنا ہے۔ انتہی۔ شیخ موصوف کا صاحب کرامات ہونا ہمارے بیان کا محتاج نہیں۔ ۴۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور

(۱) لیکن ان کو امام احمد صاحب سے ایک خاص عقیدت ضرور تھی۔ چنانچہ ان کا یہ بھی قول ہے کہ کوئی اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا جب تک امام احمد کے عقائد پر نہ ہوئے۔ امام احمد صاحب کے ساتھ عقیدت کچھ انیس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عموماً اہل حدیث کو ان کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ عقیدت ہے اور میں بھی وہاں کا برگروہ علماء اہل حدیث سے۔

(۲) عبارت یہ ہے: "أنه كان يفتي على مذهب الشافعي وأحمد بن حنبل۔"

۵۶ھ میں انتقال فرمایا۔^(۱)

حسن بن مسلم (رحمہ اللہ) انہوں نے حضرت پیران پیر صاحب کی صحبت اٹھائی تھی۔ صاحب کرامات تھے۔ امام ابو شامہ فرماتے ہیں۔ یہ ابدال میں سے تھے اور سلف کے مسلک عمل بالحدیث کو پکڑے ہوئے تھے۔ انتہی۔ درندوں کا بھی ان کے تابع ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ۵۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۹۴ھ میں انتقال فرمایا۔

حافظ الحدیث تقی الدین عبد الغنی مقدسی۔ ایک لاکھ سے بھی زائد حدیثیں ان کو حفظ تھیں۔ تلاش حدیث کا شغل رکھتے تھے۔ رفیق اقلب تھے۔ حدیث پڑھاتے وقت رویا کرتے تھے اور لوگ بھی انکے اثر سے رونے لگتے تھے۔ عابد آدمی تھے اپنے وقت کو ضائع نہ ہونے دیتے تھے۔ صاحب کرامات تھے۔ ان کی کئی مقبول اور نہایت مفید تصانیف ہیں۔ ابن النجار اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ پرہیزگار تھے۔ سلف کے طریق پر حدیث کے ساتھ تمسک کرتے تھے۔ انتہی۔ نبی عن المنکر میں بڑے مضبوط تھے۔ کچھ تذکرہ ان کا ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔

حقیقہ کا اہل حدیث پر تشدد:

اہل بدعت سے ان کو بہت تکلیفیں پہنچیں۔ خود ان کا بیان ہے کہ موصل میں ہم بختاب الجرح والتعدیل عقلی کی پڑھا رہے تھے۔ چونکہ اس میں امام ابو حنیفہ کا بھی ذکر تھا۔ اہل موصل ہمارے اوپر چڑھ آئے اور مجھ کو پکڑ کر لے گئے اور میرے مار ڈالنے کے لئے مجھ کو ایک گھر میں بند کر دیا۔ ایک فقیہ کہ ان سے بغض رکھتا تھا اس نے خواب میں دیکھا کہ یہ پیغمبر صاحب (ﷺ) کے ہاتھ میں

(۱) لیکن شیخ موصوف کی احادیث کا جو انہوں نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا محدثین اعتبار نہیں کرتے۔ حدیث میں ان کے اس تسامح کی وجہ غالباً زیادہ تصوف کی طرف متوجہ رہنا ہے۔ اس قسم کے تسامح اور عباد اور صوفیہ کو بھی پیش آیا ہے۔ صوفیہ تنقید احادیث میں سستی کرنے کی ایک وجہ ان کا فرط حسن بھی ہے۔

پاتھ ڈالے ہوئے مسجد میں ٹہل رہے ہیں اور پیغمبر صاحب (ﷺ) کو حدیثیں سنا سنا کر دریافت کر رہے ہیں۔ جب وہ خواب سے جاگا تو اس نے اپنی عداوت سے توبہ کی۔ ایک اور صاحب نے خواب میں دیکھا کہ یہ پیغمبر صاحب (ﷺ) کے دربار میں حاضر ہوئے۔ پیغمبر صاحب (ﷺ) نے ان کو پاس بٹھالیا تو یہ رو کر حضور (ﷺ) سے لوگوں کے برتاؤ کا ذکر کرنے لگے اور کہنے لگے کہ فلاں فلاں لوگ حدیث میں مجھ کو جھٹلاتے ہیں یعنی مانتے نہیں تو حضور (ﷺ) فرماتے ہیں عبد الغنی تو سچا ہے۔ اصحاب تراجم نے ان کے بارے میں اور بھی بہت سے خواب ذکر کئے ہیں۔ تقریباً ۵۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔

محمد بن احمد بن قدامہ مقدسی۔ بڑے عابد و زاہد تھے۔ بعض بزرگوں کا مقولہ ہے، ان کے وقت میں اگر کوئی نبی ہونے والا ہوتا تو یہ ہوتے۔ حافظ ضیاء مقدسی لکھتے ہیں جو حدیث پاتے اس پر ضرور عمل کر لیتے۔ انتہی۔ ابوالمظفر کہتے ہیں: یہ سلف صالح کے مذہب پر تھے۔ کتاب و سنت و آثار مرویہ کے ساتھ تمسک کرنے والے تھے۔ کسی کو برا نہ کہتے تھے اور نہ کسی پر طعن کرتے تھے۔ انتہی۔ عمل میں مضبوط تھے ہر کار خیر کے لئے مستعد رہتے تھے۔ بورے پر سو یا کرتے تھے۔ مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات تھے۔ ۵۲۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۶۰۰ھ میں انتقال کیا۔ اس روز سخت دھوپ اور گرمی تھی۔ مگر ان کے جنازے پر ایک ایر کا ٹکڑا برابر سایہ کئے رہا، اور جنازے میں تقریباً بیس ہزار آدمی جمع ہوئے۔

امیر المؤمنین منصور یعقوب بن امیر یوسف بن امیر عبد المؤمن سلطان مراکویہ بڑے پکے اہل حدیث تھے۔ باوجود سلطنت کے بڑے زہد کے ساتھ رہتے تھے، اور اپنے عیش و آرام کی پرواہ نہ تھی۔ علامہ ذہبی (۱) تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں: بعد بادشاہ ہو جانے کے انہوں نے زہد

(۱) تاریخ الاسلام للذہبی ہمارے پاس نہیں ہے لیکن اس موقع کی عبارت ہم کو تحریر علوم حدیثیہ

اور کھانے پینے وغیرہ میں بھی تنگی اور کمی کو اختیار کیا اور ان کے وقت میں عباد اور صالحین اور اہل حدیث کا آواز بلند ہو گیا اور فقہ کے فروعیات اٹھ گئے۔ انہوں نے فقہ کے شغل اور اس میں انہماک کے ترک کی لوگوں کو تائید کی اور محدثین کو کتب احادیث سے لے کر حدیث کا مجموعہ تیار کرنے کا حکم دیا، جو اس مجموعہ کو حفظ کر لیتا تھا، اس کو انعام دیتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ ان کا قصد تھا مالک مغرب سے امام مالک کے مذہب کی تقلید کو اٹھا دینے کا۔ اور لوگوں کو ظاہر قرآن و حدیث پر عمل کرنے پر آمادہ کرنے کا۔ اور یہی قصد ان کے باپ اور ان کے دادا کا بھی تھا، لیکن وہ ظاہر نہ کرنے پائے۔ اور انہوں نے ظاہر کر دیا۔ حافظ قرآن و حافظ متون حدیث تھے۔ امام ابو شامہ کہتے ہیں: انہوں نے نگر تو حید کو پھیلایا اور جہاد کا جھنڈا بلند کیا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عامل ہوئے۔ حدود شرع اپنے اقرباء اور غیروں سب پر حاوی کرتے تھے۔ سخی و جوانمرد منصف تھے۔ علماء کے اکرام کرنے والے اور شرع پر عمل کرنے والے تھے۔ پانچوں نمازیں جماعت سے پڑھتے تھے اور صوف پہنتے تھے اور عورت اور کمزور کی حاجت سننے کو کھڑے ہو جاتے تھے۔ فروع فقہ کے چھوڑ دینے کا حکم تھا۔ اور یہ کہ علماء صرف قرآن و حدیث سے فتوے دیں۔ انتہی۔ ملخصاً من تاریخ الاسلام۔ اور علامہ دمیری حیات الحيوان میں لکھتے ہیں: حدود شرعی اپنے اہل بیت میں بھی قائم کرتے تھے جیسے اور تمام لوگوں میں قائم کرتے تھے، حکم دیا کہ فقہاء صرف قرآن و حدیث سے فتویٰ دیں اور کسی کی تقلید نہ کریں۔ انتہی۔ اس کے بعد بھی یہ لکھا کہ اس طریقہ (عمل بالحدیث) پر چلنے والی بلاد مغرب سے ایک جماعت آ کر ہم سے ملی جن میں شیخ محی الدین ابن عربی صاحب فتوحات مکیہ کو بھی بتایا۔ امیر یعقوب نے ۶۰۹ھ یا ۶۱۰ھ میں انتقال کیا اور شیخ موصوف ۵۶۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۶۳۸ھ میں

--- حضرت مولانا مولوی شمس الحق صاحب مد فیضہ الجاری سے جن کو اشاعت سنت کا ایک خاص ذوق ہے مل گئی۔ اس

کے سوا جو ہم نے اس موقع پر تراجم لکھے بیشتر حصہ ان کا التاج المکمل سے ماخوذ ہے اور التاج المکمل کا مافہ پہلے بتا چکے۔

انتقال کیا۔ شیخ موصوف تھے تو ظاہری مذہب، لیکن ان کو صوفیت میں بے حد انہماک تھا۔ اسی کے متعلق ان کے بعض کلام ان کی تصانیف میں ایسے ہیں ^(۱) جو بظاہر تسلیم کے قابل نہیں۔ ان کی وجہ سے علماء ان کی بابت مختلف ہیں۔ کوئی تو ان کی تکفیر ^(۲) کرتا ہے اور کوئی توقف کر رہا ہے اور بہت سے بے حد معتقد ^(۳) ہیں۔ والعلم عند اللہ۔

احمد بن ابراہیم واسطی خراسانی عارف و زاہد محدث تھے۔ ابتداء میں یہ فقہاء شافعیہ اور بعض فقہاء سے ملے مگر دل کو تسکین نہ ہوئی۔ پھر اسکندر یہ میں شاذلیوں سے ملے، ان سے آثار محبت الہی اور معرفت اور سلوک کے پا کر ان سے منتفع ہوئے۔ پھر دمشق پہنچے تو شیخ تقی الدین بن تیمیہ سے ملے اور ان کی صحبت میں رہے۔ انہوں نے سیرت محمدیہ (علیہ السلام) کے مطالعہ کی ہدایت کی۔ پس یہ کتب حدیث کے مطالعہ میں مشغول ہوئے۔ اور تمام طریقوں اور ذوقوں کو چھوڑ کر احادیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور جو آپ کی چال و حال کتب احادیث میں مسرور ہوئی ہے اس کے تابع ہو گئے۔ اصول و فروع ہر دو میں حدیث کے ہو رہے۔ جو حدیث میں پاتے اس پر عمل کرتے۔ اور طوائف مبتدعہ مثل اتحادیوں وغیرہ کا رد کیا کرتے۔ امام احمد صاحب (رحمہ اللہ) کا مذہب عقائد میں اختیار کر لیا۔ طریقت اور فقر محمدی اور حدیث کے موافق سلوک کے بیان میں متعدد کتب انہیں لکھیں، جن سے صوفیہ اہل حدیث نے بہت فائدہ اٹھایا۔ ۶۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۵۰ھ

(۱) لیکن درمختار میں لکھتے ہیں کہ یقیناً وہ کلمات بعض یہود نے شیخ قدس سرہ کی نسبت تھوپ دیئے ہیں۔ انتہی۔ نہ وہ دراصل ان کے ہیں۔

(۲) منجملہ ان کے شیخ ابراہیم علی ہیں۔

(۳) جن میں ابن الزمکانی، شیخ عبد الوہاب شعرانی، شیخ مجد الدین فیروز آبادی، شیخ عزالدین بن عبد السلام، سعد الدین حموی، قاضی احمد حوہی، جلال الدین سیوطی، علامہ مقرئ، نعمان آفندی، بحر العلوم لکھنوی، شیخ عبد الغنی ناموسی ابن کمال پاشا صاحب درمختار، شیخ ابن عابدین صاحب رد المختار وغیرہم ہیں۔ یہ سب ان کے بہت معتقد اور مداح ہیں۔

میں انتقال کیا۔

علامہ ابن المقریزی احمد بن علی۔ تاریخ میں بڑے متحر تھے۔ پہلے حنفی تھے فقہ حنفی حاصل کی پھر شافعی ہو گئے۔ علامہ سخاوی کہتے ہیں: لیکن وہ ظاہریت کی طرف مائل تھے۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ: حدیث سے محبت رکھتے تھے۔ اس وجہ سے اس پر قائم رہتے تھے۔ حتیٰ کہ ابن حزم کے مسند ہب کی طرف متہم کئے جاتے تھے۔ انتہی۔ ۶۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ۸۴۵ھ میں انتقال کیا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی ان کے تخر اور دلائل سے مسائل پر آزادانہ بحث اور جو مسئلہ من حیث الدلیل راجح ہو اس کے ترجیح دینے پر خواہ وہ کسی امام کا ہو ان کی تصانیف شاہد ہیں اور بات صریح بھی وہ مقلدین کا رد کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ فتح الباری میں ایک مقام پر لکھتے ہیں^(۱): اس سے ثابت ہوا کہ وقائع خاصہ کبھی بڑوں سے مخفی رہتے ہیں۔ اور چھوٹوں کو اس کی خبر ہو جاتی ہے۔ اور اس سے رد ہو گیا مقلد کا کہ جب اس کے سامنے ایسی حدیث دلیل میں لائی جاتی ہے، جو اس کے خلاف ہے تو کہنے لگتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اس کو مثلاً فلاں عالم جو اس کا امام و مقتدا ہے ضرور جانتا ہوتا۔ انتہی۔ اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں^(۲): اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر صاحب (ﷺ) کا جب حکم ثابت ہو جائے تو کسی کو اس کے خلاف کرنے کی مجال نہیں اور نہ یہ کہ اس کے خلاف کے لئے حیلے نکالے۔ بلکہ اس کو اصل قرار دے کر اس کے خلاف کو اس کی طرف پھیرے۔ نہ یہ کہ برعکس

(۱) عبارت یہ ہے: فيه أن الوقائع قد تخفى على الأكابر ويعلمها من دونهم وفي ذلك رد على المقلد إذا

استدل عليه بخبر يخالف فيجيب لو كان صحيحاً لعلمه فلا ن مثلاً۔ انتہی۔

(۲) عبارت یہ ہے: ويستفاد من ذلك أن أمره (ﷺ) إذا ثبت لم يكن لأحد أن يخالفه ولا يتحیل فی

مخالفتہ بل يجعله الأصل الذي يرد إليه ما يخالفه لا بالعكس كما يفعل بعض المقلدين ويغفل عن قوله

تعالیٰ: {فليخذر الذين يخالفون} الآية۔ انتہی۔ یعنی پس چاہئے کہ ڈریں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں حکم رسول (ﷺ)

کے اس سے کہ پیچھے ان کو کوئی بلا یا عذاب دردناک۔

کرے جیسا کہ بعض مقلدین کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول: {فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ}۔ الآیہ سے غافل رہتے ہیں۔ انتہی۔

شیخ شہاب الدین بن محمد منزلاوی۔ امام شعرانی طبقات کبریٰ میں ان کی بابت لکھتے ہیں: صالح۔ سنی۔ محمدی۔ قرآن و حدیث پر عمل کو لازم پکڑے ہوئے تھے۔ میں نے شیخ محمد بن عثمان کے بعد ان سے بڑھ کر کوئی حدیث کو نگاہ رکھنے والا نہیں دیکھا۔ شیخ موصوف فرمایا کرتے تھے۔ جس کو حدیث یاد رکھنا منظور ہو تو بس اس پر عمل کرنے لگے وہ اس کی قید میں آجائے گی اور پھر وہ نہ بھولے گا۔ درس بھی دیا کرتے تھے۔ مسافروں کی مہمان داری کیا کرتے تھے۔ میں ان کی صحبت میں قریب چالیس برس کے رہا۔ میں نے نہیں دیکھا کہ وہ کسی بات میں سنت سے ہٹے ہوں۔ انتہی۔ امام شعرانی نے یہ بھی لکھا کہ کتاب و سنت کے اتباع میں ان کی مثال دی جاتی تھی۔ ۱۵۹ھ میں انتقال کیا۔

علامہ سید یحییٰ بن حسین احادیث پر عمل کی طرف مائل تھے۔ نصوص صحیحہ کے خلاف جس کا قول ہوتا تھا رد کرتے تھے۔ جیسا کہ بدرطالع میں مذکور ہے۔ صاحب تصانیف ہیں۔ اہل زمانہ سے ان کو مصائب بھی پہنچے۔ تقریباً ۱۰۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۸۰ھ میں انتقال کیا۔

علامہ صالح بن مہدی مقبلی صنعانی۔ بدرطالع میں لکھتے ہیں: علوم کتاب و سنت و اصول وغیرہ میں بڑے ماہر تھے۔ تقلید نہ کرتے تھے۔ دلیل پر چلتے تھے۔ علماء صنعاء سے ان سے مناظرے بھی ہوئے۔ بلکہ مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے۔ وہاں بھی مشقتیں جھیلتے رہے۔ صاحب تصانیف ہیں۔ ان کی تصانیف مقبول ہیں۔ بڑے فصیح البیان ہیں۔ ان کا کلام اگر کوئی بغور دیکھے تو کبھی تقلید پر قائم نہیں رہ سکتا۔ معتزلہ کا بہت رد کیا۔ احتجاج نامی ایک کتاب لکھی جس میں کشاف پر اعتراض کیے۔ اشعریہ اور صوفیہ اور فقہاء کا بھی جو مسائل ان کے خلاف قرآن و سنت پائے رد کیا۔ بعض محدثین کے غلو

پر بھی اعتراض کیا۔ ۱۰۴ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۱۰۸ھ میں انتقال کیا۔

علامہ عبد القادر بن علی بدری۔ علامہ مقسلی کے شاگرد ہیں۔ دلیل کے تابع تھے۔ ان کے چند رسائل بھی ہیں جن میں طریقہ اجتہاد پر چلے۔ کچھ دنوں تک مدینہ میں عہدہ قضا پر بھی مامور ہے۔ ۱۰۶۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۱۶۰ھ میں انتقال کیا۔ کذا فی البدایہ الطالع۔

علامہ سید محمد بن اسماعیل امیر صنعانی۔ بدر طالع میں ہے۔ مجتہد مطلق تھے علماء حرمین سے علوم تحصیل کئے۔ تمام فنون میں فائق ہو گئے۔ دلیل پر عامل تھے۔ تقلید سے نفرت رکھتے تھے۔ ان کو ان کے معاصرین نے اذیتیں دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کا محافظ رہا چونکہ یہ کتب حدیث اور صحابہ سے پر جھکے ہوئے تھے اور انہیں پر عمل کرتے تھے۔ اس وجہ سے عوام الناس ان کو اپنے خلاف پا کر ان پر نا صبی ہونے کی تہمت لگاتے تھے۔

کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے۔۔۔؟

عوام کا دستور ہے جو ایسا کرے بالخصوص جب کہ سنن صلوٰۃ مثل رفع الیدین وغیرہ پر عمل کرے تو اس پر ایسی تہمتیں لگاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس سے نفرت رکھتے ہیں۔ اور پھر اس سے عداوت رکھنے لگتے اور اس کو بالکل بے حقیقت سمجھتے ہیں۔ لیکن اس بات کی عوام سے کوئی شکایت نہیں۔ شکایت تو ان سے ہے جنہوں نے فقہ کی کچھ کتابیں پڑھ لیں اور اپنے قصور نظر سے سمجھنے لگے کہ اس میں سے کسی بات کی مخالفت کرنا نفس شریعت اور قطعی حکم کا انکار کرنا ہے۔ حالانکہ وہ خود ان کتابوں میں اور ان کتابوں کے مصنفوں کے مذہب کے خلاف بڑے بڑے وچھوٹے ائمہ کو خلاف کرتا ہوا پڑھتے ہیں۔ پس اگر ان فقہی مسائل کا خلاف ایسا مذموم ہوتا تو یہ ائمہ کیوں خلاف کرتے۔ انتہی۔ شوکانی نے اس مضمون کو کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے زمانہ کی بھی یہی حالت ہے۔ اس وجہ سے اس کا خلاصہ ذکر کرنا یہاں ہم نے مناسب خیال کیا۔ علامہ موصوف ۱۰۹۹ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۱۸۲ھ میں

انتقال کیا۔

سید عبدالقادر بن احمد کو کہانی علامہ سید محمد اسماعیل امیر اور علامہ محمد حیات مدنی وغیرہ سے انہوں نے علوم تحصیل کئے۔ بدرطالع میں لکھتے ہیں: دیار یمن میں مجموعہ علوم میں آخر میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ بڑے محدث تھے۔ بدرطالع میں ان کو مجتہد مطلق بھی کہا ہے۔ انہوں نے بہت سے مسائل حدیثیہ مقلدین کو منوائے تھے۔ ۱۳۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰۰ھ میں انتقال کیا۔

علامہ سید یحییٰ بن عمر بن مقبول اہل متوفی ۱۱۳۰ھ اور ان کے خلف الصدق علامہ سید سلیمان اور ان کے فرزند رشید علامہ سید عبدالرحمن متوفی ۱۲۵۰ھ۔ یہ سب کے سب عامل بالحدیث اور تارک تقلید تھے اور بڑے عابد و زاہد و مقبول و مقتدا لوگ تھے۔ ان کے مناقب میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔

امام محمد بن علی یمنی شوکانی۔ متاخرین اہل حدیث میں یہ عالم بھی ایک بے مثل جامع و ماہر جمیع فنون اصول و فروع معقول و منقول اور مجتہد مطلق گزرے ہیں۔ ان کی تصانیف ان کے کمالات کی شاہد موجود ہیں۔ احکام حدیث میں ان کی کئی مبسوط اور تحقیقات سے پر کتابیں ہیں۔ مثل نیل الاوطار اور اسل الجرار وغیرہ۔ اور ایک تفسیر بسیط فسطح القدر ہے۔ اور اصول میں ایک بے مثل کتاب ارشاد النحول ہے۔ ان کا ایک رسالہ القول المسفیہ فی رد التقليد بھی ہے۔ ان کے فیض سے ہزار ہا لوگ اہل حدیث ہوئے۔ کتنے اکابر علماء نے ان کے مناقب تصانیف میں جمع کئے۔ کثرت تلامذہ اور وفور تصانیف اور تبحر اصناف علوم میں مشہور تھے۔ ہندوستان سے بھی تحصیل حدیث کے لئے لوگ ان کے پاس گئے۔ ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ۱۲۵۰ھ میں انتقال کیا۔ یہاں پر ہم نے جن اصحاب کا ذکر کیا ان کے سوا اور بھی کتنے اشخاص کا ہم پہلے متفرق ذکر کر چکے ہیں۔

یہ علماء جن کا ہم نے ذکر کیا یہ کوئی پوشیدہ اور کم درجہ کے لوگ نہ تھے۔ بلکہ بڑے بڑے مستند اور مقتدی لوگ تھے۔ پس ایک صحیح الرائے بھیجی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جب ان کا یہ مسلک و مشرب تھا تو ان کے زمانے میں اور ان کے بعد ان سے نیچے کے طبقہ کے عوام و خواص ان کی بات کے ماننے والے اور ان کے طریقے پر چلنے والے ضرور موجود تھے جو مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کی تقلید شخصی کے پابند نہ تھے اور بعض کے تراجم میں تو صریحاً بہت لوگوں کا ان کے ہم مسلک ہونا مذکور ہے۔ پس ان زمانوں میں نہ صرف خواص کا بلکہ عوام و خواص ہر قسم کے لوگوں کا ترک تقلید شخصی اور عمل بالحدیث پر ہونا ظاہر ہے۔

ایک اور ثبوت:

اس کے علاوہ ان تمام زمانوں میں ترک تقلید و عمل بالحدیث کے طریقے کے موجود رہنے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ عموماً صوفیہ صافیہ کا طریقہ ترک تقلید و عمل بالحدیث تھا۔ چنانچہ عنقریب آتا ہے اور کچھ گزر بھی چکا۔ اور ظاہر ہے کہ گروہ صوفیہ ان تمام زمانوں میں موجود رہا۔ غرض کہ کوئی زمانہ تاریکین تقلید و عاملین بالحدیث سے خالی نہیں رہا۔

اہل حدیث قدیم اور مستقل فقہی مذہب:

لیکن ہمارے فریق مخالف اپنی لاعلمی کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ غیر مقلدوں کا فرقہ ابھی نیا نکلا ہے اور پہلے کوئی اس مذہب کا نہ تھا۔ اور جو ہمارا طریقہ ہے وہی قدیمی مسلک ہے۔ اور مذہب بس یہی چار ہیں اور ان کے سوا محدثین یا اہل حدیث کا کوئی خاص مذہب نہیں۔ حالانکہ اگر وہ انہیں کتابوں کو جو بکثرت متداول ہیں کھول کر دیکھیں تاہم وہ پائیں گے کہ اہل حدیث کا مذہب

مذاهب اربعہ سے علیحدہ^(۱) بتایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ کتابیں تمام مذاہب کے بیان کی متکفل نہیں

(۱) چنانچہ تلویح میں بحث اجماع میں ایک مسئلہ کی بابت لکھتے ہیں۔ وعلیہ عامة اهل الحديث۔ دیکھو ص: ۳۵۳۔ مطبوعہ نوکثوری اور فتح القدیر شرح ہدایہ میں قنوت نازلہ کی مشروعیت میں لکھتے ہیں: وبہ قال جماعة من اهل الحديث۔ انتہی۔ دیکھو ص: ۱۸۸ نوکثور جلد: اول۔ اور نیز فتح القدیر مسئلہ فساد سوم بالنجاسة میں لکھتے ہیں: کما هو قول الحنابلة وبعض اهل الحديث۔ انتہی۔ ص: ۳۱۱۔ اور بحر الرائق میں اور اس سے نقل کر کے رد المختار میں بھی قنوت نازلہ کی بابت اہل حدیث کا مذہب لکھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: وعزاه في البحر إلى جمهور اهل الحديث۔ انتہی۔ رد المختار ص: ۳۹۶۔ جلد: اول۔ مطبوعہ مصر۔ اور تاتارغانیہ میں اور اس سے نقل کر کے رد المختار میں لکھتے ہیں: ان رجلا من اصحاب أبي حنيفة عطف إلى رجل من اصحاب الحديث۔ انتہی۔ رد المختار ص: ۲۰۷۔ جلد: سوم۔ اور ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں علم کلام کی مذمت میں لکھتے ہیں: والی التحريم ذهب الشافعي ومالك وأحمد وسفيان وجميع أئمة الحديث۔ انتہی۔ اور شاہ صاحب حجۃ اللہ میں اہل حدیث کے صفات الہی کی بابت مذہب کے بیان میں لکھتے ہیں: واستطال هؤلاء الخاضعون على معشر اهل الحديث وسموهم مجسمة ومشبهة۔ ص: ۶۴۔ اور شاہ صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: وكان صاحب الحديث أيضاً قد ينسب إلى أحد المذاهب لكثرة موافقة به۔ انتہی۔ ص: ۱۵۸۔ اور اسی کے قریب لکھتے ہیں: وكان اهل الحديث منهم الخ۔ انتہی۔ اور زرقانی شرح مؤطا میں رفع الیدین کے بیان میں لکھتے ہیں: وبہ قال الأوزاعي والشافعي وأحمد وإسحاق والطبري وجماعة من اهل الحديث۔ انتہی۔ ۱۳۳۔ جلد: اول۔ اور فتح الباری میں فرض نماز مغرب کے قبل دو رکعتوں کے متحب ہونے کے بابت لکھتے ہیں: والی استحبابها ذهب أحمد وإسحاق وأصحاب الحديث۔ انتہی۔ پارہ: ۳، ص: ۳۳۸۔ انصاری۔ اور مستدجمع بین السلتین میں لکھتے ہیں: وحكاية الخطابي عن جماعة من اصحاب الحديث۔ پارہ: ۳، ص: ۳۰۷۔ اور مخنی میں قسطن کے مسئلہ میں لکھتے ہیں: وبہ قال إسحاق وأبو عبيد وجماعة من اهل الحديث منهم ابن خزيمة۔ انتہی۔ اور علامہ ابن عبد البر خمر کے بیان میں لکھتے ہیں: قال اهل المدينة وسائر الحجاز بين وأهل الحديث كلهم كل مسكر خمور۔ انتہی۔ اور ماشیہ نور الانوار میں خبر واحد کے مسئلہ میں لکھتے ہیں: وهذا هو مذهب بعض اهل الحديث۔ انتہی۔ ص: ۱۵۰۔ اور ماشیہ شخبہ میں مرسل کے بیان میں لکھتے ہیں: الاختصار مذهب اهل الحديث۔ انتہی۔ اور نووی شرح صحیح مسلم میں منی کے مسئلہ میں لکھتے ہیں: هو مذهب الشافعي وأصحاب الحديث۔ انتہی۔ ص: ۱۴۰ (تنبیہ یہ مسئلہ متفقہ اہل حدیث کا نہیں ہے۔ دیکھو: نیل الأوطار) اور نووی مسئلہ ذبح بالعظم کے بیان میں لکھتے ہیں: لا يجوز المزكوة به وقد قال الشافعي وأصحابه بهذا وبهذا۔ قال النخعي والحسن بن صالح والليث وأحمد وفقهاء الحديث۔ انتہی۔ جلد: ۲، ص: ۱۵۶۔ اور شاہ صاحب عقہ الجہد میں لکھتے ہیں: فهذه طريقة المحققين من فقهاء المحدثين وقليل ما هم وهم ---

بلکہ ان میں بیشتر انہیں اقوال کا ذکر ہے جن سے زیادہ تر کام پڑتا ہے بلکہ ان فقہی کتابوں میں امام احمد (رحمہ اللہ) کے مذہب کا بھی بہت کم نام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح امام مالک کا بھی مذہب بہت کمی کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اس پر بھی اہل حدیث کے مذہب کو نہیں کہیں اور مذاہب سے ممتاز کر کے لکھا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مذہب قدیم سے چلا آتا ہے اور مختلف زمانوں کے مصنفین کی توجہ اس طرف ہوتی رہی اور وہ ان کی نظروں میں ایک متعدد بہ اور قابل ذکر مذہب تھا جس کو انہوں نے مختلف مواقع میں ^(۱) ذکر کیا۔ بس یہی مذہب تو ان لوگوں کا ہے جن کا دوسرا نام غیر مقلد یا لا مذہب لیا جاتا ہے جن کو ہمارے زمانے کے لوگ کیسا برا سمجھتے ہیں اور طرح طرح کی بدگمانیاں ان کی طرف کرتے ہیں۔ حالانکہ سچ پوچھو تو وہی اصل مذہب ہے اور عین طریقہ اسلام۔

مذہب اہل حدیث سے انکار کیوں؟ ایک نفسیاتی تجزیہ:

لیکن ان لوگوں کو چونکہ ناواقفیت ہے اور جس طریقہ پر وہ ہیں اس کے رواج کا جس کو وہ اپنے آباؤ اجداد سے دیکھتے چلے آتے ہیں ایک گاڑھا پردہ پڑا ہوا ہے اور اس مذہب سے اجنبیت ہے۔ اس وجہ سے وہ کسی طرح ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اور طرح طرح کے اشکال اس میں ان کو معلوم ہوتے ہیں اور وہ ایک ٹیڑھی چال نظر آتی ہے اور اپنا طریقہ ایک نہایت صاف اور سیدھا دکھائی

۔۔۔ غیر الظاہریۃ من اہل الحدیث الذین لا یقولون بالقیاس والاجماع وغیر المتقیین من اصحاب الحدیث ممن لم یلتفتوا إلى أقوال المجتہدین أصلاً ولكنہم أشبه الناس بأصحاب الحدیث۔ انتہی ص: ۵۳۔ اور مولوی عبدالحی صاحب کے قول میں مذہب محدثین کے علیحدہ ہونے کا بیان پہلے ہو چکا۔ اس قسم کی نظیریں ہمارے پاس اور بھی بہت سی موجود ہیں۔ لیکن طول کی وجہ سے نہیں لکھ سکے۔

(۱) اور اس عنوان سے نہیں ذکر کیا جیسا کہ ایک باطل مذہب بغرض رد یا بطور انکار کے ذکر کیا جاتا ہے بلکہ ایسا ہی ذکر کیا جیسا کہ دیگر ائمہ مثل امام شافعی وغیرہ کا خلاف لکھتے ہیں۔ اور خلاصہ کیدانی والے نے جو بطور انکار و استخفاف ذکر کیا تو اس پر دوسرے فقہاء حنفیہ نے بہت کچھ لے دے کی اور اس کو بہت برا بھلا کہا بلکہ اس کی نسبت خوف کفر کا بھی ظاہر کیا۔ دیکھو: کلام ملا علی قاری اور مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی۔

دیتا ہے جس میں کوئی عیب سمجھائی نہیں پڑتا۔ حالانکہ بڑا دخل اس میں رسم و رواج کو ہے۔ رسم و رواج کو اس بارے میں ایک ایسا اثر ہے۔ جس سے کوئی عاقل انکار نہیں کر سکتا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے۔ جب آدمی کوئی نیا مسئلہ سنتا ہے جس کے خلاف اس کے ذہن میں مرکوز ہو تو قطع نظر اس کے دلائل و وجوہ کے اول حکم اس کی رائے کا اس کی بابت یہ ہوتا ہے کہ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اور اسی خیال کی وجہ سے مخالف قول کے جس قدر دلائل سنتا ہے۔ اس کا ذہن اس کو رد و واپس کر دیتا ہے اور اپنے ہاں اس کو جگہ نہیں دیتا۔ الا ماشاء اللہ۔ یہی حالت مذہب تقلید کی ہے۔ چونکہ اس کا رواج عام ہو رہا ہے اور لوگوں کے وہ ذہن نشین ہے۔ لہذا وہ بہت قرین قیاس اور صحیح معلوم ہوتا ہے اور اس کے خلاف طریقہ اہل حدیث میں بہت دقتیں اور طرح طرح کے نقصان نظر آتے ہیں۔

اہل حدیث اور فکری بے راہ روی:

کوئی کہتا ہے غیر مقلدی ایک آزادی کا مذہب اور نچریت کی سیڑھی ہے۔ اس مذہب میں آدمی آزاد ہو جاتا ہے۔ کسی بات کا پابند نہیں رہتا۔ بزرگوں اور علماء کی وقعت اس کے جی میں نہیں رہتی۔ آدمی خود بین اور خود رائے ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ اعتراض بالکل غلط بھی اور بے خبری پر مبنی ہے۔ اہل حدیث کے مذہب میں تو بالکل آزادی نہیں ہے بلکہ اس کے مذہب میں اس بات کی سخت پابندی ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہو جائے۔ اور پھر اس کے خلاف کوئی بھی ہو اس کا قول ہرگز نہیں لیا جاسکتا^(۱)۔ آزادی تو اس وقت ہوتی جب ان کا مذہب ہوتا انتقال از مذہب بمذہب۔ مثلاً

(۱) برخلاف مقلدین کے کہ ان کے ہاں کہیں امام صاحب کا قول لیا جاتا ہے اور کہیں صاحبین کا۔ ایک کا یاد و نون کا اور کہیں ان کے سوا دیگر شاگردوں کا اور کہیں ان میں سے کسی کا نہیں بلکہ سچے کے طحّے والوں کا اور کہیں ان سب سے باہر۔ اور کوئی کسی پر فتویٰ دے رہا ہے اور کوئی کسی پر اور ضرورت کے وقت کسی کا قول ہو اس پر فتویٰ دے دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بغرض آسانی دوسروں کے قول لیے جاتے ہیں جیسا کہ کتب فقہ پر واقعہ کو معلوم ہے اور پہلے بھی گزر چکا۔

حتفی سے شافعی بن جانا اور شافعی سے حنفی۔ جب جس مذہب کی طرف دل چاہا منتقل ہو گئے۔ یا تتبع رخص^(۱) اور ہر مذہب سے چھانٹ کر آسان آسان باتوں کو لے لینا۔ حالانکہ اہل حدیث کو اس سے غرض نہیں اور نہ ان کا یہ مذہب یا طرز عمل ہے پس ان پر آزادی کا الزام کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ اور اگر ان میں اس قسم کی آزادی ہوتی بھی تو یہ الزام خود فقہاء پر بھی قائم ہے جنہوں نے انتقال مذہب اور تتبع رخص کو جائز قرار دیا ہے۔ پس آزادی تو فقہاء دے رہے ہیں اور اہل حدیث پر الزام ہے۔ اسی طرح اہل حدیث کے مذہب کو نیچریت وغیرہ کی سیڑھی قرار دینا سخت غلطی^(۲) ہے۔ ہندوستان میں جس قدر نیچری نظر آتے ہیں یا مختلف ممالک میں بعض مسلمان دہریے یا عیسائی ہو گئے وہ بیشتر حنفی و مقلد تھے جو نیچری یا عیسائی ہو گئے۔ اہل حدیث میں سے اگر کسی کا ہونا ثابت بھی ہوگا تو وہ کہیں شاذ و نادر تھیں گے جو الشاذ کا معنی دم کی مثال ہیں اور حنفی ہزاروں بلکہ بے شمار موجود ہیں جو ایسے

--- پس آزادی مقلدوں کے لئے ہے نہ اہل حدیث کے لئے۔

(۱) علامہ ابن القیم اعلام المؤمنین میں لکھتے ہیں: ولکن لیس لہ أن یتبع رخص المذاهب و أخذ غرضہ من آی مذہب و جدہ بل علیہ اتباع الحق بحسب الإمكان۔ جلد دوم ص: ۲۷۲۔ یعنی ”آدمی کو یہ جائز نہیں کہ مذہب کی رخصتوں کو ڈھونڈے اپنے مطلب کی جس مذہب سے ملے لے لے۔ بلکہ اس پر لازم جہاں تک امکان میں ہو حق کی تابعداری ہے۔“ اہل حدیث کا ہرگز یہ مذہب نہیں ہے کہ آزادی چاہے اور جس قول پر چاہے عمل کرنے لگے اور انتقال مذہب یا تتبع رخص کا جو بیان اہل حدیث کی تحریروں میں ہے تو فقہاء کے مسلمات کے موافق ہے اور تقلید شخصی پر اصرار کرنے والوں کو الزام دینے کے لئے۔

(۲) غلی گڑھ کالج جو نیچریوں کا مرکز اور منبع ہے وہاں دیکھا جاوے تو میں کتنے طلبہ حنفی داخل ہوتے ہیں اور کتنے اہل حدیث۔ مشکل سے کسی سینکڑے میں کوئی ایک اہل حدیث مسلک کا نکلے تو نکلے باقی عموماً حنفی ہوتے ہیں۔ پھر ان میں سور ۱۰۰ میں سے غالباً اسی نیچری خیال کے ہو جاتے ہیں تو اب نیچری حنفی بنتے ہیں یا اہل حدیث؟ اور بعض نیچریوں میں سے جو نیچری ہو جانے کے بعد اہل حدیث کے ساتھ بہ نسبت حنفیوں کے زیادہ موافقت ظہور میں آئی تو یہ ان کی آزادی تحقیق کا اثر ہے کہ انہوں نے تعلیم اسلام کے ساتھ عند تحقیق بہ نسبت مذہب تقلید کے مذہب اہل حدیث کو موافق تر پایا لہذا انہوں نے کہا کہ اسلام حق ہے تو اس میں حق یہی مذہب ہو سکتا ہے۔

ہو گئے۔ پس حنفیت و تقلید پھریت وغیرہ کی سیرجی ہوئی نہ مذہب اہل حدیث۔ اور بزرگوں کی وقعت ان کے جی میں نہ ہونا یا خود رائے ہونا بھی محض اتہام ہے۔ بلکہ ایسا مقلدین کی بابت کہا جائے تو بجا ہے۔ کیونکہ انہوں نے محض اپنی رائے سے تمام علماء امت و مجتہدین کو چھوڑ کر ایک تخصیص کر لی، اور باقی سب ائمہ اور ان کے مذہب کو ساقط الاعتبار کر دیا۔ اور ان کی کچھ بھی وقعت نہ کی۔

برخلاف اہل حدیث کے کہ سارے علماء امت کو مانتے اور اپنا پیشوا سمجھتے ہیں اور جہاں ان کا اختلاف ہے وہ کسی کے قول سے بے پرواہی نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں راجح اور قوی کی تلاش کرتے اور سب کو لیتے اور تحقیق کرتے ہیں جس کا قول حدیث رسول (ﷺ) کے مطابق ہوتا ہے پس اسی کے پابند ہو جاتے ہیں۔ جب حدیث رسول اللہ (ﷺ) نہیں ملتی تو پیشوائے امت صحابہ رسول (رضی اللہ عنہم) اور دیگر ائمہ مجتہدین کے اقوال کو جس کا بھی قول اقرب قرآن و حدیث سے معلوم ہو یا جس سے اتفاق پڑ جائے لے لیتے ہیں۔ ان کو خود بینی یا خود رائے ہونے سے کیا تعلق۔ اور اگر فرضاً کوئی ایسا ہے جو علماء کی علی قدر مراتب وقعت نہیں کرتا یا باوجود بے علم ہونے کے مجتہد بنتا اور اپنی رائے کو دخل دیتا اور مجتہدین امت کی بات کو نہیں مانتا تو یہ اس کی بد بختی اور ذاتی شقاوت ہے جس کا الزام مذہب^(۱) پر نہیں آسکتا۔ بلکہ یہ اس کی کم ظرفی ہے۔ اے اللہ! تو اس کو ہدایت کر۔

”ولایت“ اور تقلید۔ مضحکہ خیز استدلال:

کوئی کہتا ہے مذہب تقلید اور مقلدین کے مسائل حق نہ ہوتے تو اس مذہب میں اس

(۱) مشہور ہے کہ اسلام کا اثر ہے کہ وہ آدمی کے دل میں اس کی اصلی حالت سے نہ اند شجاعت پیدا کر دیتا ہے اب اگر کوئی کسی کو اسلام لانے سے اس واسطے روکے کہ اسلام کے اثر سے آدمی دلیر ہو جاتا ہے اور دلیر ہونے کی وجہ سے غلام کرنے اور دوسروں کے ستانے میں اس کو باک نہیں ہوتا تو یہ بات کس قدر غلط ہے۔ اس لئے کہ اگر کسی میں یہ اثر ہو تو یہ اس کی کم ظرفی ہے۔ اسلام کا ہرگز یہ منشاء نہیں بلکہ وہ تو اور تواضع اور عدل اور حفظ حقوق اور رعایت زیر دستوں کا حکم دیتا ہے۔ ---

قدر اولیاء اللہ کیسے ہوتے۔ پس ثابت ہوا کہ یہی مذہب حق ہے اور غیر مقلدین غلطی پر ہیں۔ لیکن یہ حجت بھی ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اولیاء اللہ جس قدر گزرے میں مقلد ان میں کوئی نہ تھا۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی میزان بکری میں لکھتے ہیں: ”جس^(۱) کسی کا قدم ولایت محمدیہ پر ٹھہرا وہ احکام شرع کو وہیں سے لیتا ہے جہاں سے مجتہدوں نے لیا۔ اور تمام علماء کی تقلید سے علیحدہ ہو جاتا ہے تو اگر کسی ولی سے منقول ہو کہ وہ شافعی تھا یا حنفی۔ مثلاً تو یہ مقام کمال پر پہنچنے سے پہلے کا ذکر ہوگا۔“ انتہی۔ اس مضمون کا ایک قول شیخ موصوف کا پہلے کا گزر چکا۔ اور علامہ شیخ کردی اپنے رسالے میں تحریر فرماتے ہیں^(۲) : ”طریقہ مشائخ صوفیہ کا مجموعہ اور اکابر نقشبندیہ کا خصوصاً اتباع سنت نبویہ ہے نہ مذہب معین کا۔ مقلد ہو رہنا اور کسی بڑے عالم کی بات پر جم جانا کہ جو اس کا مذہب ہو اسی پر عمل کریں۔ مذہب معین پر تعصب کرنا اس قوم کا طریقہ ہی نہیں۔“ انتہی۔ اور ملا جیون تفسیر احمدی میں ایک کلام کے ضمن میں لکھتے ہیں: ”بلکہ جائز^(۳) ہو مقلد کو یہ کہ عمل کرے ایک مذہب پر۔ پھر دوسرے کی طرف منتقل

۔۔۔ اسی طرح جو عوام میں مشہور ہے کہ جو حج کر آتا ہے، وہ بخیل اور کنجوس ہو جاتا ہے۔ پس اگر کوئی کسی کوچ سے روکے اور حج میں یہ عیب پیدا کرے تو یہ کیسی اس کی غلطی ہے۔ اگر کسی میں یہ بات پیدا بھی ہو جائے تو یہ اس کی کم طرفی ہے نہ حج کا کوئی قصہ۔ اسی طرح اگر اہل حدیث میں سے کسی میں کوئی ایسی بات پائی جائے جو نہ ہوئی چاہے مثلاً علماء حقانی کے مراتب کو ملحوظ نہ رکھنا یا باوجود بے علم ہونے کے اپنی رائے کو دخل دینا یا اہل علم کے مذاہب کی وقعت نہ کرنا تو یہ اس کی ذاتی بد بختی اور نالائقی اور کم طرفی ہے اس میں مذہب اہل حدیث کا کوئی قصور نہیں۔

(۱) عبارت یہ ہے: ما ثم أجد حق له قدم الولاية المحمدية إلا ويصير يأخذ أحكام شرع من حيث أخذها المجتهدون وينفك عنه التقليد لجميع العلماء إلا لرسول (ﷺ) ثم أن نقل عن أحمد من الأولياء أنه كان شافعيًا أو حنفيًا أو مثلاً فذلك قبل أن يصل إلى مقام الكمال۔ انتہی۔ (ص: ۱۹-۱۸)۔

(۲) عبارت یہ ہے: إن طريقة المشايخ الصوفية عموماً وطريقة الأكابر النقشبندية خصوصاً اتباع السنة النبوية وعدم التقليد بمذهب معين أو قول عالم صدق محقق ليس التعصب بمذهب معين من آداب القوم وأخلاقهم۔ انتہی۔

(۳) عبارت یہ ہے: بل يجوز له أن يعمل بمذهب ثم ينتقل إلى آخر كما نقل عن كثير من الأولياء۔۔۔

ہو جائے جیسا کہ بہت سے اولیاء سے منقول ہوا ہے اور جائز ہو کہ ایک مسئلہ میں ایک مذہب پر عمل کرے اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے مذہب پر جیسا کہ صوفیاء کا مذہب ہے۔ انتہی۔ اور شیخ عبدالحق دہلوی تحصیل التعرف^(۱) میں لکھتے ہیں: ”مذہب صوفیہ کا احکام میں تابع فقہاء کے ہے۔ اصول میں اور فروع میں۔ کیونکہ انہوں نے احکام کو لکھا اور تتبع کیا۔ مگر صوفی لوگ مذاہب میں سے کسی کا مذہب ہو وہ مسائل اختیار کرتے ہیں جو حدیث کے موافق ہوں۔“ انتہی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اولیاء کرام اور صوفیاء عظام کا مذہب تقلید شخصی نہ تھا بلکہ بیشتر ان کا رنگ اہل حدیث کے مسلک کے موافق تھا۔ پس یہ حجت جو مقلدین نے بیان کی یہ تو خود ان کے اوپر حجت ہے۔ دوسرے فرضاً اگر ہم تسلیم کر لیں کہ کوئی ولی مقلد گزرا ہے تو ولی کے واسطے یہ ضرور نہیں کہ وہ خطا سے معصوم ہو اور جس مسئلہ پر عامل اور جس مسلک پر ہو وہ بالکل صحیح صحیح ہو۔ ان ائمہ سے بڑھ کر کون ولی ہو گا جب ان سے خطا اجتہادی ہو نا اور کسی مسئلہ پر خطا پر رہنا جائز ہے تو اور ولیوں کے حق میں کیوں نہ جائز ہو گا۔ صحابہ کے اکمل الاولیاء ہونے سے کون ناواقف ہے ان میں آپس میں بعض بعض مسائل میں اختلاف تھا۔ ضرور ایک حق پر تھا اور ایک خطا پر، مگر اس سے ان کی بزرگی اور ولایت میں فرق نہیں آسکتا۔ نیت بخیر چاہئے۔ ہاں جان بوجھ کر اگر غلط مسلک پر قائم رہے اور ہٹ دھرمی کو کام میں لائے وہ ولی نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے پہلے زمانے کے لوگوں کے عموماً معدوری کی وجہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ تیسرے یہ شرط تسلیم مذکور ظاہر ہے کہ جس قدر اولیاء اللہ اور بندگان کاملین اور خیر القرون اور چوتھی صدی تک غیر مقلدین گزرے مقلدین میں ہرگز اس قدر نہیں ہوئے۔ تو اگر کسی مسلک کا اس میں ولی گزرنے

--- ویجوز له أن يعمل في مسألة على مذهب وفي أخرى على آخر كما هو مذهب الصوفية انتہی۔

(۱) عبارت یہ ہے: ”ومذهبهم الصوفية في الأحكام تابع الفقهاء في الفروع والأصول لأنهم الذين حرروا الأحكام وتبعوها في الفصول غير أنهم يأخذون من المذاهب بما يوافق الحديث انتہی۔“

سے اس کا حق ہونا اور اس کے خلاف کا حق نہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو اہل حدیث کا مذہب خود اس دلیل سے حقانیت کے ثبوت کا پایہ اپنے مخالف کی نسبت زیادہ قوی رکھتا ہے۔ چوتھے ولایت ایک ایسا امر ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں کہ اس کا کون ولی ہے اور اس کے نزدیک کس مرتبے پر پہنچا ہوا ہے۔ پس اپنے خیال کے موافق کسی کو ولی قرار دے کر اس کے قول و فعل سے حجت پکڑنا صحیح نہیں ہو سکتا بلکہ حق و باطل کے دریافت کا معیار صرف کتاب و سنت ہے۔

عددی کثرت، حقانیت کی دلیل نہیں:

کوئی کہتا ہے کثرت سے مقلدین ہی میں اور انہیں کی جماعت عظیم ہے اور سلطنت بھی انہیں کی ہے اور پہلے بھی رہی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حق پر وہی ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے اس قدر بندوں کو اس پر کاہے کو رکھتا اور کیوں ان کو سلطنت دیتا۔ لیکن یہ دلیل محض ایک شبہ ہی شبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کثرت کو حقانیت کے پہچاننے کا معیار نہیں نہیں قرار دیا اور نہ کہیں بتایا کہ جو زیادہ ہوں وہی حق پر ہیں بلکہ اہل حق تو اور قسست کے لفظ سے تعبیر کئے گئے: {إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ} (یعنی ایمان والے اور نیکو کار لوگ، بہت کم ہیں۔) (۱) {وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ} (اور تھوڑے ہی میرے بندوں میں حق ماننے والے۔) (۲) {وَإِنْ تُطِيعُوا أَكْثَرَهُمْ مَنْ فِي الْأَرْضِ يَصِلُوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ} (یعنی اگر تو کہا مانے اکثر لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تو تجھ کو گمراہ کر دیں۔) (۳) {وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ} (یعنی اکثر مومن باوجود دعویٰ ایمان کے شرک میں مبتلا ہیں) (۴) اور پیغمبر

(۱) سورۃ ص: ۲۴۔

(۲) سورۃ سبأ: ۱۳۔ ترجمہ شاہ عبد القادر صاحب۔

(۳) سورۃ الأنعام: ۱۱۶۔

(۴) سورۃ یوسف: ۱۰۶۔ معلوم ہوا اہل حق قلیل ہی ہوتے ہیں اور ایمان کے دعوے رکھنے والوں میں سچے مومہ کم ہی ہوتے ہیں۔

صاحب (علیہ السلام) نے بھی اپنی امت میں سے ایک طائفہ ہی کو حق پر قائم رہتا ہوا فرمایا۔ اس کے سوا تم اپنے زمانے میں مردم شماری کے لحاظ سے دیکھو۔ مردم شماری میں مسلمان بہ نسبت کفار کے کس قدر کم ہیں۔ اور پھر ان میں سے شیعہ و فارسی وغیرہ کو علیحدہ کر کے صرف ان کو جو اہل سنت کہلاتے ہیں دیکھو تو اور کم رہ جائیں گے اور پھر مقلدین میں جو آپس میں اختلاف ہے۔ مثلاً کوئی دیوبندی المذہب میں ہے کہ وہ دوسرے مقلدوں کو بدعتی اور مشرک اور گمراہ بتاتے ہیں اور کوئی معمولی حنفی جو ان کو وہابی اور گمراہ کہتے ہیں ان میں ہر فرقہ اگر اپنی جماعت کو چھانٹ کر دیکھے جن کو راہِ راست پر خیال کرتا ہے اور باقی سب کو گمراہ تو وہ بہ نسبت تمام آدمیوں کے کس قدر کم بنیچیں گے۔ پس کوئی زیادتی کو علامت حقانیت اور کئی کو دلیل ناحق ہونے کی کیسے کہہ سکتا ہے۔ اسی طرح سلطنت کا حال ہے۔ دیکھو آج دنیا میں خود مختار حکمران سلطنتیں کفار کی کتنی ہیں اور مسلمانوں کی کتنی۔ اور پھر جو مسلمانوں کی ایک دو ہیں تو وہ ایک سلطنت شوکت و قوت و دوہمندی و دنیاوی ترقیوں کے لحاظ سے کفار کی سلطنتوں میں سے کسی ایک سلطنت کا بڑی مشکل سے مقابلہ کر سکتی ہے یا کر ہی نہیں سکتی۔ پس سلطنت کو دلیل حقانیت کیسے ٹھہرایا جاسکتا ہے اور آخر ان زمانوں میں جب کہ اسلام اپنی شادابی پر تھا اور ایمان اور عمل صالح کا باغ سرسبز تھا۔ عمان حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں دی گئی وہ اہل حدیث ہی تھے اور اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ (۱) خلیفہ کرنے کا ان کے حق میں پورا ہو گیا۔ اس بیان سے ناظرین خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ بعض لوگ جو {اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ} سے دلیل لاتے ہیں، وہ کیسی غلطی (۲) پر ہیں۔ اس کے علاوہ اس حدیث کے ثبوت میں بھی کلام ہے۔

(۱) یعنی {وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ} {الآیۃ النور: ۵۵}۔

(۲) یہیوں کہ وہ جو اس کے معنی بتا کر اپنی دلیل لاتے ہیں وہ معنی نصوص قرآنیہ اور واقعات کے بالکل خلاف ہیں پس وہ معنی کیونکر صحیح ہو سکتے ہیں۔

ایک مغالطہ کا جواب:

کوئی کہتا ہے۔ اگر غیر مقلدوں کا مذہب بالکل صحیح ہے اور اس میں کوئی بات قابل انکار نہیں تو یہ بہت سے علماء جو ان کے خلاف ہیں وہ ان کے مذہب کو کیوں نہیں تسلیم کر لیتے اور یہ باتیں ان کے ذہن میں کیوں نہیں سماتیں۔ لیکن یہ ایک ایسی بات ہے جو کسی مناظرے میں یا تحقیق حق کے موقع پر کسی طرح پیش کرنے کے لائق نہیں۔ ورنہ اگر ہم کسی ہندو یا عیسائی کو بین دلائل کے ساتھ اسلام کی حقانیت اور اس کے مذہب کا ابطال ثابت کر دیں اور اس وقت وہ لا جواب ہو کر کہنے لگے کہ اگر یہ تمہارے دلائل اور باتیں صحیح ہوتیں تو ہمارے مذہب میں جو بڑے بڑے پندت یا پادری ہیں کہ جو بڑے بڑے ذی علم اور خدا ترس اور دیستدار ہیں ان کے ذہن میں یہ باتیں کیوں نہیں سماتیں اور وہ اس مذہب کو کیوں نہیں تسلیم کر لیتے۔ یا مثلاً کسی شیعہ یا خارجی، یا معتزلی یا نچری یا کسی مبتدع کو کافی دلائل کے ساتھ لا جواب کر دیں اور حق بات سمجھا دیں اور پھر اس وقت وہ یہی شبہ اپنے علماء اور اہل الرائے کے مخالف ہونے کا پیش کرے تب ہم اس کو کیا جواب دے سکتے ہیں اور کیا اس وقت ہمارا یہ کہہ دینا کہ تمہارے علم سب کچھ فہم یا بے ایمان ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذرا اپنے جی میں نہیں رکھتے اور جان بوجھ کر حق چھپاتے ہیں کافی ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ پس یہ حجت کسی حق کے ثابت ہو جانے کے بعد کس طرح پیش کی جاسکتی ہے۔ دوسرے ہم اس کے معارضے میں یہ کہیں گے کہ اگر ہمارا یہ مذہب اور اس کے دلائل صحیح نہ ہوتے تو اس قدر علماء اور یہ بڑے بڑے سمجھدار دیندار لوگ کیوں اس کے قائل ہوتے۔ فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا۔ تیسرے بہت سے وہ وجوہ جو فقہاء کی نسبت جو شبہ تھا اس کی بابت ہم لکھ چکے ہیں^(۱)۔ وہ اس کے جواب کے لئے بھی کافی ہیں۔ ان میں سے ایک جواب نہیں بلکہ کئی جواب اس شبہ کے بھی ہو جاتے ہیں۔ ان وجوہ کے سوا ایک وجہ

(۱) دیکھو صفحات: ۲۹۶، ۲۹۹ تا ۳۰۰۔

ان علماء کی موافقت اہل حدیث نہ کرنے کی یہ بھی ہے کہ رسم و راج کا پردہ اور اپنے پرانے خیالات کا ذہن میں مرکوز ہونا اس کے قبول سے بڑا حجاب و مانع ہے جیسا کہ ہم متحدہ مقام پر بیان کر چکے۔
تقلید اور اتباع میں فرق:

کوئی کہتا ہے غیر مقلد جو تقلید سے منکر ہیں وہ بھی تو آخر کسی نہ کسی کی تقلید کرتے ہیں۔ کیونکہ جو ذی علم ہیں وہ بخاری و مسلم وغیرہ حدیث شریف کی کتابوں والوں کی جن سے حدیث لیتے ہیں مقلد ہیں۔ اور جو بے پڑھے ہیں وہ اس زمانے کے مولویوں کے جن سے مسئلہ دریافت کر کے عمل کرتے ہیں مقلد ہیں۔ غرض تقلید سے کوئی خالی نہیں۔ بلکہ عوام غیر مقلد بہ نسبت عوام مقلدین کے ایک اور غلطی کرتے ہیں کہ بڑوں کو چھوڑ کر چھوٹوں کی تقلید کرتے ہیں۔

لیکن یہ شبہ بھی محض ایک غلطی پر مبنی ہے۔ جو بات کوئی شخص بطور نقل و حکایات کے بیان کرے اس بات کے ماننے کو اس کی تقلید نہیں کہا جاسکتا۔ تقلید اسی وقت ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص کوئی بات اپنے طور پر کہے اور بلا اس کی دلیل معلوم کئے ہوئے اس کے بھروسے پر اس کو تسلیم کر لیا جائے۔ اور جو شخص کسی بات کا نقل کرنے والا ہو اور دوسرے سے اس کو روایت کرے تو وہ محض ایک واسطہ ہوتا ہے اور اس بات کا ماننے والا اس کا مقلد نہیں کہلاتا بلکہ منقول عنہ کا جس سے وہ بات منقول ہے اعتبار ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھو وہ مسائل جو ان فقہ کی کتابوں مثل درمختار و ہدایہ و شرح وقایہ و عالمگیری وغیرہ میں مذکور ہیں اور علماء حنفیہ ان کتابوں سے ان مسائل کو لیتے اور عمل کرتے ہیں۔ باوجود اس کے وہ ان کتابوں والوں کے مقلد نہیں کہلاتے بلکہ وہ امام ابوحنیفہ صاحب (رحمہ اللہ) ہی کے مقلد کہلاتے ہیں۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ یہ مسائل دراصل امام ابوحنیفہ صاحب (رحمہ اللہ) کے مقولے اور ان کے بتائے ہوئے ہیں اور یہ کتابوں والے محض ایک واسطہ

ہیں۔ اسی طرح عوام مقلدین جو اپنے ہمعصر علماء حنفیہ سے مسائل دریافت کر کے عمل کرتے ہیں تو یہ ان کے مقلد نہیں کہلاتے۔ بلکہ امام ابوحنیفہ کے مقلد کہلاتے ہیں جس کا سبب بس یہی ہے کہ یہ علماء ان مسائل کو اپنے طور پر نہیں کہتے بلکہ امام ابوحنیفہ صاحب (رحمہ اللہ) کے قول کی حکایت و روایت کرتے ہیں۔

اہل حدیث کسی کے مقلد نہیں:

پس اسی طرح محدثین نے جو احادیث جمع کیں اور لکھیں ان احادیث کا ان سے لینے والا ان کا مقلد نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے کہ وہ ان کا قول نہیں ہے بلکہ وہ احادیث رسول (ﷺ) ہیں جن کو وہ روایت کرتے ہیں اور وہ محدثین اور دیگر رواۃ حدیث محض ایک واسطہ ہیں جیسا کہ کتب فقہ کے مؤلفین اور دیگر حنفی مولوی امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کے قول کے نقل کے لئے محض ایک واسطہ ہیں اور ان سے لینے والے ان کے مقلد نہیں کہلاتے۔ اس کے علاوہ اگر نقل و حکایت کرنے والے کی حکایت کردہ بات کو ماننے والا نقل کرنے والے کا مقلد کہلائے تو ماننا پڑے گا کہ ائمہ اربعہ بھی مقلد ٹھہریں۔ اسی لئے کہ انہوں نے بھی تو احادیث آخر رواۃ حدیث اور محدثین ہی سے اخذ کیں اور لیں۔ خود پیغمبر (ﷺ) کی زبان سے نہیں سنیں حالانکہ ان کا مقلد ہونا تسلیم نہیں کیا جاتا۔ پس اہل حدیث محدثین کی احادیث لینے سے ان کے مقلد کیسے ٹھہرائے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح محدثین نے جو رواۃ حدیث کی جرح و تعدیل کی تو بیشتر ان کے حالات مشاہدہ وغیرہ کے ذریعہ سے حکایت کئے جیسا کہ شاہد کسی بات کی حکایت کرتا اور شہادت دیتا ہے۔ تو جیسا کہ شاہد کی بات کا ماننا تقلید میں داخل نہیں ہے۔ اسی طرح جرح و تعدیل کا ماننا تقلید میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کسی حکایت کرنے والے کی بات کو ماننا تقلید ٹھہری تو لازم آئے گا کہ رسول اللہ (ﷺ) بھی نعوذ باللہ بعض افراد امت کے مقلد

نھیں اس لئے کہ کتنے واقعات میں جو آپ (ﷺ) نے افراد امت سے سن کر ان کو باور کیا۔ بلکہ بعض کو اور دوسروں کے سامنے حکایت بھی کیا۔ اسی طرح محدثین نے جن احادیث کی تصحیح اور تصحیف کی عموماً اس کی وجہ اور دلائل بھی بیان کر دیئے، صفات رواۃ کے لحاظ سے اگر یہ بحث تھی تو اس کو کھول دیا اور اگر غلط خفیہ کی بنا پر تھی تو بیشتر جو کچھ ان کو کھٹکا تھا بیان کر دیا۔ انہوں نے کسی کو اپنی تحقیقات کو مجرد ان پر بھروسہ کر کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ دعوے کو دلیل کے ساتھ بیان کیا۔ پس (۱) اس کا ماننا بھی تقلید نہیں۔ کیونکہ تقلید بات کے دلیل مان لینے کا نام ہے۔ الحاصل علماء اہل حدیث محدثین سے جو احادیث لیتے ہیں وہ کسی کے مقلد نہیں۔ کیونکہ محدثین اور رواۃ حدیث تو محض واسطہ میں اور منقول عنہ پیغمبر (ﷺ) ہیں جن کے قول و فعل و تقریر کے ماننے کا نام تقلید ہے ہی نہیں۔ رہے عوام اہل حدیث تو ان کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی عامی کسی اہل حدیث سے کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہے اور وہ اس کے جواب میں وہ حدیث جو اس بارے میں آئی ہے روایت کر دیتا اور سمجھا دیتا ہے۔ (چنانچہ اہل حدیث میں عموماً یہی دستور ہے) تو ظاہر ہے کہ وہ عامی کسی کا مقلد نہیں ہوا۔ یہ بتانے والا ایک راوی ہے جس نے قول شارع کو روایت کر دیا۔ اور روایت کا تسلیم کرنا داخل تقلید نہیں ہے جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا۔ اور اگر وہ مسئلہ جو عامی اہل حدیث نے دریافت کیا کسی صریح آیت یا حدیث میں نہیں وارد ہوا یا اس نے بتانے والے عالم کو اس مسئلہ کی بابت صریح حدیث معلوم نہ تھی اور اس نے استنباط کر کے بتایا اور وجہ استنباط بھی بیان کر دی خواہ وہ استنباط اسی کا ہو یا پہلے کسی مجتہد کا تب بھی وہ عامی اس عالم کا مقلد نہیں کہلائے گا اس لئے کہ اس نے اپنا عندیہ یا کسی دوسرے کا بلا بیان دلیل نہیں تسلیم کرایا۔ علماء اہل حدیث کا مسائل بتانے میں اکثر یہی طریقہ ہے کہ دلیل بھی ساتھ بیان کر دیتے ہیں اور سلف کے مذاہب بھی۔ اور چونکہ بیشتر عامۃ الورد مسائل ایسے ہی ہیں کہ جن

(۱) اگر کسی مختصر و مفصل کتاب میں مذکور نہیں تو دوسری مبسوط و مفصل کتاب میں ضرور موجود ہے۔

میں علماء سلف اور ائمہ مشہورین کلام کر چکے ہیں لہذا اکثر مسائل ایسے ہی ہوتے ہیں جن میں وہ کسی مشہور اور مقتدر امام کا موافق ہوتا ہے، لہذا یہ خیال بھی غلط ہے کہ بڑوں کی تقلید چھوڑ کر چھوٹوں کی تقلید کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اول تو تقلید ہی نہیں اور اگر ہو بھی تو انہیں بڑوں میں سے کسی کی ہوئی۔ اور یہ شخص اس بڑے مجتہد کے قول کا حکایت کرنے والا ہے۔ اس کے علاوہ عموماً متاخرین کا باعتبار معلومات کے متقدمین سے کم درجہ ہونا بھی تسلیم نہیں جیسا کہ اوپر مفصل گزر چکا۔

اہل حدیث اور اہل تقلید میں فرق:

بہر حال اہل حدیث پر الزام تقلید سے خالی نہ ہونے کا یہ بڑوں کو چھوڑ کر چھوٹوں کے مقلد ہونے کا محض ایک غلطی ہے۔ اور اگر کوئی صورت ایسی بھی پیدا ہو جس سے کسی اہل حدیث کے عمل پر کسی مسئلہ میں تقلید صادق آسکے۔ تاہم ان کی تقلید ان مقلدین کی ہی تقلید نہیں۔ ان کو اس عالم کا جس سے وہ دریافت کرتے ہیں رائے و عندیہ دریافت طلب نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ اسی کے قول و عندیہ کی ہر وقت و ہر موقع پر تلاش نہیں رکھتے۔ ان کا مقصود تو صرف قرآن و حدیث تلاش ہے جس عالم سے مل جائے اور پھر جس عالم سے دریافت کیا، اگر کوئی دوسرا مستند عالم اس کے خلاف قرآن و حدیث سے ثابت کر دے تو اس کے قبول میں ان کو کوئی عذر نہیں۔

برخلاف مقلدین کے کہ ان کو اپنے ہی امام کے عندیہ اور مذہب کی تلاش رہتی ہے جب کسی مسئلہ کی ضرورت ہو یہی جستجو ہوتی ہے کہ ہمارے امام کا اس میں کیا مذہب ہے۔ پھر جو ان کا مذہب معلوم ہو جائے اسی پر اصرار ہے۔ دوسرے ائمہ امت کے اقوال اس کے مقابلے میں ہیج اور ناقابل التفات ہیں۔ حالانکہ کوئی وجہ اس کی نہیں بتا سکتے کہ ہر شخص کے لیے اس امام کا مذہب جس کو اس نے خود یا اس کے باپ دادا نے مقرر کیا ہے، کیسے شرح محمدی قرار پا گیا۔ فتاویٰ رسول اللہ (ﷺ) اور دوسرے مجتہدین امت محمدیہ (ﷺ) کے اس کے حق میں کیوں مہمل اور بے کار ٹھہر گئے۔

دین حق را چار مذہب ساختند!

اللہ ایک۔ رسول (ﷺ) ایک۔ اور ان کا دین ایک۔ لیکن لوگوں نے اس کے چار حصہ کر دیئے۔ اور دین کو چار حصوں پر بانٹ لیا۔ اور ہر مسلمان کے ذمہ لازم ٹھہرا دیا کہ وہ انہیں چار حصوں میں سے کسی ایک حصہ کو خصوصیت کے ساتھ پکڑے اور پھر ہر ایک دوسرے کے مسائل کا رد بھی کرتے رہتے ہیں۔

اگر ہر ایک مذہب کے جملہ مسائل حق ہیں تو رد و قدح کیوں ہے، اور اگر جملہ حق نہیں ہے بلکہ حق دائر ہے اور اصل میں حق ایک ہی ہے تو کسی ایک کی آنکھ میچ کر جملہ مسائل میں پیچھے ہو رہنے کی اور باوجود قدرت تحقیق کے تحقیق نہ کرنے کی کیا وجہ ہے۔ جو بے چارہ اللہ و رسول (ﷺ) کے حکم کا متلاشی ہو اور اختلاف میں راجح کی جستجو کرے یا اُن کی اپنی طرف سے غاء ساز تعین مذہبی و تقلید شخصی کا التزام نہ کرے تو وہ مرد و گمراہ کیوں بنایا جاتا ہے۔

فطوبی للفرباء:

افسوس! غرباء اسلام کو جو اسلام کی عین تعلیم کے پیرو اور اس کے اصلی رنگ کے ساتھ رنگین ہیں، ان کو کیسا ذلیل و خوار سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کا کچھ قصور نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ وہ خالص اللہ اور رسول (ﷺ) ہی کی تابعداری کرنا چاہتے ہیں اور اللہ ہی کے واسطے طرح طرح کی زحماتیں اور محنتیں کی تہمتیں سہتے ہیں۔ اے اللہ! تو ان کو اور مضبوطی دے اور اتباع حق کی اور بھی زیادہ توفیق عنایت فرما۔ سوائے لوگو! ذرا غور اور انصاف سے کام لو۔ یہ دین کا معاملہ ہے، ایک دین ضرور یہ تمہارا سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔ ذرا اس سے ڈرو: {وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ} (۱)۔

ترجمہ: یعنی ڈرو اس دن سے جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو کمایا اس نے اور ان پر ظلم نہ کیا جاوے گا۔

ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ سب سے آخر میں یہی آیت اتری۔ اس کے نازل ہونے کے نو دن کے بعد رسول اللہ (ﷺ) نے وفات پائی۔ بعض روایات میں نو دن کے بجائے دوسرے عدد بھی بتائے گئے ہیں۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر وفتح الباری شرح صحیح بخاری (جہم اللہ تعالیٰ)۔

وَأَخِرُ دَعْوَانَا أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا

ناظرین کتاب ہذا کی خدمت میں چند ضروری التماس

(از مؤلف کتاب)

(۱) ہم کسی صاحب کو رائے نہیں دیتے کہ وہ اس کتاب کے متفرق مقامات دیکھ کر چھوڑ دیں اور اول سے آخر تک اس کو مع تن و حاشیہ کے نہ دیکھیں اس لئے کہ ایسا کرنے میں ہم کو خوف ہے کہ وہ بجائے فائدہ اٹھانے کے کتاب کے اصلی مدعا کے سمجھنے میں کہیں غلطی میں نہ پڑ جائیں۔ ٹھیک اس کتاب کے اغراض و مقاصد تک وہی پہنچ سکتا ہے جو کل کتاب کو ذرا غور کے ساتھ پڑھے۔ لہذا مناسب نہیں ہے کہ کوئی صاحب بلا کل کتاب ملاحظہ فرمائے ہوئے موافق یا مخالف رائے قائم کریں۔

(۲) صحیح بات کے قبول کرنے میں کسی آدمی کو دریغ نہ چاہئے اور حق کے مقابلے میں کسی طرح لائق نہیں ہے کہ کوئی اپنی بات پر ہٹ یا سخن پروری کو کام میں لائے۔ چونکہ یہ کتاب دینی مباحث میں لکھی گئی ہے اس واسطے اس میں اس بات کا خیال رکھنے کی اور زیادہ ضرورت ہے۔ ہم اپنے ناظرین کی خدمت میں بہت الحاح کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ کسی بات میں ہماری غلطی دیکھیں تو خاص طور پر ہم کو اطلاع دیں ہم بہت خوشی کے ساتھ حق بات قبول کرنے کو تیار ہیں اور طبع دوم میں یا اس سے قبل بذریعہ کسی اعلان کے ان شاء اللہ شکریہ کے ساتھ اس کی اصلاح کر دیں گے۔

(۳) ہم نے جو جا بجا اہل علم کے اقوال نقل کئے تو گو ہم بخوف طول ہر جگہ عبارات نہیں نقل کر سکے لیکن ترجمہ میں ضرور خیال رکھا کہ اس کے اصل مطلب سے کوئی بات نہ بڑھنے پائے۔ اور اگر

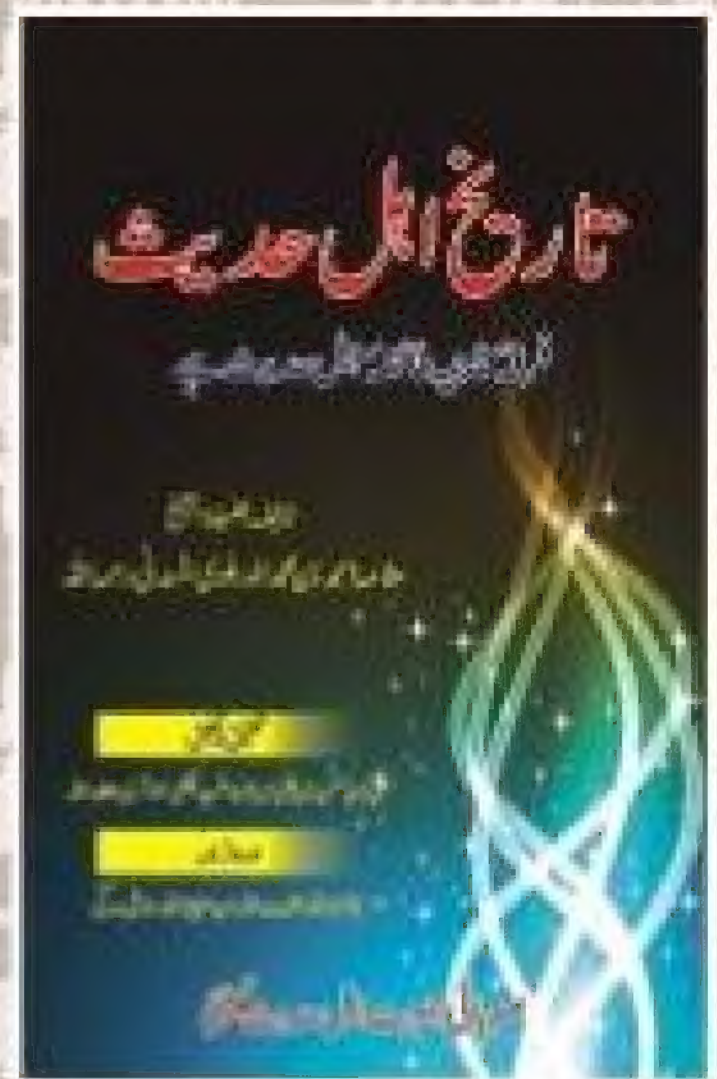
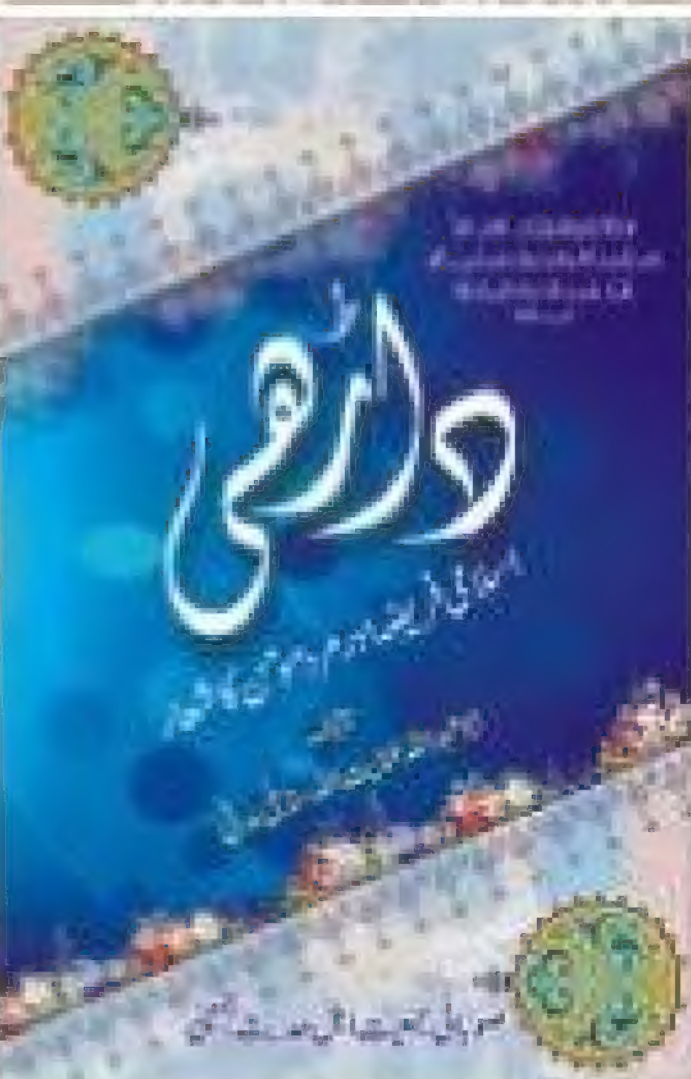
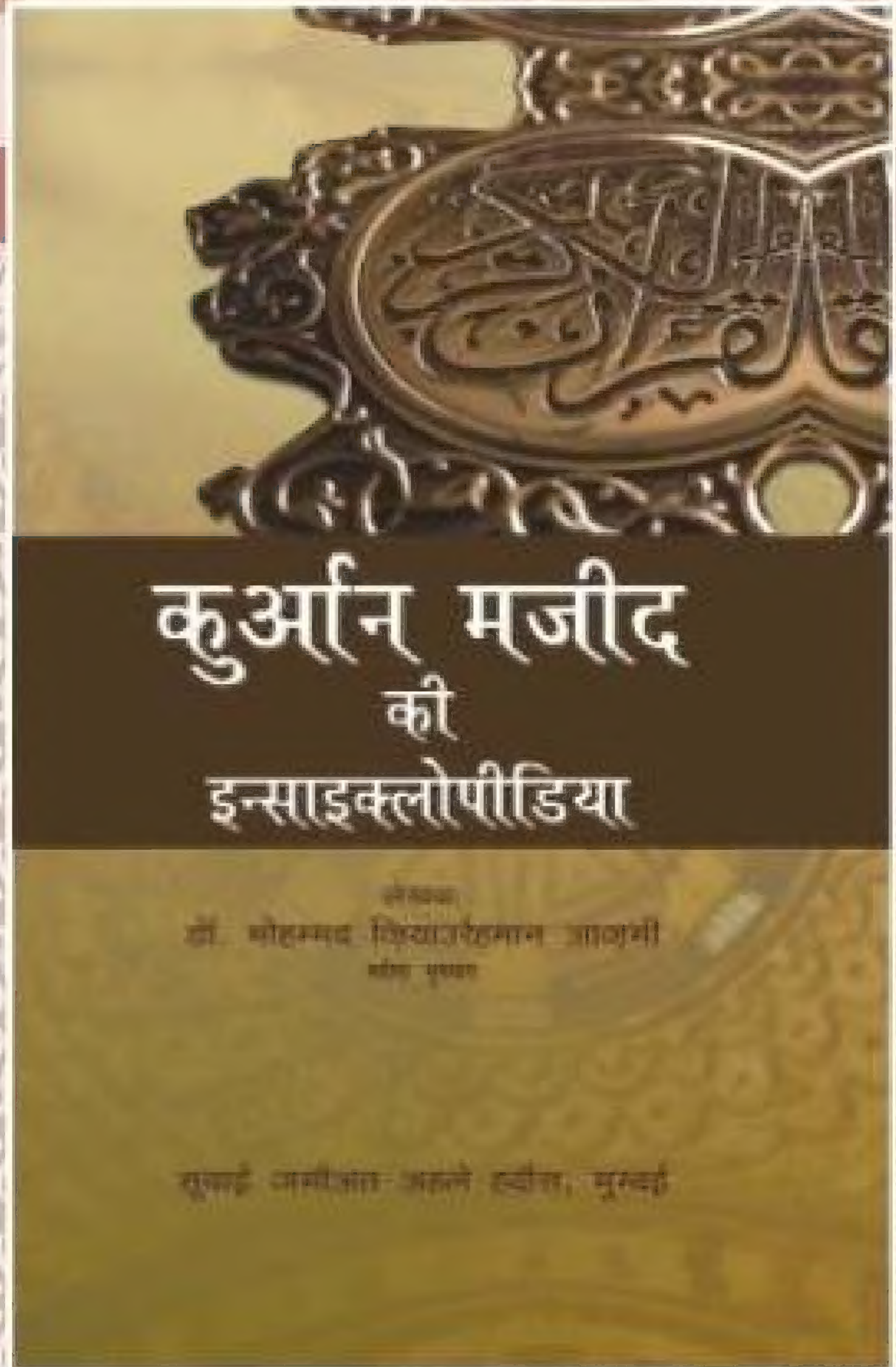
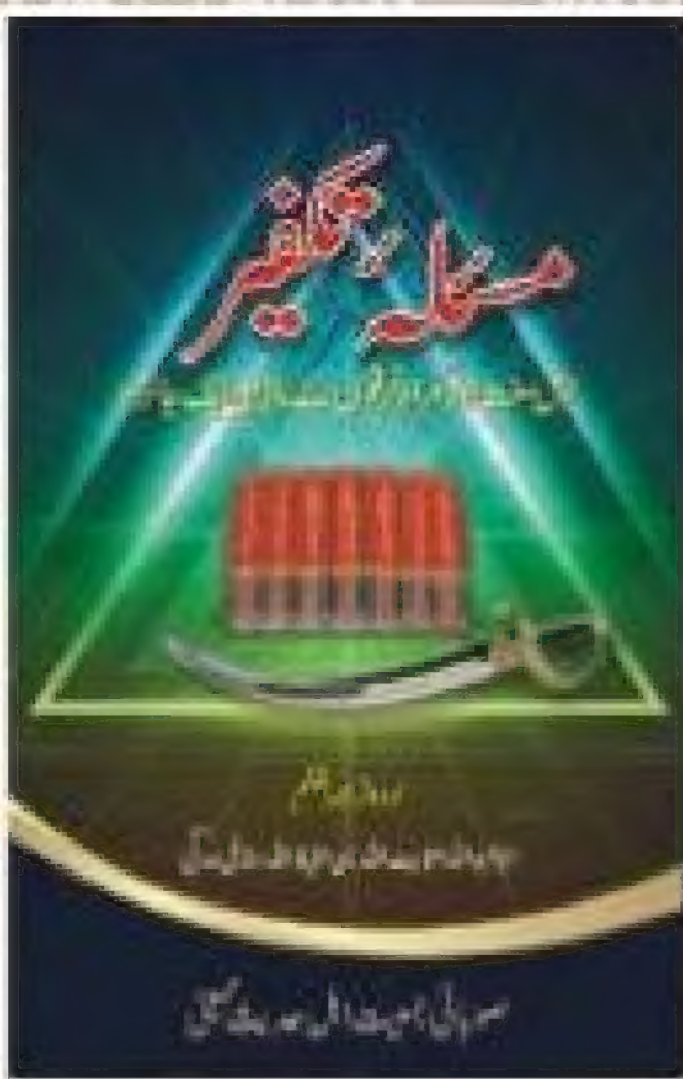
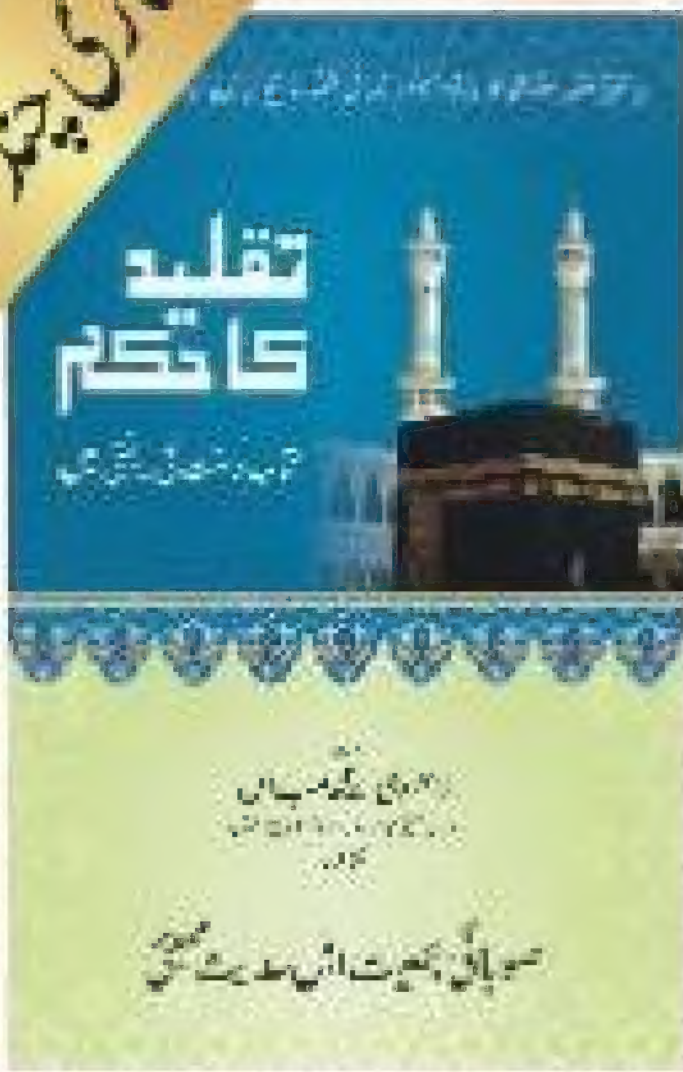
کہیں کوئی لفظ ایضاح مطلب کی غرض سے زائد لکھا تو خطوط ہلالی (بریکٹ) کے درمیان میں لکھا کہ ممتاز رہے اور جب قول ختم ہوا تو لفظ انتہی کا اس کے ختم کی علامت لکھ دیا۔ پس لفظ انتہی سے پہلے جو عبارت ہے وہ اسی کی ہے جس کا نام لے کر لکھی گئی اور بیشتر عبارات حاشیہ پر نقل بھی کر دیں، اور جہاں بخوف طول وغیرہ نقل نہ کر سکے حوالہ دے دیا۔ جس کو شک ہو اصل کی طرف رجوع کر لے۔

(۴) تاریخی امور مثل موالید و وفیات کے متعلق جو ہم نے سنن بیان کئے ممکن ہے کہ کسی صاحب کو تاریخ کی کسی کتاب میں اس سے کسی قدر تقدم یا تاخر کے ساتھ نظر پڑیں اس لئے کہ اس قسم کے اوقات کے بیان میں مورخین کا اختلاف بھی ہے اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ جو قول ہم نے اختیار کیا وہ سب سے اصح ہے اس لئے کہ اس کی تحقیق میں زائد وقت صرف کرنے کو ہم نے اپنے موضوع بحث کے لئے زیادہ ضروری نہیں پایا۔ کیونکہ اگر وہ ایک برس پہلے تو کیا اور پیچھے ہے تو کیا۔

(۵) جو باتیں ہم نے اس کتاب میں الزاماً اور فریق مقابل کے مسلمات سے نقل کیں ان کا ہم کو ثابت کرنا یا ہم کو مسلم ہونا ضرور نہیں۔



ہماری چند مطبوعات



SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chunawala Compound, Opp. BEST Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W)., Mumbai - 70.

Tel.: 2652 0077 Fax : 2652 0066 email : ahlehadeesmumbai@hotmail.com

www.ahlehadeesmumbai.org